

# مسلم شریف

## کی آسان شرح

جلد اول

- کتاب الایمان • کتاب النکاح
- کتاب الرضاع • کتاب الطلاق
- کتاب اللعان • کتاب العتق



مؤلف

مولانا طاہر اقبال اکی حساب  
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

افلاکات

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھروی صاحب مدظلہم  
مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی





# مسلم شریف

## کی آسان شرح

جلد اول

- کتاب الایمان • کتاب النکاح
- کتاب الرضاع • کتاب الطلاق
- کتاب اللعان • کتاب العتق

افکات

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھروی صاحب دہلی  
مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مفتی

مولانا طاہر اقبال اکی حبیب  
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلامیہ کراچی

## حقوق طبع محفوظ

باہتمام : شاہد محمود  
ناشر : مکتبۃ الاسلامیہ کراچی  
کورنگی، انڈسٹریل ایریا کراچی  
موبائل : 0300-8245793  
ویب سائٹ : www.sukkurvi.com

## ملنے کا پتہ

إِذَا زُكِرَ الْمَعْرَافَةُ بِهَرِ الْبَحْثِ  
احاطہ پبلیکیشنز اسلام آباد

موبائل : 0300- 2831960  
فون : 021- 35032020 / 021- 35123161  
ای میل : Imaarif@live.com



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۵	عصر کے بعد ۸۰ مرتبہ درود شریف پڑھنا۔	۲۳	پیش لفظ.....
۳۵	سورہ کہف پڑھنا.....	۲۵	سبق کے آغاز میں چند ہدایات اور نصیحتیں
۳۵	عصر کے بعد یا دالہی میں مشغول ہونا.....	۲۵	اخلاص سے پڑھنا.....
۳۷	سبق کے متعلق ضروری ہدایات.....	۲۵	دکھاوا اور ریاکاری کا عذاب.....
۳۹	آداب کی باتیں.....	۲۶	دو باتیں.....
۴۰	مقدمہ کی دو قسمیں ہیں.....	۲۷	وقت پر نماز ادا کرنے کی پابندی کرنا.....
۴۰	علم حدیث کے بارے میں.....	۲۷	نماز اہم عبادت ہے.....
۴۰	مقدمة العلم.....	۲۸	سنن و نوافل ادا کرنا.....
۴۰	حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنی.....	۲۹	دیگر معمولات.....
۴۰	حدیث کو حدیث کہنے کی تین وجوہات...	۳۰	تسبیحات اور ان کی نیتیں.....
۴۱، ۴۰	پہلی وجہ، دوسری وجہ، تیسری وجہ.....	۳۲	دورہ حدیث کے مناسب اعمال.....
۴۱	حدیث کا موضوع.....	۳۲	۱... درود شریف کی کثرت کرنا.....
۴۱	حدیث کی غرض و غایت.....	۳۲	درود شریف کے چند فضائل.....
۴۱	علم حدیث شریف کے فضائل.....	۳۳	۲... دوسرا عمل سنت کی پیروی کرنا ہے...
۴۳	علم حدیث حاصل کرنے کے آداب.....		۳... اپنے کپڑے اور جسم کو صاف ستھرا
۴۳	صحیح نیت کرنا.....	۳۳	رکھنا.....
۴۳	دعا اور ہمت.....		۴... ناخن، دانت اور بالوں کی صفائی
۴۳	تعظیمی الفاظ کا استعمال.....	۳۳	رکھنا.....
۴۴	اہتمام عمل.....	۳۴	۵... نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنا.....
۴۴	وسائل علم کا ادب.....	۳۴	جمعہ کے معمولات.....
۴۵	شرکاء علم کا احترام.....	۳۵	۱... درود شریف کی کثرت.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	حدیث کے بغیر قرآن کریم پر عمل ممکن	۴۵	استاذ کی تعظیم
۶۱	..... نہیں	۴۵	منکرین حدیث کے فتنے کا تعارف
۶۱	..... پہلی مثال	۴۶	حجیت حدیث کی کتابیں
۶۱	..... نماز پڑھنے کا طریقہ	۴۷	منکرین حدیث کا نظریہ
۶۲	..... دوسری مثال	۴۷	منکرین حدیث کے نظریہ کی تردید
	فرض نمازوں کی تعداد، اوقات اور		منکرین حدیث کا نظریہ اور انکی پہلی وجہ
۶۲	..... رکعات کی مقدار	۴۸	باطل ہے
۶۳	..... تیسری مثال	۴۸	پہلی بحث
۶۳	..... زکوٰۃ کی مقدار کا تعین	۴۸	پہلا حکم: حضور ﷺ پر ایمان لانا
۶۳	..... چوتھی مثال		دوسرا حکم: حضور ﷺ کے چار فرائض
۶۳	..... جنابت کی تعریف اور پاکی کا مفہوم	۵۰	اور ذمہ داریاں
۶۴	..... پانچویں مثال جج ہے	۵۲	تیسرا حکم: حضور ﷺ کی اطاعت کرنا
۶۴	..... خلاصہ بحث		چوتھا حکم: حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی
۶۴	..... چوتھی بحث	۵۳	سے بچنا
	احادیث طیبہ کی رو سے بھی سنت اور		پانچواں حکم: رسول کا اتباع کرنا اور آپ کا
۶۴	..... حدیث حجت ہے	۵۴	بہترین عملی نمونہ ہونا
۶۶	..... چار بحثوں کا خلاصہ	۵۶	پہلی بحث کا خلاصہ
	منکرین حدیث کے نظریہ کی دوسری وجہ	۵۷	دوسری بحث: وحی کی دو قسمیں ہیں
۶۶	..... بھی باطل ہے	۵۷	وحی کی پہلی قسم وحی متلو
۶۷	..... زبانی احادیث کا انکار عقلاً باطل ہے	۵۷	وحی کی دوسری قسم وحی غیر متلو
۶۷	..... پہلی مثال	۶۱	تیسری بحث



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۷۸	۱ ... دعوت اسلام کے خطوط	۶۷	دوسری مثال
۷۸	۲ ... سرکاری احکام و ہدایات	۶۸	تیسری مثال
۷۹	۳ ... گورنروں کو تحریری ہدایات	۶۹	خلاصہ بحث
۷۹	۴ ... مختلف دفود کو تحریری ہدایات		زبانی احادیث طیبہ کا انکار شرعاً بھی
۷۹	۵ ... کتاب الصدقہ	۶۹	باطل ہے
	۶ ... صحیفہ حضرت عمرو بن حزم رضی		احادیث اور سنت کو دو سو سال کے بعد
۸۰	اللہ تعالیٰ عنہ		لکھنے کی وجہ سے حجت نہ ماننا محض غلط اور
۸۰	۷ ... مفضل خطبہ لکھوانے کا حکم	۷۱	تاریخی جھوٹ ہے
	حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کی	۷۱	احادیث کی تین قسمیں
۸۱	اجازت سے احادیث لکھنا	۷۱	خبر متواتر
۸۲	منکرین حدیث کے ایک شبہ کا ازالہ	۷۲	خبر مشہور
۸۳	صحیفہ صادقہ	۷۳	خبر واحد
۸۳	صحیفہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۷۳	پہلی دو قسم کا حکم
۸۵	صحیفہ سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۷۴	تیسری قسم کا حکم
۸۶	تیسرا ذخیرہ حدیث	۷۴	حفاظت حدیث کے چند اور طریقے
	صحابہ کرامؓ کا اپنے شاگردوں کو	۷۴	۱ ... زبانی یاد کرنا
۸۶	احادیث لکھوانا	۷۶	۲ ... مذاکرہ کرنا
	حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسودہ	۷۷	۳ ... عمل کے ذریعہ حفاظت کرنا
۸۶	حدیث		منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ دو سو سال کے
۸۶	حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مسودہ حدیث	۷۷	بعد احادیث لکھی گئی ہیں، تاریخی جھوٹ
۸۷	حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مسودہ حدیث		اور غلط ہے
۸۷	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی احادیث	۷۸	آپ ﷺ کا اپنی زندگی میں احادیث
			لکھوانا



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۹۷	تصانیف.....		حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
۹۷	بخاری شریف اور مسلم شریف کا موازنہ.....	۸۸	احادیث.....
۹۷	مسلم شریف کی احادیث کی تعداد.....	۸۹	بشیر بن نہیک رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث
۹۸	مسلم شریف کے عنوانات.....	۸۹	ہمام بن منبہ کی احادیث.....
۹۸	مسلم شریف کی شروحات.....	۸۹	خلاصہ کلام.....
۹۸	۱۔ المنہاج.....	۹۰	منکرین حدیث کے بارے میں فتویٰ...
۹۸	۲۔ فتح الملہم.....	۹۰	الجواب.....
۹۸	۳۔ تکملة فتح الملہم.....	۹۲	۱۰۲۴ علماء امت کا متفقہ فتویٰ.....
۹۸	۴۔ الحل المفہم.....	۹۲	کتب حدیث کی چند اقسام.....
	مسلم شریف کو پڑھنے کا طریقہ، کچھ	۹۲	شعر کی تشریح.....
۹۹	ہدایات اور رموز اسناد.....	۹۳	صحیح مسلم شریف جامع ہے.....
۱۰۱	احقر کی سند حضرت امام مسلمؒ تک.....	۹۳	صحاح ستہ.....
۱۰۲	کتاب الایمان	۹۵	صحاح ستہ کے درجات.....
۱۰۲	پہلا مسئلہ.....	۹۵	صحاح ستہ کے مؤلفین کے مذاہب.....
	ایمان اور اسلام کے لغوی اور اصطلاحی		المحدث، الحافظ، الحجة اور
۱۰۲	معنی.....	۹۵	الحاکم کا بیان.....
	ایمان کے لئے اقرار باللسان اجراء احکام	۹۶	مقدمة الكتاب
۱۰۳	کے لئے شرط ہے.....	۹۶	تذکرہ حضرت امام مسلمؒ
۱۰۳	دوسرا مسئلہ.....	۹۶	نام و کنیت اور مقام ولادت.....
	اعمال کا ایمان سے تعلق اور اسلامی	۹۶	سماع حدیث.....
۱۰۴	فرقے.....	۹۶	موت و وفات کا سبب.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۱۰	ایک اشکال کا ازالہ	۱۰۴	اسلامی فرقے اور ان کا حکم
۱۱۱	چوتھا مسئلہ	۱۰۴	اسلامی فرقوں کا تعارف
۱۱۱	مخد اور زندیق کو کافر کہنے کا حکم	۱۰۴	اہل سنت والجماعت
۱۱۱	کفر کے لغوی و اصطلاحی معنی	۱۰۵	۱ ... معتزلہ
۱۱۲	کفر کی قسمیں	۱۰۵	۲ ... جبریہ اور جہمیہ
۱۱۵	پانچواں مسئلہ	۱۰۵	۳ ... قدریہ
۱۱۳	پہلی بحث	۱۰۶	۴ ... خوارج
۱۱۳	تقدیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۰۶	۵ ... روافض
۱۱۳	(۱) ... قدر	۱۰۶	۶ ... مرجعہ
۱۱۳	(۲) ... قضاء	۱۰۷	۷ ... کرامیہ
۱۱۴	۳ ... کسب	۱۰۷	اقرار باللسان اور عمل کا ایمان سے تعلق
۱۱۵	تقدیر پر ایمان لانے کا حکم	۱۰۷	پہلا مذہب
۱۱۶	مسئلہ تقدیر میں اختلاف	۱۰۷	دوسرا مذہب
۱۱۶	مذہب جبریہ	۱۰۸	ایک اشکال کا جواب
۱۱۶	مذہب قدریہ	۱۰۸	جواب
۱۱۷	مذہب اہل سنت والجماعت	۱۰۸	تیسرا مذہب
۱۱۸	جبریہ کی طرف سے ایک سوال	۱۰۸	چوتھا مذہب
۱۱۸	جواب	۱۰۹	ایک اشکال اور جواب
۱۱۹	تیسری بحث	۱۰۹	پانچواں مذہب
۱۱۹	تقدیر کی قسمیں	۱۱۰	مذکورہ مذاہب کا حکم
۱۱۹	تقدیر مبرم	۱۱۰	تیسرا مسئلہ
		۱۱۰	ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	باب بیان الصلوات التي هي احد	۱۱۹	تقدیر معلق
۱۵۵	ارکان الاسلام	۱۱۹	مسئلہ تقدیر کا آسان خلاصہ
۱۵۶	تین آداب معاشرت	۱۲۱	کتاب الایمان
۱۵۷	مرجہ کی تردید	۱۲۱	باب معرفۃ الایمان والاسلام
۱۵۷	و تر واجب ہے یا نہیں؟	۱۲۶	فرقہ تقدیر یہ کس طرح وجود میں آیا؟
۱۵۸	ایک سوال اور تین جواب	۱۲۶	مسئلہ تقدیر
۱۵۹	ایک سوال اور تین جواب	۱۲۸	تقدیر کی دو قسمیں
	بَابُ بَيَانِ الْإِيمَانِ الَّذِي يَدْخُلُ بِهِ	۱۳۳	حدیث جبریل کی اہمیت
۱۶۱	الْجَنَّةُ... الخ	۱۳۷	ایک سوال اور جواب
۱۶۲	اہم سبق	۱۴۲	احسان کی حقیقت اور اس کے درجات
۱۶۳	اہم فائدہ	۱۴۳	تفقہ گہری بصیرت کا نام ہے
۱۶۳	ایک سوال اور جواب	۱۴۳	علم کلام، فقہ اور احسان و سلوک
	باب بیان ارکان الاسلام	۱۴۴	ایک سوال اور جواب
۱۶۶	ودعائمه العظام	۱۴۴	ایک فائدہ
۱۶۷	ایک سوال اور دو جواب	۱۴۹	محکمہ موسمیات کی پیشین گوئی کی حیثیت
۱۶۸	ایک سوال اور ایک جواب	۱۵۰	الٹراساؤنڈ سے لڑکا اور لڑکی کا علم ہونا
	باب الامر بالایمان بالله تعالى	۱۵۰	مسئلہ علم غیب کا خلاصہ
۱۶۹	ورسوله وشرائع الدين		علم غیب کے بارے میں بریلوی عقیدہ
	وفد عبد القیس کے قبیلہ کا نام ربیعہ ہے	۱۵۲	کی حقیقت
	اور مضر بھی ایک قبیلہ ہے	۱۵۲	ایک سوال اور جواب
۱۷۳	ایک سوال اور دو جواب	۱۵۳	ایک سوال اور جواب
۱۷۳	سوال		
۱۷۳	جواب		



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۰۱	جہاد اسلام کا مقصد.....	۱۷۸	سول.....
	اس موضوع پر ہمارے اکابر کی چند	۱۷۸	جواب.....
۲۰۲	تصانیف.....	۱۸۰	ایک سوال، دو جواب.....
۲۰۲	مستشرقین سے ایک سوال.....	۱۸۲	فائدہ.....
	باب الدلیل علی صحة الاسلام		باب الدعاء الی الشہادتین
۲۰۳	من حضرہ الموت... الخ.....	۱۸۸	وشرائع الاسلام.....
۲۰۷	فائدہ.....	۱۹۱	باب الامر بقتال الناس... الخ.....
	باب الدلیل علی من مات علی	۱۹۲	ایک سوال اور ایک جواب.....
۲۰۸	التوحید دخل الجنة.....	۱۹۳	ایک سوال اور ایک جواب.....
۲۱۰	ایک سوال اور ایک جواب.....	۱۹۵	ایک سوال اور ایک جواب.....
۲۱۵	ایک سوال اور ایک جواب.....	۱۹۵	اہم فائدہ.....
۲۱۸	زندگی بھر حدیث نہ سنانے کی وجہ.....		کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا
۲۲۰	حضرت معاذ کو آواز دینے کی وجہ.....	۱۹۶	ہے؟.....
۲۲۰	سوال.....	۱۹۶	مستشرقین کون ہیں؟.....
۲۲۰	جواب.....	۱۹۷	مستشرقین کا اعتراض.....
۲۲۱	ایک سوال اور دو جواب.....	۱۹۷	ان کے اعتراض کی ظاہر اذدلیلیں.....
۲۲۱	جواب.....	۱۹۷	پہلی دلیل.....
۲۲۲	ایک تعارض کا ازالہ.....	۱۹۸	دوسری دلیل.....
۲۲۳	مشہور اختلافی مسئلہ.....	۱۹۸	یہ اعتراض غلط نہیں اور دھوکہ دہی پر مبنی ہے
۲۲۹	چند سوالات اور ان کے جوابات.....	۲۰۰	کفار سے لڑائی نہ کرنے کی چار صورتیں.....
۲۳۲	سند کی دو لطیف باتیں.....	۲۰۰	جہاد کی دو قسمیں، اقدامی اور دفاعی.....
		۲۰۱	مشرکین عرب کے لئے قتال سے بچنے
			کی دو صورتیں.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۵۰	باب بیان خصال من اتصف بہ	۲۳۴	ایک سوال اور ایک جواب.....
	وجده حلاوة الايمان.....		باب بیان عدد شعب
۲۵۱	سوال وجواب.....	۲۳۶	الايمان... الخ.....
	باب وجوب محبة رسول الله	۲۳۷	ایک تعرض اور تین جواب.....
۲۵۲	صلی اللہ علیہ وسلم.....	۲۳۸	ایمان کے کتنے شعبے ہیں؟.....
	باب الدلیل علی أن من خصال	۲۳۹	ایک مشہور سوال وجواب.....
۲۵۳	الايمان... الخ.....	۲۳۹	حیاء کی قسمیں.....
۲۵۴	باب بیان تحریم ایذاء الجار....	۲۴۰	حیاء طبعی و عرفی کی تعریف.....
	باب الحث علی اکرام الجار	۲۴۰	حیاء شرعی کی تعریف.....
۲۵۴	والضيف ولزوم السکوت... الخ	۲۴۰	حیاء شرعی دوسری تعریف.....
	باب بیان کون النهی عن المنکر	۲۴۰	حیاء شرعی تیسری تعریف.....
۲۵۶	من الايمان... الخ.....	۲۴۲	ایک سوال اور جواب.....
۲۶۲	ایک سوال اور جواب.....	۲۴۲	جواب.....
	باب تفاضل أهل الايمان فيه	۲۴۳	حیاء پیدا کرنے کا طریقہ.....
۲۶۴	ورجحان اهل اليمن فيه.....	۲۴۴	باب جامع أوصاف الاسلام.....
۲۶۵	سوال.....		باب تفاضل الاسلام وای
۲۶۵	جواب.....	۲۴۵	امورہ... الخ.....
۲۶۷	سوال.....	۲۴۷	ایک سوال اور ایک جواب.....
۲۶۷	جواب.....	۲۴۸	ایک وضاحت.....
	باب بیان أنه لا یدخل الجنة الا	۲۴۹	ایک تعارض کا ازالہ.....
۲۷۰	المؤمنون... الخ.....		
۲۷۱	باب بیان الدين النصیحة.....		

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	باب اطلاق اسم الکفر علی من	۲۷۳	ولو الامر سے کون مراد ہیں؟
۲۹۹	ترک الصلاة.....	۲۷۵	سوال.....
	باب بیان کون الایمان باللہ	۲۷۵	جواب.....
۳۰۰	تعالیٰ افضل الاعمال.....		باب بیان نقصان الایمان
	باب بیان کون الشرک اقبح	۲۷۶	بالمعاصی... الخ.....
۳۰۲	الذنوب و بیان اعظمها بعدہ.....	۲۷۷	ایک اشکال کے دو جواب.....
۳۰۳	ضبط ولادت کی شرعی حیثیت.....	۲۷۹	باب خصال المنافق.....
۳۰۵	باب الکبائر و اکبرها.....		باب بیان حال ایمان من قال
۳۰۷	باب تحریم الکبر و بیانہ.....	۲۸۱	لأخیه المسلم یا کافر.....
۳۰۸	ایک سوال اور جواب.....		باب بیان حال ایمان من رغب
	باب الدلیل علی أن من مات	۲۸۳	عن ابیه... الخ.....
۳۰۹	لا یشرک باللہ.....		باب قول النبی ﷺ سباب
	باب تحریم قتل الکافر بعد قوله	۲۸۷	المسلم فسوق وقتاله کفر.....
۳۱۰	لا اله الا الله.....		باب بیان معنی قول النبی ﷺ
۳۱۲	سوال.....	۲۸۷	لا ترجعوا بعدی کفاراً... الخ.....
۳۱۲	جواب.....	۲۸۸	ایک تنبیہ.....
	باب قول النبی ﷺ من حمل	۲۹۰	باب تسمیۃ العبد الابق کافراً...
۳۱۹	علینا السلاح.....	۲۹۲	باب بیان کفر من قال مطرنا
	باب قول النبی ﷺ من غش		بالنوء ..
۳۲۰	فلیس منا.....	۲۹۴	باب نقصان الایمان بنقص
	باب تحریم ضرب	۲۹۸	الطاعات... الخ.....
۳۲۰	الحدود... الخ.....	۲۹۸	ایک سوال اور جواب.....
			تنبیہ.....



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	باب بیان حکم عمل الکافر اذا	۳۲۱	باب بیان غلط تحریم النمیمہ..
۳۲۶	اسلم بعده... الخ.....	۳۲۳	نجسیت اور چغل خوری میں فرق.....
	باب صدق الایمان		باب بیان غلط تحریم اسبال
۳۲۸	واخلاصہ... الخ.....	۳۲۳	الازار... الخ.....
	تفسیر و تشریح کے لئے محض ترجمہ جاننا		باب غلط تحریم قتل الانسان
۳۲۸	ضروری نہیں.....	۳۲۷	نفسہ... الخ.....
	باب بیان تجاوز اللہ عن حدیث	۳۳۵	باب تحریم الغلول... الخ.....
۳۳۹	النفس... الخ.....		باب الدلیل علی أن قاتل نفسه
	باب بیان الوسوسة فی	۳۳۷	لا یکفر... الخ.....
۳۵۲	الایمان... الخ.....		باب الريح التي تكون فی قرب
	باب وعید من اقتطع حق مسلم	۳۳۹	القیامة... الخ.....
۳۵۴	بیمین فاجرة بالنار.....		باب الحث علی المبادرة بالاعمال
	باب الدلیل علی أن من قصد	۳۳۹	قبل تظاهر الفتن.....
۳۵۷	أخذ مال غیرہ... الخ.....		باب مخافة المؤمن أن یحبط
	باب استحقاق الوالی الغاش	۳۴۰	عملہ... الخ.....
۳۵۸	لرعية النار.....		باب هل یؤخذ بأعمال
	باب رفع الأمانة والایمان من	۳۴۲	الجاهلیة؟.....
۳۵۹	بعض القلوب... الخ.....		باب کون الاسلام یهدم ما کان
	باب بیان أن الاسلام بدأ غریباً	۳۴۲	قله... الخ.....
۳۶۴	ومیعود غریباً... الخ.....		حضرت عمرو بن العاصؓ کا تعارف اور
۳۶۵	باب ذهاب الایمان آخر الزمان.	۳۴۴	مقام.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۸۵	باب بدء الوحي الى رسول الله ﷺ	۳۶۶	باب حواز الاستسرار بالايمان للحائف
۳۸۹	حسن اور جمال میں فرق	۳۶۷	ایک سوال اور دو جواب
۳۹۷	حیات النبی کی وجہ سے بعض دنیوی احکام کا جاری ہونا	۳۶۷	مردم شہری کی اصل
۳۹۸	(۱) ... حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ کا جامع خلاصہ	۳۶۸	باب تألف قلب من يخاف على ايمانه لضعفه... الخ
۳۹۸	(۲) ... قبر میں حضرات انبیاء کرام کی حیات کا مطلب	۳۷۰	باب زیادة طمانينة القلب بتظاهر الأدلة
۳۹۹	(۳) ... حیات انبیاء کے دلائل	۳۷۲	باب وجوب الايمان برسالة نبينا محمد ﷺ الى جميع الناس... الخ
۴۰۷	باب معنی قول الله عز وجل: "ولقد راه نزلة اخرى... الخ"	۳۷۳	ایک سوال اور دو جواب
۴۰۸	اللہ تعالیٰ کی زیارت کا مسئلہ	۳۷۵	باب نزول عيسى ابن مريم عليه السلام حاكما بشريعة نبينا... الخ
۴۱۰	آیت: "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ" کی تشریح	۳۷۸	عذات قیمت
۴۱۵	باب اثبات رؤية المؤمنين في الآخرة ربهم سبحانه وتعالى	۳۷۹	عذات جمید
۴۲۷	باب اثبات الشفاعة وخراج الموحدين من النار	۳۷۹	عذات متوسطہ
۴۴۰	امانت کا مفہوم	۳۸۰	عذات تقریبیہ
۴۴۲	ایک سوال اور جواب	۳۸۲	ایک سوال دو جواب
			باب بیان الزمن الذي لا يقل فيه الايمان

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۶۴	نکاح کا حکم اور اس کے درجات ..	۳۴۳	باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لأمتہ الخ .....
۳۶۵	نکاح افضل ہے یا عبادت .....	۳۴۴	باب بیان أن من مات علی الکفر فہو فی النار الخ .....
۳۶۵	نکاح کے چند مستحبات .....	۳۴۹	باب شفاعۃ النبی ﷺ لأبی طالب ... الخ .....
۳۶۶	باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیہ ... الخ .....	۳۵۱	دواشکال دو جواب .....
۳۶۷	جوانی کی آخری حد .....	۳۵۱	باب الدلیل علی أن من مات علی الکفر لا ینفعہ عملہ .....
۳۶۸	نکاح کے دو بڑے فائدے .....	۳۵۲	باب موالاة المؤمنین ومقاطعة غیرہم ... الخ .....
۳۷۱	حدیث شریف کا مطلب .....	۳۵۲	باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة بغیر حساب ولا عذاب .....
۳۷۱	مرد کا خفی ہونا حرام ہے .....	۳۵۶	ایک سوال اور جواب .....
۳۷۲	جانور کو خفی کرنا جائز ہے .....	۳۵۸	باب بیان کون هذه الأمة نصف أهل الجنة .....
۳۷۲	رہبانیت خلاف فطرت ہے .....	۳۶۲	کتاب النکاح
۳۷۳	باب ندب من رای امرأة فوقع فی نفسه الخ .....	۳۶۲	نکاح کے لغوی واصطلاحی معنی .....
۳۷۴	باب نکاح المتعة و بیان انه ابیح ثم نسخ ... الخ .....	۳۶۳	نکاح کی عظمت اور اہمیت .....
۳۷۵	متعد کا مسئلہ .....	۳۶۳	نکاح کے چند فوائد .....
۳۷۵	متعد کے لغوی معنی .....		
۳۷۵	متعد کے اصطلاحی معنی .....		
۳۷۶	نکاح موقت کی تعریف .....		
۳۷۶	نکاح متعد اور نکاح موقت میں فرق .....		
۳۷۶	نکاح موقت کا حکم .....		



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	باب استیذان الثیب فی النکاح	۴۷۶	متعہ کا حکم.....
۴۸۹	بالنطق والبکر بالسکوت.....	۴۷۷	متعہ کی حرمت کتاب اللہ سے.....
۴۹۱	بغیر ولی کے نکاح کرنے کا حکم.....		متعہ کی حرمت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے.....
	حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دلائل: آیات	۴۷۷	متعہ کی حرمت اجماع سے.....
۴۹۲	مبارکہ.....	۴۷۷	متعہ کی حرمت قیاس سے.....
۴۹۲	احادیث طیبہ.....	۴۷۸	روافض کے نزدیک متعہ کا جائز ہونا.....
۴۹۳	ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات.....	۴۷۸	روافض کے دلائل.....
	باب جواز تزویج الاب البکر	۴۷۸	پہلی دلیل: قرآن کریم کی آیت.....
۴۹۴	الصغيرة.....	۴۷۸	دوسری دلیل: احادیث.....
	باب استحباب الزوج وتزویج	۴۷۹	روافض کے دلائل کا جواب.....
	فی شوال واستحباب الدخول	۴۷۹	آیت کا جواب.....
۴۹۷	فیہ.....	۴۷۹	احادیث کا جواب.....
	باب ندب النظر من اراد نکاح		باب تحریم الجمع بین المرأة
۴۹۸	امراة الى... الخ.....	۴۸۳	وعمتها... الخ.....
۴۹۹	منسوبہ کو ایک نظر دیکھنے کا حکم.....		باب تحریم نکاح المحرم
۴۹۹	ایک اشکال اور جواب.....	۴۸۵	و کراہتہ خطبتہ.....
	باب الصداق وجواز کونہ تعلیم	۴۸۵	حالت احرام میں نکاح کرنے کا حکم.....
۵۰۱	القرآن.....		باب تحریم نکاح الشغار
۵۰۱	مہر کا بیان.....	۴۸۶	وبطلانہ.....
۵۰۱	مہر کی دو قسمیں.....	۴۸۹	باب الوفاء بالشروط فی النکاح

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۲۶	کیا حلالہ کرنا موجب لعنت ہے۔	۵۰۲	مہر کی شرعی مقدار.....
	باب ما يستحب ان يقول عند	۵۰۲	مہر کی کم سے کم مقدار.....
۵۲۷	الجماع.....	۵۰۳	ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب.....
	باب جواز جماعہ امرأته فی قبلها	۵۰۶	اپنی ذات ہبہ کرنے سے نکاح کا حکم.....
۵۲۷	الخ.....		قرآن کریم کی تعلیم مہر بن سکتی ہے یا
۵۲۸	ایک غلط عقیدہ کی تردید.....	۵۰۷	نہیں؟.....
	باب تحریم امتناعها من فراش		باب فضیلة اعتاقه امته ثم
۵۲۹	زوجها.....	۵۰۹	یتزوجها.....
۵۳۰	باب تحریم افشاء السر المرأة...	۵۱۱	مرد کی ران ستر میں داخل ہے یا نہیں؟...
۵۳۰	باب حکم العزل.....	۵۱۳	حضرت صفیہ کا تعارف.....
۵۳۲	مسئلہ عزل کی مختصر تفصیل.....	۵۱۴	آزاد ہونا مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟.....
۵۳۲	عزل کرنے میں فقہاء کرام کا اختلاف..		باب زواج زینب بنت جحش
۵۳۳	احادیث عزل میں تعارض.....	۵۱۹	الخ.....
۵۳۳	عزل کرنا کن عورتوں سے جائز ہے؟.....		باب الامر باجابة الداعی الی
۵۳۴	خاندانی منصوبہ بندی.....	۵۲۱	دعوة.....
	باب تحریم وطی الحامل	۵۲۲	ولیمہ کی مدت.....
۵۳۵	المسبۃ.....	۵۲۲	ولیمہ کا حکم.....
۵۳۶	استبراء کا حکم.....		ولیمہ کی دعوت یا کسی دوسری دعوت کے
۵۳۷	باب جواز الغیلة... الخ.....	۵۲۳	قبول کرنے کا حکم.....
۵۳۹	کتاب الرضاع		باب لا تحل المطلقة ثلاثا
۵۳۹	رضاعت کا حکم.....	۵۲۵	لمطلقها.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۲۲	کم سے کم باری کی مقدار کتنی ہے؟ .....	۵۳۹	مدت رضاعت کا بیان .....
۵۲۲	سفر اور محبت میں برابری کا حکم نہیں .....		حرمت رضاعت میں دودھ کی مقدار میں
	باب القسم بین الزوجات	۵۴۰	اختلاف .....
۵۲۲	وبیان... الخ .....		حضرت شوافع اور اصحاب ظاہر کی دلیل کا
	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بکثرت عورتوں	۵۴۱	جواب .....
۵۲۳	سے نکاح کرنے کی حکمت .....	۵۴۳	ایک تعارض کا ازالہ .....
۵۲۷	باب جواز ہبتھا نوبتھا لضربتھا.	۵۴۵	ربیبہ سے نکاح حرام ہے .....
۵۲۸	حضرت سودہ کو طلاق دینے کی حکمت .....		باغ شخص کو دودھ پلانے سے حرمت
	لفظ حبہ سے نکاح ہونے یا نہ ہونے کا	۵۴۸	رضاعت ثابت نہ ہوگی .....
۵۷۱	مسئلہ .....	۵۵۱	باب انما الرضاۃ من المجاعة..
۵۷۳	باب نکاح ذات الدین .....		باب جواز وطی المسببۃ بعد
	خوبصورتی، مالداری اور اعلیٰ خاندان ہونا	۵۵۲	الاستبراء... الخ .....
۵۷۴	بے حقیقت نہیں .....		باب الولد للفراش وتوفی
۵۷۵	باب استحباب نکاح البکر .....	۵۵۳	الشبهات... الخ .....
	نکاح کی تقریب میں لوگوں کو بلانے میں	۵۵۶	باب العمل بالحقائق القائف الولد
۵۷۶	اعتدال .....	۵۵۸	قیاس شناس کے قول سے ثبوت نسب کا حکم
۵۷۸	ایک سوال اور جواب .....		باب قدر ما تستحقہ البکر
۵۷۹	ایک اشکال اور جواب .....	۵۵۹	والثیب الح .....
۵۸۱	باب الوصیۃ بالنساء .....	۵۶۰	متعدد بیویوں میں باری مقرر کرنے کا حکم
	عورت کا نیزھی پسلی سے پیدا ہونے کا		حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر باری مقرر کرنا
۵۸۲	صحیح مفہوم .....	۵۶۱	واجب نہ تھا .....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۱۷	مسئلہ ایلاء.....	۵۸۷	کتاب الطلاق
۶۱۸	باب المطلقة البائن لا نفقة لها	۵۸۷	صداق کے لغوی و اصطلاحی معنی اور قسمیں
۶۱۹	عورت کا نامحرم مرد کو دیکھنے کا حکم.....	۵۸۸	طلاق رجعی اور حکم.....
۶۲۱	معتدہ کے نفقہ اور سکنتی کا حکم.....	۵۸۸	طلاق بائن اور حکم.....
	باب جواز خروج المعتدة البائن و	۵۸۸	طلاق مغلظہ اور حکم.....
۶۲۵	المتوفی عنها زوجها فی النهار...	۵۸۸	طلاق دینے میں راہ اعتدال.....
۶۲۶	بیوہ معتدہ کا دن میں گھر سے نکلنے کا حکم...		باب تحریم طلاق الحائض بغیر
	باب انقضاء عدة المتوفی عنها	۵۹۰	رضاعا... الخ.....
۶۲۶	زوجہا وغیرہا بوضع الحمل...	۵۹۱	حالت حیض میں طلاق دینے کا حکم.....
	باب وجوب الاحداد فی عدة	۵۹۱	پہلا مسئلہ.....
۶۲۷	الوفات.....	۵۹۲	دوسرا مسئلہ.....
۶۳۱	کتاب اللعان	۵۹۷	باب طلاق الثلاث.....
۶۳۱	لعان کے لغوی و اصطلاحی معنی.....	۵۹۸	پہلا مسئلہ.....
۶۳۲	لعان کا حکم.....	۵۹۸	ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں.....
۶۳۲	لعان کی حکمت.....	۵۹۹	دوسرا مسئلہ.....
۶۳۵	لعان سے تفریق ہونے کا مسئلہ.....	۵۹۹	ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے تینوں
	بیوی کے ساتھ کسی کو بدکاری کرتا دیکھ کر	۶۰۱	واقع ہو جاتی ہیں.....
۶۴۱	قتل کرنے کا حکم.....		غیر مقلدوں کے دلائل کا جواب.....
۶۴۳	کتاب العتق	۶۰۲	باب وجوب الکفارة علی من
۶۴۳	عتق کے لغوی و اصطلاحی معنی.....	۶۰۲	حرم امراتہ ولم ینو الطلاق.....
۶۴۳	عتق و غلامی کی حکمت.....		بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مسئلہ.....
۶۴۳	عتق کا حکم اور شرط.....	۶۰۶	باب بیان ان تخیرہ امراتہ
			لا یكون طلاقا الا بالنية.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
		۶۳۵	اسلام میں غلامی کا مقام.....
		۶۳۵	غلام و باندی ہونے کی شرط.....
		۶۳۶	غلاموں کے حقوق.....
		۶۳۶	غلام آزاد کرنے کی ترغیب.....
			آج کل شرعی غلام و باندی نہ ہونے کی
		۴۶۷	وجہ.....
		۶۳۸	مشترک غلام کا حصہ آزاد کرنے کا حکم.....
			باب الولاء لمن اعتق.....
		۶۵۳	باب النہی عن بیع الولاء و ہبتہ..
			باب تحریم تولی العتق غیر
		۶۵۳	موالیہ.....
		۶۵۶	باب فضل العتق.....
		۶۵۸	باب فضل عتق الوالد.....
			جلد اول فہرست مکمل





## پیش لفظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى  
رَسُولِهِ الْأَمِينِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ.

أَمَّا بَعْدُ!

کیم ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ میں دورہ حدیث کا پہلا سبق مسلم شریف جلد ثانی از کتاب الفضائل  
تا آخر مدرسۃ البنات شعبہ دارالعلوم کراچی میں احقر کے پاس آیا، اور الحمد للہ تعالیٰ چند سالوں تک  
یہ درس ہوتا رہا پھر یہ سبق طلباء دورہ حدیث میں منتقل ہوا، جہاں کتاب الجہاد والسیر سے ختم کتاب  
تک یہ درس ہوتا ہے اور اب تک الحمد للہ تعالیٰ جاری ہے۔

اور اکیس ۲۱ سال کے بعد ۲۹ شوال ۱۴۳۸ھ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلم شریف جلد  
اول کتاب الایمان، اور کتاب النکاح سے ختم تک دورہ حدیث کی طالبات کے لئے یہ مبارک سبق  
احقر کے پاس آیا ہے، اللہ پاک اس کو آسان فرمائیں اور قبول فرمائیں، آمین

شعبہ تعلیمات کی طرف سے جب یہ سبق احقر کے پاس آیا تو اسی وقت دل میں ارادہ ہوا کہ  
مسلم شریف جلد اول اور جلد ثانی کے ان منتخب ابواب کی مختصر اور آسان تشریح ساتھ ساتھ لکھ لی جائے  
اور کمپوز کروا کر اس کو قابل اشاعت بنایا جائے تاکہ دورہ حدیث کے طلباء اور طالبات کے لئے آسانی  
ہو جائے اور وہ اس کی مدد سے مسلم شریف کی دونوں جلدوں کے منتخب ابواب بآسانی سمجھ سکیں۔ احقر نے  
اس کی تشریح و توضیح کے لئے شرح النووی فتح الملہم، تکرار فتح الملہم اور درس مسلم کو بطور خاص سامنے رکھا  
ہے بلکہ اس کا مقدمہ العلم اور مقدمہ الكتاب اور کتاب الایمان تقریباً درس مسلم کی تلخیص اور تسہیل  
ہے، کیونکہ اس کی شرح کے لئے یہ نہایت کافی و ثانی تھی اور کہیں کہیں دوسری شروح سے بھی استعاذہ کیا  
ہے جیسے مرقات شرح مشکوٰۃ، شرح الطیبی وغیرہ۔ اور کتاب النکاح سے لے کر کتاب العتق تک فتح  
الملہم اور دیگر شروحات سے مرتب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اللہ پاک اس کاوش کو قبول فرمائیں، طلباء اور طالبات کے واسطے احادیث طیبہ اور ان کے متعلق احکام و مسائل کو سمجھنا آسان فرمائیں اور ان کے لئے نافع اور مفید بنائیں اور اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، آمین،

مولانا طاہر اقبال صاحب زادہ اللہ علماً و عملاً کو اللہ پاک نے تخریج و تعلیق کا ذوق عطا فرمایا ہے، اور اس سے پہلے مسلم شریف جلد ثانی کی آسان شرح کی دو جلدوں پر یہ کام بخوبی کر چکے ہیں، بندہ نے ان سے اس پر بھی یہ کام کرنے کی درخواست کی جو انہوں نے بخوشی قبول کی اور یہ اہم کام انہوں نے ماشاء اللہ بحسن و خوبی انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، اور اس کاوش کو قبول فرما کر طالبات کے لئے نافع اور مفید بنائیں، آمین بحرمۃ سید المرسلین و خاتم النبیین محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین۔

بندہ عابد و خائف

بندہ عابد و خائف کھروی عفا اللہ عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۸ رذوالقعدہ بروز جمعہ ۱۴۳۸ھ

## سبق کے آغاز میں چند ہدایات اور نصیحتیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى۔ اَمَّا بعد!

مسلم شریف جلد اول کے شروع میں چند ضروری باتیں بیان کی جاتی ہیں، ان کو پوری توجہ اور عمل کرنے کی نیت سے سنیں۔ ان باتوں پر عمل کرنا بہت نافع اور بہت مفید ہے۔ اور تمام علوم کے حاصل کرنے میں معاون اور مددگار ہے۔ خاص طور سے علم حدیث حاصل کرنے میں یہ باتیں بہت کار آمد ہیں۔

## اخلاص سے پڑھنا

پہلی بات وہ ہے جو ہر سال تقریباً بخاری شریف کے افتتاحی سبق میں حضرت صدر صاحب دامت برکاتہم بیان فرمایا کرتے ہیں، اور دیگر اساتذہ کرام بھی عام طور پر اپنے سبق کے شروع میں بیان فرماتے ہیں اور ناچیز کا بھی سبق کے شروع میں ان کو بیان کرنے کا معمول ہے وہ یہ ہے کہ ہم سب علم حدیث اور مسلم شریف پڑھنے سے پہلے اپنی اپنی نیت درست کر لیں اور درست نیت یہ ہے کہ ہم صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے پڑھیں، جس میں احادیث طیبہ کو صحیح طریقے سے پڑھنا، اور اس کا صحیح مطلب اور مفہوم سمجھنا، اور جو حدیث فی الحال قابل عمل ہو، اس پر عمل کرنا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ موقع عطا فرمائیں تو ان احادیث کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔ لہذا شہرت، نام و نمود، دکھاوا، اور اپنے آپ کو عالم و فاضل اور عالمہ و فاضلہ کہلانے، لوگوں کی نظر میں محترم اور بڑا بننے کی غرض سے یا اور کسی دنیاوی مقصد کے لئے پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ ناموری اور شہرت اور ریاکاری حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور جس کا بڑا عذاب ہے۔

## دکھاوا اور ریاکاری کا عذاب

چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے: دوزخ میں ایک وادی ہے جس کا نام ”جُبُّ الحزن“ ہے یعنی غم کی وادی، اس وادی کے بارے میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت فرمایا کہ تم جانتے ہو ”جُبُّ الحزن“ کسے کہتے ہیں؟ صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ”جُبُّ الحزن“ جہنم کی ایک داوی کا نام ہے۔ جس میں اتنا سخت عذاب ہے کہ جہنم خود اس وادی سے روزانہ (۴۰۰) چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اس میں کون لوگ جائیں گے؟ اور کن لوگوں کو اس کا عذاب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے ریاکار اس میں ڈالے جائیں گے۔<sup>(۱)</sup> (العیاذ باللہ)

اسی طرح مسلم شریف کی ایک روایت ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن چار آدمی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے۔ (۱) عالم (۲) قاری (۳) مجاہد (۴) سخی۔ ان چاروں سے اللہ تعالیٰ یکے بعد دیگرے دریافت فرمائیں گے کہ بتاؤ میں نے تمہیں علم دیا۔ اپنے راستے میں جہاد کی توفیق دی، قرآن کریم پڑھنے سے نوازا، اور مال دیا یعنی سخی کو مال دیا، تم بتاؤ! تم نے میرے واسطے کیا کیا؟ عالم جواب دے گا کہ یا اللہ! آپ نے مجھے علم دیا میں نے زندگی بھر پڑھا اور پڑھایا۔ مجاہد کہے گا کہ میں نے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ قاری کہے گا کہ میں نے خوش الحانی کے ساتھ قرآن کریم پڑھا اور ساری زندگی پڑھا تا رہا، سخی کہے گا کہ آپ نے مجھے جو مال دیا میں نے اُسے آپ کے راستے میں خوب خرچ کیا۔

اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ سب جھوٹ اور غلط ہے۔ یہ سب کچھ تم نے میرے واسطے نہیں کیا تھا محض اپنا نام روشن کرنے کے لئے کیا تھا، اور عالم، مجاہد قاری اور سخی کہلانے کے لئے کیا تھا اور دنیا میں تم کو ایسا کہہ دیا گیا۔ اور حکم ہوگا کہ ان کو الٹا کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ان چار آدمیوں کے ذریعہ دوزخ کا افتتاح ہوگا۔<sup>(۲)</sup> (العیاذ باللہ)

یہ ہے دکھاوے اور ریاکاری کا انجام، اس لئے سب اپنی اپنی نیت درست کر لیں اور جو صحیح نیت بتائی گئی ہے اُسے اختیار کریں۔

## دو باتیں

چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھنا مقصود ہے، لہذا اب ایسی باتیں بتائی جائیں گی جن کا تعلق عمل سے ہے۔ جن میں سے بعض کا تعلق ہماری ذات سے ہے اور بعض کا کتاب سے ہے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب العلم الفصل الاول، رقم الحديث ۲۰۵۔

(۲) صحیح مسلم کتاب الامامة باب من قاتل للرياء والصحة استحق النار، رقم الحديث ۳۶۲۔



### وقت پر نماز ادا کرنے کی پابندی کرنا

ہماری ذات سے جس بات کا تعلق ہے ان میں سے سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ تمام طلبہ و طالبات روزانہ بلا ناغہ پانچوں نمازیں اس کے وقت مستحب میں سب کام چھوڑ کر یہاں تک کہ مطالعہ اور سبق یاد کرنا بھی چھوڑ کر نماز ادا کرنے کی عادت ڈالیں۔ گھر میں ہوں، سفر میں ہوں، درس گاہ میں ہوں یا کہیں بھی ہوں، لیکن نماز اپنے وقت مستحب میں ادا کرنے کی پابند رہیں۔ گھر میں مہمان آنے کی وجہ سے، یا تفریح کے لئے کہیں جانے کی صورت میں یا امتحان کی تیاری کے موقع پر ہرگز ہرگز نماز قضاء نہ ہونے دیں اور اگر غلطی سے بالغ ہونے کے بعد سے لے کر اب تک کچھ نمازیں قضاء ہو گئی ہوں تو بلا تاخیر ان کا محتاط اندازہ لگا کر آج ہی سے ان کی قضاء پڑھنا شروع کر دیں۔

اسی طرح روزوں کا بھی حساب کر لیں اور ان کی قضاء کریں۔ اگر کسی طالبہ پر زکوٰۃ فرض ہو اور اس نے زکوٰۃ نہ دی ہو تو وہ اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، اسی طرح سجدہ تلاوت بھی دیکھ لیں اکثر خواتین و حضرات کے سجدہ تلاوت سستی اور غفلت کی وجہ سے باقی رہتے ہیں، سب کا اندازہ لگالیں اور انہیں آج ہی ادا کر کے فارغ ہو جائیں۔

### نماز اہم عبادت ہے

سب سے اہم عبادت نماز ہے قیامت میں سب سے پہلے عبادات میں نماز کا سوال ہوگا۔ اگر اس میں بندہ کامیاب ہوگا تو ان شاء اللہ تعالیٰ باقی اعمال میں بھی کامیاب ہو جائے گا اور اگر اس میں اٹک گیا تو باقی میں بھی پھنستا چلا جائے گا۔<sup>(۱)</sup> بہر حال قرآن و حدیث نماز کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں اور اس کے نہ پڑھنے پر سخت سخت عذابوں کا ذکر ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کو ان کے وقت پر ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کا اہتمام کرے گا تو میں اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا۔ اور جو ان کو اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک ادا نہیں کرے گا تو میری کوئی ذمہ داری نہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) جامع الرمندی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء ان اول ما يحاسب به العبد يوم الحشر رقم الحديث: ۲۷۸

(۲) مس اس ماجہ کتاب امامہ الصلوٰۃ باب ما جاء فی فرض الصلوات الخمس رقم الحديث: ۱۳۹۳

ایک اور حدیث میں ہے کہ نماز نہ پڑھنے والوں کو چندہ قسم کا عذاب دیا جائے گا جس کی تفصیل ”فضائل اعمال“ میں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے۔<sup>(۱)</sup>

### سنتن ونوافل ادا کرنا

۱ ... فرض نمازوں کی پابندی کے ساتھ کچھ سنت مؤکدہ وغیرہ مؤکدہ اور نوافل بھی ہیں۔ سنت مؤکدہ بارہ<sup>(۲)</sup> ہیں: فجر کی ۲ رکعت ظہر کی ۶۔ مغرب کی ۲ رکعت اور عشاء کی ۲ سنتیں ہیں۔ اور سنت غیر مؤکدہ ۸ ہیں۔ ۴ عصر سے پہلے، اور ۴ عشاء سے پہلے۔ ان کو بھی ادا کرنا چاہئے۔ بعض طالبات ان میں بہت غفلت برتی ہیں، ان سے ہرگز غفلت نہیں کرنی چاہئے بلکہ انہیں پابندی سے ادا کرنا چاہئے۔

۲ ... کچھ نوافل ہیں جن میں سے کچھ خاص ہیں، اور کچھ عام ہیں۔ عام نوافل جیسے ظہر کی ۲ سنتوں کے بعد ۲ نفل اور عشاء کی سنتوں اور وتر کے بعد ۲ نفل اور مغرب کی ۲ سنتوں کے بعد ۲ نفل۔ خاص نوافل جیسے: تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، صلاة التوبہ، صلاة الشکر، صلاة الحاجة۔

صلاة التسبیح: اس کی دو قسمیں ہیں: ایک بڑی جس میں تیسرا کلمہ ۳۰۰ مرتبہ پڑھا جاتا ہے اور ایک چھوٹی صلوٰۃ التسبیح، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نفل کی نیت سے باندھیں اور ان دونوں میں کسی بھی جگہ ۱۰۰ دفعہ سبحان اللہ، ۱۰۰ دفعہ الحمد للہ، ۱۰۰ دفعہ اللہ اکبر پڑھیں، یہ تسبیحات پوری نماز میں کسی ایک جگہ پڑھنی ہیں۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ جو بھی دعا کریں گے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ قبول ہو جائے گی۔

۳ ... زوال کے بعد فرضوں سے پہلے چار نفل پڑھنا اور اگر وقت کم ہو یا کوئی عذر ہو تو دو نفل بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور ان چار رکعت کو سنن زوال کہتے ہیں۔

۴ ... مغرب کے بعد ۶ رکعت نفل پڑھنا۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ جو آدمی اس کی پابندی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ۱۲ سال کی عبادت کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے فضائل اعمال، فضائل نماز دوسری فصل نماز کے چھوڑنے پر جو عید اور عتاب حدیث میں آیا ہے اس کا بیان ص ۲۲۶ تا ۲۲۷۔

(۲) ان بارہ سنت مؤکدہ کی پابندی کرنے والے کے لئے ایک حدیث مبارک میں جنت کے گھر کی خوشخبری دی گئی ہے۔ (جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ

باب ما جاء فی صلی فی یوم وليلة الفی رقم الحدیث ۳۷۹

(۳) جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی فضل التطوع وست رکعات بعد المغرب رقم الحدیث ۳۹۹

۵ ... عشاء میں وتروں سے پہلے کم از کم چار رکعت نفل پڑھنا۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملتا ہے۔ یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ آدمی سارے سال تہجد پڑھ سکتا ہے اور یہ تہجد کا جائز وقت ہے اور سحری کے وقت پڑھنا یہ افضل وقت ہے۔ دونوں صورتوں میں تہجد کی نماز ادا ہو جائے گی۔ لہذا آپ اس کی سارا سال پابند رہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل دیں۔ آمین،

تہجد پڑھنے کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندوں کا حساب لینے سے پہلے تہجد پڑھنے والوں کو بغیر حساب جنت میں داخل کریں گے، اس فضیلت کی ہم سب کو ضرورت ہے۔<sup>(۱)</sup>

دوسری فضیلت یہ ہے کہ ان ۴ رکعتوں کا ثواب شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ اور شب قدر کی فضیلت قرآن کریم میں یہ ہے اس کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔<sup>(۲)</sup> اور ایک ہزار مہینوں میں تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ تو شب قدر کی عبادت کا ثواب تیس ہزار راتوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے، ان چار رکعتوں پر بھی یہ فضیلت مل سکتی ہے۔

وتر کے بعد دو نفلوں میں اگر سورۃ اذا زلزلت اور سورۃ قل یا ایہا الکافرون پڑھیں تو اس کا ثواب بھی تہجد کے برابر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نفلیں پڑھا کرتے تھے۔<sup>(۳)</sup> اشراق اور چاشت کے نفل پڑھیں دو رکعت اشراق کی اور دو رکعت چاشت کی۔ اور یہ دونوں نفلیں اشراق کے وقت میں ایک ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہیں تاکہ مدرسہ میں آنے کی وجہ سے ناغہ نہ ہوں یہ عام اور خاص نفلیں ہو گئیں۔

### دیگر معمولات

نمازوں کے علاوہ کچھ اور معمولات بھی ہیں ان کو ذہن نشین کر لیں اور ان پر عمل کرنے کی پابندی کریں:-

۱ ... روزانہ قرآن کریم کی کچھ نہ کچھ تلاوت ضرور کریں۔ حافظات ایک پارہ پڑھیں اور باقی کوئی

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے قرطبی ج ۱۳ ص ۱۰۹

(۲) سورہ القدر: آیت نمبر ۳

(۳) مسند احمد حدیث ابی امامۃ البعلانی رقم الحدیث: ۲۲۱۶

اور مقدار مقرر کر لیں۔

۲ ... مناجاتِ مقبول: کی ایک منزل روزانہ پڑھیں۔ عذر کی وجہ سے اگر ایک منزل پڑھنا مشکل ہو تو آدمی منزل پڑھ لیا کریں۔

۳ ... ذریعۃ الوصول: یہ درود شریف کی کتاب ہے اس میں ۱۸۵ درود ہیں جو حضور ﷺ، حضراتِ صحابہ کرامؓ، حضراتِ تابعینؓ، اور علماء امتؓ سے مروی ہیں اس کی بھی سات منزلیں ہیں۔ اس کی بھی ایک منزل روزانہ پڑھنے کا اہتمام کریں۔

۴ ... زاد السعید: پڑھنے کا اہتمام کریں۔

۵ ... ۴۰ استغفار کے صیغے: اس میں استغفار کے چالیس کلمات ہیں جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں۔ ان کو روزانہ کسی وقت پڑھ لیا کریں۔ ان کے پڑھنے سے بڑے فوائد اور فضائل حاصل ہوتے ہیں۔

ناچیز کا ایک رسالہ ہے ”پانچ رسائل کا مجموعہ“ اس میں یہ تمام کتابیں موجود ہیں۔ وہ حاصل کر لیں۔

### تسبیحات اور ان کی نیتیں

اسی طرح صبح و شام کی تسبیحات پڑھیں اور یہ تسبیحات ایسی ہیں جو عام مسلمانوں کے لئے ہیں۔ طلبہ و طالبات کے لئے خاص نہیں ہیں لیکن ہم میں سے بعض اس سے بھی محروم ہیں۔

۱ ... استغفار کی تسبیح: اس میں سب گناہوں کی معافی کی نیت کر لیا کریں۔

۲ ... درود شریف کی تسبیح: اس میں نیت اس طرح کرنی ہے کہ یا اللہ میں حضور ﷺ کی ادنیٰ امتی ہوں۔ مجھ سے حضور ﷺ کی بہت سی سنتیں پامال ہو گئی ہیں اور حضور ﷺ کے بہت سے حقوق ضائع ہو گئے ہیں، میں حضور ﷺ کی خدمت میں درود و سلام کا ادنیٰ سا حد یہ پیش کرتی ہوں، آپ اسے حضور ﷺ کی شان کے لائق بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیجئے اور ہمیں ان کے صدقے ان کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین،

۳ ... تیسرے کلمہ کی تسبیح: روزانہ صبح و شام سو، سو مرتبہ پڑھنے کا معمول بنائیں۔

۴ ... سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی تسبیح پڑھیں۔

۵ ... تسبیح فاطمی ہر نماز کے بعد پڑھا کریں۔

۶ ... یہ صبح و شام کی تسبیحات ہیں۔ ان کے پڑھنے سے پہلے یہ نیت کرنی ہے بلکہ ہر نیک عمل سے پہلے یہ نیت کرنی ہے یا اللہ اس عمل کی وجہ سے میرے دل میں اپنی محبت اپنے ماسوا کی محبتوں پر غالب فرما، آمین۔

آخری بات عرض کرتا ہوں کہ سارا قرآن کریم إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے بھرا ہوا ہے۔ کہیں ایک جگہ بھی وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ نہیں ہے۔ معلوم ہوا نجات کا دار و مدار ایمان کے بعد نیک عمل کرنے پر ہے محض علم حاصل کرنے پر نہیں ہے اس لئے علم حاصل کرنے کے ساتھ نیک عمل بہت ضروری ہے۔





## دورۂ حدیث کے مناسب اعمال

مسلم شریف جو دورۂ حدیث کی کتاب ہے اس کے مناسب چند اعمال کی پابندی کرنی چاہئے۔

### ۱ ... درود شریف کی کثرت کرنا

درود شریف کی کثرت کا مطلب یہ ہے کہ چلتے، پھرتے، اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتی رہیں۔ درود شریف کی تین قسمیں ہیں:

سب سے چھوٹا درود شریف ”صلی اللہ علیہ وسلم“ ہے درمیانہ درجہ کا درود شریف یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

سب سے افضل اور زیادہ صحیح درود شریف ”درود ابراہیمی“ ہے۔ ان میں سے کوئی سا بھی درود شریف پڑھنے کی عادت ڈال لیں۔

### درود شریف کے چند فضائل

درود شریف کی کثرت بہت مبارک عمل ہے۔ جس کے بے شمار فضائل ہیں اور دورۂ حدیث میں احادیث طیبہ کے پڑھنے میں کثرت سے درود شریف پڑھنے میں آتا ہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی جب درود شریف کی کثرت ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے فضائل و برکات کی بارش ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص دنیا میں زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا قیامت میں وہ حضور ﷺ کے آتا ہی زیادہ قریب ہوگا۔<sup>(۱)</sup> یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

اور درود شریف کی عام فضیلت یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں اور دس گناہ معاف فرماتے ہیں۔ اور دس درجے بلند فرماتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

اس حساب سے جو شخص ۱۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو اس پر ایک ہزار رحمتیں نازل ہوگی اور ایک ہزار نیکیاں ملیں گی اور ایک ہزار گناہ معاف ہونگے اور ایک ہزار درجے بلند ہونگے۔ اسی سے

(۱) جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ رقم الحدیث: ۴۴۶

(۲) مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۹۲۲

اندازہ لگالیں کہ جب ہمارے صبح و شام تک کے بے شمار درود و سلام ہونگے تو کتنی رحمتیں نازل ہونگی، کتنی نیکیاں ملیں گی اور کتنے گناہ معاف ہونگے اور کتنے درجہ بلند ہونگے۔ اور درود شریف کی عبادت ایسی عبادت ہے جو مقبول ہی مقبول ہے۔

## ۲ ... دوسرا عمل سنت کی پیروی کرنا ہے

اس کے لئے آپ ”علیکم بسنتی“ لے لیں اور اپنے مطالعہ کی جگہ رکھ لیں اور آج ہی سے بلا تاخیر سنتوں پر عمل کرنا شروع کر دیں۔

”علیکم بسنتی“ پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ جو بھی کام کریں، پہلے کتاب کھول کر اس کی سنتیں دیکھ لیں، پانی پینے لگیں تو اس کی سنتیں دیکھ لیں، کھانا کھانے لگیں تو اس کی سنتیں دیکھ لیں، غرض کہ جو کام بھی کریں اُسکے کرنے سے پہلے اس کی سنتیں دیکھ لیں۔ اگر آپ لوگ آج ہی سے نہایت فکر کے ساتھ عمل شروع کر دیں تو چند روز میں آپ کی روزمرہ کی زندگی سنتوں کے مطابق ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے پیر و مرشد حضرت عارفی قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ فرمایا: اگر آدمی سنت کے مطابق بیت الخلاء میں جاتا ہے اور آتا ہے تو جتنی دیر اُسے بیت الخلاء میں لگتی ہے اتنی دیر فرشتہ دروازہ کے باہر کھڑا اس کی نیکیاں لکھتا رہتا ہے۔ اس سے بڑھ کر نفع کا سودہ کیا ہو سکتا ہے؟ غرض کہ سنت پر عمل کرنے کا فائدہ ہی فائدہ ہے قرآن و حدیث، سنت کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں اور سارے بزرگان دین سنت کی اہمیت پر متفق ہیں۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو راضی کرنے کا اس سے بڑھ کر کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا سب سے آسان راستہ، سب سے قریب راستہ، اور سب سے محفوظ راستہ سنت پر عمل کرنا ہے۔

## ۳ ... اپنے کپڑے اور جسم کو صاف ستھرا رکھنا

لباس سادہ ہو، فیشن کے مطابق نہ ہو اور اتنا چست نہ ہو کہ جسم کی بناوٹ نمایاں ہو اور اتنا باریک نہ ہو کہ جسم جھلکے ناقص اور نامکمل نہ ہو۔ شرعی پردہ کا پورا اہتمام ہو۔

## ۴ ... ناخن، دانت اور بالوں کی صفائی رکھنا

تیل اور کنگھی کریں سرمہ لگائیں اور پھیلنے والی خوشبو ہرگز نہ لگائیں بھنویں نہ بنوائیں، لمبے

ناخن ہرگز نہ رکھیں۔

### ۵ ... نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنا

جس طرح علم استاذ کی خدمت میں حاضر ہو کر آتا ہے اسی طرح عمل بھی اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے سے آتا ہے۔ اس کے لئے بزرگوں کے بیانات سنیں ان کے ملفوظات پڑھیں اور بزرگوں کے سوانح حیات کا مطالعہ کریں اس سے عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے چند اصلاحی کتابوں کے نام درج ذیل ہیں، ان کا مطالعہ کریں اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں!

۱ ... مواعظ سکھروی ۲ ... اصلاحی خطبات ۳ ... خطبات سکھروی اور اصلاحی بیانات

۴ ... نزہۃ البساتین ۵ ... تسہیل المواعظ

### جمعہ کے معمولات

روزانہ کے معمولات کے ساتھ ساتھ جمعہ کے معمولات کی بھی پابندی کریں، جمعہ کے دن کی فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن ہر نیک عمل کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ جمعہ کا دن قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑی فضیلت کا دن ہے۔ اس لئے ہمیں اس دن اور رات کی بڑی قدر کرنی چاہئے۔ اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر لینی چاہئیں۔

دوسری فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن ہر گنہگار میں چھ سو آدمی دوزخ سے آزاد کئے جاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن پر دوزخ واجب ہو چکی ہوتی ہے۔ لہذا اس دن اپنی اور سب مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنی چاہئے۔

جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے جس میں دعا قبول کی جاتی ہے وہ گھڑی کونسی ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں:

۱ ... پہلا قول یہ ہے کہ جب خطیب خطبہ دے کر منبر پر بیٹھے اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور بعض نے فرمایا کہ منبر پر بیٹھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک دعا قبول ہوتی ہے۔

۲ ... دوسرا قول یہ ہے کہ سورج ڈوبنے سے تھوڑی دیر پہلے یہ وقت آتا ہے۔ اس وقت دعا کرنی چاہئے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) مزید اقوال کے لئے دیکھئے: الدر المنثور ج ۱۰ ص ۴، سورۃ الحمۃ

جمعہ کے دن کے معمولات درج ذیل ہیں:

۱ ... درود شریف کی کثرت

یہ جمعہ کے دن کا خاص عمل ہے۔ درود شریف کی کثرت کے بارے میں علماء کرام کے تین

قول ہیں:

۱ ... تین سو مرتبہ درود شریف پڑھنا۔ (یہ سب سے کم درجہ ہے)

۲ ... ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا۔ (یہ درمیانہ درجہ ہے)

۳ ... تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا۔ (یہ اعلیٰ درجہ ہے)

عصر کے بعد ۸۰ مرتبہ درود شریف پڑھنا

۲ ... دوسرا عمل یہ ہے کہ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد ۸۰ مرتبہ درج ذیل درود شریف پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّم تَسْلِیْمًا

اس کی فضیلت یہ ہے کہ جو شخص اس کو پڑھے گا، اس کے اسی سال کے گناہ معاف کر دیئے

جائیں گے اور ۸۰ سال کی عبادت کا ثواب نئے اعمال میں لکھ دیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

سورۃ کہف پڑھنا

۳ ... تیسرا عمل یہ ہے کہ سورۃ کہف پڑھنے کی پابندی کریں۔ اس کی دو فضیلتیں ہیں:

۱ ... دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔<sup>(۲)</sup>

۲ ... بروز قیامت سورۃ کہف پڑھنے والے کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہوگا۔<sup>(۳)</sup>

قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور اس میں بعض روایات کے مطابق دس ہزار

سال تک میدان قیامت میں اندھیرا چھا جائے گا تو اس وقت یہ نور کام آئے گا۔

عصر کے بعد یادِ الہی میں مشغول ہونا

۴ ... عصر کے بعد سے مغرب تک یادِ الہی میں مشغول رہنے کی عادت ڈالیں، تلاوت کر لیں،

مناجات مقبول پڑھ لیں اور خوب دعائیں مانگیں وغیرہ۔

(۱) تخریج احادیث الاحیاء ج ۲ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۵۴۹۔

(۲) المس الکبریٰ للنسائی، ج ۶ ص ۲۲۵ رقم الحدیث: ۱۰۷۸۵، ۱۰۸۴۰۔

(۳) الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۵، تفسیر سورۃ الکہف۔



## اہم بات

سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ گناہوں سے بچا جائے، اور چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے اجتناب کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور اب تک جو ہوا سو ہوا اس سے توبہ کر لیں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیں۔ اگر حقوق اللہ میں کوتاہی کی ہے تو ابھی اس کی توبہ کر لیں۔ اور اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے مثلاً دوسروں کو ناجائز ستایا ہے یا ان کے حقوق مارے ہیں تو ان سے معافی مانگیں اور اگر وہ بدلہ لینا چاہیں تو انہیں بدلہ دیدیں اور توبہ کر لیں! حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے سے توبہ کے لئے تین شرائط ہیں:

۱ ... فی الحال اس گناہ کو چھوڑنا۔ ۲ ... گناہ پر نادم اور شرمندہ ہونا۔

۳ ... آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔

اور حقوق العباد کی کوتاہیوں سے توبہ مکمل کرنے کے لئے چوتھی بات بھی ضروری ہے۔

۴ ... جس بندہ پر ظلم کیا ہے یا اس کا کوئی حق مارا ہے تو اس سے بھی معافی مانگیں، اور اس کا حق ادا کریں۔<sup>(۱)</sup>

بہر حال ہمہ قسم کے گناہوں سے بچیں بالخصوص مشہور و معروف گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کریں مثلاً: بے پردگی، غیبت، جھوٹ، غصہ، تکبر اور حسد کرنا اور ٹی وی اور موبائل پر انٹرنیٹ کے ذریعہ گانا سننا اور فلمیں وغیرہ دیکھنا وغیرہ۔

غیبت ایسا گناہ ہے جو عورتوں اور مردوں میں بہت عام ہے حالانکہ یہ سؤر اور خنزیر کی طرح حرام ہے۔ زبان سے بھی غیبت نہ کریں اور نہ ہی اشارہ و کنایات سے غیبت کریں۔ اپنی زبان کو بھی غیبت سے بچائیں اور کانوں کو بھی غیبت سے بچائیں۔ جہاں غیبت ہو رہی ہو اول تو منع کریں اگر منع نہیں کر سکتیں تو وہاں سے اٹھ کر چلی جائیں اور اگر ایسی جگہ ہیں جہاں سے اٹھنا مشکل ہو تو غیبت کی طرف سے دھیان ہٹاتی رہیں اور دل سے برا سمجھیں۔ اور اٹھتے وقت استغفار کر کے اٹھیں، بے جا غصہ کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ جہاں غصہ زیادہ ہوتا ہے وہاں باطن میں اکثر تکبر ہوتا ہے۔ اور تکبر حرام ہے۔ یعنی غصہ کی وجہ سے آدمی دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اور زیادتی کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ ظالم بن جاتا ہے، اور غصہ کی وجہ سے جس پر غصہ کرتا ہے بعض مرتبہ اس پر الزام لگا دیتا ہے غرض کہ بڑے بڑے گناہ

(۱) مرقاة المفاتیح ج ۳ ص ۴۷۱ کتاب الصلوٰۃ باب التطوع.

غصہ کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں اس لئے غصہ کے وقت برداشت اور تحمل سے کام لیں۔ حدیث میں آتا ہے ”پہلوان وہ شخص نہیں جو دوسروں کو بچھاڑ دے بلکہ حقیقی پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔“ (۱)

ایک اور حدیث شریف کی رو سے مثلاً اگر کسی آدمی میں دس خوبیاں ہوں اور اس میں سخت مزاجی ہو اور غصہ ہو تو یہ اس کی ساری خوبیوں پر پانی پھیر دے گا۔ اور جس شخص میں دس عیب اور برائیاں ہوں لیکن اس میں نرمی اور حلم ہو تو وہ اس کی دس برائیوں پر پردہ ڈال دے گا۔

تکبر بھی بہت بڑا گناہ ہے اور تکبر کے بعد بعض مرتبہ حسد کا گناہ ہو جاتا ہے اور حسد دراصل اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر ایک طرح سے اعتراض کرنا ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں سے خوب بچانا ہے۔ ان اعمال کے ساتھ ساتھ ماں باپ کی خدمت اور ان کا ادب و احترام بہت ضروری ہے۔ اور ماں، باپ کی خدمت فرض و واجب ہے۔ ہمارے علم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اعمال و اخلاق سنور جائیں۔ اعمال صالح کرنے کے اخلاص کے ساتھ پابند ہوں اور گناہوں سے بچیں۔

### سبق کے متعلق ضروری ہدایات

چونکہ ہمارا مقصد اس علم حدیث کو حاصل کرنے سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور اللہ کی رضا حاصل کرنا اخلاص کے بعد مزید دو باتوں پر موقوف ہے:-

۱ ... علم صحیح حاصل کرنا۔

۲ ... اس علم پر عمل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا۔

عمل کرنے کے بارے میں ضروری ہدایات پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ اب علم صحیح حاصل کرنے کے بارے میں چند ضروری باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے تین باتیں ضروری ہیں اور باقی باتیں آداب کی ہیں۔

❖ ... سبق کا مطالعہ کرنا اور اس کا طریقہ: آپ جو بھی سبق پڑھیں پہلے اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

سبق کے مطالعہ کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کی جو عبارت آپ پڑھیں۔ اس میں جو کلمات اور

صیغے آئے ہیں۔ علم الصرف کے اعتبار سے آپ ان کو پہچان لیں مثلاً: مفرد ہے یا تثنیہ ہے یا جمع ہے۔ اگر صیغہ ہے تو ماضی کا صیغہ ہے یا مضارع کا۔ قاعِل ہے یا مفعول، ثلاثی ہے یا مجرد یا مزید فیہ اور اس میں تعلیل ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے۔ وغیرہ

✽ ... کتاب کی عبارت کو آپ صحیح اعراب کے ساتھ پڑھیں، اس کے لئے علم النحو کے اعتبار سے محل اعراب سمجھنے کی کوشش کریں اور علم النحو کا خلاصہ مرفوعات، منصوبات، مجرورات اور توالیع کو جانتا ہے۔ مرفوعات ۸ ہیں، منصوبات ۱۲ ہیں، مجرورات ۲ ہیں اور توالیع ۵ ہیں۔

✽ ... لغوی اعتبار سے ان کلمات اور صیغوں کا اردو میں ترجمہ اور مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔

ان تین کاموں میں سے جو سمجھ میں نہ آئے اپنے استاذ سے معلوم کریں

جب یہ تینوں کام آپ کر لیں تو ایک کام اور کریں جو دورۂ حدیث کی نسبت سے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عبارت کو صحیح پڑھنے کی باقاعدہ مشق کریں۔ مثلاً اس عبارت کو درمیانی آواز میں ۳۰ یا ۴۰ مرتبہ پڑھیں اور حدیث شریف پڑھنے کے جو آداب ہیں انہیں ملحوظ رکھیں۔ ان چار کاموں کو کرنے کا نام مطالعہ ہے، مطالعہ پابندی سے کریں۔

✽ ... سبق میں پابندی کے ساتھ حاضری دیں حتی الامکان مانع نہ کریں سخت مجبوری ہو تو پیشگی درخواست دے کر منظور کرا لیں اگر درخواست پیشگی نہ دے سکیں تو بعد میں منظور کرا لیں۔

✽ ... سبق میں حاضر ہو کر بھی چند باتوں کی پابندی کریں ورنہ وہ حاضری غیر حاضری کے حکم میں ہوگی۔ استاذ کی تقریر کو توجہ کے ساتھ سن کر سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر ذہن ادھر ادھر ہو جائے تو اس کو ہٹا ہٹا کر استاذ کی تقریر کی طرف لگاتی رہیں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو بلا تکلف دریافت کر لیں شرم و حیا یا خوف و ڈر کی وجہ سے سوال کرنے سے نہ رکھیں۔ ہر طالبہ کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ درس گاہ سے سبق سمجھ کر جائے۔ خلاصہ یہ کہ سبق میں حاضری کا مطلب یہ ہے کہ جس عبارت کا مطالعہ کیا تھا وہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

✽ ... سبق ختم ہونے کے بعد درس گاہ میں یا گھر جا کر جو کچھ استاذ نے پڑھایا ہے، اُسے اچھی طرح یاد کر لیں اور یاد رکھیں اور یاد رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ چھٹی والے دن پورے ہفتہ کا سبق دہرائیں۔ اس سے کتاب یاد رہتی ہے اور اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے اور اس کا ایک بڑا

فائدہ یہ ہے کہ امتحان کی تیاری آسان ہو جاتی ہے۔ اور کامیابی کی قوی امید ہوتی ہے۔  
اس طرح سبق پڑھنا ایسا ہے جیسے حفظ کرنا جس طرح حفظ میں رٹنا ہوتا ہے یہاں پہلے سمجھنا  
ہوتا ہے پھر اُسے یاد کرنا ہوتا ہے۔

## آداب کی باتیں

اب کچھ آداب بتائے جاتے ہیں۔

- ✽ ... درس گاہ میں سبق پڑھنا اور حدیث شریف کی کتاب کا مطالعہ با وضو ہونا چاہئے۔
- ✽ ... اپنی کتابوں کا ادب کرنا چاہئے۔ کتابوں کے متعدد آداب ہیں۔
- ✽ ... کتابیں دائیں ہاتھ میں لیں بائیں ہاتھ میں نہ لیں، اگر کتابیں الماری میں لگانی ہوں تو پہلے بخاری شریف پھر مسلم شریف وغیرہ لگائیں، اگر اوپر نیچے رکھنی ہوں تو دورۂ حدیث کی کتب میں سب سے اوپر بخاری شریف پھر مسلم شریف پھر ابوداؤد شریف وغیرہ
- ✽ ... عام کتابیں اوپر نیچے رکھنے کا ادب یہ ہے کہ سب سے اوپر قرآن کریم پھر تفسیر، پھر اصول تفسیر پھر حدیث شریف، پھر شرح حدیث شریف، پھر اصول حدیث پھر فقہ پھر اصول فقہ پھر باقی علوم، مثلاً منطق فلسفہ جسمیں سائنس بھی آگئی ہے یہ سب سے نیچے رکھیں۔
- ✽ ... درس گاہ میں کتابیں بکھری ہوئی نہیں ہونی چاہئیں۔ یہ بڑی بے ادبی اور بد تہذیبی کی بات ہے۔

- ✽ ... کتابوں پر ٹیک نہ لگائیں، کہنی نہ رکھیں۔ کتابوں پر کچھ نہ لکھیں، مدرسہ کی کتاب میں جس طرح عام اور بیکار باتیں لکھنے کی بعض طلباء اور طالبات میں عادت ہوتی ہے اس کی گنجائش نہیں، البتہ اپنا نام، داخلہ نمبر وغیرہ پہلے صفحہ پر لکھنے کی گنجائش ہے۔

- ✽ ... سبق کے دوران نہ نیند آئے اور نہ ہی اونگھ آئے۔ سونا اور اونگھنا اپنے آپ کو سبق سے محروم کرنا ہے۔ اور یہ بھی ایک طرح سے غیر حاضری ہے اگر نیند آئے تو کتاب لے کر کھڑی ہو جائیں۔ یا کوئی اور تدبیر کر لیں مثلاً ٹھنڈا پانی چہرہ پر چھڑک لیں۔

- ✽ ... درس گاہ بالکل صاف و شفاف ہونی چاہئے۔ ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی ہو، دیکھ کر پتہ چلے کہ انہیں تہذیب آتی ہے۔ سب اشیاء کا ادب یہ ہے کہ جہاں سے لیں وہی رکھیں۔ بالخصوص جب وہ سب کے استعمال میں مشترک ہوتا کہ بوقت ضرورت وہ دوسروں کو اپنی جگہ ملے کسی کو تلاش کرنے کی تکلیف نہ ہو۔

✽ ... ساتھیوں کا ادب کریں۔ جہاں تک ہو سکے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائیں کیونکہ وہ شریک فی العلم ہیں۔ جس طرح علم کا ادب ہے اس طرح شریک فی العلم کا بھی ادب ہے۔

### علم حدیث کے بارے میں

آداب کے بعد علم حدیث کے بارے میں، دو مقدمے بیان کئے جاتے ہیں، ایک مقدمة العلم دوسرا مقدمة الكتاب۔

### مقدمہ کی دو قسمیں ہیں

✽ ... مقدمة العلم ✽ ... مقدمة الكتاب

✽ ... مقدمة العلم میں جو علم پڑھایا جاتا ہے اس کے بارے میں ضروری باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جیسے اس علم کی تعریف موضوع اور غرض وغایت وغیرہ۔

✽ ... مقدمة الكتاب میں جو کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اس کا تعارف اس کے مصنف کے مختصر حالات زندگی اور کتاب کا درجہ بتایا جاتا ہے۔ تاکہ اس کتاب کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو۔

### مقدمة العلم

#### حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنی

حدیث کے لفظی معنی ”نئی اور جدید چیز کے آتے ہیں“ اور اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

قول سے آپ ﷺ کا ارشاد مراد ہے۔ فعل سے آپ ﷺ کا عمل مراد ہے اور تقریر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کسی شخص نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ خاموشی اختیار فرمائی اُسے تقریر کہتے ہیں۔

#### حدیث کو حدیث کہنے کی تین وجوہات

##### پہلی وجہ

علامہ ابن حجر مکیؒ نے حدیث کا حدیث نام رکھنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حدیث قدیم کے مقابلے میں ہے۔ قرآن کریم قدیم ہے لہذا حدیث کو اس سے ممتاز رکھنے کے لئے آپ ﷺ کے ارشادات کا نام ”حدیث“ رکھا گیا ہے۔

### دوسری وجہ

بعض علماء نے یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ حدیث کے معنی قول کے ہیں اور احادیث نبی کریم ﷺ کے اقوال کو کہتے ہیں اس لئے ان کو ”احادیث“ کہا جاتا ہے۔

### تیسری وجہ

حدیث کو حدیث کہنے کے بارے میں زیادہ واضح اور صحیح بات یہ ہے کہ متعدد احادیث طیبہ میں خود حضور ﷺ نے اپنے اقوال کو حدیث فرمایا ہے اس لئے ان کو حدیث کہتے ہیں جیسا کہ علم حدیث کے فضائل میں آگے آرہا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### حدیث کا موضوع

رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس من حیث الرسالة حدیث کا موضوع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے لہذا اس سلسلے میں جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا یا جو کچھ آپ ﷺ نے عمل کیا یا آپ ﷺ کے سامنے کسی نے کوئی کام کیا یا جو کچھ اس کے بارے میں آپ ﷺ نے طریقہ اختیار فرمایا، اس حیثیت سے علم حدیث میں بحث کی جاتی ہے اس لئے یہ حدیث شریف کا موضوع ہے۔<sup>(۲)</sup>

### حدیث کی غرض و غایت

حدیث کی غرض و غایت یہ ہے کہ حدیث شریف کا صحیح علم حاصل کر کے بندہ کا اپنے ظاہر و باطن کو حضور ﷺ کے ارشادات کے مطابق ڈھال کر اور آپ ﷺ کی سنتوں کے مطابق عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا۔ اور دنیا و آخرت کی سعادت اور فلاح و کامیابی حاصل کرنا، حدیث شریف کی غرض و غایت ہے۔<sup>(۳)</sup>

### علم حدیث شریف کے فضائل

علم حدیث شریف کے فضائل اور فوائد بے اندازہ اور بے شمار ہیں۔ یہاں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں اور چند اقوال سلف بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) درمی مسم ج ۱ ص ۲۴۲۔

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: درمی ترمذی ج ۱ ص ۳۳۔

(۳) درمی ترمذی ج ۱ ص ۲۵۔



حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما! ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میری حدیث روایت کرتے ہیں اور انہیں لوگوں کو سکھاتے ہیں۔“ (۱)

### تشریح

اس حدیث میں خلفاء خلیفہ کی جمعہ ہے، جس کے معنی نائب اور قائم مقام کے آتے ہیں اور کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنانا بہت بڑی فضیلت کی بات ہے۔ لہذا آپ ﷺ نے حدیث شریف پڑھانے والوں کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور نائب اصل کے قائم مقام ہوتا ہے اس لحاظ سے جو حضرات حدیث شریف پڑھانے اور سکھانے میں مشغول ہیں اس حدیث میں ان کی بڑی عظمت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

دوسرے اس حدیث میں حضور ﷺ نے حدیث شریف پڑھانے والوں پر اللہ تعالیٰ سے رحم کرنے کی دعا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا سب سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کسی کی بھی نجات نہیں ہو سکتی۔

۲ ... حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اس علم کی حد کتنی ہے کہ جب کوئی شخص اُسے حاصل کر لے تو فقیہ کہلائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دین کے کسی معاملے کے متعلق چالیس احادیث میری امت کو پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ بنا کر اٹھائیں گے اور میں اس کے لئے قیامت کے روز سفارشی اور گواہ بنوں گے۔ (۲)

۳ ... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسل مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا تھا تا کہ وہ اسلام کو پھیلانے تو جنت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (۳)

۴ ... حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی شخص بھی قرآن کریم کو نہ سمجھ سکتا۔ (۴)

(۱) مرقاة المفاتیح عطیۃ الکتاب، ج ۱ ص ۲۱۔

(۲) مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۲۵۸۔

(۳) مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الثالث رقم الحدیث: ۲۳۹۔

(۴) مفہمۃ التعلیق فی الصحیح، ج ۱ ص ۳۹۔

۵ ... حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضراتِ ائمہ کرامؒ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سنت کی تشریح ہے اور سنت قرآن کریم کی شرح ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ فقہ حدیث شریف کی شرح ہے اور حدیث کلام اللہ کی شرح ہے۔

۶ ... حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے علم حاصل کرتا ہے میں اس شخص کے لئے علم حدیث سے افضل کوئی علم نہیں جانتا۔<sup>(۲)</sup>

### علم حدیث حاصل کرنے کے آداب

علم حدیث بہت اونچا علم ہے اس کو حاصل کرنے کے بہت سے آداب ہیں جن پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔ اور علم حدیث صحیح طور پر حاصل کرنے میں کامیابی ہوتی ہے۔ اور پڑھنے والے پر احادیث طیبہ کا رنگ چڑھ جاتا ہے یعنی عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

#### صحیح نیت کرنا

یعنی علم حدیث حاصل کرنے سے پہلے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنی نیت درست کر لے اور درست نیت یہ ہے کہ وہ یہ علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے پڑھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دنیاوی غرض ہرگز نہ ہو جیسے: عالمہ یا عالم کہلوانے کی نیت ہونا یا اپنی شہرت اور ناموری کی نیت کرنا یا دنیا حاصل کرنے کی نیت کرنا، نہ ہو۔

#### دعا اور ہمت

علم حدیث حاصل کرنے میں پوری پوری کوشش اور محنت کرنا ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی خوب دعا کرتی رہیں، علم نافع اور عمل صالح کی توفیق مانگتی رہیں چونکہ دعا اور کوشش کامیابی کا بہترین ذریعہ ہیں، کوئی بھی کام ہو اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے، اور اپنی طرف سے پوری طرح کوشش کرنے سے عام طور پر اس میں بندہ کامیاب ہو جاتا ہے، اس لئے دعا کریں اور ہمت و کوشش بھی کریں!

#### تعظیمی الفاظ کا استعمال

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

(۴) مقدمة التعليق الصبيح ج ۱ ص ۳۹

(۵) مقدمة او بحر المسائل ص ۷۷۔

اجمعین، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ کے ناموں کے ساتھ تعظیسی الفاظ استعمال کیا کریں مثلاً: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تعالیٰ یا جل شانہ یا جل جلالہ یا تبارک و تعالیٰ وغیرہ استعمال کرنا۔ اور حضور کریم ﷺ کے نام کے ساتھ ”نبی اعظم“ یا ”رسول کریم“ کہنا یا لکھنا اور اس کے بعد درود شریف پورا پڑھنا یا لکھنا اور اس میں قصداً کسی نہ کرنا مثلاً: اردو میں بعض لوگ نبی کریم ﷺ کے نام پر صرف ”یاد دیتے ہیں یا خالی صلعم لکھ دیتے ہیں یا بعض طلبہ و طالبات رسول کریم ﷺ کے نام کے بعد ﷺ بھی توڑ موڑ کر مختصر کر دیتے ہیں جیسے صل وسلم کہنا (معاذ اللہ) اس سے بچنا ضروری ہے یہ بدترین بخل اور کجوسی<sup>(۱)</sup> ہے جو ممنوع ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور صحابیات کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کہنا یا لکھنا اور ائمہ کرام کے نام کے ساتھ جیسے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ لکھنا اور کہنا وغیرہ۔

### اہتمام عمل

عبادات، آداب اور فضائل اعمال وغیرہ کی جو احادیث پڑھیں اس پر ساتھ ساتھ عمل بھی کرتی جائیں۔ وجہ یہ ہے کہ جو احادیث طیبہ آپ پڑھیں گی ان میں بعض کا تعلق عقیدہ سے ہوگا۔ اس کے مطابق جو عقیدہ برحق ہے اُسے اختیار کریں اور کچھ احادیث کا تعلق ہماری عملی زندگی سے ہوگا ایسی احادیث پر، پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرنا چاہئے، کیونکہ پڑھنے کا اصل مقصد عمل کرنا ہے۔ اور جن احادیث پر عمل کرنے کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہو، ان میں آئندہ عمل کرنے کی نیت رکھیں!

### وسائلِ علم کا ادب

یعنی جو چیزیں علم حاصل کرنے کا ذریعہ بنیں ان کا ادب کریں مثلاً: کتاب کا ادب کریں اور اس کا ادب یہ ہے کہ کتاب کو ادب سے اٹھائیں، ادب سے رکھیں، ترتیب سے رکھیں اور ترتیب سے لگائیں۔ اسی طرح تپائیاں جو درس گاہ میں ہوتی ہیں انہیں سیدھا رکھیں اور انکو صاف و ستھرا رکھیں ان پر کچھ نہ لکھیں۔ درس گاہ کا ادب کریں یعنی اس کی کوئی چیز خراب نہ کریں اور درس گاہ کی اندرونی اور بیرونی صفائی رکھیں۔ کاغذ، قلم اور روشنائی کا ادب کریں کیونکہ یہ بھی علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ بلا ضرورت کوئی چیز نہ لکھیں۔ قلم کو احتیاط سے رکھیں۔ ایسی جگہ رکھیں جہاں سے وہ گم نہ ہو۔ رجسٹر اور کاپی

(۱) ایک حدیث مبارک میں فرمایا: قال رسول اللہ ﷺ: "ان البعيل كل البعيل من ذكرت عنه فلم يصل عنى" شعب الایمان للبیہقی رقم

الحدیث: ۱۵۲۷، الخامس عشر من شعب الایمان وهو باب فی تعظیم النبی ﷺ.

کا بھی ادب کریں انہیں ضائع نہ کریں بیروں میں نہ لائیں اور ادھر ادھر نہ ڈالیں، وغیرہ۔

### شرکاءِ علم کا احترام

سبق کے شرکاء کا احترام کریں، ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں، ان سے بداخلاقی اور بدتمیزی سے پیش نہ آئیں، ان سے لڑائی جھگڑا نہ کریں، حسد نہ کریں، ان کی غیبت نہ کریں، اگر ان سے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر و تحمل سے کام لیں، ایثار کریں، حسن اخلاق سے پیش آئیں اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اپنی طرف سے ان کو ایذا اور تکلیف پہنچانے سے بچیں!

### استاذ کی تعظیم

استاذ کی تعظیم کریں، ادب سے ان کا نام لیں، اور جائز امور میں ان کی اطاعت کریں، نافرمانی نہ کریں، سبق کے بارے میں جو جائز اور مفید ہدایات دیں یا نصیحت کریں، انہیں قبول کریں اور عمل کریں، اور استاذ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھیں کہ میری حیثیت کے لحاظ سے، میرے حق میں نفع پہنچانے کے لئے یہ سب سے بہتر ہے، اور ضرورت کے وقت دینی اور علمی معاملات میں اس سے مشورہ کرتے رہیں، اور ہمیشہ ان کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا معمول رکھیں۔<sup>(۱)</sup>

علم دین حاصل کرنے کے آداب کے بعد سب سے پہلے علم حدیث کے بارے میں دور حاضر کے ایک سنگین فتنہ سے آگاہ کرنا ضروری ہے، اور وہ حدیث شریف کے انکار کا فتنہ ہے، پہلے اس کا تعارف، اس کا نظریہ اور اس کی تردید اور پھر حدیث شریف کا حجت ہونا دلائل شرعیہ سے بیان کیا جائے گا اور آخر میں منکرین حدیث کا حکم بتایا جائے گا۔

### منکرین حدیث کے فتنے کا تعارف

آپ نے اصول فقہ میں پڑھا ہے کہ احکام شریعت کو ثابت کرنے کے لئے سب سے پہلی اور سب سے بڑی دلیل قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت ہے یہ دونوں احکام اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔

پہلی صدی ہجری تک اہل سنت والجماعت، خوارج، شیعہ اور قدریہ وغیرہ اور اسلام کا نام لینے والے تمام فرقے ثقہ راویوں کے ذریعہ پہنچنے والی احادیث کو بالاتفاق حجت سمجھتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مأخذہ شرف المصیح ج ۱ ص ۷۶

(۲) شرف المصیح ج ۱ ص ۳۶

اسکے بعد سب سے پہلے خوارج نے حجیت حدیث سے انکار کیا۔ پھر شیعوں نے حدیث کا انکار کیا۔ اس کے بعد معتزلہ نے خبر واحد کی حجیت سے انکار کیا اور ان کے زمانہ کے علماء حق نے انکی خوب تردید کی چنانچہ اس کے بارے میں امت کے علماء کرام نے مختلف کتابیں تحریر کی ہیں۔ جن میں انہوں نے حدیث کا حجیت ہونا ثابت کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس کے بعد جب سے مسلمانوں کا اقتدار دنیا میں رو بہ زوال ہوا، اور انگریز مسلمانوں پر غالب آئے۔ اور ان کے افکار اور تہذیب مسلمانوں کے ذہنوں پر چھا گئی تو مسلمانوں کا نو تعلیم یافتہ طبقہ اس درجہ ان سے مرعوب ہوا کہ وہ رفتہ رفتہ اسلامی تعلیمات میں تحریف کرنے تک آمادہ ہو گیا اس طبقہ کو ”مجتہد دین“ یا ”اہل تجدد“ کہا جاتا ہے۔ اس گروہ کے لوگ ترکی میں ضیاء گو کب الپ، مصر میں طہ حسین اور ہندوستان میں سرسید احمد خان تھے۔ جو علی گڑھ کالج کے بانی تھے۔

مولانا چراغ علی، سرسید احمد خان کے ساتھی تھے ان کی قیادت میں یہ ”تحریک تجدد“ آگے بڑھی انہوں نے کھل کر حجیت حدیث کا انکار تو نہیں کیا لیکن جو حدیث مغربی افکار کے خلاف نظر آئی اسکی صحت سے انکار کر دیا۔ خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی ہو۔ ان کے بعد یہ تحریک عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں قدرے منظم ہوئی۔ اور یہ خود کو اہل قرآن کہتے تھے۔ اور حجیت حدیث کے منکر تھے۔ پھر اسلم جیراچپوری نے اس تحریک کو اور آگے بڑھایا یہاں تک کہ ہمارے زمانہ میں غلام احمد پرویز نے انکار حدیث کو ایک منظم نظریہ بنا کر نو تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیلا دیا۔ خصوصاً پاکستان کے حکمران طبقہ میں بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ اسکو پھیلا یا۔ ان کی تردید میں علماء کرام نے بحمد اللہ تعالیٰ اردو، اور عربی زبان میں چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے حدیث کا حجیت ہونا ثابت کیا۔ اور ان کے نظریات کا باطل ہونا ظاہر فرمایا۔ ذیل میں ان کتابوں کا مختصر انتخاب بتایا جاتا ہے تاکہ بوقت ضرورت ان سے استفادہ کیا جاسکے۔<sup>(۲)</sup>

### حجیت حدیث کی کتابیں

۱ ... ”حجیت حدیث“: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲ ... انکار حدیث کے نتائج: شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ

- ۳ ... حجیت حدیث: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی
- ۴ ... مقدمہ مسلم شریف: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی
- ۵ ... حجیت حدیث: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
- ۶ ... ”مقدمہ اشرف التوضیح“: حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- ۷ ... ”مقدمہ درس مشکوٰۃ“: حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہم العالی

### منکرین حدیث کا نظریہ

مذکورہ کتابوں کی روشنی میں مختصر طور پر منکرین حدیث کا نظریہ بیان کیا جاتا ہے<sup>(۱)</sup> اور وہ یہ ہے کہ منکرین حدیث کے نزدیک حدیث شریف حجت اور معتبر نہیں ہے اور اسکے معتبر نہ ہونے کی دو وجہ ہیں۔

۱ ... ہمیں صرف قرآن کریم کافی ہے۔ حدیث شریف کی ضرورت نہیں۔ ہم قرآن کریم خود اپنی عقل سے سمجھ لیں گے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ ان کے نزدیک نبی اور رسول کی کوئی ضرورت نہیں، کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے عقل کافی ہے۔ اس لئے حدیث شریف حجت نہیں۔

۲ ... حدیث کی روایتیں ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ کتابوں میں لکھی ہوئی احادیث زیادہ تر زبانی روایات کا مجموعہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے وصال کے دو سو سال بعد مرتب ہوئی ہیں، لہذا ان پر دین کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، البتہ قرآن کریم کی کتابت آپ ﷺ کے زمانہ میں ہو گئی تھی اس لئے وہ حجت ہے۔ باقی احادیث آپ ﷺ کے زمانہ میں نہیں لکھی گئی تھیں۔ بلکہ بعد میں سنی سنائی روایتوں سے احادیث کی کتابیں لکھی گئی ہیں، اس لئے وہ قابل اعتماد اور حجت نہیں۔ ان دو وجوہات کی بناء پر منکرین حدیث، احادیث طیبہ کے حجت اور معتبر ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

### منکرین حدیث کے نظریہ کی تردید

منکرین حدیث کا مذکورہ نظریہ عقلاً و شرعاً سراسر باطل، غلط اور بے بنیاد ہے اور احادیث طیبہ

(۱) خاص طور پر مذکورہ بالا کتب میں کتاب نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۶ کے اہم حصوں کا جامع خلاصہ لیا گیا ہے، اور نئی ترتیب سے اس مقدمہ کو مرتب کیا گیا ہے۔ بندہ



کے مدون ہونے کی تاریخ سے جہالت اور بے خبری پر مبنی ہے ذیل میں اس نظریہ کے باطل ہونے اور ان کی ذکر کردہ دونوں وجوہات کے غلط ہونے پر کچھ دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

## منکرین حدیث کا نظریہ اور انکی پہلی وجہ باطل ہے پہلی بحث

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ ہمیں قرآن کریم کافی ہے ہم اپنی عقل سے اس کو سمجھ لیں گے۔ اس لئے ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ان کا حضور ﷺ کو ایک عام ڈاکیہ اور پیغام پہنچانے والے کی طرح سمجھنا جو خط اور پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا ہے خط اور پیغام کے الفاظ و معانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس بنا پر ان کا قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے اپنی عقل کو کافی سمجھنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور قرآن کریم کی واضح آیات کے سراسر خلاف ہے چنانچہ ان کی گمراہی ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم ہی کافی ہے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔<sup>(۱)</sup>

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص رسول کریم ﷺ کے بارے میں دس احکام دیئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

### پہلا حکم: حضور ﷺ پر ایمان لانا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے اور بے چون و چرا ان کی تصدیق کرنے کو اسی طرح ضروری قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار کرنا بلاشبہ کفر ہے، لہذا منکرین حدیث کا قرآن کریم سمجھنے کے لئے محض اپنی عقل کو کافی سمجھنا اور اس سلسلہ میں حضور ﷺ کو محض ایک ڈاکیہ اور پیغام پہنچانے والے کی طرح قرار دینا دراصل آپ ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کرنا ہے۔ جو سراسر کفر اور گمراہی ہے چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱ ... سورۃ نساء میں ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَلَا تَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا<sup>(۲)</sup>

(۱) حجتہ حدیث ص ۶

(۲) سورۃ النساء: ۱۷۰

## ترجمہ

”اے لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر آگئے ہیں۔ اب اس پر ایمان لاؤ کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے اور اگر اب بھی تم نے کفر کی راہ اختیار کی تو خوب سمجھ لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت دونوں کے مالک ہیں۔“

۲ ... سورۃ نساء میں ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ  
وَالْكِتَابِ الَّذِي أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا. (۱)

## ترجمہ

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھو اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری تھی، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے گا تو وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے۔“

۳ ... سورۃ تغابن میں ہے:-

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ. (۲)

## ترجمہ

لہذا تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر یعنی قرآن کریم پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہیں۔

## تشریح

ان آیات میں انبیاء کرام علیہم السلام اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ ان

کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے کا اعتقاد رکھے اور ان کو ہر قسم کے گناہوں سے معصوم اور پاک سمجھے اور جو کچھ وہ دین و شریعت کے بارے میں فرمائیں یا عمل کر کے دکھائیں ان کو درست اور من جانب اللہ سمجھے۔ لہذا ان آیات سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام کا قول و فعل جس کو حدیث کہتے ہیں وہ اُسی طرح حجت اور معتبر ہے جس طرح ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی کتاب پیش کرنا صحیح ہے لہذا منکرین حدیث کا قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے نبی کی ضرورت سے انکار کرنا اور اس کے نتیجہ میں حدیث شریف کے حجت ہونے سے انکار کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

دوسرا حکم: حضور ﷺ کے چار فرائض اور ذمہ داریاں

۲۔ حضور ﷺ کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا ممکن نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ کی چار ذمہ داریاں بیان فرمائی ہیں۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ  
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ  
مُبِينٍ (۱)

ترجمہ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائیں اور ان کو پاک اور صاف بنائیں اور ان کو کتاب و حکمت کی باتیں بتائیں جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

تشریح

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر چار فرائض اور چار ذمہ داریاں حضور ﷺ کے سپرد فرمائی ہیں

۱۔ ... کتاب اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا یعنی قرآن کریم کی تلاوت اور پڑھنے کا طریقہ بتانا جسکو تجوید سے پڑھنا کہتے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کا بیان کردہ طریقہ حجت ہے۔

۲ ... کتاب اللہ کی تعلیم دینا یعنی قرآن کریم کی تفسیر و تشریح فرمانا۔ اس بارے میں آپ ﷺ کی بات حرفِ آخر ہے۔

۳ ... حکمت کی تعلیم دینا یعنی دینی رہنمائی پر مبنی حکمت سیکھانا جس کے لئے آپ ﷺ کی ذات واحد سرچشمہ ہے۔

۴ ... تزکیہ فرمانا یعنی اپنی تعلیمات کو عمل میں لانے کے لئے لوگوں کی عملی تربیت کا بھی انتظام کرنا تاکہ لوگ کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل پیرا بھی ہو سکیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے مطابق ہے۔

ان چار ذمہ داریوں میں حکمت اور تزکیہ سے مراد حدیث اور سنت ہے، کیونکہ ان چار امور میں کتاب و حکمت کی تعلیم، قرآن کریم کی آیات کی تلاوت سے جدا کوئی اور چیز ہے ورنہ اس کا علیحدہ ذکر فرمانا بے معنی ہوگا، اسی طرح ”تزکیہ فرمانا“ بھی آپ کا ایسا خصوصی وصف ہے جو یقیناً قرآن کریم کے الفاظ سے پڑھ کر سننے سے زیادہ ہے، ورنہ یہ دونوں چیزیں حکمت اور تزکیہ علیحدہ اور مستقل طور پر بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے ان دونوں سے بلاشبہ حدیث اور سنت مراد ہے۔  
حضرات صحابہؓ و تابعینؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جن کی بصیرت قرآنی، ہر زمانہ میں سند اور حجیت رہی ہے ان سب کی یہی رائے ہے کہ ان سے مراد ”سنت رسول اللہ“ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو مفسر قرآن کریم ہیں اور حضرت قتادہ اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ جو جلیل القدر تابعین ہیں اور دوسرے حضرات یہی فرماتے ہیں دیکھئے! تفسیر الدر المنثور

اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲، اور ۱۲۹ میں بھی یہ فرائض بیان کئے گئے ہیں، بہر حال ان تینوں آیات سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ کی حیثیت کسی ڈاکیہ اور صرف پیغام پہنچانے والے کی طرح نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک استاذ اور ایک معلم کی ہے اور ظاہر ہے کہ استاذ اپنے اقوال و افعال سے کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حضور ﷺ کے اقوال و افعال ہی کا نام حدیث ہے اور قرآن کریم کی تفسیر ہے لہذا یہ بلاشبہ حجت ہے اور قرآن کریم نے اس بارے میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ لوگ آپ ﷺ کے بغیر اپنی مرضی اور اپنی عقل سے جس طرح چاہیں قرآن کریم کی تشریح کریں اور جس طرح چاہیں اس پر عمل کریں بلکہ وہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی پیروی کرنے کے

پابند ہیں۔

### تیسرا حکم: حضور ﷺ کی اطاعت کرنا

قرآن کریم کی بے شمار آیات میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ضروری اور لازمی قرار دیا ہے اور حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

۱ ... چنانچہ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ<sup>(۱)</sup>

#### ترجمہ

اے پیغمبر آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتے۔

۲ ... سورہ آل عمران میں ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ<sup>(۲)</sup>

#### ترجمہ

اور تم اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔

۳ ... سورہ نساء میں ہے:-

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ<sup>(۳)</sup>

#### ترجمہ

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

#### تشریح

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے حکم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بالاتفاق

(۱) آل عمران ۳۲

(۲) آل عمران ۱۳۲

(۳) سورہ نساء ۸۰

واجب ہے۔ تو حضور ﷺ کی اطاعت بھی بلاشبہ واجب ہے اور یہ حکم ان آیات کے علاوہ مزید ۲۰/۱۵ آیات میں دیا گیا ہے ان آیات میں حضور ﷺ کی اطاعت اور آپ کی بات ماننے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ جو کچھ احکام دیں اور جو کچھ ارشاد فرمائیں اُسے قبول کرو اور مانو۔ اس میں حضور ﷺ کی پیروی اور اتباع کا تعلق آپ کے افعال و اعمال سے ہے انہیں بھی معتبر اور حجت سمجھو۔ اس طرح ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ارشادات اور اعمال دونوں کو حجت قرار دیا ہے۔ لہذا منکرین حدیث کا ان کو حجت نہ ماننا ان واضح آیات کے خلاف ہے اور کھلی گمراہی ہے۔

**چوتھا حکم: حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی سے بچنا**

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی بتایا ہے۔ اور اس کو کھلی گمراہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ احزاب میں ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا<sup>(۱)</sup>

ترجمہ

”اور جس کسی نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔“

۲ ... سورۃ جن میں ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا<sup>(۲)</sup>

ترجمہ

”اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس

میں ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

۳ ... سورۃ نساء میں ہے:-

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ

مُهِينٌ<sup>(۳)</sup>

(۱) سورۃ احزاب: ۳۶

(۲) سورۃ جن: ۲۳

(۳) سورۃ نساء



## ترجمہ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ میں داخل کریں گے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لئے ذلت آمیز عذاب ہوگا۔

## تشریح

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی کے برابر قرار دیا ہے۔ اور اس کے انجام سے خبردار کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کرنے کی بناء پر وہ گمراہ ہوگا۔ اور ہمیشہ کے لئے جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ جہاں کا عذاب اس کو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ اس طرح حضور ﷺ کی اطاعت اور تابعداری کے مثبت اور منفی دونوں پہلو جدا جدا بیان کر کے حضور ﷺ کی ہر طرح تابعداری کرنے اور نافرمانی سے بچنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے۔ جو آپ ﷺ کے اقوال و افعال پر عمل کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کا نام حدیث ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث شریف بلاشبہ حجت ہے۔ اور معتبر ہے۔ اس پر عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نہ اطاعت ہو سکتی ہے اور نہ تابعداری بلکہ وہ نافرمانی ہوگی جو کھلی گمراہی ہے لہذا حجیت حدیث سے انکار کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

## پانچواں حکم: رسول کا اتباع کرنا اور آپ کا بہترین عملی نمونہ ہونا

قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور آپ ﷺ کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے۔ اور اس پر بہت زور دیا ہے اور اتباع رسول کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کرنا اور اس کی تابعداری کرنے کا پابند ہونا۔ جس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچانے کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ جیسا کہ منکرین حدیث سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنی تعلیم و تبلیغ کے ساتھ اپنی ایک عملی مثال اور نمونہ بھی قائم کرتے ہیں تاکہ ان پر ایمان لانے والے حضرات انکو دیکھ کر صحیح طریقے سے عمل کر سکیں چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ

## غَفُورٌ رَحِيمٌ (۱)

## ترجمہ

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

سورہ اعراف میں ہے:

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَنَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۱)

## ترجمہ

لہذا اب تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ جو نبی اُمی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی پیروی کرو تا کہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔

سورہ احزاب میں ہے:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (۲)

## ترجمہ

بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے اور آخرت کے دن سے امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو۔

## تشریح

ان آیات سے اور ان جیسی دیگر آیات سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والے کے لئے آپ ﷺ کے قول و فعل کا اتباع اور آپ کی پیروی کرنا واجب ہے اور یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ محض تعلیم کسی قوم کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوتی، اصلاح کا اور تعلیم پر عمل کرنے کا

(۱) سورہ اعراف: ۱۵۸

(۲) سورہ احزاب: ۲۱

فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایک عملی نمونہ اور عملی مثال پیش کی جائے۔ تاکہ لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر اس کے مطابق عمل کریں اور اپنی اصلاح کریں مثال کے طور پر اگر کوئی شخص میڈیکل سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا ہو، لیکن کسی تجربہ کار اور ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں عملی تربیت حاصل نہ کرے تو ڈاکٹر کا کورس کرنے کے باوجود اور ڈاکٹری کے فن کی کتابوں کا بھرپور مطالعہ کرنے کے باوجود وہ علاج و معالجہ کی خدمات انجام نہیں دے سکتا، اور وہ مریضوں کا علاج نہیں کر سکتا۔ یہی حال دیگر عصری علوم و فنون کا حال ہے۔

علوم و فنون کی بات تو الگ رہی ایک عام شخص جسے اچھا کھانا پکانے کا شوق ہو مگر اس نے کبھی کھانا پکایا نہ ہو تو وہ محض کھانے پکانے کی ترکیبوں پر مشتمل کتابوں کو پڑھ کر اچھا کھانا نہیں بنا سکتا۔ حالانکہ کھانا پکانے کے اجزاء ترکیبی، اس کا طریقہ، اور معمولی سے معمولی بات بھی کتاب میں وضاحت سے بیان کی ہوتی ہے۔ لیکن وہ شخص جس نے کبھی کھانا پکایا ہی نہ ہو۔ عمدہ اور لذیذ کھانا محض کتاب پڑھ کر نہیں بنا سکتا۔ جب تک وہ کسی ماہر سے تربیت حاصل نہ کرے۔ وہ ماہر اُسے کھانا پکا کر دکھائے اور یہ شخص اس کے کھانا پکانے کے انداز کو بار بار دیکھے اور خود بھی اس کو دیکھ کر بار بار ہرائے اور پکائے تو پھر وہ آہستہ آہستہ کھانا پکانا سیکھ لیتا ہے۔

اس سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوئی کہ انسانی فطرت کو کسی اہم بات کے سیکھنے کے لئے ایک عملی مثال اور نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا دینی تعلیم اور قرآنی احکام کی پیروی میں بھی یہ ضروری ہے۔ اس لئے ان آیات میں انبیاء کرام علیہم السلام اور رسول کریم ﷺ کی پیروی ضروری قرار دی گئی ہے اور حضور ﷺ کو بہترین عملی اسوہ اور نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کی سچی تابعداری کرنے پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا مندی موقوف کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کے عملی نمونہ ہونے میں آپ کے ارشادات، آپ کے اعمال و افعال اور آپ کی تقریرات سب شامل ہیں۔

لہذا وہ سب بھی قابل اتباع ہیں اور بلاشبہ حجت اور معتبر ہیں لہذا منکرین حدیث کا ان سے انکار کرنا آپ ﷺ کے عملی نمونہ ہونے اور آپ کی اتباع کی ضرورت سے انکار کرنا ہے جو کفر اور گمراہی ہے، ثابت ہوا کہ حدیث بلاشبہ حجت ہے۔

### پہلی بحث کا خلاصہ

قرآن کریم کے مذکورہ پانچ احکام سے حضور ﷺ پر ایمان لانا، اور مطلقاً آپ کی اطاعت

کرنا، آپ کی نافرمانی سے بچنا، آپ کے توسط سے کلامِ الہی کو سمجھنا اور اس بارے میں اپنی رائے اور عقل کو دخل نہ دینا بلکہ آپ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر و تشریح کو حجت اور معتبر مان کر اس پر عمل کرنا اور آپ کی ذاتِ گرامی ﷺ کو ایک مستند اور معتبر اسوہ اور عملی نمونہ مانتے ہوئے آپ ﷺ کی پوری طرح پیروی کرنا ضروری ہے۔ جس میں آپ کے اقوال و افعال وغیرہ سب داخل ہیں اور وہ سب معتبر اور حجت ہیں۔ لہذا منکرینِ حدیث کا احادیث و طیبہ کو حجت اور مستند نہ ماننے کا نظریہ قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیات کے خلاف ہے۔ اور سراسر غلط، کفر اور کھلی گمراہی ہے۔

### دوسری بحث: وحی کی دو قسمیں ہیں

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کی دو قسمیں ہیں:

#### ۱۔ وحی متلو ۲۔ وحی غیر متلو

#### وحی کی پہلی قسم وحی متلو

یہ وحی کی وہ قسم ہے جسے قرآنِ کریم کہتے ہیں۔ جو آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ اور اسے وحی متلو اس لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اسکی تلاوت کرنا درست ہے۔ یہ قسم صرف قرآنِ کریم کی آیات کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ وحی قرآنِ کریم میں لفظ بہ لفظ لکھی ہوئی ہے۔ جو بلاشبہ حجت اور مستند و معتبر ہے۔ اور منکرینِ حدیث بھی اس کو مانتے ہیں۔

#### وحی کی دوسری قسم وحی غیر متلو

یہ وحی کی وہ قسم ہے جو قرآنِ کریم کے سوا روزمرہ پیش آنے والے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی رضا معین کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً نازل ہوتی تھی۔ اس وحی کے ذریعہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو اصول و احکام اور ہدایات دی ہیں۔ ان کی صحیح تشریح اور تعبیر بھی سمجھائی جاتی تھی۔ وحی کی یہ قسم وحی غیر متلو کہلاتی ہے، کیونکہ نماز میں اس کی تلاوت کرنا درست نہیں ہے۔

یہ وحی حضور ﷺ کے ارشادات اور اعمال و افعال کے ذریعے ظاہر کی گئی ہے، اسی کو حدیث شریف کہتے ہیں اور منکرینِ حدیث اسی کا انکار کرتے ہیں۔ اور معاذ اللہ ان کو بے حقیقت اور سنی سنائی

باتیں بتا کر ٹھکراتے ہیں جو ان کی کھلی گمراہی اور کفر ہے، کیونکہ وحی غیر متلو کا برحق ہونا بھی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر کردہ قرآن کریم کے پانچ احکام کی آیات میں گزرا۔ اور مزید چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱ ... اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں فرمایا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱)

ترجمہ

اور اے پیغمبر! ہم نے آپ پر قرآن کریم اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کریں جو ان کے لئے اتاری گئی ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

تشریح

اس آیت سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے ذمہ یہ خدمت بھی سپرد کی گئی ہے کہ قرآن کریم میں جو احکام، ہدایات اور اصولی باتیں بیان کی گئی ہیں آپ ان کو کھول کر بیان کریں اور ان کی تفسیر و تشریح فرما کر ذہن نشین کریں اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ کسی چیز کی تشریح اور توضیح اصل عبارت سے الگ ہوا کرتی ہے، بس قرآن کریم کی اسی تشریح کا نام حدیث ہے کیونکہ قرآن کریم کے جو معانی اور مطالب حضور ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے ہیں وہ احادیث قولیہ ہیں اور جن کی تشریح آپ نے اپنے عمل سے فرمائی ہے وہ احادیث فعلیہ ہیں اور جن امور میں آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اور کوئی نکیر و غیرہ نہیں فرمائی انکو تقریر کہتے ہیں۔ یہ بھی مستند اور معتبر ہیں۔ مثلاً: قرآن کریم میں متعدد مقام پر اَقِمْوُا الصَّلَاةَ آیا ہے، لیکن اس کا مطلب اور مفہوم کیا ہے؟ اور اقامتِ صلاۃ کی کیفیت کیا ہے؟ وہ قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے۔ مذکورہ آیت کے تحت اسکی تشریح کے سلسلے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

”صَلُّوا کَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي“ (۲)

ترجمہ

تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔

(۱) سورہ نحل ۴۴

(۲) صحیح البخاری باب الادن للمسافر فتح رقم الحديث: ۵۹۵۔

اسی طرح قرآن کریم میں ”اقیموا الصلوة“ کے ساتھ اکثر ”وائتوا الزکوۃ“ کا حکم بھی نازل ہوا ہے، لیکن زکوۃ کی مقدار، زکوۃ واجب ہونے کا نصاب اور وجوب زکوۃ کے دیگر احکام قرآن کریم میں مذکور نہیں ہیں۔ ان سب کی تشریح آپ ﷺ نے اپنے ارشادات سے فرمائی ہے۔

اسی طرح چور اور چورنی کی سزا کے بارے میں قرآن کریم میں یہ حکم آیا ہے۔  
 ”وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ  
 عَزِيزٌ حَكِيمٌ“ (۱)

### ترجمہ

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے دونوں کے ہاتھ کاٹ دو تا کہ ان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب اقتدار اور صاحب حکمت ہیں۔

لیکن قرآن کریم میں یہ حکم مطلق ہے چوری کا نصاب اور چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، کلائی سے یا کہنی سے یا کندھے سے؟ یہ بات — قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے۔ یہ حضور ﷺ نے اپنے ارشادات سے بیان فرمائی ہے۔

اسی طرح سورۃ بقرہ میں ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أُمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۲)

### ترجمہ

”اور تم تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو اور خاص طور پر درمیان کی نماز کا، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب، فرمانبردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔ اور اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں نماز پڑھو، پھر جب تم امن کی حالت میں آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔“

(۱) سورۃ مائدہ ۳۸

(۲) بقرہ ۲۳۹



## تشریح

اس آیت کے ضمن میں یہ بات موجود ہے کہ مسلمانوں پر ایک سے زیادہ نمازیں فرض ہیں۔ لیکن انکی تعداد کتنی ہے؟ یہ بات نہ اس آیت میں ہے نہ قرآن کریم کی کسی دوسری آیت میں ہے اور یہ بات کہ فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے۔ یہ مسلمانوں کو صرف نبی کریم ﷺ سے معلوم ہوئی ہے۔ اور اس آیت میں اللہ پاک نے یہ فرما کر کہ تمام نمازوں کی حفاظت کرو اس سے حضور ﷺ کی پانچ نمازیں فرض ہونے والی بات کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے۔

اس آیت میں درمیان والی نماز جس کو ”صلوۃ الوسطیٰ“ فرمایا ہے جس کی حفاظت کی تاکید فرمائی ہے اس سے کوئی نماز مراد ہے؟ اس آیت میں اس کا ذکر نہیں اس کی تعیین آپ ﷺ نے اپنے ارشاد سے فرمائی ہے۔ اور وہ عصر کی نماز ہے۔<sup>(۱)</sup> معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں کا تعیین اور درمیانی نماز کا تعیین کرنے میں اس آیت کی رو سے آپ ﷺ کا تعیین فرمانا معتبر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی غیر مملو بھی حجت ہے جس کو حدیث شریف کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات اور ان کی تشریح سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ آپ قرآن کریم کی تشریح اور توضیح فرمائیں، لہذا آپ کا تشریح فرمانا جس کو حدیث اور سنت کہتے ہیں، سند اور حجت ہے۔ چنانچہ نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، چور کا ہاتھ کاٹنے اور پانچ نمازوں کی فرضیت اور درمیانی نماز کی بطور خاص حفاظت اور پابندی کی تشریح آپ ﷺ نے اپنے ارشادات سے فرمائی ہے جو وحی غیر مملو ہے۔ اور یہ بات ان آیات کے علاوہ مزید ۱۵/۱ آیات سے ثابت ہے لہذا ان آیات کی روشنی میں وحی کی دوسری قسم وحی غیر مملو جسے حدیث کہتے ہیں، بلاشبہ معتبر اور حجت ہے بالخصوص یہ آیت اس بارے میں بالکل واضح ہے چنانچہ سورہ نجم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“<sup>(۲)</sup>

## ترجمہ

اور یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

(۱) صحیح مسلم کتاب المساجد مواضع الصلوۃ باب الدلیل لمن قال الصلوۃ الوسطیٰ فی صلاۃ العصر رقم الحدیث ۹۹۸

(۲) سورہ نجم ۵۳

## تیسری بحث

## حدیث کے بغیر قرآن کریم پر عمل ممکن نہیں

پہلی اور دوسری بحث میں قرآن کریم کی آیات سے حدیث کا حجت اور معتبر ہونا ثابت ہوا، اس تیسری بحث میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حدیث شریف کو معتبر مانے بغیر قرآن کریم کے متعدد احکام پر عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن کریم میں ان کے واضح اوقات، شرائط، فرائض، واجبات اور ادا کرنے کا کوئی طریقہ مذکور نہیں وجہ یہی ہے کہ ان احکام کی تفسیر و تشریح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے سپرد فرمائی ہے اور قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ چنانچہ سورہ نحل میں ہے:-

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ<sup>(۱)</sup>

## ترجمہ

اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر یہ قرآن کریم اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کریں جو ان کے لئے اتاری گئی ہیں تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

## تشریح

اس آیت میں لفظ ذکر سے بالاتفاق قرآن کریم مراد ہے اور اس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر اور آپ پر نازل ہونے والی وحی کی تشریح رسول کریم ﷺ کی اہم اور بنیادی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ آپ کی ذات گرامی قرآن کریم کی تفسیر کے لئے اور قرآنی احکام کی وضاحت کے لئے معتبر اور حجت قرار پائی ہے اور آپ کا بیان حرف آخر ہے اور اسی کو حدیث اور سنت کہتے ہیں۔ ذکر کردہ بات کی مزید تشریح کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے قرآن کریم کی تفسیر کی چند مثالیں دی جاتی ہیں جن سے واضح ہوگا کہ حدیث شریف کو حجت اور معتبر مانے بغیر قرآن کریم کے احکام پر عمل نہیں ہو سکتا۔

## پہلی مثال

## نماز پڑھنے کا طریقہ

اسلام میں توحید کے اقرار کے بعد سب سے اہم اور پہلا ستون نماز ادا کرنا ہے۔ قرآن

کریم میں تقریباً ستر سے زیادہ مقامات پر نماز قائم کرنے کی تاکید آئی ہے، لیکن قرآن کریم کی کسی بھی آیت میں نماز ادا کرنے کا طریقہ مذکور نہیں ہے۔ یہ صرف حضور ﷺ کی سنت سے معلوم ہوا ہے اور آپ ﷺ نے اپنے عمل سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:-

”صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي“ (۱)

### ترجمہ

تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔  
اگر حدیث اور سنت کو معتبر نہ مانیں تو کوئی شخص بھی قرآن کریم کے مطابق نماز کی ادائیگی کا صحیح طریقہ نہیں بتا سکتا۔ اور کوئی شخص قرآن کریم کے مطابق نماز نہیں پڑھ سکتا۔

### دوسری مثال

فرض نمازوں کی تعداد، اوقات اور رکعات کی مقدار  
قرآن کریم میں اتنا مذکور ہے کہ چند مخصوص اوقات میں نماز ادا ہو سکتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:-

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (۲)

### ترجمہ

”بلاشبہ نماز مسلمانوں کے ذمہ ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ چند ایک مقررہ اوقات میں نماز ادا کی جاسکتی ہے لیکن وہ مقررہ اوقات کونسے ہیں؟ اور کتنے ہیں؟ ان کی واضح تفسیر قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے اس طرح قرآن کریم میں نمازیں ادا کرنے کی تاکید جگہ جگہ موجود ہے لیکن روزانہ فرض نمازوں کی تعداد کا پانچ ہونا، اور ان کی رکعات کی تعداد کتنی ہے؟ یہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ یہ تینوں باتیں یعنی فرض نمازوں کا پانچ ہونا، ان فرض نمازوں کے اوقات کا پانچ ہونا اور ان کی رکعات کی معروف تعداد محض حدیث اور سنت کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں۔ اگر حدیث اور سنت کو حجت نہ مانیں تو قرآن کریم کے اس اہم فریضہ نماز پر عمل کرنا ممکن نہیں۔

(۱) صحیح البخاری باب الادان للمسافر الخ رقم الحديث: ۵۹۵

(۲) سورة مائدہ: ۴۳

## تیسری مثال زکوٰۃ کی مقدار کا تعین

اسلام کا دوسرا ستون اور دوسرا فرض زکوٰۃ ہے جس کے ادا کرنے کا اکثر نماز کے ساتھ تاکید ذکر آیا ہے اور تقریباً ۳۲/۲۰ آیات میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی کس شخص پر فرض ہے اور اس کی ادائیگی کس طرح سے کی جائے گی؟ کن اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ اور کن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی؟ یہ قرآن کریم میں مذکور نہیں، ان سب کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ بیان فرمائی ہیں۔ اگر حدیث اور سنت کو حجت نہ مانیں تو زکوٰۃ کے قرآنی فریضہ پر عمل نہیں ہو سکتا۔

## چوتھی مثال

### جنابت کی تعریف اور پاکی کا مفہوم

قرآن کریم میں وضو کا طریقہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

”وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا“ (۱)

### ترجمہ

اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو سارے جسم کو خوب اچھی طرح پاک کرو۔

### تشریح

اس آیت میں جنابت کی حالت میں جسم کو اچھی طرح پاک کرنے کا حکم ہے اور دوسری آیت میں یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں کوئی شخص نماز نہیں پڑھ سکتا، لیکن جنابت کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ قرآن کریم میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں اور نہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو کس طریقے سے اچھی طرح پاک کرے؟ ان سوالوں کا جواب صرف رسول کریم ﷺ نے دیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے ان کی ضروری تفصیلات بیان فرمائی ہیں چنانچہ ان پر عمل کئے بغیر قرآن کریم کے مذکورہ حکم پر عمل نہیں ہو سکتا لہذا حدیث کو معتبر ماننا ضروری ہے۔

## پانچویں مثال حج ہے

اسلام کا چوتھا رکن حج ہے جس کے بارے میں قرآن کریم نے حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:-

”وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا“ (۱)

### ترجمہ

”اور اللہ تعالیٰ کے واسطے لوگوں میں سے ان پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو لوگ اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔“

### تشریح

اس آیت میں حج کے فرض ہونے کا تو ذکر ہے لیکن یہاں اس حکم میں یہ بات نہیں بتلائی گئی کہ کس شخص پر حج فرض ہے؟ اور زندگی میں کتنی بار حج کرنا فرض ہے؟ اس کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیان سے فرمائی ہے کہ حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے۔

### خلاصہ بحث

ان مثالوں کے علاوہ اور بھی متعدد قرآنی احکام ایسے ہیں کہ ان کی تفصیلات اور ادائیگی کا طریقہ، قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے، انھیں حضور ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ ہی واضح فرمایا ہے، بہر حال مذکورہ پانچ مثالوں سے معلوم ہوا کہ احادیث طیبہ اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بلاشبہ حجت ہے، ورنہ قرآن کریم کے بہت سے احکام پر عمل کرنا ممکن نہیں، لہذا قرآن کریم کو برحق مانتے ہوئے، حدیث کو معتبر ہونے سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ (۲)

### چوتھی بحث

احادیث طیبہ کی رو سے بھی سنت اور حدیث حجت ہے

اس سے پہلے کی تین بحثوں سے ثابت ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح حضور ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم ہے اسی طرح حضور ﷺ کی اطاعت ضروری ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے

(۱) سورۃ آل عمران ۹۷

(۲) حجت، حدیث، ص ۷۹

احکام کی پیروی کرنا ضروری ہے اسی طرح حضور ﷺ کی پیروی کرنا واجب ہے۔ اور قرآن کریم کے احکام کی تفسیر و تشریح کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کا اہم اور بنیادی فریضہ ہے اور ان سب امور کا دار و مدار حضور ﷺ کی سنت اور حدیث پر ہے جیسا کہ تفصیل سے پیچھے گزرا۔

احادیث طیبہ سے بھی یہ امور ثابت ہیں نمونہ کے طور پر چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔  
بخاری شریف میں ہے:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَنْ أَبَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى. (۱)

### ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان لوگوں کے جو انکار کریں، عرض کیا گیا کہ انکار کرنے والے کون لوگ ہیں؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا۔

بخاری شریف میں ہے:-

عن جابر رضي الله تعالى عنه في حديث طويل وفي آخره ... فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ (۲)

### ترجمہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں مروی ہے کہ جس شخص نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضرت محمد ﷺ لوگوں (یعنی مومن اور کافر) کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

(۱) صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، رقم الحديث: ۶۷۳۷

(۲) صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، رقم الحديث: ۶۷۳۸



۳۔ موطا امام مالک میں ہے:-

عن مالك ابن انس رضى الله تعالى عنه مرسلًا قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَرَكْتُ فِيكُمْ أُمُورَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمُ بِهِمَا: كِتَابُ اللَّهِ، وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ).<sup>(۱)</sup>

### ترجمہ

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسل مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان پر عمل کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

### چار بحثوں کا خلاصہ

مذکورہ بالا چار بحثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر حال میں واجب الطاعت ہیں۔ آپ کا ہر قول، ہر فعل جسے حدیث کہتے ہیں بلاشبہ حجت ہے اور آپ کی اطاعت سے ذرا سا بھی اعراض و انکار کرنا ضلالت و گمراہی ہے لہذا منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ ہمیں قرآن کریم کافی ہے اور معاذ اللہ ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں بالفاظ دیگر ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حاجت نہیں اور قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے ہماری عقل کافی ہے دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ آیات و احکام کا انکار کرنا ہے جو بلاشبہ کفر اور گمراہی ہے۔

یہاں تک منکرین حدیث کے انکار حدیث کے نظریہ کی پہلی وجہ کا باطل ہونا قرآن کریم کی صریح آیات اور واضح احادیث سے ثابت ہوا۔

### منکرین حدیث کے نظریہ کی دوسری وجہ بھی باطل ہے

منکرین حدیث کا حدیث کے حجت ماننے سے انکار کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سنت اور حدیث اس لئے قابل اعتبار نہیں ہیں کہ جن کتابوں میں یہ احادیث لکھی ہوئی ہیں وہ زیادہ تر زبانی اور سنی سنائی روایات کا مجموعہ ہیں۔ جو آپ ﷺ کے وصال کے کوئی دو سو سال کے بعد مرتب ہوئی ہیں لہذا ان پر دین کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی اس لئے وہ قابل اعتماد اور حجت نہیں۔

منکرین حدیث کے انکار حدیث کی اس دوسری وجہ میں دو باتیں مذکور ہیں، ایک یہ کہ حدیث شریف زبانی اور سنی سنائی روایتوں کا مجموعہ ہے اس لئے معتبر نہیں، دوسری بات یہ کہ احادیث حضور ﷺ کے وصال کے کوئی دو سو سال کے بعد مرتب ہوئی ہیں اس لئے حجت نہیں ان کی یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔ جیسا کہ آنے والی تحصیل سے ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ ہم ان دونوں باتوں کا باطل ہونا جدا جدا بیان کریں گے۔

### زبانی احادیث کا انکار عقلاً باطل ہے

منکرین حدیث کا زبانی روایات کو مطلقاً ناقابل اعتبار بتلانا اور کسی حدیث کو محض یہ کہہ کر رد کرنا کہ یہ زبانی روایت ہے عقل اور شرع دونوں کی رو سے باطل اور مردود ہے۔

از روئے عقل اس لئے باطل ہے کہ تمام عقلمندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی بات کسی سچے اور معتبر آدمی سے سن کر روایت کی جائے اور زبانی بیان کی جائے تو وہ معتبر اور قابل قبول ہوتی ہے چاہے وہ لکھی ہوئی نہ ہو اس کی تین مثالیں ہیں۔

#### پہلی مثال

عدالتوں میں فیصلوں کا دار و مدار زبانی شہادتوں پر ہوتا ہے۔ اگر کسی مقدمہ میں تمام گواہ ثقہ اور معتبر ہوں تو عدالت زبانی شہادت قبول کر کے فیصلہ دے دیتی ہے اگر کوئی اس پر جج سے الجھنے لگے اور کہنے لگے کہ زبانی شہادت حجت نہیں اس لئے آپ کا فیصلہ معتبر نہیں تو ایسے شخص کو کان سے پکڑ کر عدالت سے باہر نکالا جائے گا اور ممکن ہے کہ توہین عدالت کی وجہ سے وہ مستحق سزا ہو۔

#### دوسری مثال

یا جیسے ساری دنیا میں تمام معاملات لین و دین خرید و فروخت، کرایہ پر لینا اور دینا، قرض کا لین و دین سب زبانی ہوتے ہیں اور اس کو معتبر مانتے ہیں اور ان کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں کہیں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ زبانی معاملہ کرنا معتبر نہیں لکھ کر کرنا ضروری ہے۔ اور ان معاملات میں جو اہم معاملات لکھے جاتے ہیں وہ یادداشت، قانونی ثبوت اور اطمینان کے لئے لکھے جاتے ہیں ان میں معاملہ لکھنے کی حیثیت ثانوی درجہ کی ہوتی ہے، اصل معاملہ زبانی ہی طے ہوتا ہے جو عموماً بعد میں لکھا جاتا ہے۔

## تیسری مثال

یا جیسے ایک معاشرتی مسئلہ منگنی اور نکاح کا ہے وہ اصلاً زبانی طے ہوتا ہے منگنی کی عموماً کوئی تحریر بھی نہیں ہوتی اور نکاح کا ایجاب و قبول زبانی ہوتا ہے البتہ نکاح نامے میں نکاح قانونی ثبوت کے لئے لکھا جاتا ہے لیکن اس پر بھی دستخط زبانی نکاح کے بعد ہوتے ہیں۔

ان تین مثالوں سے معلوم ہوا کہ اصل اعتبار زبان کا ہے اور زبانی بیان بلاشبہ حجت اور معتبر ہے لہذا منکرین حدیث کا مذکورہ تین مثالوں میں زبانی بیان کو معتبر ماننا اور احادیث طیبہ کے زبانی بیان کرنے کو غیر معتبر قرار دینا سراسر خلاف عقل ہے۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ ذکر کردہ مثالوں میں زبانی گواہی دینے والے، زبانی معاملات طے کرنے والے اور نکاح وغیرہ کرنے والے اکثر عام لوگ ہوتے ہیں جو ہر حال میں قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ جبکہ احادیث طیبہ زبانی بیان کرنے والے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، جمیع اور تبع تابعین رحمہم اللہ ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ کی احادیث کے راوی ہیں جو علم و فہم، عدالت و ثقاہت اور دیانت و تقویٰ میں مسلم اور اظہر من الشمس ہیں۔ اور حفظ و اتقان میں اپنی مثال آپ ہیں اس صورت میں عام لوگوں کے زبانی بیان کو معتبر قرار دینا اور ان مقدس حضرات کا زبانی روایت کرنے کو غیر معتبر قرار دینا بالکل خلاف عقل ہے اور باطل ہے۔

نیز منکرین حدیث کا نظریہ اور ان کے خیالات کی بنیاد دراصل اپنے بے بنیاد خیالات اور تاریخی روایات پر ہے۔ جن کی کوئی سند نہیں نہ سچی اور نہ جھوٹی۔ جبکہ احادیث طیبہ کی بنیاد سلسلہ سند پر ہے، کیونکہ حضرات محدثین رحمہم اللہ ہر حدیث کو سند متصل کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ جس کا اختتام ایسے معتبر راوی پر ہوتا ہے جس نے حدیث میں بیان ہونے والے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور اپنے کانوں سے سنا ہو اور سند کے درمیان راویوں کا حال بھی معلوم ہو ایسی روایات کو حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں۔ اور جس روایت کی کوئی سند ہی نہ ہو یا اس روایت کی سند کے درمیان راویوں کا حال معلوم نہ ہو تو وہ حدیث حضرات محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک معتبر اور قابل قبول نہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ منکرین حدیث کا اپنے نظریہ اور خیالات کی بنیاد، محض تاریخی روایات پر رکھنا جن کی کوئی سند نہیں ہے اور احادیث طیبہ جن کی بنیاد معتبر سندوں پر ہے ان کا انکار کرنا کس قدر جہالت کی بات ہے اور عقل کے خلاف ہے۔

## خلاصہ بحث

خلاصہ یہ کہ زبانی روایت کرنا از روئے عقل بلاشبہ حجت ہے اور تمام عقلمندوں کے نزدیک معتبر ہے بشرطیکہ وہ کسی معتبر اور ثقہ شخص کے ذریعہ معلوم ہوئی ہو اگرچہ وہ لکھی ہوئی نہ ہو محض زبانی ہو۔ منکرین حدیث کی یہ بات کہ احادیث طیبہ اس لئے قابل اعتماد نہیں کہ وہ زبانی روایات کا مجموعہ ہیں عقلاً باطل اور مردود ہے۔

## زبانی احادیث طیبہ کا انکار شرعاً بھی باطل ہے

منکرین حدیث کا احادیث طیبہ کو اس لئے غیر معتبر قرار دینا کہ یہ حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ وہ زبانی اور سنی سنائی روایات کا مجموعہ ہیں۔ شرعی لحاظ سے درست نہیں، کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں یہ وعدہ فرمایا ہے سورہ حجر میں ہے:-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (۱)

## ترجمہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن کریم) ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

## تشریح

اس آیت میں ذکر سے بالاتفاق قرآن کریم مراد ہے جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے لفظ قرآن ذکر نہیں کیا تا کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ قرآن کریم صرف الفاظ کا نام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صرف الفاظ قرآنی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تشریح و معانی کا نہیں؟ بلکہ قرآن کریم الفاظ اور معانی دونوں کا نام ہے اور ان دونوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، کیونکہ نصیحت الفاظ اور معانی دونوں سے حاصل ہوتی ہے۔ لہذا اس آیت کی رو سے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح حضور ﷺ کی مبارک احادیث کی حفاظت بھی ضروری ہے، کیونکہ وہ قرآن کریم کی تشریح و توضیح ہیں۔ جن کے بغیر قرآن کریم کو نہ صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور نہ قرآن کریم کے احکام پر صحیح طریقے سے عمل ہو سکتا ہے۔ اور قرآن کریم کی تشریح فرمانا جسے حدیث شریف

کہتے ہیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کی منجانب اللہ ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری جل مجدہ ہے:-

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱)

### ترجمہ

اور اے پیغمبر! ہم نے آپ پر یہ قرآن کریم اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کریں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں تاکہ یہ لوگ فکر سے کام لیں۔

اس آیت میں بھی قرآن کریم کے لئے لفظ ”ذکر“ استعمال ہوا ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم سے لوگ اسی وقت ہدایت اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں جب حضور ﷺ کی تشریحات یعنی احادیث طیبہ ان کی راہنما ہوں۔ پھر اس آیت میں للناس سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی بیان فرمودہ تشریحات قرآن فہمی کے واسطے ہر شخص کے لئے ضروری ہیں۔ کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی حفاظت کے وعدہ میں حضور ﷺ کی احادیث بھی داخل ہیں۔ خواہ وہ زبانی ہوں یا لکھی ہوئی۔ اور وہ کیوں نہ داخل ہو جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (۲)

### ترجمہ

اور وہ (یعنی پیغمبر) اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ من جانب اللہ وحی ہوتی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔

### تشریح

معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن کریم کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہیں اسی طرح حضور ﷺ کی احادیث طیبہ بھی وحی ہیں۔ احادیث طیبہ چاہے زبانی ہوں یا لکھی ہوئی۔ دونوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے لہذا دونوں معتبر اور حجت ہیں۔ لہذا اس کے بعد قرآن کریم کو

(۱) سورۃ محل: ۱۴

(۲) سورۃ نجم: ۲۳

معتبر بہنا اور حضور ﷺ کی زبانی بیان کردہ احادیث کو غیر معتبر قرار دینا مذکورہ بالا قرآنی آیات کے خلاف ہے اور باطل ہے۔

احادیث اور سنت کو دو سو سال کے بعد لکھنے کی وجہ سے حجت نہ ماننا

محض غلط اور تاریخی جھوٹ ہے

منکرین حدیث کے انکار حدیث کے نظریہ کی دوسری اور اہم وجہ یہ ہے کہ سنت اور حدیث کی کتابیں زبانی روایتوں کا مجموعہ ہیں۔ جو آپ ﷺ کے وصال کے کوئی دو سو سال کے بعد لکھی گئی ہیں۔ لہذا یہ قابل اعتماد اور قابل اعتبار نہیں ہیں۔ انکار حدیث کی یہ وجہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اور ایک تاریخی جھوٹ ہے۔ جو ان جھوٹ بولنے والوں کی دیدہ دلیری اور احادیث طیبہ کے مدون ہونے کی تاریخ سے سراسر لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔

تجیب حدیث کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا مختصر انتخاب پیچھے گزر چکا ہے، ان میں بخوبی واضح کیا گیا ہے کہ حدیث شریف اور سنت رسول ﷺ کی باقاعدہ کتابت آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں شروع ہو چکی تھی۔ اور رفتہ رفتہ اپنے کمال کو پہنچی ہے۔ جس کی مختصر اور جامع تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آرہی ہے اس سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اور سنت کی حفاظت کا واحد طریقہ صرف کتابت حدیث نہ تھا بلکہ اس کے لئے اور بھی قابل اعتماد طریقے موجود تھے۔ جس کے ذریعہ حدیث اور سنت محفوظ کی جاتی تھی۔ اس کے لئے آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی تین مشہور قسمیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔

### احادیث کی تین قسمیں

راویوں کی کثرت تعداد کے لحاظ سے احادیث کی مندرجہ ذیل تین بڑی قسمیں ہیں:

۱ ... متواتر      ۲ ... مشہور      ۳ ... خبر واحد

#### خبر متواتر

وہ مبارک حدیث ہے جسے رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانے سے لے کر آج تک ہر دور اور زمانے میں اتنے راویوں نے اس کو روایت کیا ہو کہ از روئے عقل ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن ہو پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک لفظاً متواتر ہونا یعنی تمام راوی اس روایت کے الفاظ یکساں ذکر کریں،



ان میں کوئی بڑا اختلاف نہ ہو۔ اور دوسری معنی متواتر ہونا۔ یعنی حدیث کے الفاظ تو یکساں نہ ہوں لیکن ان کا بنیادی مفہوم ایک ہو جس پر تمام راوی متفق ہوں۔ مثلاً:

مِنْ كَذِبٍ عَلَىٰ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ۖ (١)

27

جو شخص جان بوجھ کر کوئی جھوٹ بات میری طرف منسوب کرے اُسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

تشریح

یہ حدیث متواتر کی پہلی قسم کی مثال ہے جسے تقریباً چوتھرا (۲) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یکساں الفاظ میں روایت کیا ہے اور بعد کے طبقات میں راویوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے اور اب سینکڑوں کی تعداد میں راوی اس کے روایت کرنے والے ہیں سب بغیر کسی فرق کے ان ہی الفاظ میں حدیث روایت کرتے ہیں۔

دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ راویوں کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر میں دو رکعت، ظہر و عصر اور عشاء کی نماز میں چار چار رکعات اور مغرب کی نماز میں تین رکعات ادا کرنے کا حکم دیا۔۔۔۔۔ ان راویوں کی تمام روایات کے الفاظ یکساں نہیں ہیں لیکن ان سب کا بنیادی مفہوم ایک ہے اور وہ پانچ فرض نمازوں کی رکعات کا تعین ہے جو سب میں یکساں ہے۔

خبر مشہور

وہ مبارک حدیث ہے جو متواتر نہ ہو اور کسی بھی طبقہ میں اسکے روایت کرنے والے راوی تین سے کم نہ ہوں۔

## مثال

إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ  
الْعُلَمَاءِ، (۳)

(١) صحيح البخاري كتاب العلم باب اثم من كذب على النبي ﷺ رقم الحديث: ١٠٧

(۲) بعض حضرات شارحین حدیث نے اس سے بھی زائد تعداد کی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: شرح النووی علی صحیح مسلم مقدمہ الكتاب

جاء

(۲) صحیح البداری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم رقم الحديث: ۹۸

## ترجمہ

اللہ تعالیٰ علم اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ بندوں کے سینہ سے علم نکال لیں لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھانے کے ذریعے علم اٹھائیں گے۔

## خبر واحد

یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی کسی طبقہ میں تین سے کم رہ گئے ہوں۔

## مثال

السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ... الخ<sup>(۱)</sup>

## ترجمہ

سفر عذات اور تکالیف کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں وقت پر کھانے، پینے اور سونے سے روکتا ہے۔

## پہلی دو قسم کا حکم

جو احادیث متواتر ہیں وہ بلاشبہ حجت اور معتبر ہیں اور ان کے معتبر اور حجت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ جو بات کثرت سے تسلسل اور تواتر کے ساتھ بیان کی جائے اُسے ہر شخص بلا تردد مان لیتا ہے مثلاً مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ (زادھما اللہ شرفاً) سعودی عرب کے دو مشہور شہر ہیں۔ جنہیں بہت سے لوگوں نے نہیں دیکھا لیکن چونکہ ان شہروں کے دیکھنے والے ہر زمانے میں اتنی تعداد میں ہیں کہ عقل ان کو جھوٹا نہیں کہہ سکتی۔ اس لئے ان شہروں کو نہ دیکھنے والے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے انہیں مانتے ہیں۔ ان کا انکار کرنا محض حماقت اور جہالت ہے۔ اسی طرح متواتر احادیث بھی بلاشبہ حجت اور قابل قبول ہیں، ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

حدیث کی دوسری قسم جو مشہور کہلاتی ہے گواں کا درجہ صحت متواتر احادیث کی نسبت کم ہے لیکن وہ بھی اپنی صداقت اور سچائی کے بارے میں اطمینان کرنے کے لئے بہت کافی ہیں، کیونکہ ہر طبقہ میں اس کے روایت کرنے والے راوی تین سے زیادہ سچے اور قابل اعتماد ہونے ضروری ہیں۔ اس لئے ایسی روایات کو ماننا لازم ہے۔ ان سے انکار کرنا درست نہیں۔

## تیسری قسم کا حکم

جو حدیث خبر واحد ہے۔ اس کی حجت اور صداقت کا دار و مدار راوی کی سچائی اور دیانت پر ہے۔ اگر اس لحاظ سے راوی قابل اعتبار ہے۔ تو اس کی بیان کردہ روایت بھی قابل قبول ہے۔ اور اگر اکیلا راوی مشکوک ہے تو اس کی روایت خود بخود مشکوک ہو جاتی ہے۔ لہذا منکرین حدیث کا خبر واحد کے حجت ماننے سے مطلقاً انکار کرنا سراسر غلط ہے۔ ورنہ پھر منکرین حدیث کے نزدیک قرآن کریم بھی معتبر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ قرآن کریم آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ لوگوں نے نہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، اور نہ قرآن کریم کو اترتے ہوئے دیکھا، محض آپ ﷺ کے فرمانے اور آپ پر بھروسہ کر کے اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام مان لیا، اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا، اور نہ آپ کے معجزات کو دیکھا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پھر تابعین عظام رحمہم اللہ پر بھروسہ کر کے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو قبول کیا۔ اور اس پر ایمان لائے پھر یہ سب غیر معتبر ہونا چاہئے اس لئے منکرین حدیث کا خبر واحد کے معتبر ہونے سے علی الاطلاق انکار کرنا صحیح نہیں۔

یہ وہ دلائل ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں آنے والے ہیں۔ ورنہ قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی رو سے گیارہ دلائل وہ ہیں جن سے خبر واحد کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

خلاصہ یہ کہ تمام احادیث مذکورہ بالا تین قسموں میں داخل ہیں۔ اس لئے وہ بلاشبہ حجت اور معتبر ہیں، ان کے حجت اور معتبر ہونے سے انکار کرنا سراسر جہالت اور حٹ دھرمی ہے۔

## حفاظت حدیث کے چند اور طریقے

عنقریب یہ بتایا جائے گا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے احادیث طیبہ کی بڑی تعداد تحریری شکل میں محفوظ کر لی تھی، لیکن حفاظت حدیث کا صرف یہی واحد طریقہ نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی مختلف طریقے تھے۔ ان میں سے تین طریقے درج ذیل ہیں:

## ۱۔۔۔ زبانی یاد کرنا

شروع میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم احادیث طیبہ زبانی یاد کرنے

کے عادی تھے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

نضر اللہ عبداً سمع مقالتي فوعاها ثم اداها كما سمع۔<sup>(۱)</sup>

### ترجمہ

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میرا کہا ہوا سن کر یاد کر لے پھر اس بات کو دوسروں تک بالکل اسی طرح پہنچا دے جس طرح اس نے سنا تھا۔

### تشریح

اس حدیث کی بناء پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے وقت کا ایک معقول حصہ احادیث کو زبانی یاد کرنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ بلکہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے گھربار چھوڑ کر مسجد نبوی میں قیام کر لیا تھا اور انہوں نے اپنی زندگی اس مقصد کے لئے وقف کر دی تھی کہ وہ احادیث طیبہ سنیں اور اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیں جن کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا۔ ان کے رئیس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ممتاز صحابی ہیں جنہوں نے ۵۳۷۴ احادیث روایت کی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

جزأت الليل ثلثة اجزاء ثلثاً اصلی و ثلثاً انام و ثلثاً اذکر فیہ حدیث رسول اللہ ﷺ<sup>(۲)</sup>

### ترجمہ

میں نے اپنی رات تین حصوں میں تقسیم کر رکھی ہے۔ ایک تہائی رات میں نماز پڑھتا ہوں، ایک تہائی میں سوتا ہوں اور باقی ایک تہائی میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد کرتا ہوں۔

### تشریح

چنانچہ مدینہ منورہ کے گورنر مروان نے ایک مرتبہ آپ کے حافظہ کا امتحان لیا۔ اور اس نے آپ کو اپنے گھر بلا لیا۔ اور پردہ کے پیچھے ایک کاتب شخص کو بٹھا دیا۔

اور اس کو ہدایت کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو احادیث بیان کریں وہ لکھتا

(۱) ترمذی شریف ص ۹۴، ج ۲

(۲) حبیثو حدیث ص ۱۱

جائے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث بیان کرنے کی درخواست کی اور کاتب نے حسب ہدایت وہ سب احادیث تحریر کر لیں۔ ایک سال کے بعد پھر مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے گھر بلا دیا۔ اور پچھلے سال کی بیان کردہ احادیث دہرانے کی فرمائی کی اور حسب سابق پردہ کے پیچھے کاتب کو بٹھا کر اس سے کہا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ احادیث کو پچھلے سال کی لکھی ہوئی احادیث سے ملاتا جائے آخر میں اس کاتب نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ احادیث میں نہ کوئی لفظ چھوٹا اور نہ پچھلے سال کی احادیث میں کوئی لفظ تبدیل ہوا اور نہ آگے پیچھے ہوا۔<sup>(۱)</sup>

فہن حدیث کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں خود واضح طور پر یہ بتاتی ہیں کہ احادیث روایت کرنے والوں نے اپنی بے مثال اور غیر معمولی قوتِ حافظہ کو حدیث شریف کی حفاظت میں استعمال کیا ہے۔ جس طرح قرآن کریم کے حافظ حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر دور میں رہے ہیں۔ ایسے ہی اس زمانے میں بکثرت حافظ الحدیث ہوتے تھے۔

## ۲ ... مذاکرہ کرنا

حفاظت حدیث کا دوسرا طبقہ صحابہ کرام میں یہ تھا کہ جب انہیں کوئی نئی حدیث اور سنت کے بارے میں علم ہوتا تو وہ اس کا باہم مذاکرہ کرتے اور ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے۔ صحابہ کرام کا یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند خصوصی ہدایات کی تعمیل پر مبنی تھا ان میں سے بطور مثال چند یہ ہیں۔

## ۱ ... وَلْيَبْلُغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ<sup>(۲)</sup>

### ترجمہ

وہ لوگ جو موجود ہیں وہ میری سنت ان تک پہنچادیں جو غیر حاضر ہیں۔

## ۲ ... بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً<sup>(۳)</sup>

### ترجمہ

دوسروں تک میری باتیں پہنچاؤ خواہ وہ ایک جملہ اور ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

(۱) المسند بنی الصحیحین للحاکم رقم الحدیث ۶۱۶۴ والبدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۱۴

(۲) صحیح بخاری کتاب العلم باب یبلغ الشاہد الغائب رقم الحدیث ۱۰۱

(۳) صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل رقم الحدیث ۳۲۰۲

۳... نصر اللہ امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغ غيره. (۱)

### ترجمہ

اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب رکھے جو میری احادیث سے پھر انہیں زبانی یاد کر لے یہاں تک کہ وہ انہیں دوسروں تک پہنچا دے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے احادیث مبارکہ حاصل کرتے تھے۔ اور انہیں یاد کرتے تھے۔ اور دوسروں تک پہنچاتے تھے احادیث کی حفاظت کا یہ بھی ایک قوی اور مضبوط طریقہ تھا۔

### ۳۔ عمل کے ذریعہ حفاظت کرنا

حدیث اور سنت کی حفاظت کا تیسرا طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ سے جو حدیث سنتے تھے۔ دل و جان سے اس پر عمل کرتے تھے۔ اور اس پر عمل کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے۔ اور حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو اس کی عملاً تربیت دی تھی۔ اور یہی ان کی زندگی کا بنیادی مقصد تھا۔ اس طرح جب انہوں نے حضور ﷺ کی ایک ایک حدیث اور ایک ایک سنت کو عمل میں لے لیا۔ اور اپنی زندگی کی عمارت اسی پر قائم کی تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت کو بھول جاتے۔

خلاصہ یہ کہ کتابت حدیث کے علاوہ بھی متعدد طریقوں سے حدیث اور سنت کی حفاظت کی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم کی حفاظت فرمائی ہے احادیث طیبہ کی حفاظت کا بھی معقول انتظام فرمایا ہے۔ لہذا منکرین حدیث کا حدیث اور سنت کے محفوظ نہ ہونے کا نظریہ غلط اور باطل ہے۔

یہاں تک منکرین حدیث کے انکار حدیث کے نظریہ کی پہلی وجہ کا باطل ہونا واضح طور پر

ثابت ہوا۔ فہلہ الحمد

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ دو سو سال کے بعد احادیث لکھی گئی ہیں

تاریخی جھوٹ اور غلط ہے

منکرین حدیث، حدیث کے حجت ماننے سے انکار کرنے کی بڑی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ

(۱) جامع الترمذی، ابواب العلم باب ما جاء فی الحجت علی صلیع السماع رقم الحديث ۲۵۸ ومسئ ابی داؤد کتاب العلم باب نقلہ



یہ احادیث حضور ﷺ کے تقریباً دو سو سال کے بعد لکھی گئی ہیں، اس لئے وہ قابل اعتماد اور قابل اعتبار نہیں ہیں، یہ بالکل غلط ہے، اور تدوین حدیث کی تاریخ سے سراسر لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

بلاشبہ احادیث طیبہ کی کتابت اور تحریر حضور ﷺ کی زندگی میں شروع ہو چکی تھی جو رفتہ رفتہ اپنے کمال کو پہنچی ہے۔ چنانچہ احادیث طیبہ کا ذخیرہ تین قسم پر ہے:-

۱۔ ایک ذخیرہ وہ ہے جو حضور ﷺ کے حکم سے آپ کی زندگی میں لکھا گیا۔

۲۔ دوسرا ذخیرہ وہ ہے جو حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے لکھا گیا۔

۳۔ تیسرا ذخیرہ وہ ہے جو صحابہ کرام نے اپنے شاگردوں کو اپنی یادداشت سے املاء کرایا، ہم ذیل میں تینوں کو الگ الگ بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

آپ ﷺ کا اپنی زندگی میں احادیث لکھوانا

احادیث طیبہ کا بہت بڑا ذخیرہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے خود اپنی حیات طیبہ میں لکھوایا۔ اس کی چند مثالیں:-

۱ ... دعوت اسلام کے خطوط

صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ کے آخر میں آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے بادشاہوں اور مختلف قبائل کے سرداروں کے نام دعوت اسلام کے سلسلے میں خطوط لکھوا کر اور ان پر اپنی مہر لگوا کر روانہ کئے۔ طبقات ابن سعد کے ایک باب میں ان کو یکجا کیا گیا ہے جن کی تعداد ایک سو پانچ ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے الوثائق السیاسیہ میں باقاعدہ سند کے ساتھ ایسی تحریریں تقریباً ۲۵۰ نقل کی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

۲ ... سرکاری احکام و ہدایات

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بارہ لاکھ مربع میل کا علاقہ آپ کے زیر حکومت تھا۔ اس کے انتظامات کے بارے میں آپ نے احکام اور ہدایت لکھوا کر جاری کیں جیسے امان نامے جو آپ نے بہت سے لوگوں کو لکھوا کر دیئے۔ جاگیر نامے یعنی آپ نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زمینیں اور جاگیریں عطا فرمائیں۔ اور ان کی دستاویز لکھوا کر انہیں دیں۔ تحریری معاہدے جو دوسری

قوموں سے آپ ﷺ نے کئے اور لکھوا کر ان کو دیئے۔ ان کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ ہجرت کے پانچ ماہ کے بعد آپ نے قرب وجوار کے قبائل سے معاہدہ کیا جو ۵۲ دفعات پر مشتمل تھا۔ جو یثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا گیا جو احادیث و سیر کی کتابوں میں موجود ہے اور مشہور و معروف ہے۔

### ۳ ... گورنروں کو تحریری ہدایات

آپ ﷺ اپنے اصحاب میں سے جن کو صوبوں کا گورنر مقرر فرماتے۔ انہیں ایسی دستاویزات لکھوا کر دیتے جن میں بطور حاکم یا قاضی ان کو کچھ ہدایات، ان کے فرائض اور ذمہ داریاں بیان فرماتے تاکہ وہ انہیں ادا کر سکیں۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علاء بن الحضرمی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کو ایسی ہدایات لکھوا کر دیں جن میں مختلف احکام شریعت مذکور تھے۔<sup>(۱)</sup>

### ۴ ... مختلف وفود کو تحریری ہدایات

مدینہ منورہ سے دور دراز علاقوں میں بسنے والے عرب قبائل اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے وفود رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ یہ وفود مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ قیام کرتے۔ قرآن کریم سیکھتے، آپ ﷺ کے ارشادات سنتے اور اسلام کی تعلیمات حاصل کرتے اور واپسی میں ان کی درخواست پر حضور ﷺ احکام شریعت پر مشتمل ایسی ہدایات لکھوا دیتے جو ان کے لئے ضروری ہوتیں، جیسے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت منقلہ بن حیان جو عبد القیس قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے ایسی دستاویز لکھوا کر دیں اور اس کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

### ۵ ... کتاب الصدقہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے ایک کتاب کتاب الصدقہ لکھوائی تھی۔ اس میں زکوٰۃ کے متعلق تفصیلی احکام لکھوائے تھے۔ اس میں مختلف قسم کے اموال زکوٰۃ پر زکوٰۃ کی شرح اور مقدار تفصیل سے درج تھی آپ یہ کتاب اپنے عاملوں اور گورنروں کو بھیجنا چاہتے تھے۔ مگر آپ کا

(۱) طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۶۲، جزء ۴ ذکر بعث رسول اللہ ﷺ الرسل بکتابہ الی الملوک۔

وصال ہو گیا آپ کے بعد یہ کتاب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی دونوں نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس پر عمل کیا اور کروایا۔ اور یہ نسخہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل میں منتقل ہوتا رہا۔ اور علامہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ اس کو اپنے سامنے رکھ کر اس کا درس دیا کرتے تھے۔ جس کی تفصیل سنن ابی داؤد، جامع الترمذی کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے۔<sup>(۱)</sup>

## ۶ ... صحیفہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱ھ میں جب مسلمانوں نے نجران فتح کیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابی حضرت عمرو ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا۔ اور اس موقع پر آپ نے ایک تفصیلی کتاب لکھوائی، جس میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، عسج و عمرہ، جہاد، مال غنیمت، فیکس، دیت انتظامی امور اور تعلیمی امور وغیرہ کے بہت سے شرعی احکام مذکور تھے۔ یہ کتاب آپ نے حضرت عمرو ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمائی اور وہ اس کتاب کے مطابق اپنے فرائض منہی انجام دیتے تھے۔ ان کے بعد یہ نسخہ ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ چنانچہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس کتاب کے متفرق حصے آج بھی کتب حدیث میں موجود ہیں۔ جیسے مؤطا، امام مالک، مسند احمد، مسند دارمی، نسائی، اور طبقات ابن سعد وغیرہ اور حافظ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو خبر مشہور قرار دیا ہے جس کی صداقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔<sup>(۲)</sup>

## ۷ ... مفصل خطبہ لکھوانے کا حکم

فتح مکہ کے دن ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک تفصیلی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انسانی حقوق کے بارے میں متعدد احکام ذکر فرمائے تھے۔ حاضرین میں سے ایک یمنی شخص ابو شاہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یہ خط مجھے لکھوا کر دیا جائے چنانچہ آپ نے حکم فرمایا:

اكتبوا لابی شاہ<sup>(۳)</sup>

(۱) دریں مسلم، ج ۵، ص ۱۷۱۔

(۲) دریں مسلم، ج ۵، ص ۱۷۱۔

(۳) صحیح البخاری کتاب الفیصل باب کیف تعرف لفظة اهل مكة، رقم الحديث: ۲۲۵۴

## ترجمہ

یہ (خطبہ) ابو شاہ کے لئے لکھ دو۔

## تشریح

چنانچہ یہ خطبہ لکھ کر ابو شاہ کو دے دیا گیا۔ احادیث طیبہ کا یہ تمام ذخیرہ وہ ہے۔ جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں باقاعدہ آپ کے حکم سے لکھا گیا۔ جس کی تعداد یقیناً ایک ہزار سے زیادہ ہوگی۔ اور قریب قریب اتنی مقدار ہوگی جو مؤطا امام مالک کی ہے اور مؤطا امام مالک میں ۱۱۷۲۰ احادیث ہیں۔<sup>(۱)</sup>

حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے احادیث لکھنا

احادیث طیبہ کا دوسرا ذخیرہ وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے صحابہ کرام نے لکھا جسے صحیفہ صادقہ اور صحیفہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو آنحضرت ﷺ کے سامنے بیٹھ کر لکھا گیا۔

ان صحیفوں کی تشریح سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں متعدد صحابہ کرام کی درخواست پر انہیں احادیث مبارکہ لکھنے کی صاف صاف اجازت عطا فرمائی تھی۔  
مثلاً:

۱۔ ایک انصاری صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ وہ بعض اوقات آپ سے سنی ہوئی احادیث بھول جاتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

استعن بيمينك واوما بيده الخط<sup>(۲)</sup>

## ترجمہ

اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور یہ فرما کر اپنے دائیں ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔

۲۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو رافع،

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت نے احادیث طیبہ لکھنے کی اجازت عطا فرمائی، مثلاً کسی سے فرمایا:

(۱) حقیقت حدیث، ص ۲۳ حضرت مولانا محمد ابراہیم کاندھلوی

(۲) جامع الترمذی ابواب العلم، باب ما جاء فی الرخصة فی الكتابة رقم الحدیث۔ ۲۵۹۰

۱. اکتبوا ولا حرج<sup>(۱)</sup>

ترجمہ

لکھ لیا کرو اس میں کچھ حرج نہیں۔

۲. قیدو العلم بالکتاب<sup>(۲)</sup>

ترجمہ

تحریر کے ذریعہ علم کی حفاظت کرو۔

۳. قیدو العلم قلت وما تقيده؟ قال کتابتہ<sup>(۳)</sup>

ترجمہ

علم کو محفوظ کر لو میں (عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کیا اُسے کس طرح محفوظ کیا جائے؟ آپ نے فرمایا لکھ کر۔

ان احادیث سے احادیث طیبہ لکھنے کی صاف صاف اجازت معلوم ہوئی۔

منکرین حدیث کے ایک شبہ کا ازالہ

حضور ﷺ کا خود احادیث طیبہ لکھوانا جس کی سات مثالیں اوپر گزریں اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو احادیث طیبہ لکھنے کی صریح اجازت دینا جس کی مثالیں اوپر آپ کے سامنے ہیں۔ ان کی روشنی میں منکرین حدیث کا یہ اعتراض دم توڑ دیتا ہے کہ حدیث طیبہ اس لئے بھی حجت نہیں ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے لکھنے سے خود منع فرمادیا تھا، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عنی، ولا حرج،

ومن کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعده من النار<sup>(۴)</sup>

ترجمہ

مجھ سے سن کر حدیث مت لکھو اور جس کسی نے قرآن کریم کے سوا مجھ سے سن کر کچھ لکھا ہو وہ اسے

(۱) المعجم الکبیر لطبرانی رقم الحدیث ۴۲۸۴۰

(۲) المعجم الکبیر لطبرانی رقم الحدیث ۶۶۹ (وہو قول انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۳) المسند علی الصحیحین للحاکم رقم الحدیث ۳۶۲

(۴) صحیح مسلم ج ۱، ص ۲۱۴، ج ۲ کتاب الرہد والرفاق باب التثبیت فی الحدیث وحکم کتابہ العلم۔

مثلاً دے ہاں مجھ سے احادیث سن کر زبانی دوسروں تک پہنچاؤ اس میں کوئی حرج نہیں اور جو کوئی جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کرتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

### تشریح

حدیث شریف کے الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ حدیث لکھنے کی ممانعت کا مطلب حدیث کی حجیت سے انکار نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ شروع اسلام میں نزول قرآن کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قرآن کریم کی آیات کے ساتھ احادیث طیبہ بھی لکھنا شروع کر دی تھیں جس کی وجہ سے قرآن کریم اور اس کی تفسیر و تشریح کے بارے میں حضور ﷺ کے ارشادات ایک دوسرے سے مل گئے تھے، جس سے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ آگے چل کر یہ طریقہ قرآنی آیات اور احادیث شریف کو خلط ملط کر دے گا اس لئے آپ ﷺ نے اس طریقے سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ قرآنی آیات کے علاوہ اگر کوئی اور چیز ان کے ساتھ لکھی ہوئی ہو تو وہ کاٹ دی جائے یا مٹا دی جائے تاکہ دونوں الگ الگ رہیں اور دونوں کی تحریروں کے درمیان فرق کرنا مشکل نہ ہو اور یہ حکم دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شروع میں قرآن کریم کے طرز اور احادیث کے انداز میں فرق سے مسلمان پوری طرح آشنا نہ تھے جس سے ان دونوں میں خلط ملط ہونے کا قوی خطرہ تھا لیکن بعد میں جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآنی اسلوب سے بخوبی واقف ہو گئے اور قرآن کریم اور احادیث طیبہ کا باہم مخلوط ہونے کا خطرہ باقی نہ رہا تو آپ ﷺ نے احادیث طیبہ لکھنے کی عام اجازت مرحمت فرمادی جیسا کہ اوپر اجازت کے مبارک الفاظ سے واضح ہے۔

بہر حال اگر احادیث حجیت نہ ہوتیں تو آنحضرت ﷺ انہیں زبانی بیان کرنے کی بھی اجازت نہ دیتے لیکن اس ممانعت والی حدیث میں بھی آپ ﷺ نے زبانی احادیث بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ شروع میں عارضی طور پر قرآن کریم کے ساتھ احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا <sup>(۱)</sup>۔ لہذا منکرین حدیث کا حدیث بالا کی وجہ سے حجیت حدیث سے انکار کرنا درست نہیں۔

### صحیفہ صادقہ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے عابد اور زاہد صحابی تھے انہیں حضور ﷺ کی احادیث طیبہ لکھنے کا خاص شوق تھا چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کتابت



حدیث کی اجازت چاہی آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی اس کے بعد انہوں نے ایک ضخیم مسودہ حدیث تیار کیا اور اس کا نام الصحیفة الصادقة رکھا اس کی تمام حدیثیں حضور ﷺ کی املاء کرائی ہوئی تھیں یہ صحیفہ حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر لکھا گیا تھا یہ مسودہ آپ کے بعد تازنگی ان کے پاس رہا اور وہ اس کی بڑی حفاظت فرماتے تھے ان کے بعد ان کی اولاد کے پاس رہا اور آپ کے پوتے حضرت عمرو بن شعیبؓ اس کی احادیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرات محمد ثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت کردہ ہر حدیث خواہ وہ کسی کتاب میں ہو وہ اسی مسودہ سے لی گئی ہے اور اس مسودہ کی تمام روایات کو حضرت امام احمد بن حنبلؓ نے اپنی مسند میں درج کرویا ہے۔

رہی یہ بات کہ صحیفہ صادقہ میں کتنی احادیث تھیں؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور انکی روایات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں مجھ سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے صرف حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں، کیونکہ وہ حضور ﷺ کی احادیث لکھ لیا کرتے تھے میں نہیں لکھتا تھا۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیفہ صادقہ کی روایات ۵۳۷۴ سے زیادہ تھیں اور بخاری اور مسلم کی روایات کی تعداد کمزرات کو حذف کر کے چار ہزار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صحیفہ صادقہ کی احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے زیادہ تھیں۔ (۲)

اس سے واضح ہوا کہ منکرین حدیث کی یہ بات کتنی غلط اور بے بنیاد ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے کے دو سو سال کے بعد احادیث لکھی گئی ہیں۔

### صحیفہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی آنحضرت ﷺ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو انہوں نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں لکھا تھا جو خاصاً ضخیم تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اپنے خطبات اور مجلسوں میں سامنے رکھ کر اس کے مضامین حاضرین کو سنایا کرتے تھے، اس میں

(۱) صحیح البخاری کتاب العلم، باب کتابہ العلم، ج ۱ ص ۲۲

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۷۰

صدقات، قصاص و دیت، فدیہ، دستورِ مدینہ، غیر مسلموں کے حقوق اور وراثت کے خاص نوعیت کے مسائل کی احادیث لکھی گئی تھیں، یہ ”صحیفہ علیؑ“ کے نام سے مشہور ہے، اور صحیح بخاری میں اس کا چھ جگہ ذکر آیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### صحیفہ سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی احادیثِ طیبہ کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جسے حافظ ابن حجرؒ نے ”تہذیب التہذیب“<sup>(۲)</sup> میں نسخۃ کبیرہ (ایک بڑا نسخہ) سے تعبیر کیا ہے، اور علامہ ابن سیرینؒ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: فیہ علمٌ کثیرٌ اسمیں (بہت سا) علم پایا جاتا ہے اس رسالہ کی روایت ان کے بیٹے حضرت سلیمانؒ نے کی ہے۔<sup>(۳)</sup>

ان صحیفوں سے معلوم ہوا کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، آنحضرت ﷺ کی مبارک زندگی میں، آپ کی احادیث لکھا کرتے تھے، اور آپ کی اجازت سے لکھا کرتے تھے، پھر ان میں سے بعض وہ تھے جو حضور کی مجلس میں بیٹھ کر، آپ کے ارشادات لکھا کرتے تھے، چنانچہ ”صحیفہ صادقہ“ کی یہی نوعیت تھی، اور بعض صحابہؓ وہ تھے جو آپ کی مجلس میں تو آپ کے کلماتِ طیبات سنتے تھے، مگر اس وقت انہیں نہیں لکھتے تھے، لیکن مجلسِ درخواست ہونے کے بعد، گھر جا کر انکو لکھا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، وہ روایت یہ ہے:-

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کی زبانِ مبارک سے بہت سی باتیں سنتے ہیں، اور ان کو لکھ لیتے ہیں، اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو! کچھ مضائقہ نہیں۔

اس دوسری قسم کا ذخیرہ حدیث جو صحابہ کرامؓ نے، آپ کی زندگی میں جمع کیا تھا، اس کی تعداد بلاشبہ ہزاروں احادیث سے زیادہ ہوگی، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے کم نہ ہوگی۔ لہذا منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ دو سو سال کے بعد احادیث لکھی گئی ہیں، صریح جھوٹ، اور کھلا بہتان ہے، اور ایسا جھوٹ ہے کہ تاریخِ عالم میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) درسِ مسلم بتصرف ج ۱، ص ۵۰

(۲) تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۴ فی تذکرۃ لحسن بن ابی الحسن البصری

(۳) درسِ مسلم ج ۱، ص ۶۰

(۴) حجتِ حدیث بتصرف ص ۲۷

## تیسرا ذخیرہ حدیث

## صحابہ کرامؓ کا اپنے شاگردوں کو احادیث لکھوانا

احادیث طیبہ کا تیسرا ذخیرہ وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے شاگردوں کو لکھوائیں جیسے حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ہمام بن منکبہؓ وغیرہ، ذیل میں ان کی احادیث طیبہ کے صحیفوں اور مسودات کا مختصر اقرار فرمایا جاتا ہے:-

## حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسودہ حدیث

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جو لکھنا جانتے تھے، اور ان کی والدہ نے انہیں دس سال کی عمر میں، حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا تھا، پھر دس سال تک وہ حضور ﷺ کی خدمت میں رہے، اس دوران انہیں بیشمار احادیث، سننے کا موقع ملا، آپ نے وہ احادیث تحریر فرمائی تھیں، چنانچہ ان کے ایک شاگرد حضرت سعید بن حلالؓ فرماتے ہیں:

كنا اذا اكلنا على انس بن مالك رضي الله تعالى عنه فاعرج لنا محال عندہ فقال: هذه سمعتها من النبي ﷺ فكتبتها وعرضتها۔<sup>(۱)</sup>

## ترجمہ

جب ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت اصرار کرتے تو آپ ہمارے پاس رسائل کی شکل میں کچھ تحریری یادداشتیں لاتے اور فرماتے! یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنیں اور تحریر کر لیں، پھر اس کے بعد میں یہ حضور ﷺ کے سامنے تصدیق کے لئے پیش بھی کر چکا ہوں۔ (اور آپ نے ان کی تصدیق فرمائی تھی)

## حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مسودہ حدیث

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بطور خاص احادیث مبارکہ لکھنے کی ہدایت فرمائی تھی، چنانچہ انہوں نے ایک ضخیم مسودہ حدیث تیار کر چکا تھا جس کا نام ”الصحيفة الصادقة“ یعنی سچائی کا صحیفہ رکھا تھا، وہ اس کی حفاظت کا بہت خیال رکھتے تھے،

ان کے محبوب شاگرد حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ایک مسودہ جو ان کے تکیہ کے نیچے رکھا ہوا تھا اٹھا کر ہاتھ میں لیا تو انہوں نے منع فرمایا، میں نے عرض کیا آپ تو کبھی مجھ سے کوئی چیز نہیں چھپاتے، اس پر آپ نے فرمایا — یہ صادق ہے، اس میں جو کچھ ہے، وہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے بلا واسطہ سنا ہے آپ اور میرے درمیان کوئی تیسرا راوی نہیں ہے، اگر یہ اور کتاب اللہ اور وہنظ (آپ کی زرعی زمین) میرے لئے موجود ہیں تو پھر مجھے باقی دنیا کی کچھ پردائیں۔<sup>(۱)</sup>

### حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مسودہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، اور آپ کے وصال کے وقت بہت کم عمر تھے، حفاظت حدیث کی غرض سے آپ نے احادیث کو لکھنا شروع کر دیا تھا جو آپ نے بلا واسطہ حضور سے سنی تھیں یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی تھیں، ایسی تمام احادیث آپ نے بی شمار مجموعوں میں لکھی ہوئی تھیں، یہ مجموعے اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ انہیں ایک اونٹ پر لاوا جاتا تھا، ان کے انتقال کے بعد یہ مسودات ان کے شاگرد حضرت کریبؓ کو منتقل ہوئے، جب حضرت عبداللہ کے بیٹے حضرت علیؓ کو کسی کتاب کی ضرورت پیش آتی تو وہ حضرت کریبؓ کو لکھتے کہ مجھے فلاں فلاں کتاب کی ضرورت ہے وہ مجھے بھیج دیں تو حضرت کریبؓ اس کتاب کا ایک نسخہ تیار کرتے اور دو میں سے ایک نسخہ انہیں بھیج دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ان کی زندگی میں حدیث شریف کے مسودے کی نقل کرتے اور پھر آپ کو پڑھکر سناتے تاکہ وہ اپنے نسخہ کی تصحیح کر لیں اور کبھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود اپنے شاگردوں کے سامنے احادیث روایت کرتے اور شاگرد انہیں لکھ لیا کرتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

### حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پڑھنا تو آتا تھا، لیکن وہ لکھنا نہیں جانتی تھیں اس لئے

(۱) حجت حدیث ص ۱۳۰

(۲) حجت حدیث ص ۱۳۵

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجہ حضرت عروہ بن الزبیرؓ نے بہت سی حدیثیں ان سے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھ کر لکھی تھیں جو کئی کتابوں پر مشتمل تھیں، اس کے علاوہ آپ وقتاً فوقتاً لوگوں کی فرمائش پر ان کو احادیث لکھوا کر بھیجا کرتی تھیں، حضرت عروہؓ سے ان کا مجموعہ جنگِ حِہ میں تلف ہو گیا تھا جس کا انھیں بے حد صدمہ اور قلق تھا۔<sup>(۱)</sup>

### حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیگر صحابہ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہیں، چنانچہ آپ کی روایات کردہ احادیث کی تعداد ۵۳۷۴ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے احادیث کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی، اور آپ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں مقیم ہو گئے تھے، تاکہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات سن سکیں، اور مضبوط شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے احادیث طیبہ تحریری شکل میں بھی محفوظ کر لی تھیں چنانچہ ان کے ایک شاگرد حضرت حسن بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر لے گئے اور مجھے احادیث نبویہ پر مشتمل کئی کتابیں دکھائیں۔<sup>(۲)</sup>

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس احادیث کی متعدد مسودات تھے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے شاگردوں نے آپ کی روایات کے کئی مجموعے تیار کئے تھے لہذا ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مسودات حضور ﷺ کے بعد لکھے ہوں یا کسی دوسرے سے لکھوائے ہوں۔ بہر حال حضرت ابوہریرہؓ کے پاس احادیث کے متعدد مجموعے تھے اور آپ اپنے شاگردوں کو بڑے ذوق و شوق سے احادیث املاء کراتے تھے جن میں سے آپ نے دو شاگرد خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک بشیر بن ہیک سدوسیؓ اور دوسرے ہمام بن منہ، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقریباً آٹھ سو اہل علم نے احادیث روایت کی ہیں جن میں صحابہ کرام ایک جماعت بھی شامل ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) حلیب حدیث تصرف ص ۲۹

(۲) جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۷۴ وفتح الباری ۱/۱۸۱ کتاب العلم باب کتابہ العلم

(۳) مسند العیة ج ۳ ص ۲۵۹ ترجمۃ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

### بشیر بن نہیک رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث

حضرت بشیر بن نہیک سدوسی تابعی ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں، انھوں نے جو حدیثیں حضرت ابو ہریرہ سے سنی تھیں، ان کو ایک کتاب میں جمع کیا، اور اس کو لے کر حضرت ابو ہریرہ کے پاس آئے، اور ان کو پڑھ کر سنائیں، اور عرض کیا، یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں آپ نے فرمایا: ”ہاں“۔

سنن داری میں ہے کہ حضرت بشیر بن نہیک فرماتے ہیں میں حضرت ابو ہریرہ سے حدیث کی کتابیں، مانگ کر لیجاتا، اور انکی نقل کر کے لاتا، اور ان کو سناتا، اور عرض کرتا! آپ نے یہ حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں؟ وہ تو فرماتے ”ہاں“ (۱)

### ہمام بن منبہ کی احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حضرت ہمام بن منبہ بھی یمن کے رہنے والے تھے، ہمام جب مدینہ منورہ آئے، تو حضرت ابو ہریرہ کی خدمت میں علم حدیث حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے، حضرت ابو ہریرہ نے، عمدہ اخلاق کے بارے میں، انھیں ڈیڑھ سو احادیث املا کرائیں اور انھوں نے اس کا نام ”الصحیفۃ الصحیحۃ“ رکھا جو ”صحیفۃ ہمام بن منبہ“ کے نام سے مشہور ہوا، یہ صحیفہ عرصہ تک نایاب رہنے کے بعد، آج بھی الحمد للہ تعالیٰ دستیاب ہے اور اس کی تمام احادیث جوں کی توں، حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل کر لی تھیں، اور امام بخاری اور امام مسلم نے، ”صحیفۃ ہمام بن منبہ“ کی احادیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جا بجا نقل کیا ہے۔ (۲)

### خلاصہ کلام

مذکورہ بالا تفصیل سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ حدیث شریف کا پہلا ذخیرہ جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں آپ کے حکم سے لکھا گیا، وہ ایک ہزار احادیث سے زیادہ ہے، اور حدیث شریف کا دوسرا ذخیرہ جو صحابہ کرام نے آپ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے لکھا، خواہ آپ کی مبارک مجلس میں بیٹھ کر یا آپ کی مجلس سے اٹھنے کے بعد، اپنے گھروں میں جا کر، خود لکھیں یا اپنے

(۱) حبیب حدیث ص ۴۳ و مسند الدارمی رقم الحدیث ۵۰۳، باب من رخص فی کتابہ العلم۔

(۲) مسند مسلم ص ۵۸ و حبیب حدیث ص ۴۳



شاگردوں کو لکھوائیں، ان سب کا مجموعہ چار پانچ ہزار احادیث سے کم نہ ہوگا۔ اور احادیث طیبہ کا تیسرا ذخیرہ جو حضور ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے اپنے احباب، اور شاگردوں کو لکھوایا، ان کی تعداد کم از کم پندرہ بیس ہزار احادیث ہوں گی، بلکہ اس سے بھی زندگی ہوں گی۔ اور صحاح ستہ کی کل احادیث، مکررات، حذف کرنے کے بعد، تقریباً دس ہزار احادیث ہیں، اور کتب احادیث میں احادیث طیبہ کا سب سے بڑا ذخیرہ مسند احمد بن حنبلؒ ہے جو ائمہ حدیث کی تحقیق کے مطابق، بیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے، اور اگر ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمدؒ کی زیادات کو بھی شامل کر لیا جائے تو چالیس ہزار حدیثیں ہوتی ہیں، اور اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے، تو بیس ہزار حدیثیں ہوتی ہیں۔

غرض کہ اس بارے میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ احادیث طیبہ کی کتابت، حضور ﷺ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی، اور دن بدن اس میں اضافہ ہوتا رہا اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ کے ختم ہونے سے پہلے ہی احادیث طیبہ کے سینکڑوں اور ہزاروں صحیفے، اور مجموعے تیار ہو گئے تھے۔ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کے زمانہ میں، کتابت حدیث نے اور شدت اختیار کر لی۔

تاہم اب تک یہ تمام ذخیرے اور مجموعے منتشر اور غیر مرتب تھے، تبع تابعینؒ کے زمانہ میں ان کی باقاعدہ جویب اور ترتیب شروع ہوئی اور ایک صدی کے اندر اندر، یہ تمام ذخیرے مرتب اور محبوب ہو کر، امت کے سامنے آ گئے، اور احادیث طیبہ قیامت تک کے لئے محفوظ ہو گئیں۔ یہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ سے لے کر تقریباً دو سو سال تک کتابت حدیث کی رپورٹ ہے۔ اس سے پوری تفصیل سے ثابت ہوا کہ منکرین حدیث کا حجیت حدیث سے انکار کرنے کا ”نظریہ“ اپنی دونوں ذکر کردہ وجوہ کے ساتھ محض غلط، سفید جھوٹ بالکل باطل، اور کھلی گمراہی پر مشتمل ہے۔

### منکرین حدیث کے بارے میں فتویٰ

ذیل میں منکرین حدیث کے بارے میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے جاری ہونے والے ایک مفصل اور مدلل فتویٰ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ منکرین حدیث کا حکم معلوم ہو۔

### الجواب

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا ہے اسی طرح

قرآن کریم کا صحیح مفہوم اور اس کی صحیح تفسیر و تشریح بیان کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں مذکور ہے اور ان سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح میں حضور اکرم ﷺ کی بات ہی حجت ہے اور آپ کے بغیر حق تعالیٰ کے کلام کی مراد بھی درست طریقے سے نہیں سمجھی جاسکتی اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کا ذکر فرما کر یہ بات واضح فرمادی کہ آپ ﷺ کے ارشادات اور آپ کی تعلیمات خواہ وہ زبانی ہوں یا لکھی ہوئی، عملی ہوں یا تقریری، مسلمانوں کے لئے واجب الاطاعت ہیں۔ اور ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک آپ ﷺ کی اطاعت تمام جزئیات کے ساتھ اختیار نہ کی جائے۔

بہر حال قرآن کریم کی بہت سی آیات اپنے مختلف انداز سے اس پر زور دے رہی ہیں کہ کوئی مسلمان اور حضور ﷺ پر ایمان رکھنے والا شخص دینی اور دنیاوی امور میں آزاد اور خود مختار نہیں ہے۔ بلکہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات اور تعلیمات کا پابند ہے اور وہی قرآن کریم کی اصل اور صحیح تفسیر ہے۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ کے جتنے احکام ہیں ان کی فرضیت تو قرآن کریم سے ثابت ہے لیکن ان کی ادائیگی کے طور طریقے اور دیگر تفصیلات قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں مثلاً نماز کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے لیکن اس کی رکعات، ادائیگی کا طریقہ اور دیگر تفصیلات قرآن کریم سے ثابت نہیں، وہ صرف آپ ﷺ کے قول و فعل سے ثابت ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں حدیث اور سنت کہتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوئی کہ احادیث طیبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قرآنی حکم پر عمل کرنا بھی ممکن نہیں۔

لہذا جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ ہماری راہنمائی کے لئے صرف قرآن کریم کافی ہے اور وہ احادیث طیبہ اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مطلقاً انکار کرتا ہو اور کہتا ہو کہ یہ حدیث کی کتابیں جیسے بخاری شریف اور مسلم شریف بعد کے زمانے کی گھڑی ہوئی ہیں میں ان کتابوں کو نہیں مانتا اور قرآن کریم کی ایسی تشریح کرتا ہو جو حضرات مفسرین اور اجماع امت کے بالکل خلاف ہو اور انکار حدیث کرتا ہو تو اس کی وجہ سے وہ شریعت اسلام کی رو سے بلاشبہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے کیونکہ حجت حدیث سے انکار کرنے میں بیسیوں آیات کا انکار لازم آتا ہے لہذا ایسے شخص کے نکاح میں کوئی مسلمان عورت نہیں رہ سکتی اور کسی مسلمان عورت کا اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایسے شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں اسکو دفن نہیں کیا جائے گا نیز ایسے شخص کے ساتھ دوستی، میل جول اور کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے کا معمول بنانا

جائز نہیں۔ ان سے بچنا لازم ہے البتہ کسی معتبر ضرورت کی وجہ سے یا اس کے شر سے بچنے کے لئے یا کسی دینی مصلحت کی وجہ سے ہو تو گنجائش ہے۔ (ماخذہ التبویب ۱۳۲۲-۱۳۲۳/۱۳۲۴/۱۳۲۵)

### ۱۰۲۴ علماء امت کا متفقہ فتویٰ

حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹوکی نے غلام احمد پرویز اور دیگر منکرین حدیث کے بارے میں ان کے باطل نظریات، کفریہ عقائد اور حجیت حدیث کا انکار وغیرہ تفصیل سے لکھنے کے بعد ان کی روشنی میں ایک مفصل اور مدلل فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔ اور اس پر حرمین شریفین کے علماء کرام اور ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے تقریباً ۱۰۲۴ علماء اور اہل فتویٰ حضرات نے دستخط کئے ہیں اور انہوں نے اس فتویٰ کی تصدیق کی ہے۔

ان سب علماء کے نزدیک غلام احمد پرویز بالاتفاق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے نکاح میں نہ کوئی مسلمان عورت رہ سکتی ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کا نکاح اس سے ہو سکتا ہے۔ اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن کرنا جائز ہوگا۔ اور یہ حکم صرف پرویز ہی کا نہیں بلکہ ہر کافر کا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو اس کے تبعین میں ان عقائد کفریہ میں اس کے ہم نوا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اور جب یہ مرتد ٹھہرا تو پھر اس کے ساتھ کسی قسم کے بھی اسلامی تعلقات قائم کرنا شرعاً جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (ماخذہ فقہ انکار حدیث ص ۱۱۷، ۱۱۸)

### کتب حدیث کی چند اقسام

کتب حدیث کی بہت سی قسمیں ہیں جن کا جاننا ضروری ہے ان میں سے چند اقسام یہ ہیں۔  
۱۔ ... الْجَوَامِع: یہ جامع کی جمع ہے جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جو احادیث کے تمام مضامین پر مشتمل ہو، اور بنیادی طور پر احادیث کے کل مضامین آٹھ ہیں۔ جو اس شعر میں جمع ہیں۔

سیر، آداب، تفسیر، وعقائد  
فتن، اشراط، احکام، ومناقب

### شعر کی تشریح

۱۔ ... سیر: یہ سیرۃ کی جمع ہے، سیر وہ احادیث کہلاتی ہیں جن میں حضور ﷺ کی عادات

واطوار، اچھے اچھے اخلاق اور آپ کی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہوں۔

۲ ... آداب: یہ ادب کی جمع ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں کھانے پینے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے اور ملنے جلنے کا طریقہ اور آداب بیان کئے گئے ہوں۔

۳ ... تَفْسِير: اس سے وہ احادیث مراد ہیں جن میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

۴ ... عَقَائِد: عقیدہ کی جمع ہے اس سے وہ احادیث مراد ہیں جن کا تعلق عقائد سے ہو۔

۵ ... فِتْنٌ: یہ فتنہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں، جن میں اُن بڑے بڑے واقعات کا ذکر ہو جن کی حضور ﷺ نے ٹوٹن کوئی فرمائی ہے جیسے چاند کے دو ٹکڑے ہونا، دجال کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا پھیلنا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ۔

۶ ... اَشْرَاطُ: یہ شرط کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں علاماتِ قیامت کا ذکر ہو۔

۷ ... اَحْکَامُ: یہ حکم کی جمع ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں نماز، روزہ وغیرہ کے احکام فقہیہ مذکور ہوں۔

۸ ... مَنَاقِبُ: یہ منقبت کی جمع ہے اس سے وہ احادیث مراد ہیں جن میں صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ مختلف قبائل اور مختلف جگہوں کے فضائل مذکور ہوں۔

### صحیح مسلم شریف جامع ہے

صحیح مسلم کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ جامع نہیں ہے کیونکہ اس میں تفسیر کا حصہ بہت کم ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی جامع ہے کیونکہ مسلم شریف کی کتاب التفسیر میں ۱۸ احادیث ہیں اور بہت سی احادیث تفسیر مسلم شریف کے دیگر ابواب میں آگئی ہیں اس لئے بلاشبہ یہ بھی جامع ہے۔

۲ ... المَسَانِيدُ: یہ مسند کی جمع ہے، مسند حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر احادیث جمع کی گئی ہوں، وہ ترتیب خواہ حروفِ ہجاء کے مطابق ہو یا اسلام لانے میں سبقت لے جانے کے اعتبار سے ہو جیسے مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ۔

۳ ... السنن: سنۃ کی جمع ہے، اور سنن حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جو صرف احکام فقہیہ کی ترتیب پر مشتمل ہو جیسے سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ۔

۴ ... الصحيح: وہ کتاب ہے جس میں صرف احادیث صحیحہ ذکر کی گئی ہوں ہاں مبعأ اور ضمناً احادیث حسن بھی آجاتی ہوں اور بعض مرتبہ ایسی کتابوں کو بھی تغلیباً الصحيح کہہ دیا جاتا ہے جس میں صحیح کے علاوہ حسن وغیرہ اصالة آگئی ہوں۔

۵ ... الصحيح المجرد: اس کتاب کو کہا جاتا ہے جن میں اصالة صرف صحیح حدیثیں ہوں البتہ مبعأ استشہاد کے طور پر قدرے کم درجے کی حدیثیں بھی آسکتی ہیں اور صحیح مجرد میں سب سے پہلی تصنیف جامع البخاری ہے، اس کے بعد صحیح مسلم ہے۔

۶ ... المعجم: یہ المعجم کی جمع ہے اور معجم حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں مؤلف احادیث کو شیوخ کی ترتیب پر جمع کرے جیسے: المعجم الكبير اور المعجم الصغير اور المعجم الاوسط وغیرہ۔

۷ ... المستدرک: اُس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایسی احادیث ذکر کی گئی ہوں جو اور کسی کتاب کی شرائط پر پوری اترتی ہوں مگر اُس میں درج نہ ہوں جیسے المستدرک للحاکم الشہید۔ اس میں انہوں نے وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جو ان کے نزدیک بخاری یا مسلم یا دونوں کی شرائط پر پوری اترتی ہیں مگر وہ صحیحین میں مذکور نہیں ہیں۔

۸ ... المسلسلات: یہ المسلسل کی جمع ہے یہ اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں تمام راوی ایک صفت یا خاص لفظ یا خاص عمل پر متفق ہوں مثلاً کسی حدیث کی سند کے تمام راوی حفاظ ہوں یا فقہاء ہوں یا اس کے ہر راوی نے اس حدیث کی روایت کے وقت کوئی خاص کام کیا ہو مثلاً مصافحہ کیا ہو اور جن کتابوں میں ایسی حدیثیں جمع کی جائیں ان کو ”مسلسلات“ کہا جاتا ہے۔ جیسے ”حدیث مسلسل بالاولیۃ لابی طاہر عماد الدین الاصبہانی“

### صحاح ستہ

یہ نام چھ کتابوں کے لئے مشہور و معروف ہے اس میں صحیحین کے علاوہ سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کو شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان چار کتابوں پر صحاح کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ ان میں حسن وغیرہ احادیث بھی کافی ہیں بلکہ سنن ابن ماجہ میں متعدد احادیث

نہایت ضعیف ہیں بلکہ بعض کو موضوع بھی کہا گیا ہے لہذا ان کو محض تغلیباً یعنی اکثر صحیح احادیث کے لحاظ سے ”صحاح“ میں شمار کیا گیا ہے۔

### صحاح ستہ کے درجات

صحاح ستہ اپنی صحت و شہرت اور قبولیت کے لحاظ سے مختلف اور متفاوت ہیں، چنانچہ ان کی درج ذیل ترتیب ہے:

- (۱) ... صحیح بخاری۔ (۲) ... صحیح مسلم۔ (۳) ... سنن ابی داؤد اور سنن نسائی۔  
(۴) ... جامع الترمذی۔ (۵) ... سنن ابن ماجہ۔

### صحاح ستہ کے مؤلفین کے مذاہب

اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ امام بخاریؒ مجتہد مطلق ہیں البتہ ان کا شافعی ہونا مشہور ہے اور امام مسلمؒ شافعی یا مالکی ہیں امام ابو داؤدؒ اور امام نسائیؒ حنبلی ہیں یا شافعی ہیں۔ امام ترمذیؒ و ابن ماجہؒ شافعی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### المحدث، الحافظ، الحجة اور الحاکم کا بیان

المحدث: اس کو کہتے ہیں جو علم حدیث میں روایت و درایت کے لحاظ سے مشغول ہو اور بہت سی روایات اور راویوں سے باخبر ہو۔

الحافظ: اس کو کہتے ہیں جیسے ایک لاکھ احادیث کا علم ہو متن و سند اور جرح و تعدیل کے لحاظ سے۔

الحجة: اُسے کہتے ہیں جیسے تین لاکھ احادیث کا علم ہو متن و سند اور جرح و تعدیل کے لحاظ سے۔ جیسے امام بخاریؒ و امام مسلمؒ وغیرہ۔

الحاکم: اس کو کہتے ہیں جس کا علم تمام احادیث مرویہ کو محیط ہو متن و سند اور جرح و تعدیل اور اتصال و انقطاع سند وغیرہ کے لحاظ سے۔<sup>(۲)</sup>





## مقدمة الكتاب

### تذکرہ حضرت امام مسلمؒ

#### نام و کنیت اور مقام ولادت

آپ کا اسم گرامی الامام الہمام الحافظ الحجة ابو الحسن مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاذ یا کوشان القشیری النیشاپوری رحمہم اللہ ہے۔ قشیری عرب کے مشہور قبیلہ قشیر کی طرف نسبت ہے اور نیشاپور خراسان کا بڑا شہر ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں نیشاپوری کہا جاتا ہے، یہاں ان کی ولادت ۲۰۶ھ میں ہوئی ہے۔

#### سماع حدیث

حضرت امام مسلمؒ نے سماع حدیث کا آغاز ۲۱۸ھ میں کیا۔ بلخ (شمالی افغانستان)، خراسان، رے، شام، مصر، عراق اور حجاز وغیرہ ممالک کے کثیر شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا، آپ کے مشہور اساتذہ میں سے حضرت یحییٰ بن یحییٰ، حضرت اسحاق بن راہویہ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں آپ کے اساتذہ نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے اور بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ آپ نے نہ کبھی کسی کی غیبت کی، نہ مارا اور نہ کبھی کسی کو برا بھلا کہا۔<sup>(۱)</sup>

#### موت و وفات کا سبب اور عالی مقام

آپ کی وفات ۲۶۱ھ میں اتوار کی شام ۲۴ رجب کو خراسان میں ہوئی، موت کا سبب یہ ہوا کہ موصوف ایک حدیث کی تلاش میں مشغول تھے بھوک لگی ہوئی تھی، کھجوروں سے بھرتی ہوئی ٹوکری قریب تھی، تلاش حدیث میں رات بھر ایسے منہمک ہوئے کہ سب کھجوریں کھالیں پھر حدیث تو مل گئی لیکن زیادہ کھجوریں کھانا ان کی موت کا سبب بن گیا۔<sup>(۲)</sup> وفات کے بعد آپ کے مشہور شاگرد امام حدیث حضرت ابو حاتم رازیؒ نے خواب میں دیکھا اور حال دریافت کیا تو فرمایا کہ

”ان الله تعالى اباح لي الجنة اتبوا منها حيث اشاء“

(۱) بستان المحدثین ص ۲۸۰

(۲) المسعوم، ج ۳ ص ۴۶۴، مرقاة، ج ۱ ص ۶۰، تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۰۲۔

## ترجمہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے ساری جنت میرے لئے حلال کر دی ہے جہاں دل چاہے رہوں۔<sup>(۱)</sup>

## تصانیف

حضرت امام مسلمؒ کی جتنی تصانیف<sup>(۲)</sup> ہیں ان میں سے سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین کتاب ”صحیح مسلم“ ہے۔ جس کے درس کی سعادت الحمد للہ تعالیٰ ہم حاصل کر رہے ہیں۔

## بخاری شریف اور مسلم شریف کا موازنہ

جمہور محدثین کے نزدیک بخاری شریف کا درجہ صحت کے اعتبار سے مسلم شریف پر بلاشبہ بڑھا ہوا ہے لیکن حسن ترتیب، سیاق کی عمدگی، سندوں کے الفاظ میں احتیاط اور پڑھنے کے لئے سہولت کے لحاظ سے مسلم شریف کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

مثلاً: حضرت امام مسلمؒ حدیثنا اور انخبرنا میں فرق کو واضح کرتے ہیں اور ان کا مذہب یہی تھا کہ حدیثنا اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ استاذ پڑھے اور شاگرد نے اور انخبرنا اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ شاگرد پڑھے اور استاذ نے، حضرت امام بخاریؒ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ اور ان کا مذہب یہ تھا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۲ ... حضرت امام مسلمؒ نے مسلم شریف میں صرف احادیث مرفوعہ کو بیان کیا ہے، موقوف احادیث شاذ و نادر ذکر کرتے ہیں۔ برخلاف امام بخاریؒ کے کہ ان کے یہاں موقوف احادیث کی تعداد زیادہ ہے۔

۳ ... حضرت امام مسلمؒ اسانید متعددہ، طرق متفرقہ، تحویل الاسناد اور الفاظ مختلفہ کا بیان نہایت مختصر اور جامع انداز میں واضح کرنے میں ممتاز ہیں۔<sup>(۳)</sup>

## مسلم شریف کی احادیث کی تعداد

حضرت امام مسلمؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب مسلم شریف تین لاکھ حدیثوں میں سے

(۱) مہدیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲۷ ص ۵۰۶ و تاریخ دمشق لایں عساکر ج ۵ ص ۹۲

(۲) آپ کی تصانیف میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں المسند الکبیر علی اسماء الرجال، کتاب العلل، کتاب ابہام المحدثین، کتاب المعیر

انتخاب کر کے تالیف کی ہے چنانچہ وہ منتخب احادیث جو صحیح مسلم میں موجود ہیں ان کی تعداد مکررات کو حذف کر کے تقریباً چار ہزار ہے اور مکررات کو شامل کر کے کل تعداد ایک قول کے مطابق بارہ ہزار ہے اور ایک قول کے مطابق آٹھ ہزار ہے ان میں آخری قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### مسلم شریف کے عنوانات

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے اپنی یہ کتاب مسلم شریف ابواب کے اعتبار سے ترتیب دی ہے لیکن ان میں عنوانات امام مسلمؒ نے خود مقرر نہیں کئے تاکہ کتاب موٹی نہ ہو جائے یا اس لئے کہ یہ کتاب صرف احادیث اور اسانید پر مشتمل رہے اپنی طرف سے اس میں کچھ نہ ہو۔ یا کوئی اور مصلحت ہوگی اس لئے وہ حاشیہ میں ہیں اصل کتاب میں نہیں ہیں۔ یہ عنوانات بعد میں لوگوں نے اپنی صوابدید سے بڑھائے ہیں۔ لیکن ان عنوانات کے الفاظ ناقص اور کمزور ہونے کی وجہ سے اس کتاب کے شایانِ شان نہیں ہیں۔<sup>(۲)</sup>

### مسلم شریف کی شروحات

صحیح مسلم شریف کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

#### ۱۔ المنہاج

یہ شرح شیخ محی الدین بن زکریا النووی الشافعی کی تالیف ہے جو مسلم شریف کے موجودہ نسخوں کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔

#### ۲۔ فتح الملہم

یہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی لکھی ہوئی شرح ہے جو اب تک کی تمام شروح میں سب سے زیادہ جامع اور محقق ہے اور نہایت مفید شرح ہے لیکن یہ شرح مکمل نہ ہو سکی، تین جلدوں میں صرف کتاب الطلاق تک ہے۔

#### ۳۔ تکملة فتح الملہم

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے فتح الملہم کا تکملة تحریر فرمایا ہے اور محققانہ معیار پر اسکی شرح مکمل فرمادی ہے جس کا نام تکملة فتح الملہم ہے۔ یہ کتاب

(۱) مقدمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۷۷

(۲) مقدمہ شرح صحیح مسلم للامام النووی ج ۱ ص ۱۵ و مقدمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۷۸

الرصاص سے ختم تک چھ جلدوں میں ہے۔

#### ۴۔ انحل المفہم

یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی تقریرات و درسِ مسلم کا مجموعہ ہے جو مختصر اور نہایت مفید ہے۔<sup>(۱)</sup>

#### ۵۔ درسِ مسلم

یہ مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی درسی تقاریر کا مجموعہ ہے، جو کتاب الایمان سے لے کر کتاب اللقطہ تک بعض بعض ابواب کی شرح ہے، اردو میں بہت مفید شرح ہے اور کتاب الجہاد والسیر سے ختم تک آسان شرح بندہ کی ہے جس کا نام ”مسلم شریف کی آسان شرح“ ہے۔

#### مسلم شریف کو پڑھنے کا طریقہ، کچھ ہدایات اور زموزی اسناد

۱۔ ہر روز سبق کے آغاز میں مسلم شریف کی احادیث کی عبارت پڑھنے والی کو چاہئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کے بعد درج ذیل عبارت پڑھے:

بِالسَّنَدِ الْمَتَّصِلِ مِنَّا إِلَى الْإِمَامِ الْهَمَامِ الْحَافِظِ الْحُجَّةِ أَبِي الْحُسَيْنِ مُسْلِمَ بْنِ الْحَجَّاجِ بْنِ مُسْلِمَ بْنِ وَرْدٍ بْنِ كُوشَانَ الْقَشِيرِيِّ النِّسَابُورِيِّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى وَمَتَعَنَا اللَّهُ بِعُلُومِهِ وَفِيوضِهِ آمِينَ قَالَ حَدَّثَنَا إِلَى آخِرِهِ.

اس کے بعد ہر حدیث کی سند کے شروع میں وہ کہے کہ قال کا لفظ پڑھا جائے گا۔ جو کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہوتا، اس میں بہ کی ضمیر السند المتصل کی طرف راجع ہوگی اور قال کی ضمیر مؤلف کتاب کی طرف۔ اور السند المتصل سے مراد ہم سے لے کر حضرت امام مسلم تک کی سند ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۔ حضرات محدثین کی عادت ہے کہ حدثنا، أخبرنا، أخبرني، حدثنا، أخبرنا، أخبرنا، سمعته اور قرأت علیہ وغیرہ الفاظ سے پہلے لفظ ”قال“ کو کتاب میں بکثرت حذف کر دیتے ہیں لیکن عبارت پڑھنے والے کو اس کا تلفظ ضرور کرنا چاہئے۔

(۱) جس دیگر مفید شرح صحیح مسلم کے نام یہ ہیں: المعلم بعوائد مسلم للإمام أبي عبد الله محمد بن عيسى المازري، كمال المعلم بعوائد مسلم

بمناصبي عبد الله المالكي، كمال كمال المعلم للشيخ محمد بن حليفة الابن المالكي۔ (درس مسلم ج ۱ ص ۱۱۱)

۳ ... سند میں جہاں ”قال“ دو مرتبہ آتا ہے تو بکثرت کتابت میں ایک ”قال“ کو حذف کر دیا جاتا ہے لیکن پڑھنا اس کا بھی ضروری ہے۔

۴ ... کتابت میں اختصار کے لئے بکثرت حدثنا کو صرف ثنا لکھا جاتا ہے اور حدثنی کو صرف ”ثنی“ یا صرف ”نی“ لکھا جاتا ہے۔ اور ”اخبرنا“ کو ”انا“ اور ”اخبرنی“ کو ”انی“ لکھا جاتا ہے۔ پڑھنے والوں کو چاہئے کہ پورا لفظ پڑھیں۔

۵ ... جب کسی حدیث کی سند میں ایک طریق سے دوسرے طریق کی طرف انتقال ہوتا ہے تو وہاں لفظ ”ح“ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے بعد مصنف دوسری سند شروع کرتا ہے۔ پھر آگے جا کر یہ دونوں سندیں کسی ایک شیخ پر متفق ہو جاتی ہیں۔ جس شیخ پر دونوں سندیں متحد ہوتی ہیں اُسے مدار الحديث یا مدار السند کہتے ہیں اور اس ”ح“ کو حاءِ تحویل کہتے ہیں اور یہ تحویل ہی کا مخفف ہے اس کو پڑھنے کے تین طریقے ہیں:

۱ ... ح      ۲ ... حاء      ۳ ... تحویل

ان میں پہلا طریقہ زیادہ آسان اور مشہور ہے یہ تحویل اکثر اول سند میں ہوتی ہے اور بعض اوقات آخر سند میں ہوتی ہے و ہذا نادر جداً۔

۶ ... سند کے آخر میں صحابی کا نام آئے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم کہنا چاہئے، عنہ کی ضمیر صحابی کی طرف اور عنہم کی ضمیر باقی تمام راویانِ حدیث کی طرف راجع ہوگی۔ اور اگر وہ صحابی ابن صحابی ہو تو رضی اللہ تعالیٰ عنہما و عنہم کہنا چاہئے۔ جیسے عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و عنہم۔ اور اگر روایت کرنے والی کوئی صحابیہ ہو تو رضی اللہ عنہا و عنہم کہنا چاہئے۔

۷ ... ”ابن“ کا ہمزہ بھی حمزة الوصل ہے اور حمزة الوصل کا عام قاعدہ یہ ہے کہ وہ پڑھنے میں ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر لکھنے میں نہیں۔ مگر ”ابن“ جب دو ناموں کے درمیان واقع ہو تو اس کا ہمزہ لکھنے میں بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ سوائے پانچ مقامات کے کہ ان میں ”ابن“ کا ہمزہ لکھنے میں ساقط نہیں ہوگا۔

۱ ... جب یہ ہمزہ اول سطر میں آجائے۔

۲ ... جب یہ ہمزہ اول شعر میں آجائے۔

۳ ... جب یہ ہمزہ اول مصرع میں آجائے۔

۴ ... جب اس کی اضافت ام کی طرف ہو مثلاً عیسیٰ ابن مریم اسماعیل ابن علیہ۔

۵ ... ”ابن“ ماقبل کی صفت نہ ہو بلکہ ماقبل کے بھی ماقبل کی صفت ہو مثلاً عبد اللہ ابن

ابی ابن سلول۔ اس میں ابن سلول عبد اللہ کی صفت ہے۔ ابی کی نہیں۔ اسی طرح

عبد اللہ ابن سلول ابن ابی، ابی سلول کی صفت نہیں ہے بلکہ عبد اللہ کی ہے۔

### احقر کی سند حضرت امام مسلم تک

احقر عبد الرؤف سکھروی بن حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب کی سند کا حضرت امام مسلم تک

متصل ہونا درج ذیل تفصیل سے ہے۔

احقر نے پوری صحیح مسلم حضرت مولانا اکبر علی صاحب سہارنپوری سے جامعہ دارالعلوم کراچی

میں پڑھی، انہوں نے حضرت مولانا منظور احمد صاحب محدث مظاہر علوم سے پڑھی۔ انہوں نے

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے، انہوں نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نالوتوی

سے، انہوں نے حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے، انہوں نے حضرت مولانا رشید الدین خان

صاحب دہلوی سے، انہوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے، انہوں نے اپنے والد

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح ستہ وغیرہ سنیں، انہوں نے شیخ محمد طاہر

مدنی سے، انہوں نے اپنے والد شیخ ابراہیم الکردی سے، انہوں نے شیخ سلطان المزاحی سے انہوں

نے شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل السکی سے، انہوں نے شیخ نجم الدین الغیثی سے، انہوں نے شیخ

زین الدین زکریا سے، انہوں نے شیخ ابن حجر عسقلانی سے، انہوں نے شیخ صلاح بن ابی عمر المقدسی

سے، انہوں نے شیخ فخر الدین ابوالحسن علی بن احمد المقدسی سے جو ابن بخاری کے نام سے مشہور ہیں۔

انہوں نے شیخ ابوالحسن مؤید بن محمد الطوسی سے، انہوں نے فقیہ حرم شیخ ابو عبد اللہ محمد بن فضل بن احمد

فراوی سے، انہوں نے شیخ امام ابوالحسن عبدالغافر بن محمد الفارسی سے، انہوں نے شیخ ابوالاحمد محمد بن عیسیٰ

الجلودی النیشاپوری سے، انہوں نے شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الجلودی سے، اور

انہوں نے مسلم شریف کے مؤلف حضرت امام الحافظ الحجة ابو الحسین مسلم بن حجاج

القشیری والنیشاپوری رحمہم اللہ سے ونفعنا بعلومہم وفیوضہم۔ (آمین)

اور امام مسلم کی سند کتاب میں موجود ہے۔ (مقدمة الكتاب بحمد اللہ تعالیٰ مکمل ہوا)



## کتاب الایمان

صحیح مسلم میں کتاب الایمان خاص اہمیت رکھتی ہے۔ امام مسلمؒ نے اس میں ایسی احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں اگر ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے تو عقائد اور ایمانیات کے متعلق تمام امور بہت واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں اور وہ تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے امت کے مختلف فرقوں میں اختلاف ہوا اور متعدد فرقے گمراہ ہوئے۔

کتاب الایمان میں جو ابواب آرہے ہیں اور ان میں جو احادیث مبارکہ آنے والی ہیں ان کو پوری طرح سمجھنے کے لئے مختصر طور پر پانچ مسائل کا جاننا ضروری ہے۔

۱ ... ایمان اور اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معنی۔

۲ ... اعمال کا ایمان سے تعلق اور اسلامی فرقے۔

۳ ... ایمان میں کمی و بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟

۴ ... ملحد اور زندقہ کو کافر کہنے کا حکم۔

۵ ... تقدیر کا مسئلہ۔

### پہلا مسئلہ

#### ایمان اور اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معنی

ایمان باب افعال کا مصدر ہے، جس کے لغوی معنی میں کسی کو بے خوف اور مامون کرنا اور مجرد میں یہ باب صحیح سے امن یا امن آئنا آتا ہے۔ جس کے معنی ہیں مامون ہونا۔<sup>(۱)</sup>

اصطلاح شریعت میں ایمان کی تعریف یہ ہے: ”الایمان هو تصدیق بما علم مجی النبی صلی اللہ علیہ وسلم به ضرورة“ یعنی آنحضرت ﷺ سے جو باتیں قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہیں ان سب میں آپ کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔<sup>(۲)</sup>

اس تعریف میں ”ضرورة“ سے مراد وہ باتیں ہیں جن کا آپ ﷺ سے ثابت ہونا قطعی

(۱) لسان العرب ج ۱ ص ۲۲۲

(۲) المرسل ص ۲۴۹۔

اور بد یہی ہے مثلاً وہ باتیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔ اور بد یہی سے مراد یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو بھی ان باتوں کا حضور ﷺ سے ثابت ہونا معلوم ہو ایسی باتوں کو ضروریات دین کہا جاتا ہے۔ ایسی تمام باتوں کی تصدیق کرنا ایمان ہے اور ان کا انکار کرنا کفر ہے جیسے فرض نمازوں کی تعداد رکعات اور حرمت خمر وغیرہ۔

اسلام باب افعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں گردن جھکانا اور فرمانبرداری کرنا اور اسلام کے اصطلاحی معنی دو ہیں: ایک پورا دین۔ اس معنی کے لحاظ سے اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے اور دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

اسلام کے دوسرے اصطلاحی معنی ہیں زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا جیسا کہ حدیث جبرائیل <sup>(۱)</sup> سے ثابت ہے جس میں شہادتین زبان کا عمل ہے اور باقی اعمال جیسے نماز، روزہ، حج اور زکاۃ ادا کرنے کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہے۔ اور ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اسلام کے اس دوسرے معنی کے لحاظ سے ایمان اور اسلام کے درمیان تباہی کی نسبت ہے کیونکہ ایمان تصدیق کو کہتے ہیں جو دل کے ساتھ خاص ہے اور اسلام اقرار باللسان اور اعمال ظاہرہ کا نام ہے جن کا تعلق زبان اور دیگر اعضاء سے ہے لیکن دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم اور ضروری ہیں جیسے سورج اور دن دونوں الگ الگ ہیں لیکن دونوں ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ایمان اور اسلام حقیقت میں الگ الگ ہیں لیکن ایک ساتھ جمع بھی ہو جاتے ہیں چنانچہ جو شخص دل میں ایمان رکھتا ہو، اور زبان سے شہادتین کا اقرار کرتا ہو، اس میں ایمان اور اسلام دونوں جمع ہو گئے۔ <sup>(۲)</sup>

ایمان کے لئے اقرار باللسان اجراء احکام کے لئے شرط ہے

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام الگ الگ ہیں لیکن ایمان کے مفید اور معتبر ہونے کے لئے زبان سے اقرار کرنا شرط ہے لہذا اگر کوئی شخص دل میں تصدیق رکھے لیکن زبان سے اقرار نہ کرے تو اخروی احکام کے لحاظ سے وہ مومن ہے۔ لیکن اس پر مسلمانوں کے دنیوی احکام جاری نہیں ہونگے اور جو شخص تصدیق قلبی کے ساتھ زبان سے بھی اقرار کرے وہ سچا مسلمان ہے، اُس پر دنیا میں بھی احکام الاسلام جاری ہونگے جیسے وراثت، ولایت، قبول شہادت اور نماز میں اقتداء درست ہونا وغیرہ، اور اخروی حکم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، حضرت امام ابوحنیفہؒ،

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان باب الایمان والاسلام والاحسان الحج رقم الحديث ۸

(۲) درس مسلم ص ۱۸۴-۱۸۵

امام ابو منصور ماتریدیؒ اور شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور جمہور متکلمینؒ کا یہی مذہب ہے۔<sup>(۱)</sup>

### دوسرا مسئلہ

## اعمال کا ایمان سے تعلق اور اسلامی فرقے

ایمان کے مباحث اور مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اعمال کا ایمان سے کیا تعلق ہے؟ اس میں پانچ مذاہب مشہور ہیں لیکن ان سے پہلے اسلامی فرقوں کا مختصر تعارف کرانے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے مذاہب کو سمجھنا آسان ہو۔

### اسلامی فرقے اور ان کا حکم

اسلامی فرقے ان جماعتوں کو کہتے ہیں جو اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں خواہ وہ واقعہً مسلمان ہوں یا نہ ہوں اور ایسے فرقے بہت ہیں ان میں سے ایک حق پر ہے اور باقی باطل ہیں۔

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہو گئے تھے اور میری امت میں تہتر فرقے ہونگے ان میں سے ایک جنتی ہوگا باقی سارے جہنمی ہونگے پوچھا گیا کہ وہ جنتی فرقہ ان میں سے کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا انا علیہ واصحابی۔<sup>(۲)</sup>

اور وہ اہل سنت والجماعت ہیں اور باقی بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے کیونکہ ان کے عقائد میں فساد اور بگاڑ ہوگا۔ پھر جن کے عقائد حد کفر سے کم ہونگے، وہ فاسق ہونگے اور اپنے عقائد فاسدہ کی سزا پا کر ایک نہ ایک دن دوزخ سے نکل کر جنت میں جائیں گے۔ اور جن کے عقائد حد کفر تک پہنچ جائیں گے وہ کافر ہونگے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

### اسلامی فرقوں کا تعارف

اسلامی فرقے تو بہت ہیں اور ان سب کا ذکر کرنا مشکل ہے البتہ جن فرقوں کا ذکر کتاب الایمان میں آتا ہے ان کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے۔

### اہل سنت والجماعت

صحیح اسلامی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ

(۱) درس مسند ص ۱۸۹ ج ۱، اشرف التوضیح ص ۱۲۸ ج ۱

(۲) جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۵۰۲۵

عنہم کے اعمال و عقائد میں ان کے نقش قدم پر چلنے والا اور ان کی پیروی کرنے والا ہے اور ان کا یہ لقب حدیث شریف کے ان الفاظ ما انا علیہ واصحابی سے مأخوذ ہے جس کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اور اکابر علماء دیوبند بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ ان کے بھی وہی عقائد ہیں جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے۔

### ۱ ... معتزلہ

اس کا بانی واصل بن عطا تھا یہ ایک مرتبہ حضرت حسن بھریؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور مجلس میں کسی نے سوال کیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے یا مؤمن؟ اس نے جواب دیا کہ نہ کافر اور نہ مسلمان بلکہ یہ ایک درمیانی درجہ ہے اس پر حضرت حسن بھریؒ نے فرمایا:

”هذا الرجل اعتزل عنا“

### ترجمہ

یعنی یہ شخص ہم سے الگ ہو گیا۔

اس وقت سے ان کا نام معتزلہ پڑ گیا یہ لوگ خود کو اصحاب العدل والتوحید کہتے تھے۔ یہ فرقہ اہل بدعت میں شمار ہوتا ہے کیونکہ یہ روایت باری تعالیٰ اور وزن اعمال کا منکر ہے۔<sup>(۱)</sup>

### ۲ ... جبریہ اور جہمیہ

اس کا بانی جہم بن صفوان ہے۔ اس فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ اینٹ و پتھر کی طرح مجبور محض ہے۔ اور زبان سے اقرار کرنا یا اعضاء سے عمل کرنا ایمان کا جز نہیں ہے۔

### ۳ ... قدریہ

اس کے بانی معبد جہمی اور غیلان دمشقی ہیں یہ فرقہ جبریہ کے بالکل مقابل ہے اس کے عقائد یہ ہیں کہ انسان قادر مطلق ہے اور وہ خود اپنے افعال کا خالق ہے اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں معاذ اللہ کوئی قدرت نہیں۔ اور یہ تقدیر کا منکر ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) اشرف المصباح ص ۱۲۲، ج ۱۔

(۲) اشرف المصباح ص ۱۲۲، ج ۱۔

## ۴ ... خوارج

یہ وہ فرقہ ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی اور آپ کی ذات سے اعراض کیا اور ان الحکم الا للہ کا نعرہ بلند کیا تو آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کلمۃ حق ارید بہ الباطل

ترجمہ

بات حق ہے مگر اس سے مراد باطل ہے۔

یہ لوگ ظاہری طور پر بڑے نیک اور متقی ہوتے تھے۔ لیکن دین کی فہم سے بالکل کورے اور بڑے بے عقل تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے گمراہ ہونے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیرکمان سے نکل جاتا ہے چنانچہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ معاذ اللہ ”سَوَدَ اللہ وجہہ“ کہتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

## ۵ ... روافض

یہ فرقہ خوارج کے بالکل مقابل ہے یہ وہ فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں حد سے آگے بڑھ گیا اور آپ کو دیگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم بلکہ حضور ﷺ سے بھی آگے بڑھا دیا اور اللہ تعالیٰ کے برابر کر دیا۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کو الہ اکبر اور حضرت علی کو الہ اصغر کہتے تھے ان میں اکثر گمراہ اور فاسق ہیں اور بعض کافر ہیں مثلاً جو روافض حضرت علی کو الہ کہتے ہیں یا قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہیں یا حضرت عائشہؓ پر تہمت کو سچ سمجھتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوگئی چنانچہ وہ غلطی سے وحی لے کر حضور ﷺ کے پاس چلے گئے ورنہ اصل میں نبوت حضرت علیؓ کو ملی تھی ایسے لوگ کافر ہیں اور جن روافض کا کوئی عقیدہ کافرانہ نہ ہو وہ کافر نہیں بلکہ فاسق اور گمراہ ہیں۔<sup>(۲)</sup>

## ۶ ... مرجئہ

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ نقصان دہ نہیں اور کسی گناہ پر کوئی سزا نہیں

(۱) شرف المصابیح ص ۱۳۹ - ح ۱

(۲) فتاویٰ الشامیہ ص ۲۶۱، ح ۷

کیونکہ ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔<sup>(۱)</sup>

### ۷ ... کرامیہ

یہ فرقہ عبداللہ بن کرام کے اصحاب پر مشتمل اور ان کی طرف منسوب ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی اعضاء ہیں جیسے انسانوں کے ہوتے ہیں ان کے نزدیک ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے تصدیق قلبی ضروری نہیں۔<sup>(۲)</sup>

### اقرار باللسان اور عمل کا ایمان سے تعلق

ایمان کے بارے میں تین الفاظ مشہور ہیں:

۱ ... اقرار باللسان یعنی زبان سے اقرار کرنا۔

۲ ... عمل بالارکان یعنی اعضاء سے عمل کرنا۔

۳ ... تصدیق بالجنان یعنی دل سے تصدیق کرنا۔

ان میں سے اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا تصدیق بالقلب سے کیا تعلق ہے؟ اس بارے میں اسلامی فرقوں میں شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ۹ مذاہب ہیں۔ ان میں سے پانچ مذاہب مشہور ہیں جو یہاں بیان ہو گئے۔

۱: مرجئہ ۲: کرامیہ ۳: جمہور متکلمین ۴: جمہور محدثین ۵: خوارج و معتزلہ

### پہلا مذہب

مرجئہ کہتے ہیں کہ اصل ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اعمال اور اقرار باللسان ایمان کے لئے ضروری نہیں۔ لہذا نجات یا عدم نجات یا ثواب و عذاب میں ان کا کوئی دخل نہیں چنانچہ جس طرح کفر کے ساتھ کوئی طاعت مفید نہیں اسی طرح ایمان کے ساتھ کوئی معصیت مضر نہیں۔

### دوسرا مذہب

کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان اصل میں اقرار باللسان کا نام ہے اس کے لئے تصدیق قلبی

(۱) شرح المصباح ص ۱۳۴ ج ۱۔

(۲) المسد والنحل ص ۴۴ ج ۱۔



ضروری نہیں لہذا جس نے اقرار باللسان کیا لیکن تصدیق قلبی نہیں کی وہ دنیا میں حقیقتہً مومن ہے چنانچہ اس پر مومن ہونے کے سارے احکام جاری ہونگے لیکن آخرت میں وہ ہمیشہ کے لئے دوزخی ہوگا کیونکہ تصدیق قلبی نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

### ایک اشکال کا جواب

تفصیل بالا کی روشنی میں بظاہر کرامیہ اور اہل سنت والجماعت کا مذہب ایک ہو گیا۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت بھی ایسے شخص کے بارے میں یہی فرماتے ہیں کہ اس پر دنیا میں مسلمانوں کے احکام جاری ہونگے لیکن آخرت میں تصدیق قلبی نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں ہوگا۔

### جواب

جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے کرامیہ ایسے شخص کو دنیا میں حقیقتہً مومن قرار دیتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک وہ دنیا میں بھی حقیقتہً کافر ہے۔ اور آخرت میں بھی، مگر چونکہ دنیا میں دل کا حال معلوم نہیں ہوتا اس لئے اس پر مجبوراً دنیوی اسلامی احکام جاری ہونگے۔<sup>(۲)</sup>

### تیسرا مذہب

جمہور متکلمین جن میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے نزدیک دراصل ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اقرار باللسان ایمان کے لئے ضروری نہیں۔ لیکن مسلمانوں کے احکام جاری ہونے کے لئے ضروری ہے لہذا جو شخص اقرار باللسان نہیں کرے گا وہ عند اللہ مسلمان ہوگا، عند الناس مسلمان نہیں ہوگا۔<sup>(۳)</sup>

### چوتھا مذہب

جمہور محدثین کے نزدیک ایمان کا رکن اصلی تصدیق قلبی ہے۔ اور اقرار باللسان بھی ایمان کے لئے ضروری ہے۔ اور اس کا حصہ ہے لیکن رکن زائد ہے جس کا مطلب یہ ہے تصدیق قلبی ہر حال میں ضروری ہے۔ لیکن اقرار باللسان ہر حال میں ضروری نہیں بعض حالات میں ساقط ہو جاتا ہے جیسے حالت اضطراب میں، بشرطیکہ دل میں ایمان مضبوط ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

(۱) درج مسلم ص ۱۹۱ ج ۱

(۲) درج مسلم ص ۱۹۲ ج ۱

(۳) شرف النواصب ص ۱۳۸ ج ۱

”و قلبه مطمئن بالايمان“ (۱)

### ایک اشکال اور جواب

جمہور متکلمین، اور جمہور محدثین کے نزدیک ایمان کی جو تعریف بیان ہوئی اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں یہ اختلاف حقیقی اختلاف ہے اور معاذ اللہ جمہور محدثین کے نزدیک اعمال اسی طرح ایمان کا جزو ہیں جس طرح معتزلہ اور خوارج کے نزدیک۔ جس سے لازم آتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ان کے نزدیک بھی کافر، دائرہ اسلام سے خارج اور ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے لیکن یہ بات نہیں ہے اگر حقیقت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جمہور متکلمین اور جمہور محدثین کے نزدیک یہ اختلاف حقیقی نہیں محض تعبیر کا اختلاف ہے۔ ایمان کی حقیقت میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ ایمان کے لئے تصدیق قلبی اصل اور ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ اعمال سیئہ موجب عقاب ہیں۔ اور اعمال صالحہ موجب ثواب ہیں۔ اور بذات خود تصدیق قلبی یہ ہمیشہ کے لئے دوزخی ہونے سے بچانے والی ہے اور تصدیق قلبی مع اعمال صالحہ اور کبیرہ گناہوں سے بچنے کے ساتھ اولاً دوزخ میں داخل ہونے سے بچانے والی ہے، اسی لئے امام رازی، امام غزالی، امام ابن تیمیہ نے اس کو لفظی اختلاف قرار دیا ہے اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایمان دراصل تصدیق قلبی کا نام ہے لیکن اعمال بھی ضروری ہیں۔ (۲)

### پانچواں مذہب

خوارج اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اقرار باللسان اور عمل بالارکان ایمان کا جزو اور اس کا حصہ ہیں ان کے نزدیک ایمان تین امور کا مجموعہ ہے:

۱۔ تصدیق بالقلب، ۲۔ اقرار باللسان، ۳۔ عمل بالارکان، چنانچہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ان کے نزدیک ایمان سے خارج ہے پھر کفر میں داخل ہوا یا نہیں؟ خوارج کے نزدیک کفر میں داخل ہو گیا اور معتزلہ کے نزدیک کفر میں داخل نہیں ہوا، لہذا یہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک درجہ کے قائل ہیں جس کا نام انہوں نے ”فسق“ رکھا ہے بہر حال یہ دونوں فرقے اس پر متفق ہیں کہ مرتکب کبیرہ

(۱) سورہ النحل ۱۰۶

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اشرف الوصیح ص ۱۴۱، ج ۱۔

اسلام سے خارج ہیں۔ اور ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### مذکورہ مذاہب کا حکم

مذکورہ فرقوں میں جمہیہ، مرجہ کرامیہ اور خوارج و معتزلہ کا مذہب بالکل باطل ہے۔ اور نصوص شرعیہ کے خلاف ہے اور اہل سنت والجماعت یعنی جمہور محدثین اور جمہور متکلمین کا مذہب برحق ہے اور نصوص شرعیہ کے مطابق ہے اور ان دونوں کے مذہب میں اگرچہ ظاہر میں کچھ فرق ہے لیکن حقیقت دونوں مذہبوں کی ایک ہے، دلائل کے لئے دیکھئے: (درس مسلم ص ۸۸۱، ج ۱)

### تیسرا مسئلہ

#### ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟

قرآن و سنت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ سلف صالحین کے اقوال میں بھی اس کی صراحت ہے۔ چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱۔ جمہور محدثین، جمہور شاعرہ، معتزلہ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور ایمان کی تعریف میں اعمال بھی داخل ہیں اور اعمال کم و بیش ہوتے رہتے ہیں لہذا ان کے نزدیک کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

۲۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام الحرمین اور علامہ متکلمین کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول مشہور ہے۔

”الایمان لا یزید ولا ینقص“

### ترجمہ

یعنی ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا۔

کیونکہ ان کے نزدیک ایمان بسیط (غیر مرکب) ہے۔ یعنی ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اعمال ایمان کا جزو نہیں ہے۔ اور کمی بیشی اعمال میں ہوتی ہے۔<sup>(۲)</sup> لہذا ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

### ایک اشکال کا ازالہ

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بظاہر قرآنی نصوص اور اقوال سلف کے خلاف ہے لیکن حقیقت

(۱) درس مسلم ص ۸۸۱، ج ۱

(۲) اشرف التوضیح ص ۱۴۲، ۱۴۳، ج ۱

میں ان کا یہ اختلاف بھی تعبیر کا اختلاف ہے جو ان حضرات کے اپنے زمانے کے مخاطبین کے حالات کے اختلاف پر مبنی ہے، کیونکہ اگر ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے تو اعمال کی کمی و بیشی سے حقیقت ایمان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی اور اگر اعمال کو ایمان کا جزو قرار دیا جائے تو لامحالہ اعمال کی کمی و بیشی سے ایمان میں بھی کمی بیشی ہوگی۔ لہذا ان دونوں مذاہب میں تطبیق دینے کی اور آیات و احادیث میں ایمان کی کمی بیشی کا جو ذکر آیا ہے اُس کا مطلب اور اس کے جواب کی تین صورتیں ہیں۔

۱ ... نفس ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی بلکہ کمال ایمان میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔

۲ ... نفس ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی بلکہ نور ایمان میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔

۳ ... نفس ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی بلکہ جن احکام پر ایمان لایا جاتا ہے ان کے

اعتبار سے کمی و بیشی ہوتی ہے یعنی جیسے جیسے احکام میں اضافہ ہوگا ویسے ویسے ایمان بھی بڑھتا جائے گا اور اس میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

حاصل تینوں صورتوں کا یہی ہے کہ اعمال میں کمی بیشی ہوتی ہے نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔<sup>(۱)</sup>

### چوتھا مسئلہ

ملحد اور زندقہ کو کافر کہنے کا حکم

کسی شخص کو کافر قرار دینے کا مسئلہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے جس کے لئے ضروری تفصیل جاننے کی ضرورت ہے مثلاً کفر کے لغوی اور اصطلاحی معنی، کفر کی اقسام اور ان کا حکم۔ کتاب الایمان کے بعض مسائل میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

### کفر کے لغوی و اصطلاحی معنی

کفر کے لغوی معنی ہیں چھپانا اور اصطلاح شرع میں اسکے یہ معنی ہیں:

”هو تكذيب النبي ﷺ في شئ من ضروریات الدین“

یعنی ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنا کفر ہے اور انکار کرنے والا کافر ہے۔ لہذا کافر ہونے کے لئے ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا کافی ہے۔ اور ایمان لانے کے

لئے تمام ضروریاتِ دین کو ماننا ضروری ہے اور ضروریاتِ دین سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح پہلے مسئلے میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لیں۔

### کفر کی قسمیں

یوں تو کفر کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن بنیادی طور پر اس کی چار قسمیں ہیں:-

- ۱ ... کفرِ انکاری ۲ ... کفرِ جحود ۳ ... کفرِ نفاق ۴ اور ... کفرِ زندہ
- ۱ ... کفرِ انکاری: کفرِ انکاری وہ کفر ہے جس میں دین حق کا دل اور زبان دونوں سے انکار کیا جائے جیسے عام کفار و مشرکین کا کفر۔
- ۲ ... کفرِ جحود: کفرِ جحود وہ کفر ہے جس میں دل سے تو دین کا اقرار کرے لیکن زبان سے انکار کرے جیسے یہود و نصاریٰ کا کفر اور ابلیس لعین کا کفر۔
- ۳ ... کفرِ نفاق: کفرِ نفاق وہ کفر ہے جس میں دل سے دین اسلام کا انکار کرے لیکن زبان سے مصلحتاً اقرار کرے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین۔
- ۴ ... کفرِ زندہ: کفرِ زندہ یہ وہ کفر ہے جس میں ظاہراً تمام ضروریاتِ دین کو مانے اور کسی کا انکار نہ کرے لیکن کسی امر ضروری کا ایسا مطلب بیان کرے جو صحابہؓ و تابعینؓ ائمہ امت کے اجماع سے ثابت نہ ہو ایسا شخص ملحد اور زندیق کہلاتا ہے: جیسے آغا خانی، بوہری، قادیانی اور پرویزی وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے چاہے انکار کرنے والا کلمہ پڑھتا ہو اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو لیکن امت کی اجماعی تشریحات یا متفقہ مفہومات سے ہٹ کر کوئی اور تشریح کرتا ہو یا کوئی اور مفہوم بیان کرتا ہو تو یہ بھی کافر ہے جیسے قادیانی اور پرویزی وغیرہ۔<sup>(۱)</sup>

### پانچواں مسئلہ

#### تقدیر پر ایمان

تقدیر پر ایمان لانا اسلام کا ایک اہم اور بنیادی عقیدہ ہے جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور تقدیر کا مسئلہ نازک بھی ہے چنانچہ اس میں زیادہ غور و خوض کرنے کی ممانعت ہے۔<sup>(۲)</sup> ورنہ اس میں گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ متعدد فرقے گمراہ ہوئے اس لئے یہاں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے دروسِ مسلم ص ۷۸۴ تا ۷۸۶۔

(۲) جامع الترمذی، ابواب القدر باب ما جاء فی التشدید فی الخوض فی القدر۔ رقم الحدیث ۲۰۵۹۔

ضروری تفصیل قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کی جائے گی اور سہولت کے لئے اس کو تین بحثوں میں ذکر کیا جائے گا۔ اور آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کا خلاصہ بیان ہوگا۔

## پہلی بحث

### تقدیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی

مسئلہ تقدیر میں تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں: ۱۔ قدر ۲۔ قضاء ۳۔ کسب پہلے ان تینوں کے لغوی اور شرعی معنی سمجھ لیں تاکہ تقدیر کا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جائے۔

#### (۱) ... قدر

اس کو دال کے سکون کے ساتھ اور فتح کے ساتھ دونوں طرح سے پڑھنا صحیح ہے۔ یہ دونوں باب ضرب کے مصدر ہیں۔ دونوں کے لغوی معنی ہیں ”کسی چیز کا اندازہ کرنا اور مقدار مقرر کرنا“ اسی کو تقدیر بھی کہا جاتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ“<sup>(۱)</sup>

#### ترجمہ

یعنی ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے۔

اصطلاح شرع میں قدر اور تقدیر سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی اچھا یا برا ہو رہا ہے چھوٹا ہو یا بڑا، محسوس ہو یا معنوی، ظاہری ہو یا باطنی اور جو جو واقعات اور حادثات ظاہر ہو رہے ہیں اور اب تک عالم میں جو کچھ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے یا جو کچھ آئندہ ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم ازل میں ہے اور اسی کو تقدیر کہتے ہیں۔

#### (۲) ... قضاء

قضی یقضی قضاء یہ بھی باب ضرب سے ہے اس کے لغوی معنی دو ہیں۔ ایک لغوی معنی ہیں پیدا کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”لَقَضَيْنَا سَبْعَ سَمَوَاتٍ“<sup>(۲)</sup>

(۱) سورہ النور، آیت نمبر ۴۹

(۲) سورہ حم سجده، آیت نمبر ۱۲



## ترجمہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے۔

اور قضاء کے دوسرے لغوی معنی ہیں فیصلہ کرنا جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ“ (۱)

## ترجمہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

اور اصطلاح شرع میں قضاء سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے علم ازل کے مطابق فیصلہ کرنا اور پیدا کرنا ہے۔

## ۳ ... کسب

کسب یکسب کسباً یہ بھی باب ضرب سے ہے۔ اس کے معنی ہیں بندہ کا اپنے اختیار سے کسی کام کو کرنا یا نہ کرنا، اردو میں کسب کے معنی ہیں کمانا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ“ (۲)

## ترجمہ

جو کچھ انہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے اور جو کچھ تم نے کمادہ تمہارا ہے۔

یعنی اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادہ سے کرے گا اور نقصان بھی اُسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادہ سے کرے گا۔

اور کسب کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ ہر انسان کو اپنے اعمال و افعال کے کرنے یا نہ کرنے کا فی الجملہ اختیار ہے جس کو انسان کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے میں آزادانہ طور پر استعمال کرتا ہے اُسی اختیار کا نام کسب ہے جس پر عذاب و ثواب مرتب ہوتا ہے یعنی بندہ کو اچھے فعل کے کسب پر ثواب ملتا ہے اور برے فعل کے کسب پر وہ عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (۳)

ان تینوں معنی کو سمجھنے کے لئے اس کی ایک مثال ہے کہ جب کوئی شخص کسی مکان کا نقشہ کاغذ پر بناتا ہے تو پہلے وہ نقشہ اپنے ذہن میں سوچتا ہے پھر اس کے مطابق اس کو کاغذ پر بناتا ہے پھر اس کا

(۱) سورہ مئی اسرائیل، آیت نمبر ۲۲

(۲) سورہ بقرہ، آیت نمبر ۲۸۶

(۳) ترمذی مسلم ص ۳۱۸، ج ۱

شاگرد اس میں رنگ بھرتا ہے تو اس مثال میں مکان کی جو صورت ذہن میں ہے یہ قدر کے مشابہ ہے۔ اس کے بعد کاغذ پر اس کا نقشہ بنانا یہ قضاء کے مشابہ ہے اور پھر شاگرد کا اس میں رنگ بھرنا کسب کے مشابہ ہے۔

مسئلہ تقدیر میں اس مثال کے منطبق ہونے کی صورت یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کائنات کو بنانے کی ایک صورت تھی مثلاً ایسی زمین ہو، ایسے آسمان ہوں اور ایسے دریا وغیرہ ہوں تو یہ تقدیر اور قدر ہے۔ پھر اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک خارجی وجود عطاء فرمایا تو یہ قضا ہے۔ پھر اس قضاء و قدر کے مطابق انسان جو کچھ اچھا یا برا عمل اپنے اختیار سے کرتا ہے وہ کسب ہے۔ بہر حال یہ ان الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی ہیں۔ تاہم قضاء اور قدر کبھی کبھی ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ جس میں کچھ حرج نہیں۔

### تقدیر پر ایمان لانے کا حکم

تقدیر بالکل برحق ہے۔ اور قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، یعنی اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ کائنات میں جو کچھ ازل سے ہوا یا فی الحال ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا وہ اچھا ہو یا برا، چھوٹا ہو یا بڑا، حسی ہو یا معنوی، ظاہر ہو یا باطن ان سب اشیاء اور واقعات کے خالق اللہ تعالیٰ جل شانہ ہیں۔ جو اپنے علم ازلی کے مطابق ہر چیز کو اپنے ارادے اور قدرت کاملہ سے وقت مقرر پر مقدار مقرر کے ساتھ پیدا فرماتے ہیں۔ ان کے ارادہ کے بغیر کوئی ذرہ اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا۔ اور کسی درخت کا کوئی پتہ حرکت نہیں کر سکتا حتیٰ کہ انسان کے تمام اچھے، برے اعمال اور ارادے بلکہ خیالات بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس کی صراحت ہے چند آیات یہ ہیں:-

۱ ... ”إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ“<sup>(۱)</sup>

۲ ... قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا<sup>(۲)</sup>

۳ ... اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ<sup>(۳)</sup>

(۱) سورہ الشعراء، آیت نمبر ۴۹

(۲) سورہ الطلاق، آیت نمبر ۳

(۳) سورہ ذر، آیت نمبر ۶۲

## دوسری بحث

## مسئلہ تقدیر میں اختلاف

تقدیر کے مسئلہ میں اسلامی فرقوں میں بڑا اختلاف ہے چنانچہ اس بارے میں چار مذاہب مشہور ہیں:- (۱) جبریہ (۲) قدریہ (۳) معتزلہ (۴) اہل سنت والجماعت۔

ان میں سے اہل سنت والجماعت کا مذہب برحق اور معتدل ہے۔ کیونکہ وہ قرآن و سنت کے عین مطابق ہے جس کا ذکر آخر میں آ رہا ہے باقی مذاہب غلط، باطل اور غیر معتبر ہیں اس لئے کہ وہ ان کی اپنی سوچ اور عقل پر مبنی ہیں ان کے پاس اپنے مذہب کی کوئی بے غبار اور مضبوط دلیل نقلی موجود نہیں ہے اب ان مذاہب کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

## مذہب جبریہ

جبریہ وہ فرقہ ہے جن کو مرجہ بھی کہا جاتا ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اینٹ و پتھر کی طرح مجبور محض ہے۔ اس کو کسی قسم کا اختیار نہیں ہے یہ جو کچھ بھی اچھا، برا کرتا ہے وہ سب تقدیر کے تحت غیر اختیاری طور پر کرتا ہے۔ جیسے پردہ خود نہیں مل سکتا کوئی ہلائے گا تو ہلے گا۔ اور یہ لوگ رعشہ کے مریض کے ہاتھ کی حرکت اور تندرست کاتب کے ہاتھ کی حرکت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ جو بداہت کے خلاف ہے۔ یہ مذہب بدیہی طور پر باطل اور بالکل غلط ہے شرعاً بھی اور عقلاً بھی اس لئے کہ انسان بہت سے کام اپنے اختیار سے کرتا ہے جس سے بندہ میں اختیار ہونا عقلی طور پر اور بدیہی طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ جس سے انکار کرنا درست نہیں اسی کو کسب کہتے ہیں اسی اختیار کی بناء پر قرآن و سنت میں انسان کو ادا امر و نواہی کا مکلف بنایا گیا ہے۔ اور ان کی مخالفت پر عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ اگر انسان اپنے افعال و اعمال میں مجبور محض ہوتا تو تمام احکام شرعیہ کا انسان کو مکلف اور ذمہ دار بنانا لازم آتا جو اس کی قدرت میں بالکل نہیں تو یہ قرآن کریم کی آیت ”لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وِسعہا“<sup>(۱)</sup> کے خلاف ہے۔

## مذہب قدریہ

قدریہ کا فرقہ جن کو معتزلہ بھی کہا جاتا ہے یہ بالکل جبریہ کے مقابل ہے یہ کہتے ہیں کہ انسان قادر مطلق ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کے اعمال و افعال میں کوئی

داخل نہیں، بلکہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے لہذا تقدیر کچھ نہیں ہے۔ یہ مذہب بھی بالکل غلط اور باطل ہے، کیونکہ یہ نصوص صحیحہ اور صریحہ کے خلاف ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

”إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ“ (۱)

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

”قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ“ (۲)

اسی طرح ایک جگہ فرمایا ہے:

”إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ“ (۳)

اسی طرح ایک جگہ فرمایا:

”وَمَا نُنْزِلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ“ (۴)

ان سب آیات سے معلوم ہوا کہ بندہ قادر مطلق نہیں ہے۔ بلکہ قادر مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی

ذات ہے۔

### مذہب اہل سنت والجماعت

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ اچھا یا برا جو بھی عمل کرتا ہے اس کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور بندہ اس کا کاسب ہے جو اپنے اختیار سے کرتا ہے اور عذاب و ثواب اسی کاسب پر ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ“ (۵)

اور ”لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ“

ان آیات میں کاسب کی نسبت انسان کی طرف ہے اور خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف

کی ہے۔ جیسے ان آیات میں ہے:

”إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ“ (۶)

(۱) سورہ فہر ۹۰

(۲) سورہ اعراب ۱۸۸

(۳) سورہ قصص ۵۶

(۴) سورہ حجر ۲۱

(۵) سورہ البقرہ ۲۸۶

(۶) سورہ فہر ۹۰

اور وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (۱)

لہذا اہل سنت والجماعت کا مذہب معتدل اور قرآن و سنت کے عین موافق ہے۔ (۲)

بہر حال اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایچھے، برے افعال کرنے کا اختیار دیا ہے لیکن یہ اختیار بالکل نہیں ہے بلکہ من وجہ اختیار ہے اور من وجہ اختیار نہیں ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ بندہ کو اختیار ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ پھر اُس نے پوچھا کتنا اختیار ہے تو آپؐ نے فرمایا تم اپنا ایک پاؤں اٹھاؤ، اُس نے اٹھالیا پھر فرمایا دوسرا بھی اٹھاؤ، اُس نے کہا دوسرا تو نہیں اٹھا سکتا تو حضرت علیؑ نے فرمایا بس بندہ کو اتنا ہی اختیار ہے یعنی نہ بندہ مختیار کل ہے، نہ مجبور محض ہے، بلکہ اُس کا حال ان کے درمیان درمیان ہے یعنی من وجہ اختیار ہے اور من وجہ اختیار نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قدرت کاملہ اور جبر محض کے درمیان درمیان ہے نہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے اور نہ قادر مطلق ہے بلکہ وہ اپنے افعال میں ایک حد تک مجبور اور ایک حد تک با اختیار ہے اور یہی راہ اعتدال ہے اور حق ہے۔

### جبریہ کی طرف سے ایک سوال

جب ہر بات تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ کے علم ازلی میں ہے تو پھر بندہ اس کے خلاف نہیں کر سکتا ورنہ علم ازلی کا غلط ہونا لازم آئے گا اور اگر اُس کے خلاف نہیں کر سکتا تو بندہ مجبور محض ہو گیا کیونکہ وہی ہو گا جو کچھ لکھا ہوا ہے تو عقیدہ جبریہ ثابت ہو گیا۔

### جواب

تقدیر میں یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے وہ بندہ کے اختیار سے لکھا ہوا ہے یعنی بندہ جو کام کرے گا اچھا یا برا، غلط یا صحیح وہ اپنے اختیار سے کریگا مثلاً: اپنے اختیار سے نماز پڑھے گا یا اپنے اختیار سے چوری کرے گا وغیرہ۔ لہذا محض تقدیر میں لکھا ہونے کی وجہ سے بندہ اُس کام کے کرنے پر مجبور نہیں ہوتا بلکہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اس کو اختیار حاصل رہتا ہے۔ لہذا جبریہ کا مذکورہ اعتراض غلط ہے۔

## تیسری بحث

## تقدیر کی قسمیں

تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ۱ ... تقدیر مبرم ۲ ... تقدیر معلق

## تقدیر مبرم کی تعریف

یہ وہ تقدیر ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ یہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ اور علم ازلی میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

## تقدیر معلق کی تعریف

یہ وہ تقدیر ہے جس میں بعض امور بعض امور پر معلق ہوتے ہیں مثلاً مصیبت زدہ شخص اگر دعا کرے گا تو مصیبت ٹل جائے گی اور اگر دعا نہیں کرے گا تو مصیبت آجائے گی یا اگر بیمار اپنی بیماری میں علاج کرے گا تو شفاء ہو جائے گی اور اگر علاج نہیں کرے گا تو مر جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اس سے مراد تقدیر معلق ہے اور جن نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، اُس سے تقدیر مبرم مراد ہے۔<sup>(۱)</sup>

## مسئلہ تقدیر کا آسان خلاصہ

آخر میں تقدیر کے مسئلہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ اچھی طرح یہ مسئلہ ذہن نشین ہو جائے اور خلاصہ کو یاد رکھنا آسان ہو۔ یاد رکھئے! مسئلہ تقدیر کا خلاصہ تین باتیں ہیں جو یہ ہیں:

۱ ... انسان اپنے افعال و اعمال اور تمام حرکات میں اینٹ اور پتھر کی طرح مکمل طور پر مجبور نہیں ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ انسان اپنے افعال کو انجام دینے کے لئے اپنے اعضاء کو جو حرکت دیتا ہے اُس میں اور جمادات کی حرکت میں کوئی فرق نہ ہو اسی طرح رعشہ کے مریض کے ہاتھ کی حرکت غیر اختیاری ہے اور تندرست آدمی کے ہاتھ کی حرکت اختیاری ہے۔ ان دونوں حرکتوں میں یہ فرق اتنا واضح اور بے غبار ہے جس کا انکار کرنا ایک بے غبار چیز کا انکار کرنا ہے۔ اور کوئی بھی عقل مند آدمی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض



نہیں۔

۲ ... انسان اپنے افعال و اعمال کو انجام دینے کے لئے اپنے اعضاء کی حرکات میں قادر مطلق نہیں ہے۔ خالق ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ اگر وہ قادر مطلق ہوتا تو اپنی کسی خواہش اور ارادہ میں کبھی ناکام نہ ہوتا۔ حالانکہ انسان اپنی بہت سی خواہشات اور ارادوں کو پوری کوشش کے باوجود حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے اعمال و افعال میں مکمل طور پر قادر نہیں ہے۔ اور جب قادر نہیں ہے تو ان کا خالق بھی نہیں ہے۔

جب مذکورہ بالا دونوں باتیں واضح طور پر ثابت ہیں کہ انسان اپنے افعال و اعمال میں نہ مکمل طور پر مجبور ہے نہ مکمل طور پر قادر، تو خود بخود نتیجہ نکل آیا کہ انسان اپنے افعال و اعمال میں ایک حد تک مجبور ہے اور ایک حد تک باختیار ہے یعنی انسان کو اپنے افعال و اعمال کرنے یا نہ کرنے میں من وجہ یعنی کسی نہ کسی درجہ میں اختیار حاصل ہے اور من وجہ اختیار حاصل نہیں ہے۔

۳ ... یہ جو معمولی سی قدرت اور اختیار انسان کو اپنے افعال و اعمال کے انجام دینے میں حاصل ہے قرآن و سنت کی اصطلاح میں اُس کو کسب کہا جاتا ہے۔ اسی پر انسان کو ثواب یا عذاب ملتا ہے۔ جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی۔ لیکن اس کسب کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جو قرآن و سنت میں کھول کر نہیں بتایا گیا ہے۔ اور ہم اپنی عقل سے بھی اسے معلوم نہیں کر سکتے اور اس کے معلوم ہونے پر ہمارا نہ کوئی عقیدہ موقوف ہے اور نہ عمل، اور شرعاً بھی ہم اس کے جاننے کے مکلف نہیں ہیں لہذا اس کا معلوم نہ ہونا ہمارے لئے کچھ مضر نہیں۔

جب یہ تینوں باتیں واضح ہو گئیں تو اب سمجھئے! انسان کے تمام افعال و اعمال کے قادر مطلق اور خالق اللہ تعالیٰ ہیں لیکن ان کا کاسب انسان ہے اور انسان کے تمام افعال و اعمال کسب میں داخل ہیں۔ اس لئے اچھے عمل کے کسب پر ثواب ملتا ہے اور برے عمل کے کسب پر وہ مستحق عذاب ہوتا ہے۔ بس یہ مسئلہ تقدیر کا خلاصہ ہے جس کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ <sup>(۱)</sup> فللہ الحمد



## کتاب الایمان

### باب معرفة الایمان والاسلام

۹۳۔ قَالَ الْإِمَامُ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ (الی قولہ) حَدَّثَنِي أَبُو خَيْثَمَةَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَا وَكِيعٌ،... (الی قولہ)... ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، وَهَذَا حَدِيثُهُ، قَالَ: نَا أَبِي، قَالَ: نَا كَهْمَسٌ، عَنِ ابْنِ بَرِيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، قَالَ: كَانَ أَوَّلَ مَنْ قَالَ فِي الْقَدْرِ بِالبَصْرَةِ مَعْبُدُ الْجَهَنِيِّ. فَأَنْطَلَقْتُ أَنَا وَحَمِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجَمِيرِيُّ حَاجِّينَ أَوْ مُعْتَمِرِينَ فَقُلْنَا: لَوْ لَقِينَا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُولُ هَؤُلَاءِ فِي الْقَدْرِ فَوْقَ لَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدِ. فَاسْتَفْتَانَا وَصَاحِبِي. أَحَدُنَا عَنْ يَمِينِهِ، وَالْآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ. فَظَنَنْتُ أَنَّ صَاحِبِي سَيَكِلُ الْكَلَامَ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! إِنَّهُ قَدْ ظَهَرَ قَبْلَنَا نَاسٌ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ، وَيَتَقَفَّرُونَ الْعِلْمَ - وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ - وَأَنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ لَا قَدَرَ، وَأَنَّ الْأَمْرَ أَنتَ.

قَالَ: فَإِذَا لَقِيتَ أَوْلِيكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ وَأَنَّهُمْ بُرَاءٌ مِنِّي، وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أَحَدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللَّهُ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ.

ثُمَّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ،

وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ.

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتُحِجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا. قَالَ: صَدَقْتَ. قَالَ: فَعَجَبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ، وَيُصَدِّقُهُ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ. قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ: صَدَقْتَ.

قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ. قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا نَظَرْتَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ. قَالَ: مَا الْمَسْفُورُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَتِهَا. قَالَ: أَنْ تِلِدَ الْأُمَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّيْءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبَنِيَانِ.

قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ. فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي: يَا عُمَرُ! أَتَدْرِي مَنْ السَّائِلُ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ. (ص: ۲۶، سطر ۲۷ تا ۳۷)

(سطر ۱۰)

## تشریح

قولہ: ”قَالَ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمٌ بْنُ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيُّ“ (ص: ۲۶، سطر ۱)

ہمارے اس نسخہ میں باب کا کوئی عنوان نہیں ہے جبکہ بعض نسخوں میں ”باب معرفة الايمان

والاسلام“ کا عنوان ہے۔ البتہ حاشیہ میں کتاب الايمان کا عنوان ہے۔

ان عنوانات کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے اپنی یہ کتاب مسلم شریف

ابواب کے اعتبار سے مرتب کی ہے جس کو مثنوب کہتے ہیں لیکن اس میں عنوانات امام مسلم نے خود تحریر

نہیں کئے تاکہ کتاب موٹی نہ ہو جائے یا اس لئے کہ یہ کتاب خالص حدیث کی کتاب رہے جو صرف

احادیث اور اسانید پر مشتمل رہے اپنی طرف سے اس میں کچھ بھی نہ ہو یا کوئی اور مصلحت ہوگی اسی لئے

وہ حاشیہ میں ہیں اصل کتاب میں نہیں ہیں اور یہ عنوانات بعد میں کسی نے بڑھائے ہیں جو معیاری اور

کتاب کی شان کے لائق نہیں ہیں۔

بہر حال مسلم شریف کی کتاب الایمان کی پہلی حدیث کی پہلی سند کے شروع میں لفظ ”قال“ ہے اس کی ضمیر مسلم شریف کے اس موجودہ نسخے کے راوی کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ حضرت امام مسلم کے شاگرد رشید حضرت امام ابواسحاقؒ ابراہیم بن محمد انیثا پوری ہیں انہوں نے مسلم شریف کے اس نسخہ کی حضرت امام مسلمؒ سے روایت کی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ... (ص: ۲۶، سطر ۱)

اس سند میں حضرت امام مسلمؒ کے لئے ”رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ“ کا دعائیہ جملہ استعمال ہوا ہے جو عرف میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ خاص ہے لیکن چونکہ یہ دعائیہ کلمہ ہے، لہذا فی نفسہ اس کا استعمال صحابی کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے اسی لئے یہاں امام مسلمؒ کے لئے استعمال کیا گیا ہے البتہ عوام کے سامنے صحابی کے علاوہ کے واسطے یہ دعائیہ جملہ استعمال کرنا احتیاط کے خلاف ہے کیونکہ ایسا کرنے سے عوام غیر صحابی کو بھی صحابی سمجھنے لگیں گے۔<sup>(۲)</sup>

مسلم شریف اپنی خصوصیات کے اعتبار سے تمام کتب حدیث میں ممتاز ہے چنانچہ حسن ترتیب اور سیاق کی عمدگی اور سندوں کے الفاظ میں احتیاط اور پڑھنے میں آسانی کے لحاظ سے امام مسلمؒ، امام بخاریؒ پر فوقیت لے گئے ہیں جیسا کہ ”مقدمة الكتاب“ میں تفصیل سے گزر چکا نیز حدیث کی خالص کتاب صحیح مسلم ہے جبکہ صحیح بخاری خالص حدیث کی کتاب نہیں بلکہ ”فقہ“ کی کتاب بھی ہے، کیونکہ اس کے تراجم اور عنوانات دراصل وہ مسائل ہیں جو امام بخاریؒ نے آیات و احادیث سے مستنبط فرمائے ہیں۔ اس لئے امام بخاریؒ کے بارے میں یہ مقولہ مشہور ہے۔

”فقہ البخاری فی تراجمہ“

یعنی امام بخاری کی فقہ بخاری شریف کے عنوانات میں ہے۔

حضرت امام مسلمؒ نے اس حدیث کی سند کے شروع میں ”حدثنی“ فرمایا اور آگے تھویل کے بعد ”حدثنا“ کہا کیونکہ امام مسلمؒ اس کا التزام کرتے ہیں کہ جو حدیث انہوں نے اپنے استاذ سے تنہائی میں سنی وہاں قاعدہ کے مطابق ”حدثنی“ کہتے ہیں۔ اور اگر حدیث کے سننے میں ان کے ساتھ دوسرے ساتھی بھی شریک ہوں تو ”حدثنا“ فرماتے ہیں۔ اگرچہ ایک کی جگہ دوسرے لفظ کا استعمال بھی

(۱) درمیں مسلم ج ۱ اول ص ۲۲۳۔

(۲) درمیں مسلم ج ۱ ص ۲۲۳۔

جائز ہے۔

قوله : أَبُو خَيْثَمَةَ... الخ (ص: ۲۶، سطر ۲)

یہ امام مسلم کے استاذ ہیں ابو خيثمه ان کی کنیت ہے، زهير بن حرب ان کا نام ہے امام مسلم نے ان سے ایک ہزار سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَكِيعٌ... الخ (ص: ۲۶، سطر ۲)

یہ حضرت وکیع ابن الجراح امام شافعی کے استاذ ہیں۔ حضرت امام شافعی نے ان سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تھی تو انہوں نے اس خرابی کے دور ہونے کے لئے امام شافعی کو گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی۔ جس کو امام شافعی نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔

شَكُوْتُ إِلَى وَكِيعٍ سَوْءَ حِفْظِي  
فَأَوْصَانِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي  
فَإِنَّ الْعِلْمَ نُورٌ مِّنْ إِلَهِي  
وَنُورُ اللَّهِ لَا يُعْطَى لِعَاصِي

قوله : يَعْمَرُ... الخ (ص: ۲۷، سطر ۲)

یہ وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قوله : "ح"... الخ (ص: ۲۷، سطر ۱)

اس کو حاء تحویل کہتے ہیں اور اسے تین طرح پڑھ سکتے ہیں: ۱ ... الف مقصورہ کے ساتھ۔

۲ ... الف ممدودہ کے ساتھ۔ ۳ ... اور اس کو پورا لفظ تحویل بھی پڑھ سکتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

ان میں سے پہلا طریقہ زیادہ آسان اور مشہور ہے۔

قوله : عبيد الله بن معاذ العنبري... الخ (ص: ۲۷، سطر ۱)

اس حدیث کی سند میں امام مسلم کے دو استاذ ہیں ایک ابو خيثمه زهير بن حرب اور دوسرے عبيد الله بن معاذ العنبري۔ امام مسلم کے ان دونوں اساتذہ کے الفاظ اس حدیث کی روایت میں مختلف تھے۔ اس لئے امام مسلم اپنی عادت کے مطابق کہ اس روایت کے الفاظ کس استاذ کی

(۱) تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۴۔

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مقلعہ ابن الصلاح، النوع الخامس والعشرون ص ۱۰۰، ۹۹۔

حدیث کے ہیں؟ اس کی تعیین فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ حدیث امام مسلم نے عبید اللہ بن معاذ العنبری اور ابو خیشمہ زہیر بن حرب دونوں سے سنی ہے اور معنی بھی دونوں کی روایتوں کے ایک ہیں۔ مگر دونوں کے الفاظ میں کہیں کہیں کچھ فرق ہے۔ لہذا یہاں حدیث کو عبید اللہ بن معاذ العنبری کے الفاظ میں نقل کیا جا رہا ہے۔ اس لئے امام مسلم نے یہاں وہذا حدیثہ کے الفاظ ذکر فرمائے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : قال حدثنا کہمس... الخ (ص: ۲۷، سطر ۱)

یہ اس روایت کے مدار الحدیث اور مدار السند ہیں۔

قوله : یحییٰ بن یعمرو... الخ (ص: ۲۷، سطر ۱)

اس کو یعمرو اور یعمرو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اور یہ وزن فعل اور علیست کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اور یحییٰ بن یعمرو ادیب، فقیہ اور نحوی تھے۔ ان کو حجاج بن یوسف نے جلاوطن کر دیا تھا تو یہ ترکمانستان جا کر آباد ہوئے اور وہاں قتیبہ بن مسلم باہلی نے ان کو خراسان کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : کان اول من قال فی القدر بالبصرة معبد الجہنی (ص: ۲۷، سطر ۱)

قَدَر دال کے سکون اور فتحہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں جو ”تقدیر“ کے معنی میں ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں مقدار کا احاطہ کرنا۔ اور اصطلاح شریعت میں ”قدر“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ازیلی ہے۔ جس نے ان تمام امور کو جو ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور آئندہ ہونگے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، جسی ہوں یا معنوی، اچھے ہوں یا برے، اور عام طور پر تقدیر کا لفظ بھی اسی معنی میں بولا جاتا ہے۔

تقدیر اور قدر کے ساتھ ایک لفظ ”قضاء“ بھی بولا جاتا ہے۔ ”قضاء“ کے لغوی معنی ہیں پیدا کرنا، فیصلہ کرنا اور اصطلاح میں جب اُسے قدر کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا ہوتا ہے۔

جس طرح قدر اور تقدیر کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے اسی طرح قضاء کا

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۲۳۵۔

(۲) سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۳۱ و تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ ص ۷۵۔



عقیدہ بھی اجماعی ہے۔ یعنی ہر اچھی، بری، چھوٹی بڑی، حسی اور معنوی چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں اور کسی چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے بغیر نہیں ہوتا وہی ہر چیز کو اپنے علم ازل کے مطابق وقت مقرر پر مقدار مقرر میں پیدا فرماتے ہیں۔

### فرقہ قدریہ کس طرح وجود میں آیا؟

معبد الجہنی اور اس کے پیروکار تقدیر کے منکر تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ بندوں کے اچھے برے افعال کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے نہیں ہوتا۔ افعال کے وجود میں آنے کے بعد ہوتا ہے۔ نیز بندوں کے افعال کے خالق بھی اللہ تعالیٰ نہیں ہیں بلکہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ اس فرقہ کو ”قدریہ“ کہا جاتا ہے۔

خلافت راشدہ کے آخر تک بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور تک بھی اس فرقے کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ یزید کے دور حکومت میں جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور حجاز میں اپنی سلطنت قائم فرمائی تو اہل شام نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے لشکر روانہ کیا اس لشکر نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا اور منجنيق سے پتھر برسائے۔ اس دوران کچھ پتھر بیت اللہ شریف کو جا لگے جن سے غلاف کعبہ کا کچھ حصہ جل گیا اور عمارت کو بھی نقصان پہنچا اس المناک واقعہ سے پورے عالم اسلام میں سخت اضطراب پیدا ہوا، اسی دوران کسی نے کہا کہ یہ جلنا بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوا یہ سن کر کسی دوسرے نے کہا کہ یہ بہت برا ہوا لہذا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں ہو سکتا۔ اس سے معاملہ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ قدریہ کا مستقل فرقہ وجود میں آگیا۔<sup>(۱)</sup>

### مسئلہ تقدیر

اس مسئلہ کا خلاصہ تین باتیں ہیں اگر ان کو ذہن نشین کر لیا جائے تو یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

۱۔ ... ایک یہ کہ انسان مجبور محض نہیں، کیونکہ یہ واضح طور پر غلط ہے، معمولی آدمی بھی بخوبی جانتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں ریشہ ہو اس کے ریشہ کی حرکت اور تندرست کاتب کے ہاتھ کی

حرکت میں فرق ہے۔ کیونکہ اول غیر اختیاری ہے اور دوسری اختیاری۔ معلوم ہوا انسان تمام افعال غیر اختیاری نہیں اور وہ اپنی تمام حرکات اور افعال میں مجبور محض نہیں بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں وہ قادر اور خود مختار ہے اور اسی قدرت اور اختیار کی بنیاد پر وہ اپنے اچھے افعال پر ثواب کا اور برے اعمال پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے، حاصل یہ کہ انسان مجبور محض نہیں۔

۲ ... انسان قادر مطلق بھی نہیں یعنی وہ اپنے افعال کا خالق بھی نہیں وجہ یہ ہے کہ انسان جو بھی کام یا حرکت کرتا ہے اس میں اس کے جسم کے بہت سے اجزاء اور اس کی کتنی ہی قوتیں حصہ لیتی ہیں وہ کون سی قوتیں ہیں اور کون کون سے اجزاء ہیں؟ ہمیں اب تک ان کا پورا پورا علم نہیں اور ان پر ہمارا مکمل کنٹرول بھی نہیں لہذا انسان کو قادر مطلق اور اپنے افعال کا خالق کیسے کہا جاسکتا؟ حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں قادر مطلق بھی نہیں۔

۳ ... جب انسان مجبور محض بھی نہیں اور قادر مطلق بھی نہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ قادر مطلق بلکہ ایک حد تک مجبور ہے اور ایک حد تک قادر ہے اور جس درجے کی اُسے قدرت حاصل ہے اُسی قدرت کی بنا پر وہ اپنے اچھے افعال پر ثواب کا اور برے اعمال پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

جبکہ فرقہ جبریہ کے نزدیک انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے اور فرقہ قدریہ کے نزدیک انسان قادر مطلق ہے جبکہ مجبور محض نہ ہونا بالکل بدیہی ہے اور قادر مطلق نہ ہونا بھی ایک کھلی حقیقت ہے لہذا یہ بھی تقریباً بدیہی ہے کہ انسان اپنے افعال میں ایک درجہ میں قادر اور ایک درجہ میں مجبور ہے یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ جو معتدل اور برحق ہے۔

اب یہ بات رہ گئی کہ انسان کو جو معمولی سا اختیار اور قدرت حاصل ہے اس کی حقیقت اور نام کیا ہے۔ تو قرآن کریم نے اس کا نام ”کسب“ بتایا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی آخری آیت میں ارشاد ہے۔

”لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ“

اور ”کسب“ کی حقیقت کیا ہے ہمیں اس کا علم نہیں اور ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں۔ اور

اس کی حقیقت معلوم ہونا ضروری بھی نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی بات کی رو سے کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض نہیں اس سے جبر یہ کی تردید ہوگئی اور دوسری بات سے کہ انسان اپنے افعال میں قادر مطلق نہیں اور اپنے افعال کا خالق نہیں اس سے قدر یہ کی تردید ہوگئی۔ اور تیسری بات سے کہ انسان اپنے افعال میں من وجہ مختار اور من وجہ مجبور ہے اہل سنت والجماعت کا مذہب ثابت ہو گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کو اپنے اچھے، برے افعال پر جزاء و سزا ”کسب“ کی بناء پر ہوتی ہے ”خلق“ کی بناء پر نہیں۔ بس یہ تین باتیں جو شخص سمجھ لے اس نے ان شاء اللہ تعالیٰ تقدیر کا مسئلہ سمجھ لیا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک

واقعی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب المہاجر المکی نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ میرے سلسلے میں جو شخص داخل ہوتا ہے اس کو تین مسائل میں اشکال نہیں رہتا۔

۱ ... مسئلہ تقلید شخص یعنی ایک امام کی پیروی کرنا۔

۲ ... مشاجرات صحابہ یعنی صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اور جنگوں کا مسئلہ۔

۳ ... تقدیر کا مسئلہ۔

عام طور پر مسئلہ تقدیر میں اشکالات انسان کو مجبور محض ماننے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یعنی عموماً لوگوں کو تقدیر کی وجہ سے انسان کے مجبور محض ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ شبہ ریشہ والے ہاتھ کی حرکت اور تندرست آدمی کے ہاتھ کی حرکت کے فرق کو سمجھنے سے ختم ہو جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup> فللہ الحمد

قوله : بالبصرة... الخ (ص: ۲۷، سطر ۱)

لفظ بصرۃ باء کے زیر، زیر اور پیش تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اور بُصيرة تفسیر بھی پڑھ سکتے ہیں چاروں طرح پڑھنا درست ہے اس شہر کو قبۃ الاسلام اور خزائن العرب کہا جاتا ہے کیونکہ اسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عتبہ بن غزو ان نے تعمیر کیا تھا اس شہر میں کبھی بتوں کی عبادت نہیں ہوئی۔<sup>(۲)</sup>

قوله : معبد الجہنی... (ص: ۲۷، سطر ۱)

معبد نام ہے جو قبیلہ جہینہ کی طرف منسوب ہے اس قبیلہ کے لوگ بصرہ اور کوفہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ معبد الجہنی بھی ان کے ساتھ بصرہ میں رہنے لگا تھا اور حضرت حسن بصریؒ کے

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۲۳۸-۲۵۰

(۲) تہذیب الاسماء للنووی ج ۲ ص ۲۵۔

پاس بھی آکر بیٹھ جایا کرتا تھا سب سے پہلے تقدیر کا انکار اسی نے کیا اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو ”قدریہ“ کہا جاتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر تقدیر کا عقیدہ مان لیا جائے تو اس سے انسان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ عقیدہ تقدیر کا حاصل یہی ہے کہ انسان کے تمام اچھے برے افعال تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں اس کے خلاف نہیں ہو سکتے نیز قدریہ کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان افعال کا خالق نہیں۔ اس طرح انہوں نے تقدیر کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف العیاذ باللہ جہالت کی نسبت کر دی اور بندوں کے افعال کے پیدا کرنے کی اللہ تعالیٰ کے بجائے بندوں کی طرف نسبت کر کے اللہ تعالیٰ سے ان افعال کے پیدا کرنے کی نفی بھی کر دی اور انسانوں کو افعال کا خالق ٹھہرا دیا۔ اس طرح یہ قضاء و قدر دونوں کے منکر ہو گئے اس طرح صریح اور قطعی آیات کی نفی کرنے کی وجہ سے یہ فرقہ کافر قرار دیا گیا۔ چنانچہ معبد جہنمی کو حجاج بن یوسف نے زندقہ کی وجہ سے قتل کرادیا تھا۔<sup>(۱)</sup>

### قدریہ کی دو قسمیں

یاد رکھئے! قدریہ کی دو قسمیں ہیں ایک متقدمین اور دوسرے متاخرین۔ معبد جہنمی متقدمین کا سربراہ تھا۔ اور اب تک قدریہ کا جو مذہب ہم نے بیان کیا ہے وہ متقدمین کا مذہب ہے اور اصل قدریہ درحقیقت یہی ہیں۔ کیونکہ یہ قضاء و قدر دونوں کے منکر ہیں برخلاف متاخرین کے کہ وہ قدر کے منکر نہیں قضاء کے منکر ہیں۔ اس لئے حدیث مرفوعہ ”القدریۃ مجوس ہذہ الامۃ“<sup>(۲)</sup> پوری طرح انہی پر صادق آتی ہے کیونکہ یہ قضاء و قدر دونوں کے منکر ہیں۔ قدر کے انکار کی وجہ سے قدریہ ہیں اور قضاء کے انکار یعنی اللہ تعالیٰ کو خالق خیر اور بندوں کو خالق شر کہنے کی وجہ سے مجوسیوں کے مشابہہ ہیں اس لئے کہ مجوسیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ خالق دو ہیں:-

۱ ... خالق خیر جیسے یزدان کہتے ہیں۔ ۲ ... خالق شر جیسے افرمن کہتے ہیں۔

بہر حال اللہ کی طرف شر کی نسبت کرنے سے بچنے کا جو طریقہ انہوں نے اپنایا وہ باطل ہے اس کا صحیح طریقہ وہ ہے جو اہل سنت والجماعت نے اختیار کیا ہے کہ خلق الشر تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ جو شر نہیں بلکہ وہ حکمتوں پر مبنی ہونے کی وجہ سے خیر ہے البتہ کسب الشر شر ہے جو بندے شرعاً ممنوع

(۱) کتاب الاسباب للسمعانی ج ۳ ص ۳۳۱۔

(۲) سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۷۔

ہونے کے باوجود کرتے ہیں۔

قولہ : **فقلنا لو لقینا احداً من اصحاب رسول اللہ ﷺ ...** (ص: ۲۷، سطر ۳)  
یہ وہ زمانہ تھا جب بہت کم صحابہ کرام باقی رہ گئے تھے۔ اکثر اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اس لئے اس انداز میں جملہ ارشاد فرمایا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر مذکورہ اشکال کا جواب کسی صحابی سے مل جائے تو زیادہ تسلی بخش ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : **فاکتفتہ انا وصاحبی ...** (ص: ۲۷، سطر ۳)

چنانچہ میں ان کے پہلو میں ہو گیا اور میرا ساتھی بھی۔

قولہ : **احدنا عن یمینہ ... الخ** (ص: ۲۷، سطر ۳)

حدیث شریف کے ان الفاظ سے کسی کے ساتھ اور خاص طور سے کسی بڑے کے ساتھ چلنے کا ادب معلوم ہوا کہ جب اس سے چلتے ہوئے بات بھی کرنی ہو اور بات کرنے والے دو ہوں تو ایک کو ان کے دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف ہو جانا چاہئے۔ تاکہ اُسے کسی سے بات کرنے میں دشواری نہ ہو معلوم ہوا کہ عام طور سے جو مشہور ہے کہ بڑے کے پیچھے چلنا چاہئے یہ عام قاعدہ نہیں، بلکہ اس قید کے ساتھ ہے کہ جب پیچھے چلنے سے ان کو تکلیف نہ ہو۔

اور ادب کی حقیقت بھی یہی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک رکھو کہ انہیں ادنیٰ تکلیف یا ناگواری ناحق پیش نہ آئے، اس پر عمل کرنے والا با ادب ہے ورنہ بے ادب۔ چنانچہ بعض اوقات بڑوں سے آگے چلنا ہی ادب ہوتا ہے۔ مثلاً جب تاریکی ہو یا راستہ پر خطر ہو یا راستہ معلوم نہ ہو تو ایسے میں بڑوں سے آگے چلنا چاہئے تاکہ ان کو راحت ہو۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : **فظننت ان صاحبی سیکل الکلام ...** (ص: ۲۷، سطر ۳)

یہ ایک پوشیدہ سوال کا جواب ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب دو مساوی درجہ کے آدمی کسی بڑے سے بات چیت کرنے کے لئے جائیں تو بات کرنے کا حق دونوں کو برابر ہوتا ہے لہذا اگر کوئی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر کلام شروع کرے گا تو دوسرے ساتھی کی دل شکنی کا باعث ہوگا اس لئے ساتھی کی اجازت لے کر کلام کرنا ادب کا تقاضا ہے جب قاعدہ یہ ہے تو جو سوال یہاں پوشیدہ ہے وہ یہ

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۲۵۲۔

(۲) درج مسلم ج ۱ ص ۲۵۲۔

ہے کہ یحییٰ بن یعمرو نے اپنے ساتھی حمید بن عبد الرحمن کی اجازت کے بغیر خود ہی کیوں گفتگو شروع کر دی تو اس کا جواب یحییٰ بن یعمرو نے یہاں یہ دیا ہے کہ میرا گمان تھا کہ اگر میں ان سے بات کرنے کو کہوں گا تب بھی وہ مجھے ہی گفتگو کرنے کا کہیں گے اس لئے گفتگو میں نے شروع کر دی۔<sup>(۱)</sup>

یہاں یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاں اجازت کی ضرورت ہو وہاں صریح اجازت ضروری نہیں بلکہ دلالت اجازت بھی کافی ہے۔

قوله : فقلت يا ابا عبد الرحمن ... (ص: ۲۷، سطر ۳)

یہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی کنیت ہے۔ اس عبارت سے معاشرت کا ایک اور ادب معلوم ہوا کہ کسی بڑے آدمی کو خطاب کرنا ہو تو نام کے بجائے کنیت یا تعظیم کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے اور تعظیم کا صیغہ کونسا ہے؟ اس کا مدار عرف پر ہے عرب میں چونکہ کنیت سے پکارنا عرفاً تعظیم سمجھا جاتا تھا اس لئے انہوں نے یا ابا عبد الرحمن کہہ کر خطاب کیا اور ہمارے عرف میں بڑے عالم اور بزرگ کو حضرت یا مولانا یا علامہ وغیرہ جیسے الفاظ سے پکارا جاتا ہے تو یہاں یہی ادب ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : قَبْلَنَا ... (ص: ۲۷، سطر ۳)

اس کے معنی ہیں ہماری طرف یعنی بصرہ میں۔

قوله : يَتَفَقَّرُونَ الْعِلْمَ ... (ص: ۲۷، سطر ۴)

یہ دو طرح سے ہے ایک یہ کہ قاف پہلے ہے اور فامشدد بعد میں ہے۔ جیسا کہ کتاب میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ علم کی جستجو کرتے ہیں۔ اور یہ خصلت ان میں خاص طور پر پائی جاتی تھی۔ اسی لئے اس کو ذکر کیا، اور دوسرے یہ کہ فا کو پہلے اور قاف مشدد کو بعد میں پڑھیں اور۔ يَتَفَقَّرُونَ، پڑھیں تو معنی یہ ہونگے کہ یہ علم کی باریکیاں تلاش کرتے ہیں۔<sup>(۳)</sup> چنانچہ قدر یہ فلسفہ سے متاثر تھے۔ اور ان کو عقلی گھوڑے دوڑانے کا شوق تھا۔ اس لئے وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ کہ تقدیر کو ماننے سے انسان کو اپنے افعال میں مجبور محض ماننا پڑے گا۔ اور جب وہ مجبور محض ہوا تو اس کے اچھے، برے افعال پر جزاء و سزا کیسی؟ ان کی اس غلط فہمی کا جواب ابھی ذرا پہلے تقدیر کے مسئلہ کے خلاصہ میں گزرا کہ سزا اور جزا

(۱) المعجم: ج ۱ ص ۱۳۳۔

(۲) درر مسلم ج ۱ ص ۲۵۳۔

(۳) اکساں المعجم ج ۱ ص ۱۹۷۔



کسب افعال پر ملتی ہے۔ جو انسان کے اختیار میں ہے، خلق افعال پر نہیں ملتی جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔<sup>(۱)</sup> اور پوری تفصیل اس مسئلہ کی کتاب الایمان کے پانچویں مسئلہ میں گزر چکی ہے۔

قوله : وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ ... (ص: ۲۷، سطر ۴)

یہ جملہ بظاہر یحییٰ بن یعمر کے شاگرد ابن ہریدہ کا ہے کہ یحییٰ بن یعمر نے ان لوگوں کے یعنی قدریہ کے کچھ حالات ذکر کئے کہ وہ علم سے بڑی دلچسپی رکھتے اور اس کے لئے بہت محنت اور جستجو کرتے ہیں وغیرہ۔<sup>(۲)</sup>

قوله : أَنْ لَا قَدَرَ ... (ص: ۲۷، سطر ۴)

یعنی اللہ تعالیٰ کو واقعات کا علم پہلے سے نہیں ہوتا بلکہ جب کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے۔ تو اس وقت علم ہوتا ہے۔ گویا کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پیشگی علم اور ارادۃ الہی کے بغیر ہو رہا ہے۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کی نفی کر دی۔

قوله : وَأَنَّ الْأَمْرَ أَتَتْ ... (ص: ۲۷، سطر ۴)

یہ لفظ اَنْتَ ہمزہ اور نون دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور اَنْتَ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو سب سے پہلے ہو اس سے پہلے کوئی دوسری چیز نہ ہو۔ اور یہاں قدریہ کے اس قول أَنَّ الْأَمْرَ أَتَتْ کا مطلب یہ ہے کہ پیش آنے والے واقعات میں اللہ تعالیٰ کا علم ان واقعات سے پہلے نہیں ہوتا بعد میں ہوتا ہے۔ لہذا قدر کا کوئی وجود نہیں اس جملہ میں قدریہ نے تقدیر کا انکار کیا ہے۔

قوله : إِذَا لَقِيتَ أُولَئِكَ ... الخ (ص: ۲۷، سطر ۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہاں قدریہ کے بارے میں دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک یہ کہ اَنَّى بَرِئْتُ مِنْهُمْ وَأَنْتُمْ بُرَاءٌ مِنِّي۔ اور دوسری یہ کہ لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُخْدِ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللَّهُ مِنْهُ۔ الخ ان جملوں کے ظاہر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہیں کافر قرار دے رہے ہیں۔ لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ انہیں کافر نہیں فرما رہے کیونکہ وہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ ان کا صدقہ قبول نہیں ہوگا۔ لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُخْدِ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللَّهُ مِنْهُ۔ جو مسلمان کے عمل پر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان کے صدقات ادا نہیں ہو گئے۔

(۱) صحیح المسلم ج ۱ ص ۳۳۵۔

(۲) درج مسلم ج ۱ ص ۲۵۴۔

لیکن اس فرقہ متفقہ میں قدریہ کے کفر کی صراحت دوسرے علماء کرام کے کلام میں موجود ہے اور ان کو متفقہ طور پر کافر قرار دیا گیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### حدیث جبرئیل کی اہمیت

اس کے بعد امام مسلمؒ نے حدیث جبرئیل ذکر فرمائی ہے اور حدیث جبرئیل کے بارے میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پورے دین کا خلاصہ ہے چنانچہ اس حدیث کو اُمُّ السُّنَنِ، اور اُمُّ الاحادیث بھی کہا جاتا ہے اور جیسے سورۃ الفاتحہ تمام سورتوں میں اُمُّ الکتاب کہلاتی ہے اور سورۃ فاتحہ تمام قرآن کریم کا خلاصہ ہے اسی طرح تمام احادیث کا خلاصہ حدیث جبرائیل ہے اور وہ تین چیزیں ہیں:

۱... عقائد، ۲... اعمال ظاہرہ، نماز، روزہ وغیرہ، اور ۳... اعمال باطنہ، یعنی احسان۔ اور یہ تینوں اس میں مذکور ہیں۔ اسی لئے امام بغویؒ نے اپنی کتاب مصابیح کا آغاز بھی اسی حدیث سے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یحییٰ ابن یعمر کے جواب میں یہ حدیث اس لئے سنائی کہ اس میں تقدیر پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ آگے متن حدیث میں آرہا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : ذَاتُ يَوْمٍ ... (ص: ۲۷، سطر ۵)

یہاں پر یوم کے بجائے ذَاتُ يَوْمٍ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ یوم کے اصل معنی دن کے ہیں لیکن یہ بکثرت مطلق زمانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، لہذا جب مقصود یہ ظاہر کرنا ہو کہ یوم سے مراد دن ہے تو لفظ ذَات کا اضافہ کرتے ہیں اور ذَاتُ يَوْمٍ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ذَاتُ اللَّيْلِ میں بھی ہوتی ہے۔ بہر حال بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ واقعہ دن کا ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله : رَجُلٌ ... (ص: ۲۷، سطر ۵)

یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو انسانی شکل میں آئے تھے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

قوله : شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ ... (ص: ۲۷، سطر ۵)

لفظ شدید مضاف ہے اور بیاض مضاف الیہ ہے۔ یعنی شدید کے لئے مضاف الیہ ہے۔

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۲۵۰۔

(۲) درج مسلم ج ۱ ص ۲۵۵۔

(۳) فتح المصنوع ج ۱ ص ۳۲۳۔

اور الثیاب کے لئے مضاف، اور الثیاب اس کے لئے مضاف الیہ ہے پھر یہ پوری عبارت مل کر رجل کی صفت ہے اور بعینہ یہی ترکیب شدید سواد الشعر کی ہے یہ بھی رجل کی صفت ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ ... (ص: ۲۷، سطر ۵)

اور ایک روایت میں شدید سواد اللحية کے الفاظ آئے ہیں یعنی ان کی ڈاڑھی بھی کالی تھی بہر حال کپڑوں کا بالکل سفید اور بالوں کا بالکل سیاہ ہونا اور غبار آلود نہ ہونا علامت اس بات کی تھی کہ آنے والا سفر کر کے نہیں آیا، بلکہ مدینہ منورہ ہی میں رہتا ہے۔

قوله : وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ ... (ص: ۲۷، سطر ۶)

یہ علامت تھی اس بات کی کہ یہ شخص مدینہ منورہ کا رہنے والا نہیں اگر یہاں کا رہنے والا ہوتا تو حاضرین اس کو ضرور پہچانتے کیونکہ مدینہ منورہ کی آبادی اس زمانے میں زیادہ نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص میں دو متضاد علامتیں تھیں۔ مسافر ہونے کی بھی اور مسافر نہ ہونے کی بھی۔<sup>(۲)</sup>

قوله : حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... (ص: ۲۷، سطر ۶)

سلیمان التیمی کی روایت میں ہے فتخطی حتی برک بین یدی النبی ﷺ کما یجلس احدا فی الصلاة، یعنی وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے دوڑا نو ہو کر بیٹھ گیا گردنیں پھلانگ کر آنا اسلامی آداب سے ناواقفیت کی علامت تھی اور دوڑا نو ہو کر بیٹھنا اس بات کی علامت تھی کہ یہ شخص اسلامی آداب مجلس سے واقف ہے دیہاتی اور بدو نہیں ہے یہ دونوں علامتیں بھی متضاد تھیں۔

قوله : فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ ... (ص: ۲۷، سطر ۶)

یہ عمل بھی تعظیم کے خلاف اور اس بات کی علامت تھا کہ یہ شخص اسلامی آداب سے ناواقف کوئی بدو اور دیہاتی ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله : وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ ... (ص: ۲۷، سطر ۶)

اس میں فخذه کی ضمیر کہاں لوٹ رہی ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں۔

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۲۵۶۔

(۲) درج مسلم ج ۱ ص ۲۵۶۔

(۳) درج مسلم ج ۱ ص ۲۵۷۔

۱ ... ”فَخِذِّيهِ“ کی ضمیر الرجل یعنی حضرت جبریلؑ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانو پر رکھے جیسے باادب شاگرد اسٹاذ کے سامنے بیٹھتا ہے جو نہایت باادب ہونے کی علامت ہے امام نوویؒ نے اس کو اختیار کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

۲ ... ”فَخِذِّيهِ“ کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف راجع ہو یعنی انہوں نے حضور کی رانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے جو بے ادب اور دیہاتی ہونے کی علامت ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور نسائی شریف<sup>(۲)</sup> کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی صراحت ہے کہ حَتَّى وَضَعَ يَدَهُ عَلَى رُكْبَتَي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔<sup>(۳)</sup>

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غالباً انہوں نے دونوں کام کئے تھے، بہر حال ان دونوں اعمال سے بھی متعارض علامتوں کا اظہار ہوا۔

ان متعارض علامات اور کیفیات کے اظہار سے حضرت جبریلؑ علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ حاضرین ان کے بارے میں حیران ہو کر ان کی طرف پوری طرح متوجہ رہیں کیونکہ آگے ان کا حضور ﷺ سے جو مکالمہ ہونے والا تھا جس میں پورے دین کا خلاصہ بیان ہونے والا تھا اُسے غور سے سنیں۔<sup>(۴)</sup>

قوله : وَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ ... (ص: ۲۷، سطر ۶)

ابو قُرَوۃؒ کی روایت میں ہے کہ اس نے سلام کرنے کے بعد یا محمد کہا تھا اس میں بھی دو متعارض علامتوں کا مظاہرہ ہوا کہ سلام کرنا اسلامی آداب سے واقفیت کی علامت ہے اور یا محمد کہنا احکام سے ناواقفیت کی علامت تھی کیونکہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کا نام لے کر پکارنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ سورۃ النور میں ارشاد ہے:

”لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا“<sup>(۵)</sup>

چنانچہ صحابہ کرامؓ آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اور مَطَرُ الْوَرَّاقِ کی

(۱) شرح نووی ج ۱ ص ۲۸۔

(۲) السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۷۲۲۔

(۳) مرقاة ص ۱۱۱ ج ۱

(۴) درر مسلم ج ۱ ص ۲۵۷۔

(۵) سورۃ النور آیت نمبر ۶۳۔

روایت میں ہے کہ اُس نے یا رسول اللہ کہا تھا۔<sup>(۱)</sup> فتح الباری میں ان دونوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اس نے پہلے نام لے کر پکارا ہوگا بعد میں یا رسول اللہ کہا ہوگا۔<sup>(۲)</sup> ان دونوں الفاظ میں بھی متعارض علامتیں پائی گئیں یہاں تک اس حدیث میں جبریل امین کی علامات اور کیفیات کا ذکر ہے۔ جس کا مقصد وہ ہے جو ابھی اوپر گزرا۔

قوله : أَخْبَرَنِي عَنِ الْإِسْلَام ... (ص: ۲۷، سطر ۶)

اس حدیث میں جبریل امین نے تین سوال کئے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کے جواب ارشاد فرمائے جو پورے دین کا خلاصہ ہیں۔ اور یہ واقعہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری ایام کا ہے۔<sup>(۳)</sup> اور اس حدیث کے ذریعے حضور ﷺ نے پورے دین کا خلاصہ ارشاد فرمایا ہے۔

قوله : الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ... (ص: ۲۷، سطر ۷)

اس میں آنحضرت ﷺ نے اسلام کی اہم اہم عبادات کو بیان فرمایا ہے ورنہ عبادات اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ بہر حال نمونہ کے طور پر آپ نے چند عبادات ذکر فرمائیں اور آپ کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ اسلام مجموعہ ہے اعمال ظاہرہ کا، یعنی زبان اور اعضاء و جوارح کے اعمال کا۔ لیکن اسلام کی یہ تعریف ایک اصطلاح کے مطابق ہے اور دوسری اصطلاح میں اسلام پورے دین کا نام ہے لقولہ تعالیٰ : إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ۔<sup>(۴)</sup> اور یہاں حضور ﷺ نے اسلام کی تعریف پہلی اصطلاح کے مطابق بتائی ہے۔

قوله : إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ... (ص: ۲۷، سطر ۷)

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں استطاعت سے استطاعت مالیہ مراد ہے۔ چنانچہ مالدار، اپنا حج بدل کرانا فرض ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک استطاعت بدنیہ مراد ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ایسے تندرست غیر مالدار پر حج فرض ہے جو مکہ مکرمہ پہنچ جائے پر قادر ہو۔ اور راستے میں کمانے پر بھی۔ اور حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک استطاعت مالیہ اور بدنیہ دونوں کا ہونا حج

(۱) مسند ابی داؤد الصلیاتی ج ۱ ص ۵۔

(۲) فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۷۔

(۳) فتح الباری کتاب الايمان باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ ج ۱ ص ۸۶۔

(۴) سورۃ آل عمران ۱۹۔

فرض ہونے کی شرط ہے لہذا جس کو سفر کا توشہ اور سواری پر سفر کی قدرت حاصل ہو۔ اس پر حج فرض ہے۔ (فتح الملہم بربادۃ ایضاح) (۱)

قوله : فَأُخْبِرُنِي عَنِ الْإِيمَانِ ... (ص: ۲۷، سطر ۸۰۷)

حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ سوال ایمان کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے تھا اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں آنحضرت ﷺ سے قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہیں ان کو دل سے سچا ماننا یعنی تمام ضروریات دین کو ماننا ایمان کہلاتا ہے۔ اور ضروریات دین بہت سی ہیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے چند اہم ضروریات کو ذکر فرمایا۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ پر یقین کرنا، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا یقین کرنا، قیامت کا یقین کرنا اور تقدیر کا یقین کرنا وغیرہ۔

### ایک سوال اور جواب

سوال: یہاں سوال تو ایمان کی حقیقت کے بارے میں ہے جبکہ جواب میں ایمان کے متعلقات کو ذکر کیا گیا ہے۔ حقیقت ایمان کی تعریف نہیں بیان فرمائی گئی اس کی کیا وجہ ہے؟  
جواب: یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے علم میں یہ بات تھی کہ سائل کو ایمان کی حقیقت معلوم ہے کیونکہ وہ عربی زبان مادری زبان کی طرح بول رہا تھا اور وہ صرف ایمان کے متعلقات دریافت کرنا چاہتا ہے لہذا جواب میں متعلقات ایمان کو ذکر فرمایا۔ (۲)

قوله : قَالَ : أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ... (ص: ۲۷، سطر ۸)

ایمان کے معنی ہیں دل سے تصدیق کرنا معلوم ہوا کہ ایمان کا محل قلب ہے جبکہ اسلام کا محل زبان اور اعضاء و جوارح ہیں اور ان دونوں کی حقیقتیں بھی جدا جدا ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

قوله : فَأُخْبِرُنِي عَنِ الْإِحْسَانِ... (ص: ۲۷، سطر ۸)

یہ احسان باب افعال کا مصدر ہے احسن یحسن احساناً۔ اس کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک کسی کام کو اچھی طرح انجام دینا جیسے کہا جاتا ہے ”احسنت الخطبة“ تو نے خطبہ اچھا دیا۔ اس معنی میں جب آتا ہے تو بغیر واسطہ حرف جر کے محذی ہوتا ہے اور دوسرے معنی میں کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا جب اس معنی میں استعمال ہو تو اس کے صلہ میں الی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے احسن

(۱) فتح الملہم ج ۱ ص ۱۳۲۵ اختلاف کے مذہب کی حرۃ تفصیل کے لئے دیکھئے: غنیۃ فتنسک ص ۲۳۔

(۲) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۵۔



إِلَى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ یعنی جو تیرے ساتھ برا سلوک کرے تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ یہاں حدیث جبریل میں لفظ احسان پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے جس کا حاصل ہے اعمال کو اچھی طرح انجام دینا۔ اور اچھا سلوک کرنا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ... الخ (ص: ۲۷، ص: ۸)

اس کے دو مطلب ہیں:

۱... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ ان الفاظ میں احسان کے دو درجہ بیان کئے گئے ہیں أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ تَرَاهُ یہ پہلا درجہ ہے اس کا نام مشاہدہ ہے اور فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ یہ دوسرا درجہ ہے یعنی اگر پہلے درجہ کی عبادت نہ کر سکے تو دوسرے درجہ کی عبادت کرے یعنی عبادت اس دھیان اور توجہ کے ساتھ کر کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہے ہیں اس کا نام مقام مراقبہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

لیکن اس تفسیر کو عام طور پر ہمارے بزرگوں نے اختیار نہیں کیا کیونکہ اس روایت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے اور اس حدیث کی دوسری روایات کے الفاظ پر بھی یہ تشریح منطبق نہیں ہوتی چنانچہ امام نووی، علامہ سندھی، حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی اور حضرت گنگوہی نے یہ تفسیر اختیار نہیں کی۔

ان حضرات نے یہ تفسیر کی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر گویا اس کو دیکھ رہا ہے کیونکہ تو اگرچہ اس کو نہیں دیکھ رہا مگر وہ تو تجھ کو دیکھ رہا ہے اس تفسیر کی رو سے یہ جملہ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ پہلے جملہ کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کرتا تو وہ اخلاص و تعظیم، حضور قلب اور خشوع و خضوع میں کوئی کسر نہ چھوڑتا، بس ایسی عبادت کرنا احسان ہے، اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ اگر کسی شاگرد کو معلوم ہو کہ استاذ دیکھ رہا ہو تو شاگرد اگر اندھا بھی ہو تب بھی باادب ہو کر بیٹھتا ہے لیکن اگر استاذ شاگرد کو نہ دیکھ رہا ہو تو شاگرد بے پرواہ ہو کر بیٹھے گا کیونکہ شاگرد کو معلوم ہے کہ استاذ مجھے نہیں دیکھ رہا۔ معلوم ہوا کہ اعلیٰ درجے کی عبادت جو اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر انسان کرتا اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہے ہیں اور یہ علت اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر بھی موجود ہے کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے حاصل یہ ہے کہ

(۱) درر مسلم ج ۱ ص ۲۶۰۔

(۲) لمعات التبلیغ ج ۱ ص ۶۹

یہاں دوسرا جملہ پہلے جملہ کی علت ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ... (ص: ۲۷، سطر ۹)

سوال کا مقصد وقتِ قیامت معلوم کرنا تھا کہ قیامت کس صدی میں، کس سن میں اور کس تاریخ میں آئے گی؟ یہ مقصد نہ تھا کہ قیامت واقع ہوگی یا نہیں۔ چنانچہ آگے اسی باب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں متی تقوم الساعة کے الفاظ آئے ہیں جو اس کی واضح دلیل ہے۔

”الساعة“ عرف میں دن رات کے مجموعہ کے چوبیسویں حصے یعنی ”ایک گھنٹہ“ کو کہتے ہیں۔ مگر قرآن و سنت اور کلامِ عرب میں یہ لفظ قیامت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں وہی مراد ہے۔ یعنی یہاں الساعة گھنٹہ کے معنی میں نہیں بلکہ قیامت کے معنی میں ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ... (ص: ۲۷، سطر ۹)

اس کا مطلب یہ ہے کہ وقتِ قیامت کے بارے میں، میں تم سے زیادہ جاننے والا نہیں۔ سوال: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس جملہ کے بجائے مختصر جملہ ”لا ادری“ کیوں نہ فرمادیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ فرماتے یعنی لا ادری تو اس سے صرف اتنا پتہ چلتا کہ آپ ﷺ کو قیامت کے وقت کے بارے میں جبرئیل امین سے زیادہ علم نہیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو بھی علم نہیں۔ لہذا یہ بتانے کے لئے مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا... الخ کا جملہ ارشاد فرمایا۔ کہ حضور ﷺ اور حضور کے علاوہ جس سے بھی سوال کیا جائے گا وہ سائل سے زیادہ اس کو نہیں جانتا ہوگا خلاصہ یہ کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔<sup>(۳)</sup>

قوله : عَنْ أَمَارَتِهَا... (ص: ۲۷، سطر ۹)

امارات، امارۃ کی جمع ہے اور امارۃ علامت کو کہتے ہیں۔

قوله : أَنْ تَلِدَ الْأُمَمُ رَبَّتَهَا... (ص: ۲۷، سطر ۹)

کہ باندی اپنے سید اور آقا کو جنے، اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱) درجِ مسلم ج ۱ ص ۲۶۲-۲۶۳

(۲) المعجم ج ۱ ص ۱۴۷

(۳) درجِ مسلم ج ۱ ص ۲۶۲

۱ ... حدیث شریف کے ان الفاظ میں ایک یہ اشارہ ہے کہ اولاد اپنی ماؤں کی نافرمان ہو جائے گی اور وہ ان کے ساتھ ایسا تحقیر کا معاملہ کرے گی جیسا باندی سے اس کا مالک کرتا ہے یعنی جس طرح کا معاملہ باندی سے خدمت لینے کا کیا جاتا ہے ویسا ہی معاملہ اولاد ماں کے ساتھ کرے گی۔

۲ ... دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ باندیوں کی اولاد بادشاہ ہوگی جس کے باعث یہ باندی بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس بادشاہ یعنی اپنے بیٹے کی رعیت ہوگی تو یہ ایسا ہی ہو جائے گا کہ گویا باندی نے اپنے آقا کو جتا ہے تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں بہت ہیں کہ باندی کے بیٹے بادشاہ اور حاکم بنے چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید بھی باندی کے بیٹے سے پیدا ہوا تھا۔

۳ ... تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے امّ ولد کی بیچ کی طرف اشارہ ہو جو شرعاً جائز نہیں بہر حال جب امّ ولد کی بیچ کثرت سے ہونے لگے گی تو کسی امّ ولد کی بیچ در بیچ ہوتے ہوتے نوبت یہ آجائے گی کہ اس امّ ولد کو اس کا بیٹا ہی خرید لے گا اور اس کو علم بھی نہ ہوگا کہ یہ میری ماں ہے پھر اس سے وہ باندیوں کی طرح خدمت لے گا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ ... (ص: ۲۷، سطر ۹)

حفاة، حافی کی جمع ہے، ننگے پاؤں والا۔ عراة، عاری کی جمع ہے۔ ننگے بدن والا، یا کپڑے پہنے ہوں لیکن نا کافی ہوں تو اُسے بھی عاری کہہ دیا جاتا ہے العالة یہ عائل کی جمع ہے اس کے معنی فقیر کے ہیں۔

قوله : رِعَاءَ الشَّاءِ ... (ص: ۲۷، سطر ۱۰)

”رعاء“ راعی کی جمع ہے۔ اور رعاء بھی اس کی جمع آتی ہے اس کے معنی ہیں چرواہا۔ یہاں بکریوں کے چرواہوں کا ذکر فرمایا نہ کہ اونٹ اور گائے بھینس کے چرواہوں کا، کیونکہ بکریوں کے چرواہے مالی اور معاشرتی اعتبار سے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں اور لفظ الشاء۔ بکرا، دنبہ، مینڈھا اور ان کی مذکر و مؤنث سب قسموں کو شامل ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۲ والمعجم ج ۱ ص ۱۳۸ واکمال المعلم ج ۱ ص ۲۰۵۔

(۲) درر مسلم ج ۱ ص ۲۶۳۔

قوله : يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُيُوتِ ... (ص: ۲۷، سطر: ۱۰)

یتطاولون، بتفاخرون کے معنی میں ہے یعنی وہ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کریں گے عمارتوں کی اونچائی میں مطلب یہ ہے کہ فقیر اور ادنیٰ درجہ کے لوگ مالدار بن جائیں گے۔ یعنی حالات پلٹ جائیں گے ویسے تو یہ علامت کئی مرتبہ پائی گئی لیکن دو مرتبہ زیادہ واضح طور پر سامنے آئی۔

۱ ... ایک مرتبہ یہ علامت تاتاریوں میں پائی گئی جنہوں نے اہل اسلام پر از حد ظلم کیا پھر تاتاریوں کے سردار چنگیز خان کے بیٹے ہلاکو خان کی اولاد میں بعض مشرف باسلام ہو گئے چنانچہ ہلاکو خان کی چوتھی پشت میں تیمور لنگ پیدا ہوا اور اس کی نسل میں بابر بادشاہ گزرا ہے جو فرغانہ (ازبکستان) سے ہندوستان آیا اور یہاں مغل حکومت قائم کی پھر اس کی اولاد میں شاہ جہاں بادشاہ نے بلند و بالا عمارات، آگرہ کا تاج محل اور دہلی کی جامع مسجد وغیرہ تعمیر کیں اور اصل میں ان کے باپ دادا، تاتاری تھے جو معاشرتی اور معاشی طور پر بہت پسماندہ تھے۔ بکریوں کا چرانا اور انکی دیکھ بھال، ان کا پیشہ تھا شہریت اور حمدن سے بہت دور تھے۔

۲ ... دوسری مرتبہ یہ علامت اہل مغرب میں نمایاں نظر آئی یہ بھی بہت غریب اور پس ماندہ لوگ تھے۔ لیکن آج اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں دنیا کا مقابلہ کر رہے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ... (ص: ۲۷، سطر: ۱۰)

ملیا ای وقتاً طویلاً یعنی میں کافی دیر تک ٹھہرا رہا اور حضور سے اس واقعہ کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی اور ابو داؤد<sup>(۲)</sup> اور ترمذی کی روایت میں فَلَبِثْتُ ثَلَاثًا ہے اور ترمذی<sup>(۳)</sup> کی روایت میں صراحت ہے۔ فَلَقِنِي النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ ثَلَاثَ لَيَالٍ یعنی تین راتوں کے بعد<sup>(۴)</sup> حضور ﷺ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ جبریل تھے جو تمہارے پاس تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

قوله : فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ ... (ص: ۲۷، سطر: ۱۰)

اس کو چار طرح پڑھا جاسکتا ہے:

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۲۶۳۔

(۲) سنن ابی داؤد و کتاب المسماة باب فی العلم رقم الحديث ۳۶۸۱۔

(۳) جامع الترمذی باب ما جاء فی وصف جبرائیل للنبی ﷺ الايمان والاسلام، رقم الحديث ۲۶۱۰۔

(۴) جامع الترمذی باب ما جاء فی وصف جبرائیل للنبی ﷺ الحج رقم الحديث ۲۶۱۰۔

۱ ... جِبْرِئِل ۲ ... جِبْرِئِل ۳ ... جِبْرِئِل ۴ ... جِبْرِئِل (۱)

قوله : اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ ... (ص: ۲۷، ط: ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث پورے دین کا خلاصہ ہے اسی لئے اس حدیث کو ام السنۃ کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ کو جو قرآن کریم کا خلاصہ ہے اس کو ام القرآن کہا جاتا ہے اور معلوم ہوا کہ پورا دین تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔

۱ ... ایمان یعنی عقائد۔ ۲ ... اسلام یعنی اعمال ظاہرہ۔ ۳ ... احسان یعنی اعمال باطنہ  
ایمان اور اسلام کی تفصیل کتاب الایمان کے بنیادی مسائل میں پہلے، دوسرے اور تیسرے مسئلے میں تفصیل کے ساتھ آچکی ہے یہاں احسان کی کچھ تشریح کرنے کی ضرورت ہے۔

### احسان کی حقیقت اور اس کے درجات

احسان کے معنی ہیں دین اسلام کے اعمال کو اچھے طریقے سے انجام دینا اور اس کے دو درجے ہیں احسان کا ایک درجہ وہ ہے جس کے بغیر اعمال ظاہرہ باطل اور کالعدم رہتے ہیں جیسے عبادات کے لئے نیت کہ اس کے بغیر کوئی عبادت درست نہیں یعنی ادا ہی نہیں ہوتی۔ تو احسان کا یہ درجہ اعمال صالحہ کی صحت کے لئے شرط ہے۔ اور ایک درجہ احسان کا وہ ہے جو اعمال صالحہ کے وجود اور صحت کے لئے تو شرط نہیں البتہ قبولیت یعنی ثواب کے لئے شرط ہے۔ مثلاً وضو میں نیت کا ہونا کہ نیت کے بغیر وضو ہو جاتا ہے مگر اس پر ثواب نہیں ملتا۔

ایسے ہی احسان کا ایک فرد تقویٰ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو آدمی کبار کا مرتکب ہو جاتا ہے ایسے ہی دوسرے اعمال باطنہ جیسے صدق و اخلاص اور صبر و توکل وغیرہ احسان ہی کے افراد ہیں اور اعمال ظاہرہ بھی اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتے جب تک اخلاق باطنہ اور اعمال باطنہ ٹھیک نہ ہوں لہذا احسان صرف مستحب نہیں ہے بلکہ جس طرح کبار اور دوسرے رذائل سے بچنا فرض عین ہے اسی طرح احسان بھی ایک درجے میں فرض عین ہے لہذا باطن کا تزکیہ فرض عین ہوا۔ اس کے بغیر آدمی فاسق و فاجر رہتا ہے، کیونکہ تمام اعمال ظاہرہ کی جڑ اعمال باطنہ ہیں اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:-

الا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد

الحسد كله الا وهي القلب.... الخ (۱)

لہذا معلوم ہوا کہ ایمان، اسلام اور احسان تینوں اپنے اپنے درجہ میں فرض عین ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام دین اسلام ہے۔

### تفقہ گہری بصیرت کا نام ہے

”تفقہ فی الدین“ جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین وہ یہ ہے کہ آدمی ایمان، اسلام اور احسان تینوں میں گہری بصیرت اور سمجھ بوجھ حاصل کرے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”من يرد الله به خيراً يفقه في الدين“ (۲) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین میں گہری بصیرت عطا فرماتے ہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا“ (۳)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ“ (۴)

ان میں بھی حکمت اور تفقہ فی الدین کا یہی مطلب ہے کہ ایمان، اسلام اور احسان میں گہری بصیرت پیدا کی جائے یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ نے فقہ کی جو تعریف کی ہے۔ معرفۃ النفس مالها وما عليها وہ ان تینوں کو شامل ہے۔

### علم کلام، فقہ اور احسان و سلوک

جوں جوں نئے مسائل پیدا ہوتے گئے اور ان تینوں کے مباحث پھلتے چلے گئے اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کرنا مشکل ہو گیا تو رفتہ رفتہ ان تینوں کی کتابیں الگ الگ لکھی جانے لگیں یہاں تک کہ ان تینوں علوم کے نام بھی علیحدہ علیحدہ رکھ دیئے گئے عقائد کے مسائل کو دلائل کے ساتھ جاننے کا نام ”علم عقائد“ رکھ دیا گیا اعمال ظاہرہ کے احکام کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام ”فقہ“ رکھ دیا گیا

(۱) صحیح بخاری رقم ۵۲۔

(۲) صحیح البخاری کتاب العلم باب من يرد الله به خيراً الخ رقم الحديث: ۷۱۔

(۳) سورة البقرة آیت ۲۲۹۔

(۴) سورة البقرة آیت ۲۲۹۔



یہ حدیث جبریل کی تیسری سند کا بیان ہے اس میں عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کرنے والے عثمان بن غیاث ہیں جبکہ پہلی سند میں حضرت کھمس اور دوسری سند میں حضرت مطر الوراق تھے۔ اس طرح حضرت عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کرنے والے تین افراد ہو گئے۔<sup>(۱)</sup>

۹۶ - ”وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنْ ابْنِ عُلَيَّةَ، ... (الی قولہ) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ : أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكِتَابِهِ، وَلِقَائِهِ، وَرُسُلِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ. قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ : الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ، وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ : أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ. قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ : مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَلَكِنْ سَأَحْدِثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا : إِذَا وَلَدَتِ الْأُمَةُ رَبَّهَا، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا كَانَتِ الْعُرَاةُ الْحُفَاءَ رُءُوسَ النَّاسِ، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رِعَاءُ الْبَهْمِ فِي الْبَنِيَانِ، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا. فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ. ثُمَّ تَلَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَآذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ، قَالَ : ثُمَّ أَذْبَرَ الرَّجُلُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : رُدُّوا عَلَى الرَّجُلِ، فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوهُ، فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ“

### تشریح

قولہ : حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ... (ص ۲۹۰، ط ۱)

یہ امام مسلم کے استاذ ہیں۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ کے مصنف ہیں اور بڑے پائے کے

محدث ہیں ان کا نام عبد اللہ ہے ان کے بھائی عثمان اور قاسم ہیں ان کے والد محمد اور دادا ابو شیبہ ابراہیم ہیں۔ ان کی کتاب میں حنفیہ کے دلائل زیادہ ملتے ہیں کیونکہ یہ عراق کے رہنے والے تھے اور فقہ حنفی کا مرکز بھی عراق تھا اور جن احادیث سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے وہ حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ذریعے زیادہ پھیلے اور عام ہوئے تھے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : عَنْ ابْنِ عُثَيْبَةَ... (ص: ۲۹، سطر ۳)

یہ اسماعیل بن ابراہیم ہیں جیسا کہ اس سند میں آگے اس کی صراحت ہے اور غلیبہ ان کی والدہ کا نام ہے۔ جو ایک عظیمہ خاتون تھیں اگرچہ یہ والد کے بجائے والدہ کی نسبت کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن اسی نسبت سے ابنِ غلیبہ مشہور ہوئے لہذا اس نسبت سے ان کا ذکر سندوں میں مجبوراً کیا جاتا ہے چنانچہ یہ ممنوع غیبت میں داخل نہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : بَارِزًا لِلنَّاسِ... (ص: ۲۹، سطر ۴)

کھلی جگہ پر تشریف فرما تھے۔

قوله : يَا رَسُولَ اللَّهِ... (ص: ۲۹، سطر ۵)

اس روایت میں یا رسول اللہ ہے اور پہلی روایت میں یا محمد کا لفظ تھا جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں مختلف روایات کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کبھی یا رسول اللہ کہا اور کبھی یا محمد۔<sup>(۳)</sup>

قوله : وَكِتَابِهِ... (ص: ۲۹، سطر ۵)

اس نسخہ میں کتابہ ہے اور دوسرے نسخہ میں کُتِبَہ ہے الیٰ الیٰ میں دوسرا نسخہ یا یہ ہے۔  
اس باب کی پہلی روایت کے مطابق ہونے کی وجہ سے۔

قوله : وَلِقَائِهِ... (ص: ۲۹، سطر ۵)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ لفظ مکرر ہے اور آگے بالبعث الآخر میں داخل ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ کلمہ نہیں ہے۔ جس کی تائید دوسری روایت میں حضرت عطاء اللہؒ سے مروی ہے۔ الیٰ الیٰ

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۳۲ و سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۲۲۔

(۲) سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۱۰۷۔

(۳) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۹۔

یہ الفاظ ہیں وبالْمَوْتِ وَبِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ اس طرح اسی میں اسکی جگہ موت کا ذکر ہے۔ (کذا فی فتح الملہم<sup>(۱)</sup>)

قوله : بِالْبَعْثِ الْآخِرِ... (ص: ۲۹، سطر ۵)

پہلی روایت میں الیوم الآخر ہے یہ روایت بالمعنی کے طور پر ہے۔ کیونکہ دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

قوله : الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ... (ص: ۲۹، سطر ۵)

یہاں شہادتین کے بجائے یہ جملہ آیا ہے معلوم ہوا کہ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ سے مراد یہ شہادتین ہیں اور یہاں روایت بالمعنی ہے اور جب شہادتین کو عبادت سے تعبیر کیا اس حدیث میں تَوَلَّاهُ تَشْرِكٌ بِئِ شَيْئًا کا اضافہ بھی ضروری ہوا کیونکہ شہادتین کا پورا مفہوم لفظ عبادت سے ادا نہیں ہوتا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : الْمَكْتُوبَةُ... (ص: ۲۹، سطر ۵)

ما قبل کی روایت میں یہ مکتوبہ کا لفظ نہیں تھا لیکن مراد وہاں بھی صلاۃ مکتوبہ ہے یعنی فرض نماز مراد ہے۔

قوله : فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ... (ص: ۲۹، سطر ۶)

لفظ "فَإِنَّكَ" سے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت امام نوویؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اور علامہ سندھیؒ نے بھی انہی حضرات کی طرح یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی علت ہے۔ جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے۔

قوله : مَتَى السَّاعَةُ؟... (ص: ۲۹، سطر ۶)

یہاں صراحت ہے کہ سوال وقت قیامت کے بارے میں تھا۔ نفس قیامت کے بارے میں نہیں۔

قوله : عَنْ أَشْرَاطِهَا... (ص: ۲۹، سطر ۷)

یہ شرط کی جمع ہے۔ بمعنی علامت۔

قوله : رُءُوسَ النَّاسِ... (ص: ۲۹، سطر ۷)

(۱) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۹۔

(۲) فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۹۔

یہ لفظ پچھلی روایتوں میں نہیں تھا یہ داس کی جمع ہے سر کو بھی داس کہتے ہیں اور سردار کو بھی<sup>(۱)</sup>، یہاں سردار کے معنی میں ہے یعنی ننگے، بھوکے لوگوں کے سردار بن جائیں گے یعنی ننگے بدن اور ننگے پیر والے لوگوں کے سردار بن جائیں گے۔

قوله : رِغَاءُ الْبَهْمِ ... (ص: ۲۹، سطر ۱۵)

الْبَهْم جمع ہے یا اسم جنس ہے، بہمۃ بکری کے بچے کو کہتے ہیں تو رِغَاءُ الْبَهْم کے معنی بکریوں کے بچوں کے چرواہے۔ اس میں ان کی مالی حالت کی مزید کمزوری کا بیان ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : فِي خَمْسٍ مِنَ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ... (ص: ۲۹، سطر ۱۵)

یعنی قیامت کب آئے گی، اس کا علم ان پانچ غیب کی باتوں میں سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔

قوله : وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ... (ص: ۲۹، سطر ۸)

جن پانچ چیزوں کا ذکر اس آیت میں ہے ان کو سورۃ انعام کی آیت میں مفاتیح الغیب فرمایا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ اور ایک حدیث میں بھی ان پانچوں کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ۷، ص ۵۲)

نیز خود اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ فی خمس من الغیب لا یعلمہن الا اللہ اس میں بھی صراحت ہے۔ کہ پانچوں چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

### محکمہ موسمیات والوں کی پیشین گوئی کی حیثیت

یہاں اشکال ہوتا ہے محکمہ موسمیات والے بعض امور کی پیشگی اطلاع دے دیتے ہیں کہ فلاں دن سخت گرمی یا سخت سردی ہوگی، یا طوفان آئے گا یا فلاں جگہ بارش ہوگی چنانچہ ہوائی جہازوں کی پروازوں کا نظام محکمہ موسمیات کی رپورٹ پر مبنی ہوتا ہے اور یہ پیشگی اطلاعات عموماً درست ہوتی ہیں بظاہر یہ مذکورہ آیت قرآنیہ کے خلاف ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم سے مراد علم قطعی ہے۔ جس میں غلطی نہیں ہو سکتی جبکہ محکمہ موسمیات کی رپورٹ ظنی ہوتی ہے اور اس کا خود محکمہ موسمیات والے بھی

(۱) لسان العرب ج ۵ ص ۸۰۔

(۲) دریں مسلم ج ۱ ص ۲۷۲۔

اعتراف کرتے ہیں بسا اوقات ان کی بات درست ثابت ہوتی ہے اور بعض اوقات غلط بھی ثابت ہوتی ہے لہذا محکمہ موسمیات کی پیشگی اطلاع دینا اس آیت کے خلاف نہیں اور وہ غیب والی باتوں پر مبنی نہیں، تخمینہ اور اندازہ پر مبنی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَيَعْلَمُ ... (ص: ۲۹، طر: ۱۶)

اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ہر اس چیز کو جو ماؤں کے رحم میں ہے یعنی ان تمام بچوں کو جو ان کے ”ارحام“ میں ہیں خواہ انسان کے ہوں یا جانوروں کے نیز ارحام میں بچے ہوں یا کچھ اور، بہر حال ان سب کو قطعی اور حتمی طور پر صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

الٹراساؤنڈ سے لڑکا اور لڑکی کا علم ہونا

یہاں بھی بہت سے حضرات یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کے رحم میں یہ پتہ نہیں لگایا جاسکتا کہ بچہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ لیکن آج کل ڈاکٹرز الٹراساؤنڈ وغیرہ کے ذریعے بتا دیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ جو بظاہر اس آیت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہی ہے کہ ڈاکٹرز جو کچھ بتاتے ہیں وہ ظنی ہوتا ہے حتمی اور قطعی نہیں ہوتا۔ اور اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم قطعی ہے لہذا یہ بھی اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔

قوله : تَكْسِبُ غَدًا ... (ص: ۲۹، طر: ۱۶)

”کسب“ سے مراد مال کمانا یا عمل کرنا، دونوں ہو سکتے ہیں۔

یہاں مقام موت کے علم کی نفی ہے وقتِ موت کے علم کی نہیں حالانکہ اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ لیکن اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب موت کی جگہ کا علم نہیں کہ کس جگہ موت آئے گی تو وقتِ موت کا علم بدرجہ اولیٰ نہیں ہو سکتا وجہ یہ ہے کہ موت کی جگہ فی نفسہ دنیا میں موجود ہے لیکن وقتِ موت فی الحال موجود بھی نہیں۔<sup>(۲)</sup>

مسئلہ علم غیب کا خلاصہ

اس مسئلہ میں لفظ غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو وجود میں نہیں آئیں یا وجود میں تو آچکی ہیں

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا۔ (تفسیر مظہری، ص ۲۷۳، ج ۳)

پہلی قسم کی مثال وہ تمام حالات و واقعات ہیں جو قیامت کے متعلق ہیں یا کائنات میں آئندہ پیش آنے والے واقعات سے ان کا تعلق مثلاً: کون کب اور کہاں پیدا ہوگا؟ کیا کیا کام کرے گا؟ کتنی عمر ہوگی؟ عمر میں کتنے سانس لے گا؟ کتنے قدم اٹھائے گا؟ کہاں مرے گا؟ کہاں دفن ہوگا؟ رزق کس کو کتنا اور کس وقت ملے گا؟ بارش کہاں ہوگی؟ کس وقت اور کتنی ہوگی؟

اور دوسری قسم کی مثال وہ حمل ہے جو ماں کے رحم میں وجود میں تو آچکا ہے مگر یہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ خوبصورت ہے یا بد صورت؟ کالا ہے یا گورا؟ نیک طبیعت ہے یا بد خصلت؟ خوش نصیب ہے یا بد نصیب؟ اسی طرح اور ایسی دوسری چیزیں جو وجود میں آ جانے کے باوجود مخلوق کے علم اور ان کی نظر سے غائب ہیں اس قسم میں داخل ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیب کی پانچ باتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان پانچ چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ان کا علم قطعی اور کلی کسی مخلوق کو نہیں صرف اللہ تعالیٰ اُنکو جانتے ہیں اور یہ صرف ان پانچ باتوں کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ان کی خاص اہمیت کی وجہ سے ان کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے اور اس اہمیت کی دو وجہ ہیں۔

۱ ... ایک وجہ یہ ہے کہ عام طور سے جن غیب کی چیزوں کو انسان معلوم کرنے کی خواہش کرتا ہے وہ یہی پانچ چیزیں ہیں۔

۲ ... دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے ان پانچ چیزوں کے متعلق دریافت کیا تھا، اس لئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان کیا گیا ہے۔ (روح المعانی ج ۲۱، ص ۱۶۳)

ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غیب کی باتوں کا علم آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی دیا گیا تھا وہ علم غیب کی تعریف میں داخل نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اور اولیاء اللہ کو بذریعہ الہام جو غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی جاتی ہیں وہ حقیقت میں علم غیب نہیں جن کی بناء پر ان کو عالم الغیب کہا جاسکے بلکہ وہ انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں کہلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اپنے فرشتوں اور رسولوں اور مقبول بندوں کو غیب کی باتوں کی خبر کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کو انباء الغیب کہا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔



”تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ“

اس لئے مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ کے طور پر بھی کسی فرشتے اور رسول کو ان کا علم نہیں دیا۔ اس کے علاوہ دوسری غیب کی باتوں کا علم بہت کچھ انبیاء علیہم السلام کو دیا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ۷، ص: ۵۲، ۵۳)

### علم غیب کے بارے میں بریلوی عقیدہ کی حقیقت

قوله : إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ... (ص: ۲۹، سطر ۸، ۷)

علماء دیوبند، بریلوی حضرات کو حضور ﷺ کے عالم الغیب کہنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے کیونکہ یہ حضرات دراصل أَنْبَاءِ الْغَيْبِ کو علم الغیب کہتے ہیں تو اگر غور سے دیکھا جائے تو بڑی حد تک یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ یہ بات ہم بھی جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں اتنی زیادہ عطا فرمائی ہیں کہ کسی اور کو اتنی نہیں دی گئیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم ان خبروں کو انباء الغیب کہتے ہیں اور بریلویوں میں سے بعض حضرات ان کو علم الغیب کہہ دیتے ہیں، اور اسکی وجہ سے وہ حضور ﷺ کو عالم الغیب کہہ دیتے ہیں اس لئے ہمارا اور ان کا اختلاف الفاظ کا اختلاف ہے چنانچہ مولانا احمد رضا خان صاحب جو بریلویوں کے بڑے عالم ہیں ان کی کتابوں سے یہی معلوم ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس لئے اس بحث میں نہ پڑنا چاہئے اور ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنا چاہئے۔

### ایک سوال اور جواب

قوله : هَذَا جِبْرِيلُ ... (ص: ۲۹، سطر ۹)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی مجلس میں بتا دیا تھا کہ یہ آنے والا شخص حضرت جبریل علیہ السلام تھے حالانکہ پیچھے ابو داؤد اور ترمذی کے حوالہ سے گزرا ہے کہ حضرت فاروق اعظم کو آنحضرت ﷺ نے تین دن کے بعد بتلایا تھا۔ جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت جبریل کے سوال کے جوابات مکمل ہونے کے بعد یا

حضرت جبریل امینؑ کے جانے کے فوراً بعد حضرت عمرؓ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے ہوں اور یہ بات حضرت فاروق اعظمؓ نے حضور ﷺ سے اس وقت نہ سنی ہو بلکہ تین روز بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ وہ حضرت جبریلؑ تھے اب ان میں کوئی تعارض نہیں۔<sup>(۱)</sup>

۹۷ \_ ”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّ فِي رِوَايَتِهِ إِذَا وَلَدَتِ الْأُمَّةُ بَعْلَهَا يَعْنِي السَّرَارَى.“ (ص: ۲۹، سطر: ۱۰)

### تشریح

قولہ : السَّرَارَى ... (ص: ۲۹، سطر: ۱۰)

سراری، سریہ کی جمع ہے۔ یہ اس باندی کو کہتے ہیں جس کو آقا نے دلی کے لئے رکھا ہو۔<sup>(۲)</sup>

۹۸ \_ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ ... (الی قولہ) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَلُونِي فَهَابُوهُ أُنْ يُسْأَلُوهُ، ... (الی قولہ) قال: يا رسول الله ما الاحسان؟ قال: أن تخشى الله كأنك تراه... وَإِذَا رَأَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ ... (الی قولہ) ... فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا جِبْرِيلُ، أَرَادَ أَنْ تَعْلَمُوا إِذْ لَمْ تَسْأَلُوا“ (ص: ۲۹، سطر: ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸

قوله : الصُّمُّ الْبُكْمُ ... (ص: ۲۹، سطر ۱۱)

صُّمُّ جمع ہے اَصَمُّ کی، بمعنی بہرا۔ اور بُکْم جمع ہے ابکم کی، بمعنی گونگا۔ اس سے بظاہر وہی معنی مراد ہیں جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئے ہیں۔

”صُّمُّ بُکْمٌ عُمَىٰ لَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ“<sup>(۱)</sup>

یعنی وہ حق کو سننے یعنی قبول کرنے سے بہرے اور حق کو قبول کرنے سے گونگے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : اَرَادَ اَنْ تَعْلَمُوْا ... (ص: ۳۰، سطر ۱)

اس کو تَعْلَمُوْا اور تَعْلَمُوْا دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں مطلب یہ کہ حضرت جبریلؑ کے آنے سے پہلے آپ نے حاضرین سے فرمایا تھا سَلُوْنِی مجھ سے سوال کرو۔ لیکن کسی نے سوال نہ کیا یہاں تک جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے۔<sup>(۳)</sup>

### ایک سوال اور جواب

سوال: جب قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کو سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

”لَا تَسْأَلُوْا عَنْ اَشْيَاءٍ اِنْ تَبَدَّلَ لَكُمْ تَسْوِئَةٌ“<sup>(۴)</sup>

تو پھر آپ نے سَلُوْنِی کیوں فرمایا؟ نیز یہ کیوں فرمایا: ہذا جبریل علیہ السلام اراد

ان تعلموا اذا لم تسئلوا؟

جواب: قرآن مجید میں سوال کرنیکی ممانعت علی الاطلاق نہیں تھی بلکہ ایسے سوالات کرنے کی ممانعت تھی جن کی فی الحال ضرورت نہ ہو یا جو بے فائدہ ہوں لیکن صحابہ کرامؓ مفید سوالات کرنے سے بھی ڈرتے تھے۔ اور اس خیال سے ڈرتے تھے کہ خدا نخواستہ ہم کوئی ایسا سوال نہ کر بیٹھیں جس کو ہم تو مفید سمجھتے ہوں لیکن حقیقت میں وہ مفید نہ ہوں لہذا رسول اللہ ﷺ کا سَلُوْنِی فرمانا درست ہے۔ اور یہ قرآنی آیت کے خلاف نہیں ہے۔

(۱) سورہ البقرہ آیت ۱۸۔

(۲) درجہ مسلم ج ۱ ص ۲۸۲۔

(۳) درجہ مسلم ج ۱ ص ۲۸۲۔

(۴) سورۃ العائدۃ: آیت نمبر ۱۰۔

## باب بیان الصلوات التي هي اركان الاسلام

۹۸ \_ ”حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ بْنُ جَعْفَرٍ بْنُ طَرِيفٍ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ (فِيمَا قُرِئَ عَلَيْهِ) عَنْ أَبِي سَهْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ، نَائِرُ الرَّأْسِ، نَسَمِعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ، وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ، حَتَّى دَنَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ. فَقَالَ: هَلْ عَلَى غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطُوعَ، وَصِيَامَ شَهْرِ رَمَضَانَ. فَقَالَ: هَلْ عَلَى غَيْرِهِ؟ فَقَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطُوعَ. وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ، فَقَالَ: هَلْ عَلَى غَيْرِهَا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطُوعَ، قَالَ: فَأَذْبَرَ الرَّجُلُ، وَهُوَ يَقُولُ: وَاللَّهِ، لَا أُرِيدُ عَلَى هَذَا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ.

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ. (مس: ۳۰، ص: ۵۴)

### تشریح

قوله: مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ... (مس: ۳۰، ص: ۲۴)

نجد یہ سعودیہ کا ایک بڑا علاقہ ہے جو حجاز اور عراق کے درمیان واقع ہے۔ (فتح الملہم)  
یہاں کے شیخ عبدالوہاب نجدی مشہور ہیں۔ ان کے قبیعین ہمارے یہاں وہابی کہلاتے ہیں۔  
یہ بدعت کی تردید کرنے میں بہت سخت تھے۔

”جزیرۃ العرب“ کو اردو میں ”جزیرہ نمائے عرب“ کہتے ہیں۔ اور جغرافیائی اصطلاح میں اسے ”جزیرہ نما“ کہا جاتا ہے۔ اور عربی میں جزیرہ نما کو ”شبه الجزيرة“ کہتے ہیں۔ آج کل اس جزیرہ نمائے عرب میں بہت سے ممالک اور ریاستیں ہیں سعودی عرب، قطر، شارجہ، دبئی، ابوظہبی، مسقط، عمان، یمن، بحرین، کویت وغیرہ جزیرہ عرب میں داخل ہیں۔

عہد رسالت میں جزیرہ نمائے عرب کی معروف تقسیم یہ تھی کہ بنیادی طور پر یمن، تہامہ، حجاز

اور نجد اس کے بڑے بڑے علاقے تھے۔

یمن مدینہ منورہ سے جنوب مشرق کی سمت میں ہے حجاز تھامہ سے ملا ہوا ہے اور پہاڑی علاقہ ہے۔ اور تھامہ سمندر کے کنارے واقع ہے اور حجاز کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ نجد اور تھامہ کے درمیان رکاوٹ ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ثَائِرُ الرَّأْسِ ... (ص: ۳۰، طر: ۲)

اس کی را پر زبر اور ضمہ دونوں پڑھ سکتے ہیں ضمہ کی صورت میں یہ رجل کی صفت ہے اور فتح کی صورت میں رجل سے حال ہوگا اس کے معنی ہیں سر کے بالوں کا منتشر ہونا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : ذَوِي صَوْتِهِ ... (ص: ۳۰، طر: ۲)

”ذَوِي“ یہ دال کا فتح اور واؤ کا کسرہ اور ہاء کی تشدید کے ساتھ ہے یہ ایسی بلند اور مکرر آواز کو کہتے ہیں جو فضا میں منتشر ہو لیکن سمجھ میں نہ آتی ہو فتح الملہم میں اسے شہد کی مکھی کی جھنکاہٹ سے تشبیہ دی گئی ہے۔<sup>(۳)</sup>

### تین آداب معاشرت

مذکورہ الفاظ حدیث سے درج ذیل آداب معاشرت معلوم ہوتے ہیں:

۱ ... صحابہ کرام کا عام طریقہ، سر کے بالوں کو منتشر رکھنے کا نہ تھا اس لئے اس اعرابی کی ہیبت کو اچھا سمجھ کر راوی نے اسے ذکر کیا۔

۲ ... دور سے ہی بولنا شروع کر دینا تہذیب اور شائستگی کے خلاف ہے یہ صحابہ کرام کی عادت کے خلاف تھا اس لئے راوی نے اسے بطور خاص روایت کیا اور بیان کیا۔

۳ ... ایسے انداز میں بات کرنا جو سمجھ میں نہ آئے نامناسب ہے یہ بھی صحابہ کرام کی عادت کے خلاف تھا۔ اس لئے راوی نے اسکا ذکر کیا۔

قوله : فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ ... (ص: ۳۰، طر: ۲)

اسلام کے متعلق اس شخص نے سوال کون سے الفاظ میں کیا؟ اس عبارت سے یہ بات معلوم

(۱) درج مسلم، جلد اول، ص ۲۷۸۔

(۲) درج مسلم ج ۱ ص ۲۸۲۔

(۳) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۳۔

نہیں ہو رہی۔

سوال: آنحضرت ﷺ نے جواب میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا تو ذکر فرمایا لیکن شہادتین اور حج کا ذکر نہیں فرمایا۔

جواب: ہو سکتا ہے کہ شہادتین کا ذکر اس لئے نہ فرمایا ہو کہ آپ کو قرآن یا وحی سے یہ بات معلوم ہو گئی ہو کہ یہ شخص پہلے سے مسلمان ہے۔ لہذا اس کو آگے کی تعلیم دینے کی ضرورت ہے اور حج کا اس لئے نہ ذکر فرمایا ہو کہ شاید حج اس وقت فرض نہ ہوا ہو یا ذکر فرمایا تھا مگر راوی نے اسے اختصار کی بناء پر ذکر نہیں کیا۔ اور بخاری شریف کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں فرمایا: ”قَالَ: فَاخْبِرْهُ بِشُرَائِعِ الْإِسْلَامِ“ (فتح الباری کتاب الایمان جلد ۱ ص ۱۰۷)

### مرجئہ کی تردید

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اسلام کی تعریف اعضاء و جوارح کے اعمال سے کی ہے جیسے نماز، روزہ، اور زکوٰۃ۔ اس سے مرجئہ کی تردید ہو گئی کیونکہ وہ اعمال کی اہمیت کے منکر ہیں۔

قوله: إِلَّا أَنْ تَطُوعَ ... (ص: ۳۰، سطر ۴)

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ فرض تو مزید کچھ نہیں لیکن نفل نمازیں جتنی چاہو پڑھو، حضرات شوافع نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اصلاً تو زائد نمازیں فرض نہیں ہیں لیکن اگر نفل شروع کرو گے تو وہ بھی فرض ہو جائے گی یعنی اس کو پورا کرنا فرض ہو جائے گا اس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے اور حنفیہ کا استدلال اس مسئلہ میں قرآن کریم کے اس ارشاد سے ہے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ“ (۱)

اس سے استدلال اس طرح ہے کہ کوئی نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر کے اگر فاسد کر دیا جائے تو وہ باطل ہو جائے گا۔ جو اس آیت کی رو سے ممنوع ہے اس کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی ان کا استدلال ہے۔

### وتر واجب ہیں یا نہیں؟

سوال: حدیث شریف میں ”خمس صلوات“ سے ثابت ہوا کہ فرض نمازیں پانچ ہیں۔



چنانچہ حضرات شوافعؒ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک وتر بھی واجب ہیں تو معلوم ہوا کہ حنفیہ کا مذہب اس حدیث کے خلاف ہے۔

جواب: حضرت ملا علی قاریؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

ایک یہ کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث اس وقت کی ہو جب وتر واجب نہ تھے۔ وجوب وتر کی احادیث بعد کی ہیں جو اپنے مقام پر آئیں گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وتر درحقیقت عشاء کے تابع ہیں۔ اور وہ عشاء کے ذیل میں خود بخود داخل ہیں اس لئے ان کو الگ شمار نہیں کیا گیا۔ یعنی جب عشاء کی نماز فرض ہے تو اس کے تابع ہو کر وتر بھی واجب ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزُّكَاةَ ... (ص: ۳۰، سطر ۴)  
یہ راوی کی احتیاط ہے کیونکہ راوی کو وہ لفظ غالباً یاد نہیں رہا تھا۔ جو آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا تھا۔ لہذا یوں روایت کی کہ آپ نے زکوٰۃ کا ذکر بھی فرمایا تھا۔ اور جن الفاظ میں آپ نے ذکر فرمایا تھا وہ الفاظ راوی نے ذکر نہیں کئے۔

قوله: هَلْ عَلَى غَيْرُهَا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطْوَعَ ... (ص: ۳۰، سطر ۴)  
اس میں استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا عمل طویل اور دراز نہیں ہوتا<sup>(۲)</sup> مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور مالی عبادت فرض نہیں البتہ نفل کے درجے میں کوئی مالی عبادت کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔

قوله: وَهُوَ يَقُولُ: وَاللَّهِ، لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ. ... (ص: ۳۰، سطر ۴)

### ایک سوال اور تین جواب

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث شریف کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ میں نفلی عبادت نہیں کروں گا حالانکہ نفلی عبادت نہ کرنا تو جائز ہے مگر نفلی عبادت اور مستحبات پر عمل نہ کرنے کی قسم کھانا ممنوع ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں جو جلد ثانی کی کتاب المساقاۃ میں آئے گی۔  
اس سوال کے تین جواب ہو سکتے ہیں۔

(۱) مرقاة ج ۱ ص ۱۶۵۔

(۲) حاشیۃ السندی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۰۔

۱ ... یہ بات اس وقت کی ہے جب مستحب اعمال کے ترک کرنے کی قسم کھانے کی ممانعت نہیں آئی تھی۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے بتلایا ہے میں وہی اپنی قوم کو واپس جا کر تلاؤں گا اور کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔

۳ ... یہاں پر کلمہ قسم کا بولنا قسم کے لئے نہیں بلکہ تاکید کلام کے لئے ہے۔<sup>(۱)</sup>

۹۹ - "حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ، نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ. غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفْلَحَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ، أَوْ: دَخَلَ الْجَنَّةَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ"

### تشریح

قوله : أَفْلَحَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ ... (م: ۳۰، ص: ۶)

ایک سوال اور تین جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ واپس غیر اللہ کی قسم ہے جو شرعاً جائز نہیں؟

اس کے تین جواب ہیں:-

۱ ... پہلا جواب یہ ہے کہ اس کی ممانعت مذکورہ بالا واقعہ کے بعد آئی ہو اور اس ممانعت کی وجہ شرک نہیں بلکہ سبذرائع کے طور پر ہے۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ واپس سے مراد قسم نہیں بلکہ تاکید کلام ہے کیونکہ الفاظ قسم کبھی قسم کے بجائے صرف تاکید کلام کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

۳ ... غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت امت کے لئے ہے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی یہ بھی خصوصیت ہو کہ آپ کے لئے اس کی ممانعت نہ ہو۔<sup>(۳)</sup>

۱۰۰ - "حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ بُكَيْرٍ النَّاقِذُ... (الی قوله)... عَنْ أَنَسِ بْنِ

(۱) صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۰۷ و صحیح المسلم ج ۱ ص ۳۲۷ و مرقاة ج ۱ ص ۱۶۷۔

(۲) صحیح المسلم ج ۱ ص ۳۲۷۔

(۳) صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۰۷۔

مَالِكٍ، قَالَ: نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ يُعَجِّبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، الْعَاقِلُ، فَيَسْأَلُهُ، وَنَحْنُ نَسْمَعُ. فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَتَانَا رَسُولُكَ فَرَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: صَدَقَ... الحديث“ (ص: ۳۰، طر ۷، ص: ۳۱، طر ۵۲)

### تشریح

قوله: نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ... (ص: ۳۰، طر ۷)

یہ ممانعت مطلق نہ تھی بلکہ غیر ضروری اور غیر مفید سوالات کرنے کی ممانعت تھی لیکن صحابہ کرامؓ بعض مرتبہ ضروری اور مفید سوالات کرنے سے اس لئے ڈرتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی سوال ہمارے نزدیک ضروری اور مفید ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک غیر ضروری اور غیر مفید ہو اور اس سے آپ کو تکلیف ہو اس وجہ سے سوال کرنے سے ڈرتے تھے۔

قوله: يَا مُحَمَّدُ!... (ص: ۳۰، طر ۷)

اس آنے والے شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر پکارا کیونکہ یہ شخص آداب شریعت سے ناواقف تھا اور یہ ضمام بن ثعلبہؓ تھے جو قبیلہ بنی سعد بن بکر سے تعلق رکھتے تھے، ان کی حاضری سن ۹ ہجری میں ہوئی ہے ان کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ جب یہ آئے تھے۔ تو مسلمان ہو چکے تھے یا نہیں۔ حضرت امام بخاریؒ اور قاضی عیاضؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔<sup>(۱)</sup> جبکہ علامہ قرطبیؒ کا رجحان یہ ہے کہ یہ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: فَرَزَعَمَ... (ص: ۳۱، طر ۱)

زعم ایسے دعوے کو کہتے ہیں جو محتاج دلیل ہو یعنی غیر تحقیقی بات کو کہا جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضمام اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ زعم تحقیقی بات کو بھی کہتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

یہاں حدیث میں بظاہر پہلے معنی مراد ہیں اس لئے کہ وہ اپنے سوال کے ذریعے تحقیق کرنا

(۱) معجم البیاری جلد اول۔ ۱۵۲۔

(۲) المعجم ج ۱ ص ۱۶۲۔

(۳) المعجم ج ۱، ص ۲۴۱ و لسان العرب ج ۲ ص ۵۰، ۴۸۔

(۱) چاہتے تھے۔

## بَابُ بَيَانِ الْإِيمَانِ الَّذِي يُدْخَلُ بِهِ الْجَنَّةَ... الخ

۱۰۱۔ ”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ،... (الی قولہ)... حَدَّثَنِي أَبُو أَيُّوبَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا عَرَضَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ، فَأَخَذَ بِحِطَامٍ نَاقَتِهِ أَوْ بِزِمَامِهَا، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَوْ يَا مُحَمَّدًا! أَخْبِرْنِي بِمَا يُقَرِّبُنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَمَا يُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ. قَالَ: فَكَفَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ نَظَرَ فِي أَصْحَابِهِ، ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ وَفَّقَ، أَوْ لَقَدْ هَدَى. قَالَ: كَيْفَ قُلْتَ؟ قَالَ: فَأَعَادَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، دَعِ النَّاقَةَ.“ (مس: ۳۱، سطر ۸۵۶)

## تشریح

قولہ: عَرَضَ ... (مس: ۳۱، سطر ۶)

اس کے معنی ہیں سامنے آیا۔

قولہ: بِحِطَامٍ نَاقَتِهِ أَوْ بِزِمَامِهَا ... (مس: ۳۱، سطر ۷)

حطام اور زمام سے مراد ایک ہی چیز ہے جسے اردو میں ٹکیل کہتے ہیں۔ جواونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ اس اعرابی نے آپ ﷺ سے سوال پوچھنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ نامناسب تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ علماء کو ناواقف عوام سے نرمی اور شفقت کا معاملہ کرنا چاہئے ورنہ ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا چاہئے، اس سے علماء اور عوام کے درمیان قربت پیدا ہوگی لہذا عوام کی اس قسم کی غلطیوں سے ناراض نہ ہوں بلکہ ان کو شفقت اور نرمی سے سمجھا دیں۔ (۱) خود حضور اکرم ﷺ کی یہی عادت اور سنت ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

”وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ“ (۳)

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۲۹۰۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۲۹۱۔

(۳) ر عمر ۵: ۵۹۔

قوله : لَقَدْ وَفَّقَ، أَوْ لَقَدْ هَدَى ... (ص: ۳۱، سطر: ۸، ۷)

یعنی اس اعرابی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہو گئی ہے مطلب یہ ہے کہ اُس نے جو سوال کیا ہے یہ سوال کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اب صرف عمل پوچھنا چاہتا ہے۔ اور سوال کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل کے جذبہ سے مرشار ہے۔

### اہم سبق

قوله : قَالَ : كَيْفَ قُلْتَ ؟ ... (ص: ۳۱، سطر: ۸)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اعرابی کا سوال دوبارہ کیوں پوچھا؟ حالانکہ آپ کو سوال معلوم ہو گیا تھا جیسی تو آپ نے فرمایا: لَقَدْ وَفَّقَ، أَوْ لَقَدْ هَدَى۔ جواب یہ ہے کہ تاکہ آس پاس کے صحابہ کرام کو اس کے سوال کا علم ہو جائے اور اس سے تدریس کا ایک ادب بھی معلوم ہوا کہ اچھے سوال پر طالب علم کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ اور وہ سوال دوسرے طلبہ کے لئے بھی دہرانا چاہئے تاکہ ان کو بھی جواب بحسن و خوبی معلوم ہو جائے۔

قوله : تَعْبُدُ اللَّهَ ... (ص: ۳۱، سطر: ۸)

اس لفظ میں کئی احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ عبادت سے عام عبادات مراد ہے۔ جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ، اس صورت میں حدیث شریف کے باقی الفاظ اسلام کی خاص خاص عبادات بتانے کے لئے ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے توحید مراد ہے اور باقی جملے مستقل طور پر عبادات بنانے کے لئے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ ... (ص: ۳۱، سطر: ۸)

یہاں حضور ﷺ نے تخریج الزکوٰۃ (زکوٰۃ نکالنا) نہیں فرمایا اور قرآن و حدیث میں تقریباً ہر جگہ ایتاء الزکوٰۃ اور اس سے مشتق الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ محض زکوٰۃ نکالنا کافی نہیں ہے بلکہ اُسے شرعی قواعد کے مطابق ادا کرنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے جیسے شرعی مستحق کو دینا، اور مالک اور قابض بنا کر دینا وغیرہ۔

قوله : وَتَصِلُ الرَّحِمَ ... (ص: ۳۱، سطر: ۸)

تصل مضارع کا صیغہ ہے اور وصل یصل وصلًا وصلۃ مصدر ہے اس کے معنی ملانے اور جوڑنے کے آتے ہیں تو اس جملہ کے معنی ہوئے کہ تُو قرابت داری کو جوڑ اور ملا۔ مراد یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کر۔ اور رحم کے لغوی معنی ہیں ”بچہ دانی“ رشتہ داری اور قرابت داری کو بھی مجازاً رحم کہا جاتا ہے کیونکہ بچہ دانی قرابت داری کا سبب بنتی ہے۔

### اہم فائدہ

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے جواب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱ ... تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتَقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، (یہ ایک حصہ ہوا)

۲ ... وَتَصِلُ الرَّحِمَ، (یہ دوسرا حصہ ہوا)

پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ کے اہم حقوق کا بیان ہے اور دوسرے حصہ میں حقوق العباد میں سے اہم حقوق کا ذکر ہے۔ اور یہی پورے دین کا خلاصہ ہے اسے دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دین دراصل نام ہے حقوق کی ادائیگی کا۔ اور حقوق دو طرح کے ہیں: ۱۔ حقوق اللہ، ۲۔ حقوق العباد۔ لہذا دونوں کو ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ذِيع النَّاقَةِ ... (مس: ۳۱، سطر ۸)

یعنی اونٹنی کو چھوڑ دے کیونکہ سوال کا جواب تجھے مل گیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### ایک سوال اور جواب

یہاں سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے روزہ اور حج کا ذکر کیوں نہیں فرمایا۔ نیز دوسرے بہت سے فرائض و واجبات اور حرام و ناجائز اعمال سے بچنے کا ذکر کیوں نہیں فرمایا۔

جواب یہ ہے کہ دراصل حضور ﷺ نے اس وقت سائل کے حال کے مناسب جواب دیا چنانچہ آپ نے بنیادی چیزوں کو ذکر فرمایا کیونکہ عبادات کی دو قسمیں ہیں بدنی اور مالی۔ بدنی عبادت کے ذکر کے لئے تقیم الصلاة کا لفظ فرمایا اور مالی عبادت کو توتی الزکوة سے ذکر فرمایا۔ اور یہ حقوق اللہ میں اہم ترین حق ہے۔ اور حقوق العباد میں بہت تفصیل ہے۔ ان میں اہم ترین صلہ رحمی ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۲۹۲۔

(۲) شرح البیہقی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۔



آج کل بعض طلبہ و طالبات مجاہدین اور بعض مبلغین حقوق العباد ادا کرنے اور خاص طور پر صلہ رحمی کرنے سے غافل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم دین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ اس لئے وہ صلہ رحمی کی طرف توجہ نہیں کرتے یہ غلو فی الدین ہے جو ممنوع ہے جبکہ دین اسلام کی خصوصیت اعتدال ہے۔ لہذا ان چیزوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔

۱۰۲۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرِ، قَالَا: نَا بِهِزٌ، قَالَ: نَا شُعْبَةً، نَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ، وَأَبُوهُ عُثْمَانُ، أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ هَذَا الْحَدِيثِ“ (مس: ۳۱، سطر ۱۰۲۸)

### تشریح

قوله: قَالَ: نَا شُعْبَةً، نَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ... (مس: ۳۱، سطر ۹)  
اس روایت میں راوی حضرت شعبہ کو محمد بن عثمان کے نام میں وہم ہوا ہے۔ ان کا اصل نام عمرو بن عثمان ہے جیسے کہ اس سے پہلے والی روایت میں ہے۔ لیکن چونکہ حضرت شعبہ نے یہاں اسی طرح بیان کیا ہے اس لئے آپ اصل کتاب میں تصحیح نہ کریں بلکہ اس بات کو زبانی سمجھ لیں۔

۱۰۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ذُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْنِيَنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ ذَا رَحِمِكَ فَلَمَّا أَذْبَرَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ تَمَسَّكَ بِمَا أُمِرَ بِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (مس: ۳۱، سطر ۱۲۵۱)

### تشریح

قوله: تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا... (مس: ۳۱، سطر ۱۱)

یہاں شینا مفعول بہ ہے یا مفعول مطلق ہے اس دوسری صورت میں مضاف مقدر ہوگا یعنی

اصل میں اشراک شینی ہے۔

قوله : وَتَصِلُ ذَا رَحِمِكَ ... (ص: ۳۱، سطر ۱۱)

اس میں لفظ رحم کے سکون اور کسرہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ (۱)

صلہ رحمی یہ ہے کہ جتنا ہو سکے تم رشتہ داروں اور قرابت داروں کو راحت اور خوشی پہنچاتے رہو ان کی مدد کرو ان کی شادی وغنی میں سنت کے مطابق شریک رہو ان سے خندہ پیشانی سے ملو، کبھی کبھی ان کی ملاقات کے لئے جایا کرو اور ان کو ناحق تکلیف پہنچانے سے گریز کرو، آج کل بہت سے لوگ اس کو دین کا فریضہ نہیں سمجھتے حالانکہ یہ دین کا اہم فریضہ ہے۔ اور تصل کے معنی ہیں جوڑو اور ملاتے رہو، قطع تعلقی نہ کرو یعنی ایسے کام نہ کرو یا ایسی باتیں نہ کرو جس کی وجہ سے رشتہ داروں سے تعلقات میں ناحق قطع تعلقی پیدا ہو۔ (۲)

قوله : دَخَلَ الْجَنَّةَ ... (ص: ۳۱، سطر ۱۲)

معلوم ہوا کہ صلہ رحمی نیک کاموں میں سے ہے جن کی بدولت آدمی جنت میں جائے گا۔

۱۰۴ ... "وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ

أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! ذُلِّي

عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ. قَالَ: تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ

الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ. قَالَ: وَاللَّهِ

نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا أَبَدًا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ، فَلَمَّا وُلِّي، قَالَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى

هَذَا" (ص: ۳۱، سطر ۱۲ تا ۱۳)

## تشریح

قوله : مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا. (ص: ۳۱، سطر ۱۳)

حضور ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان کا خاتمہ ایمان اور عمل صالحہ پر ہوگا۔ اس

لئے یہ ارشاد فرمایا۔

۱۰۵ - "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَاللَّفْظُ لِأَبِي

كَرِيْبٍ... (الى قوله)... عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقِلٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوبَةَ،  
وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ، أَأَدْخُلُ الْحَنَّةَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ: نَعَمْ. (ص: ۳۱، سطر: ۱۵ و ۱۶ ص: ۳۳ سطر: ۱: ۲)

### تشریح

قوله: حَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ... (ص: ۳۳ سطر: ۲)

اس میں سب اوامر و نواہی کا اصولی طور پر ذکر آ گیا۔ حرمت الحرام کا مطلب یہ ہے کہ  
میں تمام ناجائز اور حرام کاموں کو عقیدۂ بھی حرام سمجھوں گا۔ اور عملاً بھی ان سے اجتناب کروں گا۔ لیکن  
احللت الحلال کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ میں تمام حلال اور جائز چیزوں کو اعتقاداً حلال سمجھوں گا  
اس لئے کہ تمام حلال چیزوں پر عمل کرنا ضروری نہیں البتہ تمام محرمات سے بچنا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب بیان ارکان الاسلام ودعائمہ العظام

۱۰۶ - "حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ: ثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي  
سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ الْأَحْمَرَةَ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ  
ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، عَلَى  
أَنْ يُؤَحَّدَ اللَّهُ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَالْحَجِّ. فَقَالَ  
رَجُلٌ: الْحَجُّ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ؟ قَالَ: لَا، صِيَامُ رَمَضَانَ، وَالْحَجُّ. هَكَذَا سَمِعْتُهُ  
مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (ص: ۳۲ سطر: ۷۵۵)

### تشریح

قوله: فَقَالَ رَجُلٌ: الْحَجُّ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ؟ (ص: ۳۲ سطر: ۷)

اس شخص نے اپنے کلام میں جو حج کو مقدم کیا ہے، اور رمضان کے روزوں کو مؤخر کیا، ہو سکتا  
ہے کہ اس شخص نے اس حدیث کو اسی طرح سنا ہو کسی اور سے، اور حضرت ابن عمرؓ نے اس طرح سنا تھا  
جس طرح یہاں روایت کیا گیا ہے اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے اپنے سنے ہوئے کے مطابق اصلاح

فرمائی، بہر حال حضرت ابن عمر کی اس طرح اصلاح کرنے سے معلوم ہوا کہ روایت کے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنی نہیں کرنی چاہئے۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۷ - "حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عَثْمَانَ الْعَسْكَرِيُّ، قَالَ: نَا يَحْيَى بْنُ زَكْرِيَاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، قَالَ: نَا سَعْدُ بْنُ طَارِقٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ عُبَيْدَةَ السُّلَمِيُّ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، عَلَى أَنْ يُعْبَدَ اللَّهُ، وَيُكْفَرَ بِمَا دُونَهُ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَحَجُّ الْبَيْتِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ۔ (مس: ۳۲: سطر: ۹۷۷)

### تشریح

قوله: وَحَجُّ الْبَيْتِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ۔ (مس: ۳۲: سطر: ۹۷۷)

### ایک سوال اور دو جواب

سوال:- اس روایت میں حج کا ذکر پہلے ہے اور راوی بھی حضرت ابن عمرؓ ہیں حالانکہ اوپر کی حدیث میں خود حضرت ابن عمرؓ نے حج کو مقدم کرنے کی نفی فرمائی ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:- اس کے دو جواب ہیں!

۱۔ یہاں سعد بن عبیدہ السلمي سے نیچے کے کسی راوی کو وہم ہوا ہے یا اس نے روایت بالمعنی کی ہے اور اسے حضرت ابن عمرؓ کی تکیر کا علم نہیں ہوا ہوگا اس لئے اس نے اس طرح روایت کر دیا۔

۲۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مرتبہ سنی ہو ایک دفعہ لفظ صوم کے ساتھ اور دوسری مرتبہ صیام رمضان کے ساتھ۔ صوم رمضان کی روایت میں حج مقدم ہو اور صیام رمضان کی روایت میں حج مؤخر ہو۔ واللہ اعلم<sup>(۲)</sup>

۱۰۸ - "حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عَاصِمٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ زَيْدٍ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ

(۱) اکمال المعلم ص ۸۸۔ ج ۱

(۲) الحل المهم ج ۱، ص ۳۔

وَرَسُولُهُ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَحَجَّ الْبَيْتِ وَصَوْمَ رَمَضَانَ۔ (ص: ۳۲: سطر: ۱۱۲۹)

## تشریح

قوله : بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ (ص: ۳۲: سطر: ۱۰۲۹)

جس طرح کسی عمارت کو اٹھانے کے لئے ستون اور پلہ ہوتے ہیں اسی طرح اسلام کے بھی پانچ ارکان ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں اسلام کی مثال خیمے کی طرح دی گئی ہے۔ خیمے کے بیچ میں ایک ستون ہوتا ہے اور چاروں طرف رسیاں اور ڈوریاں ہوتی ہیں، فرمایا کہ اس حدیث میں شہادتین مثل ستون کے ہے اور باقی چار اعمال خیمے کے چاروں طرف کی رسیوں کی مانند ہیں لہذا اگر ستون کو درمیان سے نکال دیا جائے تو پھر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا اسی طرح اسلام بھی شہادتین یعنی ایمان کے بغیر باقی نہیں رہتا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج چار رسیوں کی طرح ہیں جب رسیاں مضبوط ہوں تو خیمہ بھی مضبوط ہوتا ہے لیکن جتنی رسیاں کمزور اور ڈھیلی ہو جائیں گی اتنی ہی خیمے کی افادیت بھی کم ہوتی جائے گی البتہ خیمے کا نام باقی رہے گا اس لئے اگر یہاں بھی شہادتین کے علاوہ چار چیزوں پر عمل نہ ہو تو اسلام کا وجود اور اس کی افادیت کامل نہ ہوگی بلکہ ایک درجہ میں باقی رہے گی کہ ایسا شخص ایمان کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جانے سے محفوظ رہے گا۔<sup>(۱)</sup>

## ایک سوال اور ایک جواب

سوال :- یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ اس حدیث میں معاملات، معاشرت اور احسان کا ذکر نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب :- جواب یہ ہے کہ ارکان اسلام ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام صرف ان پانچ چیزوں میں منحصر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی اعمال ہیں باقی سب اعمال ان کے تابع، ان کی فروع اور قسم ہیں۔ اور معاملات اور معاشرت بھی اگرچہ دین اسلام کے اہم شعبے ہیں لیکن اصل مقصود عبادت ہے۔ تبلیغ، جہاد، تدریس اور اسلامی حکومت کا قیام اس مقصود اصلی کا ذریعہ ہیں چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“<sup>(۲)</sup>

(۱) فضائل اعمال حصہ دوم فضائل نماز حدیث نمبر ۴۸

(۲) سورة الداریات: ۵۶۔

حاصل یہ ہے کہ مقصود اصلی یہ چار عبادتیں ہیں باقی عبادتیں ان کے تابع ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ..... الخ (ص: ۳۲: سطر: ۱۰)

معلوم ہوا کہ دوسری روایت میں اَنْ يُوَحِّدَ اللّٰهُ اور يعبدو اللّٰہ سے مراد شہادتیں ہیں۔

۱۱۴۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: نَا أَبِي، قَالَ: نَا حَنْظَلَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ بْنَ خَالِدٍ، يُحَدِّثُ طَاوُسًا، أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَلَا تَغْزُو؟ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّ الْإِسْلَامَ بُنِيَ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ. (ص: ۳۲: سطر: ۱۱)

### تشریح

قوله : أَلَا تَغْزُو؟ (ص: ۳۲: سطر: ۱۱)

یعنی آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت ابن عمر کا ارکان اسلام والی حدیث سنانے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد ارکان اسلام میں سے نہیں۔ اور یہ ہر حال حالت میں فرض عین بھی نہیں۔ بلکہ خاص حالت میں فرض عین ہوتا ہے۔ لہذا اس وقت ترک جہاد پر اعتراض نہیں ہوتا چاہئے۔<sup>(۲)</sup>

### باب الامر بالایمان باللہ تعالیٰ ورسولہ وشرائع الدین

۱۱۵۔ حَدَّثَنَا حَلْفُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى -وَاللَّفْظُ لَهُ- أَنَا عَبَادُ بْنُ عَبَّادٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ وَقَدْ عَبْدَ الْقَيْسَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا هَذَا الْحَيُّ مِنْ رِبْعَةٍ، وَقَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا، وَبَيْنَكَ كُفَّارٌ مُضَرٌّ، وَلَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ، فَمَرْنَا بِأَمْرِ نَعْمَلُ بِهِ، وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا. قَالَ: أَمْرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: الْإِيمَانُ بِاللَّهِ، ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ، فَقَالَ:

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۲۹۷۔

(۲) الحل المعجم ج ۱ ص ۳۰۔



شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامَ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَأَنْ  
تُؤَدُّوا حُمْسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنَّهَا كُمْ عَنِ الدُّبَاءِ، وَالْحَتَمِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْمُقِيرِ زَادَ خَلَفَ  
فِي رِوَايَتِهِ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَعَقْدَ وَاحِدَةً (ص: ۳۳: طر: ۱: ص: ۳۳: طر: ۱)

### تشریح

قوله : عَنْ أَبِي جَمْرَةَ... (ص: ۳۳: طر: ۱)

حضرت ابو جمرہؓ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ جو عراق کا مشہور ساحلی شہر ہے۔ اور بسی اعتبار  
سے قبیلہ عبد القیس ہی کی ایک شاخ کے فرد تھے۔<sup>(۱)</sup>

اُس وقت بصرہ کی زبان فارسی تھی اور یہ عجیب بات ہے کہ جو علاقے صحابہ کرام رضوان اللہ  
تعالیٰ علیہم اجمعین نے فتح کئے تقریباً ان سب علاقوں اور ملکوں کی زبان عربی بن گئی۔ اور اب تک وہاں  
عربی زبان ہی چلی آرہی ہے۔ جیسا کہ عراق، شام، لبنان، اردن، فلسطین، مصر، سوڈان، لیبیا، تیونس،  
الجزائر اور مراکش۔ یہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی برکات تھیں۔ حالانکہ یہ تمام  
ممالک عجیب ہیں۔ ان میں سے کوئی ملک بھی سرزمین عرب کا حصہ نہیں۔ زبان کی وجہ سے اب ان  
ممالک کو بھی عرب میں شمار کیا جاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَلَهُ عَبْدُ الْقَيْسِ... (ص: ۳۳: طر: ۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ وفد سن ۸ ہجری میں فتح مکہ سے پہلے آیا تھا۔<sup>(۳)</sup>  
اور جس علاقے سے آیا تھا آج کل وہاں جو شہر آباد ہیں ان کے نام بحرین، ظہران، دمام،  
النجیر ہیں۔ یہاں ایک شہر جو اُلیٰ ہے (یہی وہ مقام ہے جہاں حرمین شریفین کے بعد سب سے پہلے نماز  
جمعہ ہوئی) اسی علاقے میں ایک بستی کا نام حجر تھا۔ جس کی کھجوریں مشہور تھیں۔ یہ مدینہ منورہ سے بہت  
دور ہے۔ اگر اونٹ پر اس سفر کو طے کیا جائے تو تقریباً ایک ماہ لگ جائے گا۔ درمیان میں ایک خوفناک  
اور طویل صحراء کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ اس علاقے کے ایک صاحب ”منقذ بن حیان“ تھے۔ جو تجارت کا  
سامان لے کر مدینہ منورہ آیا کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ

(۱) فتح الباری ج ۱ ص ۳۷۳۔

(۲) درر مسلم ج ۱ ص ۳۰۰۔

(۳) اکمال المعجم ج ۱ ص ۲۲۹۔

تشریف لائے تھے تو یہ ایک جگہ بیٹھے تھے۔ وہاں سے آپ ﷺ کا گزر ہوا تو یہ اٹھ کر آپ سے ملے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم ”منقذ بن حیان“ ہو۔ تمہارا کیا حال ہے؟ تمہاری قوم کا کیا حال ہے؟ پھر وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے نام لے کر پوچھا کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ تو یہ حیران ہوئے۔ اور اسلام لے آئے۔ اور سورۃ فاتحہ، سورۃ اقرآء باسم ربّ الذی خلق سیکھی۔ پھر جب واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے ایک تبلیغی خط ان کی قوم کے نام عطا فرمایا۔ ان کی بیوی وہاں کے سردار کی بیٹی تھی۔ سردار کا نام ”منذر“ تھا۔ منقذ نے وہاں جا کر شروع میں اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ گھر ہی میں وضو کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ان کی بیوی نے ان کے یہ اعمال و افعال دیکھے تو اپنے باپ ”منذر“ کو بتلایا کہ جب سے یہ بنرب (مدینہ) سے آیا ہے۔ اسکی حالت بدل گئی ہے۔ یہ اپنے ہاتھ منہ دھوتا ہے۔ اور کعبہ کی طرف منہ کرتا ہے، کبھی جھکتا ہے، کبھی پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے سر نے اس بارے میں ان سے بات کی۔ انہوں نے صاف صاف سارے حالات بتا دیئے۔ اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کر دیا۔ اور حضور کا نام مبارک بھی دے دیا۔ منذر فوراً اسلام لے آئے۔ اور اپنی قوم کو جمع کیا اور منقذ کے حالات بتا کر انہیں حضور کا نام مبارک سنایا۔ جس پر ان سب نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اب ضرورت تھی احکام سیکھنے کی، اس غرض سے اس وفد نے — چودہ سواروں پر مشتمل تھا — مدینہ طیبہ کا سفر کیا جب یہ وفد مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو حضور ﷺ کو بذریعہ وحی ان کے آنے کی خبر دی گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا ”اتاکم وفد عبد القیس خیر اهل المشرق“ یعنی تمہارے پاس قبیلہ عبد القیس کا وفد آرہا ہے جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِنَّا هَذَا الْحَيُّ ... (ص : ۳۳ ، سطر : ۲)

شارحین نے فرمایا ہے کہ یہاں الحی منصوب ہے تخصیص کی بنا پر،<sup>(۲)</sup> اور تخصیص کی بناء پر منصوب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ یہ فعل محذوف انحصار کا مفعول بہ ہے۔ اور یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر جملہ معترضہ ہے۔ یعنی هذا الحی نَحْصُ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے اور یہ جملہ فعلیہ جملہ معترضہ ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح النووی ص ۳۳ ج ۱ اذکمال المعلم ج ۸ ص ۸۸

(۲) کد فی فتح المعجم

(۳) درر مسم ج ۱ ص ۳۰۱

وفد عبدالقیس کے قبیلہ کا نام ربیعہ ہے، اور معزز بھی ایک قبیلہ ہے اور دونوں قبیلے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

قوله : وَلَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ ... (ص: ۳۳، سطر: ۲)

ای لا نصل الیک یعنی ہم سلامتی سے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ ... (۲، ۳۳)

اشہر حرم چار مہینہ ہیں ۱۔ ذوالقعدہ، ۲۔ ذی الحجہ، ۳۔ محرم الحرام، ۴۔ رجب، ان چار مہینوں میں اہل عرب قتال کو حرام سمجھتے تھے۔ لیکن تین ماہ مسلسل نہ لڑنا ان پر بھاری گزرتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ”نسیء“ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ اس طرح کہ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا مہینہ بغیر لڑے گزار دیتے۔ آگے محرم پر صفر کو مقدم کر کے اُس میں لڑنے کو حلال کر لیتے تھے۔ اس کے بعد محرم کو لاتے اور اس میں لڑائی سے باز رہتے، مہینوں کو اس طرح آگے پیچھے کرتے تھے تاکہ کسی طرح لڑنے کا موقع مل جائے۔<sup>(۲)</sup>

اسلام نے شروع میں ان مہینوں میں قتال کو حسب سابق حرام رکھا اور فتح مکہ تک جو رمضان سن ۸ھ میں ہوئی یہی حکم جاری تھا۔ پھر ۹ھ میں اس حکم کی منسوخی کا اعلان کیا گیا اور عرب کے مشرکین کے بارے میں یہ حکم آگیا۔

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ..... الخ<sup>(۳)</sup>

چنانچہ اس آیت کی رو سے مشرکین عرب کے لئے صرف دو حکم رہ گئے۔ ۱۔ اسلام قبول کر لیں ۲۔ یا لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ان سے جزیہ قبول نہ ہوگا۔ اور اس آیت نے اشہر حرم یعنی ان چار محترم مہینوں میں قتال کی ممانعت کو بھی ختم کر دیا۔<sup>(۴)</sup>

(۱) مراد یہ ہے کہ اپنے کافر دشمنوں کے خوف کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف اہم حرام میں ہی حاضر ہو سکتے ہیں باقی مہینوں میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۵۹۔

(۲) معارف القرآن: ج ۳ ص ۳۷۔

(۳) سورۃ توبہ آیت نمبر ۵۔

(۴) فتح الملہم ج ۱ ص ۲۵۹۔

## ایک سوال اور دو جواب

سوال:- اشہر حُرْم تو چار ہیں پھر یہاں حدیث شریف میں فی الشہر الحرام میں واحد کا صیغہ شہریوں لایا گیا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔

۱۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں شہر سے شہر کی جنس مراد ہے۔ جس میں یہ چاروں مہینے داخل ہو گئے۔<sup>(۱)</sup>

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں شہر سے بطور خاص رجب کا مہینہ مراد ہے۔ اور اس کا ایک قرینہ بھی ہے جو بیہقی کی روایت میں ہے جس میں ماورجب کی صراحت ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : مَنْ وَرَاْنَا... الخ (ص: ۳۳، سطر: ۳)

اس کے معنی ہیں جو وطن میں رہ گئے۔

قوله : آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، (ص: ۳۳، سطر: ۳) باربع کے معنی ہیں بعصا اربع یعنی چار باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

قوله : ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ، (ص: ۳۳، سطر: ۳)

سوال: الایمان باللہ مذکر ہے اور فسرها میں ضمیر مؤنث کیوں لائی گئی ہے جو ایمان باللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

جواب:- فَسَّرَهَا میں ہاء ضمیر کا مرجع الحصلة الاولى محذوف کی طرف یہ ضمیر لوٹ رہی ہے جس کی آپ نے تفسیر فرمائی۔

## سوال

یہاں ایک سوال اور ذہن میں آسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایمان کی تفسیر شہادتین سے فرمائی حالانکہ شہادتین زبان کا عمل ہے جبکہ ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں اگرچہ متباین ہیں، لیکن یہ دونوں ایک دوسرے

(۱) فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۲۔

(۲) مس الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۳۰۲۔

کو لازم بھی ہیں۔ اسی وجہ سے مجازاً ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کر لیا جاتا ہے <sup>(۱)</sup> اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں۔

قوله : خُمْسَ مَا غَنِمْتُمْ، (۳۳-سٹرا)

کفار سے جو مال حاصل کیا جاتا ہے اُس کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ جزیہ۔ جو ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔

۲۔ خراج: یہ ذمیوں کی زمینوں کا ٹیکس ہے۔

۳۔ مال فئی: جو کافروں سے بغیر لڑائی کے حاصل ہو۔

۴۔ مال غنیمت: جو کافروں سے جنگ کرنے سے حاصل ہو۔

مال غنیمت میں سے ایک خمس بیت المال کے لئے نکالا جاتا ہے۔ اور اس ایک خمس کے

مصارف سورۃ الانفال کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ“ <sup>(۲)</sup>

یہاں اس آیت میں اس خمس کا ذکر ہے باقی چار خمس مجاہدین میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

مال فئی میں سے خمس نہیں نکالا جاتا بلکہ حکومت اسلامیہ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس پورے مال

کو مصالح مسلمین میں سے جس میں مناسب سمجھے خرچ کرے۔ اس کے مصارف سورۃ حشر کی اس آیت

میں مذکور ہیں:-

”مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ“ <sup>(۳)</sup>

قوله : الذُّبَابِ، (ص: ۳۳، سٹرا: ۱)

اس کے معنی ہیں گول کدو۔ بعض اوقات کدو بہت بڑا ہوتا ہے اس کو سکھا کر اس کے اندر

سے گودا نکال کر برتن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اس میں شراب رکھی جاتی تھی۔ <sup>(۴)</sup>

قوله : وَالْحَنْتَمِ، (ص: ۳۳، سٹرا: ۱)

(۱) درج مسجع ص ۳۰۲۔

(۲) سورۃ انفال آیت نمبر ۴۱۔

(۳) سورۃ حشر آیت نمبر ۷۔

(۴) درج مسجع ص ۳۰۲۔

”الْحَنْتَم“ مطلق منکے کو بھی کہتے ہیں اور سبز رنگ کے منکے کو بھی۔ اور اس پر سبز رنگ اس لئے لگایا جاتا تھا تا کہ اس کے مسامات بند ہو جائیں نشہ جلد پیدا ہو اور تیز ہو جائے۔<sup>(۱)</sup>

قوله: وَالنَّقِيرُ، (ص: ۳۳، سطر: ۱)

یہ منقور کے معنی میں ہے یہ بھی شراب کا ایک برتن ہوتا تھا جو کسی درخت کا موٹا تنالے کر اُسے اندر سے کھود کر برتن بنا لیا جاتا تھا۔<sup>(۲)</sup>

قوله: وَالْحَقِيرُ، (ص: ۳۳، سطر: ۱)

وہ برتن جس پر قیر یا قار لگایا جائے یہ ایک قسم کا روغن ہوتا ہے جو خاص قسم کی نبات سے نکلتا ہے جسے سکھا کر، پھر جلا کر تیل نکالا جاتا تھا۔ اس کو کشتیوں پر پالش کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔<sup>(۳)</sup>  
اور لسان العرب میں ہے کہ یہ ایک قسم کا گوند ہے جو کسی نبات سے نکلتا تھا اسے پگلا کر اونٹوں کے جسم پر اور کشتیوں پر ملا جاتا تھا۔<sup>(۴)</sup>

ان چار برتنوں میں ایک مشترک بات یہ تھی کہ انکے لگانے سے برتن کے مسامات بند ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے نشہ جلدی پیدا ہوتا تھا اور نشہ بھی تیز ہوتا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وفد عبد القیس کا واقعہ حرمت خمر کے بعد کا واقعہ ہے اگرچہ نبیز جو نشہ آور نہ ہو اس کا پینا جائز تھا لیکن شروع اسلام میں ان برتنوں میں نبیز رکھنے سے بھی منع کیا گیا تھا جس کی متعدد وجوہ ہیں ان میں سے تین یہ ہیں۔

- ۱ ... ایک یہ کہ نشہ جلدی پیدا ہونے کی وجہ سے یہ خطرہ تھا کہ غلطی سے یہ نشہ والی نبیز نہ پی جائے۔
- ۲ ... جب یہ برتن گھر میں ہونگے تو شراب یا آئے گی جس سے اس کی رغبت پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔
- ۳ ... اگر یہ برتن گھر میں ہونگے تو دیکھنے والے بدگمانی کریں گے اور مواضع تہمت سے بچنا ضروری ہے۔<sup>(۵)</sup>

لیکن بعد میں ان برتنوں کے استعمال میں جب یہ مفاسد باقی نہ رہے تو آپ نے ان کے

(۱) فتح المہم ج ۱ ص ۳۶۰۔

(۲) فتح المہم ج ۱ ص ۳۶۰۔

(۳) فتح المہم ج ۱ ص ۳۶۰۔

(۴) لسان العرب ج ۱ ص ۳۶۹۔

(۵) فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۵ و مرقاۃ ج ۱ ص ۱۷۴، ۱۷۵۔



استعمال کی حرمت کو منسوخ فرما دیا چنانچہ صحیح مسلم جلد ثانی کی کتاب الاشربہ میں ایسی ناسخ حدیثیں موجود ہیں۔

قوله : وَعَقْدٌ وَاحِدَةٌ (ص: ۳۳، سطر: ۱)

اس کے معنی ہیں ”اور انگلی سے اشارہ فرمایا“ یہ گنتی کا ایک طریقہ تھا۔ جسے عقدِ انامل کہا جاتا ہے۔ اسی نام سے ایک رسالہ ہے ”عقدِ انامل“ جو دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اُس میں گنتی کے اس طریقے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور گنتی کے اس خاص طریقے سے انگلیوں کی مختلف ہیکٹوں کے ذریعے بہت بڑی بڑی گنتیاں شمار کر لی جاتی ہیں۔ تقریباً ایک ہزار تک۔

۱۱۶ - ”حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَالْفَاظِلُ بْنُ مُتْقَارِبَةَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، وَقَالَ الْأَحْرَانِ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ : كُنْتُ أَتُرْجِمُ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَبَيْنَ النَّاسِ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ، تَسْأَلُهُ عَنْ نَبِيذِ الْحَرِّ، فَقَالَ : إِنْ وَفَدَ عَبْدُ الْقَيْسِ أَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ الْوَفْدُ؟ أَوْ مَنْ الْقَوْمُ؟ ، قَالُوا : رَيْبَعَةٌ، قَالَ : مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ، أَوْ بِالْوَفْدِ، غَيْرَ خَزَايَا، وَلَا النَّدَامَى ، قَالَ : فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا نَأْتِيكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ، وَإِنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارٍ مُضِرٍّ، وَإِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِأَمْرِ فَصَلِ نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ، قَالَ : فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ، وَنَهَاَهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، قَالَ : أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَحَدُّهُ، وَقَالَ : هَلْ تَذَرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ؟ قَالُوا : اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ : شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُؤَدُّوا حُمْسًا مِنَ الْحَنْتَمِ، وَنَهَاَهُمْ عَنِ الدُّبَاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمَرْقِيتِ“ (ص: ۳۳- سطر: ۱ تا ص: ۳۵ سطر: ۳)

تشریح

قوله : حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (ص: ۳۳، سطر: ۱)

یہ روایت حضرت امام مسلمؒ نے تین اساتذہ سے سنی ہے۔

۱۔ ابوبکر بن ابی شیبہؒ ۲۔ محمد بن العثنیؒ ۳۔ محمد بن بشارؒ۔

قوله : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، (ص: ۳۳، سطر: ۲)

حضرت امام مسلم کے استاذ ابوبکرؒ اور دیگر دو اساتذہ کی روایت میں دو فرق ہیں:-

۱ ... ابوبکر بن ابی شیبہ نے محمد بن جعفرؒ کا نام لینے کے بجائے ان کا لقب غندرؒ

ذکر کیا ہے جبکہ دوسرے دو اساتذہ نے ان کا نام محمد بن جعفرؒ لے کر روایت کی ہے۔

۲ ... ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت میں غندرؒ اپنی مروی عنہ حضرت شعبہؒ سے بصیغہ عن

روایت کر رہے ہیں جبکہ دیگر اساتذہ کے طریق میں حدیث کی تصریح ہے۔

قوله : كُنْتُ أَتَرَجِمُ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ عَبَّاسٍ، (ص: ۳۳، سطر: ۲)

میں حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ترجمہ کر رہا تھا یہ واقعہ بصرہ کا ہے، بصرہ کی زبان اس

زمانے میں فارسی تھی اور حضرت ابن عباسؓ کی زبان عربی تھی، اس لئے مترجم کی ضرورت تھی اور حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس زمانے میں حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل یعنی گورنر تھے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَاتَتْهُ امْرَأَةٌ ... (ص: ۳۳، سطر: ۳)

یہ واقعہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے جبکہ کسریٰ پر فتح ہو چکی تھی۔

قوله : نَبِيْدُ الْجَرِّ، (ص: ۳۳، سطر: ۳)

”الجر“ مٹکا جس کو ”حتم“ بھی کہتے ہیں۔

قوله : تَسْأَلُهُ ... الخ (ص: ۳۳، سطر: ۳)

حضرت ابن عباسؓ نے مٹکے کے جائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ ناجائز ہونے کا حکم ثابت

کرنے کے لئے شراب کے چار برتنوں کی حرمت والی حدیث سنائی حالانکہ ان کی حرمت منسوخ ہو چکی

تھی اور نسخ احادیث مسلم شریف جلد ثانی کی کتاب الاشریہ میں موجود ہیں۔ بظاہر اسکی وجہ یہ ہے کہ

حضرت ابن عباسؓ ”کونسخ احادیث کا اُس وقت علم نہ ہوا ہوگا۔“<sup>(۲)</sup>

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۳۰۶۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۳۰۷۔

قوله : مَنْ الْوَفْدُ؟ (ص: ۳۳، سطر: ۳)

وفد ایک چھوٹی جماعت کو کہتے ہیں جو بڑی جماعت کی طرف سے نمائندہ بن کر کسی اہم مسئلہ پر بات کرنے کے لئے کسی بڑی شخصیت یا شخصیات کے پاس جائے اس کے بعد اگر جانے والا (نمائندہ) ایک آدمی ہو تو اسے وفد کہتے ہیں اس وفد کی تعداد بعض روایات میں چودہ اور بعض میں ۴۰ آئی ہے روایات کے اس اختلاف کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بڑے درجہ کے لوگ چودہ ہونگے باقی ان کے ماتحت ہونگے۔<sup>(۱)</sup>

### سوال

وفد عبدالقیس جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے بذریعہ وحی پہلے سے بتلادیا تھا سوال یہ ہے کہ پھر وفد کے لوگوں سے کیوں پوچھا: مَنْ الْوَفْدُ؟

### جواب

اس سوال کے تین جواب ہیں:-

۱ ... وحی سے معلوم تو ہو گیا تھا مگر آپ ﷺ کے پاس مختلف وفد آتے رہتے تھے، اس لئے یہ تعین نہ ہوا ہوگا کہ آیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں وحی کے ذریعے بتلایا گیا تھا یا یہ کوئی اور ہیں۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو تو معلوم ہو گیا تھا لیکن حاضرین کو بتلانے کے لئے کہ یہ وفد عبدالقیس ہے سوال فرمایا۔

۳ ... تیسرا جواب یوں ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ادب سکھانے کے لئے سوال کیا ہو کہ جب بھی نئے لوگ ملاقات کرنے کے لئے آئیں تو بہتر یہ ہے کہ گفتگو سے پہلے تعارف کر لیا جائے تاکہ اجنبیت دور ہو جائے اور مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے گفتگو ہو۔<sup>(۲)</sup>

قوله : مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ، (ص: ۳۳، سطر: ۴)

اس میں مرحبا منصوب ہے اگر صرف مرحبا ہوتا بالقوم نہ ہوتا تو یہ اتبتم فعل محذوف کا

مفعول فیہ ہوتا۔

(۱) شرح السورۃ الحجۃ ص ۳۳۔

(۲) درجہ سلم ص ۳۰۸۔

مرحب رحب کا اسم ظرف ہے اور رحب وسعت کو اور مرحب وسعت والی جگہ کو کہتے ہیں اور مرحب کا کلمہ مانوس کرنے کے لئے بولا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ تم کشادہ اور وسعت والی جگہ میں آئے ہو۔ تمہیں یہاں کوئی تنگی محسوس نہ کرنی چاہئے اور کبھی اس کے ساتھ اہلاً و سہلاً بھی کہہ دیتے ہیں اس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی (اتیم اہلاً و مکاناً سہلاً) اور کبھی اس کے ساتھ مرحباً بھی کہہ دیتے ہیں ”اہلاً و سہلاً مرحباً“ لیکن یہاں حدیث میں مرحباً کے ساتھ بالقوم بھی ہے اس لئے شارحین نے اس کی مختلف توجیہات فرمائی ہیں ان میں سے ایک توجیہ زیادہ آسان ہے وہ یہ ہے کہ مرحباً کی تقدیر عبارت یوں ہوگی (ارحب بالقوم مرحباً) یعنی میں اس قوم کو مرحباً کہتا ہوں اس صورت میں مرحباً فعل محذوف ارحب کا مفعول مطلق من غیر لفظہ ہوگا اور مرحباً ثلاثی مجرد کا مصدر مبمبی ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : خَزَايَا (ص: ۳۳، سطر: ۴)

اس کا مفرد خزیان ہے جس کے معنی ذلیل اور رسوا کے آتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : النَّدَامَى (ص: ۳۳، سطر: ۴)

ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم مرحباً کہتے ہیں اس قوم کو یا اس وفد کو اس حال میں کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر نہیں آیا اور ندامت و شرمندگی اٹھا کر بھی نہیں آیا بلکہ بخوشی آیا ہے۔

یہاں نادم کی جمع خلاف قیاس ندامی آئی ہے ورنہ نادم کی جمع نادمین آتی ہے اور ندامی ندمان کی جمع ہے لیکن خزیایا کے مشابہہ ہونے کی وجہ سے ندامی لایا گیا ہے تاکہ عبارت میں حسن پیدا ہو جیسے غداۃ کی جمع غدوات آتی ہے لیکن جب عشایا عشیۃ کی جمع کے ساتھ آئے تو اس کے ہم شکل ہونے کا اعتبار کر کے غدایا کہا جاتا ہے اور ندمان کے معنی ہیں شراب پیئے کا ساتھی لیکن یہ معنی یہاں مراد نہیں ہیں اور علامہ نوویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا ہے کہ ندمان میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ یہ نادم کے معنی میں بھی آتا ہے اس لغت کے اعتبار سے یہ جمع خلاف قیاس نہیں۔<sup>(۳)</sup>

حضور ﷺ کے ان الفاظ کے فرمانے سے یہ ادب معلوم ہوا کہ مہمان کے آنے پر ایسے کلمات کہنے چاہئیں جس سے وہ مانوس ہو جائے۔

قوله : من شقة بعيدة... (ص: ۳۳، سطر: ۴)

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۳۰۸۔

(۲) فتح المہم ج ۱ ص ۳۶۱۔

(۳) فتح المہم ج ۱ ص ۳۶۱ و شرح المنوی ج ۱ ص ۳۴۔

اس میں شِقَّة کے شین پر پیش اور اس کے نیچے زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، پیش پڑھنا زیادہ صحیح ہے، اور دور دراز کے سفروں کو شِقَّة کہتے ہیں چونکہ اُس میں مشقت زیادہ ہوتی ہے پھر مزید تاکید کے لئے بعیدہ کا لفظ بڑھا دیا حالانکہ خود شِقَّة میں بھی بعیدہ کے معنی موجود ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : إِنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ (ص: ۳۴، سطر: ۴)

اس کا متعلق حائلون یا موجودون محذوف ہے۔

قوله : كُفَّارٍ مُضْرٍ (ص: ۳۴، سطر: ۴)

یہ بھی بہت بڑا قبیلہ تھا قبیلہ ربیعہ کی طرح، اور اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔

قوله : فَمُرْنَا بِأَمْرِ فَصْلٍ (ص: ۳۴، سطر: ۴ و ص: ۳۵ سطر: ۱)

یہ یا تو فاصل کے معنی میں ہے یعنی حق و باطل کے درمیان فاصل یا پھر مفصول کے معنی میں ہے یعنی مفصلاً، یعنی آپ ایسی بات بتلائیے جو واضح اور کھلی ہو۔<sup>(۲)</sup>

قوله : نُخَبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا (ص: ۳۵، سطر: ۱)

یہ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجروم ہے اور اسے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس وقت یہ امر کی صفت ثانیہ بن جائے گی۔

### ایک سوال اور دو جواب

قوله : شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (ص: ۳۵، سطر: ۲)

سوال:۔ اجمال میں چار چیزوں کا ذکر ہے جبکہ تفصیل میں پانچ چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔

۱۔ شہادتین، ۲۔ نماز، ۳۔ زکوٰۃ، ۴۔ روزہ، ۵۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں:۔

پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں شہادتین کا ذکر محض تبرک کے طور پر ہے کیونکہ یہ وفد پہلے ہی سے

مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا لہذا شہادتین کی تعلیم کی ان کو ضرورت نہ تھی بلکہ احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اس

لئے اصل مقصود صرف چار چیزیں ہیں:۔

۱۔ نماز، ۲۔ روزہ، ۳۔ زکوٰۃ، ۴۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ۔

(۱) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۶۱۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۹۳۔

جیسے مالِ غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ...“ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر محض تبرک کے لئے ہے اس لئے اشکال کی کوئی بات نہیں۔  
 ”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ...“ (۱)

دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے شاید آپ ﷺ نے چار چیزیں ذکر کر کے فرمایا تھا اور وہی اصل اور بنیادی تھیں لیکن اس دوران آپ کو خیال ہوا ہوگا کہ مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کو بھی بیان کیا جائے کیونکہ کفارِ مضر سے ان کی جنگ ہو سکتی تھی جس میں مالِ غنیمت کا حاصل ہونا متوقع تھا۔ یہ جواب زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں کوئی تکلف نہیں ہے۔ (۲)

قوله: وَالْمُزَفَّتِ (ص: ۳۵، طر: ۲)

یعنی جس برتن میں زفت مل دیا گیا ہو مزفت یہ زفت سے ماخوذ ہے اور یہ زمین سے نکلنے والے تیل کو کہتے ہیں کذا فی لسان العرب۔ (۳) شروع میں یہ تارکول کی شکل میں ہوتا ہے پھر اُسے صاف کرنے سے پیڑول بنتا ہے اور تارکول کو کسی چیز پر ملا جائے تو اس کے مسامات بند ہو جاتے ہیں اور پچھلی روایت میں المزفت کے بجائے المقیر ہے یعنی وہ برتن جس پر قیر مل دیا گیا ہو اور قیر ایک قسم کا نہاتی تیل ہے جو گوند سے نکالا جاتا ہے اور قیر کو قار بھی کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ زفت الگ چیز ہے۔ جو زمین سے نکلتا ہے اور القیر اور القار دوسری چیز ہے۔ جو ایک قسم کے گوند سے پگھلا کر نکالا جاتا ہے کذا فی لسان العرب (۴)۔ بہر حال دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ان کو ملنے سے برتن کے مسامات بند ہو جاتے ہیں۔

۱۱۷۔ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ: نَا أَبِي، ح وَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَ جَمِيعًا: نَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ نَحْوَ حَدِيثِ شُعْبَةَ، وَقَالَ: أَنَّهُكُمْ عَمَّا يُنْبَذُ فِي الدُّبَاءِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْحَتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ۔ وَزَادَ ابْنُ مُعَاذٍ، فِي حَدِيثِهِ عَنْ أَبِيهِ. قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَشْجِ

(۱) سورۃ افعال ۴۱۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۹۳۔

(۳) لسان العرب ج ۶ ص ۵۵۔

(۴) لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۶۹۔

أَشَجَّ عَبْدُ الْقَيْسِ: إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْحِلْمُ، وَالْأَنَاةُ (ص: ۳۵، سطر: ۵۲۳)

### تشریح

قوله: لِلْأَشَجِّ (ص: ۳۵، سطر: ۵)

یہ وفد عبد القیس کے سردار حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جو قوم کے مسلمان ہونے کا ذریعہ بنے تھے ان کو اشج اس لئے فرمایا کہ ان پر شجہ کے زخم کا نشان لگا ہوا تھا<sup>(۱)</sup> اور شجہ اس زخم کو کہتے ہیں جو سر یا چہرے پر ہو۔<sup>(۲)</sup>

### فائدہ

جسمانی عیب بیان کرنے کے لئے عربی قواعد میں اُفعل کا صیغہ آتا ہے۔ جیسے اشج، اصم، ابکم، اعرج، اور احول وغیرہ۔

قوله: الْحِلْمُ (ص: ۳۵، سطر: ۵)

اس کے معنی ہیں عقل و دانائی اور بردباری۔<sup>(۳)</sup>

قوله: وَالْأَنَاةُ (ص: ۳۵، سطر: ۵)

اس کے معنی ہیں تدبیر، تحمل، انجام پر نظر رکھنا اور جلد بازی نہ کرنا۔<sup>(۴)</sup>

معلوم ہوا کہ یہ دو خصلتیں عظیم الشان ہیں ان پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو خصلتوں کو محبوب رکھتے ہیں خلاصہ یہ کہ جلد بازی اور جذباتیت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ یہ قافلہ جب مدینہ منورہ آیا اور قریب پہنچا تو وفد کے لوگ جلدی سے اندر داخل ہوئے مگر اشج عبد القیس پہلے اپنے احباب کے سامان کے پاس ٹھہرے اور اُسے جمع کیا اور اپنی اونٹنی کو باندھا اور غسل کر کے اچھا لباس پہنا اس کے بعد

(۱) المعجم ج ۱ ص ۱۷۹۔

(۲) المعجم الوسيط ج ۱ ص ۲۷۲۔

(۳) فتح المعجم ج ۱ ص ۳۶۳۔

(۴) درر مسم ج ۱ ص ۳۱۲۔



حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا پھر ان مہمانوں سے پوچھا کہ کیا آپ لوگ بیعت اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے کریں گے؟ وفد کے باقی لوگوں نے اثبات میں جواب دیا مگر اشج نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آدمی کو اپنا دین چھوڑنا سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے ہم اپنی طرف سے تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور اپنی قوم کے پاس دعوت اسلام کے لئے آدمی بھیجیں گے جو لوگ ہمارا پیغام مان لیں گے ہم ان کو اپنا سمجھیں گے اور جو لوگ انکار کریں گے ان سے جنگ کریں گے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: إِنْ فِيتْ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْحِلْمُ، وَالْأَنَاءُ۔ (۱)

۱۱۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنَا ابْنُ عُليَّةَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْ لَقِيَ الْوَفْدَ الَّذِينَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ، قَالَ سَعِيدٌ: وَذَكَرَ قَتَادَةُ أَبَا نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، فِي حَدِيثِهِ هَذَا: أَنَّ أَنَسًا مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، إِنَّا حَتَّى مِنْ رِبْعَةٍ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارٌ مُضِرٌّ، وَلَا نَقْدِرُ عَلَيْكَ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَرَمِ، فَمَرْنَا بِأَمْرِ نَأْمُرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ إِذَا نَحْنُ أَخَذْنَا بِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمْرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: اعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَآتُوا الزَّكَاةَ، وَصُومُوا رَمَضَانَ، وَأَعْطُوا الْخُمْسَ مِنَ الْغَنَائِمِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنِ الدُّبَاءِ، وَالْحَتَمِ، وَالْمُرْقَتِ، وَالنَّقِيرِ۔ قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، مَا عَلِمُكَ بِالنَّقِيرِ؟ قَالَ: بَلَى، جَذَعٌ تَنْقُرُونَهُ، فَتَقْدِفُونَ فِيهِ مِنَ الْقَطِيعَاءِ۔ قَالَ سَعِيدٌ: أَوْ قَالَ: مِنَ التَّمْرِ۔ ثُمَّ تَصْبُونَ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ حَتَّى إِذَا سَكَنَ غَلِيَانُهُ شَرِبْتُمُوهُ، حَتَّى إِنْ أَحَدُكُمْ، أَوْ إِنْ أَحَدُهُمْ لَيَضْرِبُ ابْنَ عَمِّهِ بِالسَّيْفِ قَالَ: وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ كَذَلِكَ قَالَ، وَكُنْتُ أَحْبَبُهَا حَيَاءً مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: فَفِيمَ نَشْرَبُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: فِي أَسْقِيَةِ

الْأَدَمَ الَّتِي يُلَاكُ عَلَى أَفْوَاهِهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَرْضَنَا كَثِيرَةٌ الْجِرْدَانِ، وَلَا تَبْقَى بِهَا أُسْقِيَةُ الْآدَمِ، فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَإِنْ أَكَلْتُمُهَا الْجِرْدَانِ، وَإِنْ أَكَلْتُمُهَا الْجِرْدَانِ قَالَ: وَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْجِلْمُ وَالْأَنَانَةُ. (ص: ۳۵، سطر: ۱۳۲۵)

### تشریح

قوله: مَنْ لَقِيَ الْوَلَدَ... (ص: ۳۵، سطر: ۶)

یعنی ایسے شخص نے یا ایسے اشخاص نے بیان کیا جنہوں نے وفد عبد القیس سے ملاقات کی تھی۔

قوله: قَالَ سَعِيدٌ: وَذَكَرَ قَتَادَةُ أَبَا نَضْرَةَ... الخ (ص: ۳۵، سطر: ۶)

حضرت سعید بن ابی عروبہؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت قتادہؓ نے مجھے بتایا کہ مجھے یہ حدیث ایسے لوگوں نے بیان کی ہے جو وفد عبد القیس سے ملے ہیں اور مجھے یہ حدیث ابو نضرہؓ نے عن ابی سعید بیان کی ہے۔ لیکن اس حدیث کے بیان کے وقت حضرت ابو قتادہؓ نے صراحت نہیں کی تھی کہ آیا ابو نضرہؓ بھی وفد عبد القیس کے شرکاء سے ملے تھے یا نہیں؟ اسی طرح ابو سعیدؓ بھی وفد عبد القیس کے شرکاء سے ملے تھے یا نہیں؟ یہ حضرت سعید بن ابی عروبہؓ کی انتہائی احتیاط ہے روایت حدیث میں تاکہ حضرت قتادہؓ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو حضرت قتادہؓ نے نہیں کی تھی۔<sup>(۱)</sup>

قوله: اعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (ص: ۳۵، سطر: ۸)

پچھلی روایت میں شہادتین کا ذکر ہے اس لئے یہاں بھی اس سے مراد شہادتین ہوگا۔

قوله: يَا نَبِيُّ اللَّهِ، مَا عَلِمُكَ بِالنَّقِيرِ؟ (ص: ۳۵، سطر: ۹)

یعنی وفد نے یہ سوال اس وجہ سے کیا کہ یہ برتن مدینہ منورہ میں استعمال نہیں ہوتا تھا اس لئے ان کو تعجب ہوا کہ حضور ﷺ کو اس برتن کا علم کیسے ہو گیا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۳۱۴۔

(۲) کمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۹۵۔

قوله : الْقَطِيعَاءِ (ص: ۳۵، سطر: ۱۰)

یہ چھوٹی کھجور کی ایک قسم کا نام ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : حَتَّىٰ إِذَا سَكَنَ (ص: ۳۵، سطر: ۱۰)

یہاں تک کہ جب اُبال کے بعد سکون پیدا ہو جاتا ہے اور نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

قوله : لَيَضْرِبُ ابْنُ عَمِّهِ بِالسَّيْفِ (ص: ۳۵، سطر: ۱۰)

چونکہ نشہ میں عقل کام نہیں کرتی، اچھے، برے اور اپنے، پرانے کی تمیز نہیں رہتی اور اس کے لفظی معنی ہیں کہ آدمی تلوار سے اپنے چچا کے بیٹے کو مار دیتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : قَالَ : وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ كَذَلِكَ قَالَ (ص: ۳۵، سطر: ۱۰، ۱۱)

یعنی جس کو زخم لگا تھا وہ کہتا ہے۔

قوله : وَكُنْتُ أَخْبِرُهَا (ص: ۳۵، سطر: ۱۱)

میں اس زخم کو یعنی اس کے نشان کو حضور ﷺ سے چھپاتا<sup>(۳)</sup> تھا حیا کی وجہ سے۔

قوله : الْأَدَمِ (ص: ۳۵، سطر: ۱۱)

یہ دال اور ہمزہ کے فتح کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ کھال ہے جس کی دباغت مکمل ہو گئی ہو یعنی اس سے ”چمڑا“ مراد ہے۔<sup>(۴)</sup>

قوله : الَّتِي يُلَاثُ عَلَى أَفْوَاهِهَا (ص: ۳۵، سطر: ۱۱)

یعنی وہ مشکیزے جن کے منہ کو باندھ دیا گیا ہو اس میں دو شرطیں ہیں:-

۱ ... چمڑے کا مشکیزہ ہو۔

۲ ... اس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔

وجہ یہ ہے کہ ان چار برتنوں میں نبیذ رکھنے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر ان میں نشہ پیدا ہو گیا تو جلدی سے پتہ نہ چلے گا بخلاف مشکیزے کے، اگر اس کا منہ بندھا ہوا ہوگا تو غلیان کی وجہ سے مشکیزہ

(۱) فتح المسهم ج ۱ ص ۳۶۲۔

(۲) فتح المسهم ج ۱ ص ۳۶۲۔

(۳) حاشیہ صحیح مسلم للشیخ دہلی ج ۱ ص ۲۳۔

(۴) حاشیہ صحیح مسلم للشیخ دہلی ج ۱ ص ۲۳۔

پھٹ جائے گا۔ اور اگر منہ بند نہ ہوگا تو گیس نکلتی رہے گی اور مشکیزہ نہ پھٹے گا۔ لہذا نشہ کا پتہ نہ چسے گا ہو سکتا ہے کہ نشہ والی نبیذ پی لی جائے اس لئے یہ دو شرطیں لگائیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : كَثِيرَةُ الْجُرَذَانِ، وَلَا تَبْقَى بِهَا أُسْقِيَةُ الْآدَمِ (ص: ۳۵، سطر: ۱۱)

جردان جرذ کی جمع ہے اور چوہے کو کہتے ہیں خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ اور مطلب یہ ہے کہ چوہے مشکیزے کو کھا جاتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

۱۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ : حَدَّثَنِي غَيْرٌ وَاحِدٌ لَقِيَ ذَاكَ الْوَفْدَ، وَذَكَرَ أَبُو نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُليَّةَ، غَيْرَ أَنَّ فِيهِ وَتَذْيُفُونَ فِيهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ، أَوْ التَّمْرِ وَالْمَاءِ، وَلَمْ يَقُلْ : قَالَ سَعِيدٌ، أَوْ قَالَ مِنَ التَّمْرِ (ص: ۳۵، سطر: ۱۳، ۱۴)

### تشریح

قوله : وَذَكَرَ أَبُو نَضْرَةَ... (ص: ۳۵، سطر: ۱۳)

یہ حضرت سعید کی احتیاط ہے کیونکہ ابو قتادہ نے اس کی تصریح نہیں کی کہ ابو نضرہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے وفد عبد القیس سے ملاقات کی تھی لیکن گمان یہ ہے کہ ابو نضرہ نے وفد عبد القیس کے شرکاء میں سے کسی سے ملاقات کی ہوگی کیونکہ ابو نضرہ کسی اعتبار سے عبد القیس ہی کے ایک بطن ”العوقہ“ سے تعلق رکھتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

قوله : وَتَذْيُفُونَ فِيهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ، (ص: ۳۵، سطر: ۴)

اس کے معنی ہیں کہ اور پھر تم اس میں قطیعاء<sup>(۴)</sup> ملا دیتے ہو اور قطیعاء چھوٹی کھجور کی ایک

قسم کا نام ہے۔

قوله : وَلَمْ يَقُلْ : قَالَ سَعِيدٌ، أَوْ قَالَ مِنَ التَّمْرِ (ص: ۳۵، سطر: ۱۳)

یعنی ابن ابی عدی نے سعید کے شک کا ذکر نہیں کیا جبکہ پچھلی روایت میں ابن علیہ نے اس

(۱) کمال اکمال المعجم (بالاختصار) ج ۱ ص ۹۶۔

(۲) مشارق الانوار لفقاضی عیاض ج ۱ ص ۸۵۔

(۳) فتح المہم ج ۱ ص ۳۶۵۔

(۴) فتح المہم ج ۱ ص ۳۶۵۔

کا ذکر کیا تھا۔

۱۲۰۔ ”حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ الْبَصْرِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ،  
 ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ  
 جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو قَزَعَةَ، أَنَّ أَبَا نَضْرَةَ، أَخْبَرَهُ وَحَسَنًا، أَخْبَرَهُمَا، أَنَّ أَبَا  
 سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّ وَفَدَ عَبْدُ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ، قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، جَعَلْنَا اللَّهَ فِدَاءَكَ مَاذَا يَصْلُحُ لَنَا مِنَ الْأَشْرِبَةِ؟ فَقَالَ:  
 لَا تَشْرَبُوا فِي النَّقِيرِ، قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، جَعَلْنَا اللَّهَ فِدَاءَكَ، أَوْ تَدْرِي مَا النَّقِيرُ؟  
 قَالَ: نَعَمْ، الْجِدْعُ يُنْقَرُ وَسَطُهُ، وَلَا فِي الدُّبَاءِ، وَلَا فِي الْحَنْتَمَةِ، وَعَلَيْكُمْ  
 بِالْمُوتَا“ (ص: ۳۶، سطر: ۱)

### تشریح

قولہ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ الْبَصْرِيُّ، (ص: ۳۶، سطر: ۱)  
 یہ مسلم شریف کی مشکل ترین اسانید میں سے ہے اور امتحانی مقامات میں سے ہے اہل علم نے  
 اس کے حل کے لئے بہت سی توجیہات کی ہیں لیکن ان میں سب سے آسان اور بے غبار توجیہ یہ ہے  
 کہ انہرہ کی ہضمیر مفعول کا مرجع ابو قزعة ہیں ترجمہ یہ ہے کہ یعنی ابو نضرہ نے ابو قزعة کو اور ابو  
 حسن کو خبر دی پھر اسی بات کی توضیح انہرہ سے کی ہے کہ اس ابو نضرہ نے ان دونوں یعنی قزعة  
 اور حسن کو خبر دی اور یہاں حسن سے مراد حسن بن مسلم بن یناق ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : لَا تَشْرَبُوا فِي النَّقِيرِ (ص: ۳۶، سطر: ۲)

اس حدیث میں وفد نے جائز شرابیں پوچھی تھیں اور آپ نے ناجائز شرابیں بتلائیں۔ اس  
 میں حکمت یہ ہے کہ جائز شرابیں لاتعداد ہیں۔ اگر ان کو بیان کیا جاتا تو لمبی فہرست بھی ان کے لئے کافی  
 نہ ہوتی بخلاف ناجائز شرابوں کے کہ وہ محدود ہیں۔ ان کو بیان کرنا اور یاد رکھنا آسان ہے۔ اس سے  
 ایک اصول بھی معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ آئے  
 اُسے حلال سمجھا جائیگا یعنی کسی چیز کے حلال ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، دلیل کی ضرورت

حرمت کے لئے ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : جَعَلْنَا اللَّهَ فِدَاءَكَ

(ص: ۳۶، سطر: ۳)

اس میں فداك فاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو تمام مکروہات اور تکالیف سے محفوظ رکھے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَعَلَيْكُمْ بِالْمَوْكَا

(ص: ۳۶، سطر: ۳)

یہ باب افعال او کما اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں باندھنا۔ مطلب یہ ہے کہ تم لازم پکڑ لو ایسے مشکیزوں کو جن کا منہ ڈوری سے باندھ دیا گیا ہو اور ڈوری کو دکاء کہتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

### باب الدعاء الى الشهادتين وشرائع الاسلام

۱۲۱- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبُدٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: رُبَّمَا قَالَ وَكِيعٌ: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاذًا، قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمُهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمُهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَعْيَانِهِمْ فُتَرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ“

(ص: ۳۶، سطر: ۶۵۳)

### تشریح

قوله : عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ... الخ (ص: ۳۶، سطر: ۴)

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۳۶، ۳۷۔

(۲) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۶۵۔

(۳) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۶۵۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ افقہ الصحابہ میں سے ہیں۔ اور یہاں ان کو یمن بھیجنے کا ذکر ہے۔ اور یہ واقعہ حضور ﷺ کے آخری دور کا ہے یعنی حجة الوداع سے کچھ پہلے کا ہے۔ اس میں اختلاف ہے آیا ان کو والی بنا کر بھیجا گیا تھا یا قاضی بنا کر؟ مرقات میں صراحت ہے کہ ان کو والی اور قاضی بنا کر بھیجا تھا۔<sup>(۱)</sup>

آنحضرت ﷺ ان کو رخصت کرنے لگے تو ان کو سوار کیا اور ہدایت دینے لگے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سوار ہو چکے تھے اور حضور ﷺ ان کو نئیۃ الوداع تک پہنچانے کے لئے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اس عمل کو مشایعت کہتے ہیں، یعنی مسافر کے ساتھ تھوڑی دور چلنا یہ سنت ہے۔

جب آپ ﷺ ان کو نئیۃ الوداع تک پہنچانے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف واپس ہونے لگے تو فرمایا ”اے معاذ شاید میرے موجودہ سال کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو اور شاید تم جب واپس آؤ تو میری اس مسجد اور میری قبر پر تمہارا گزر ہو۔ یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ پھر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا اور فرمایا۔ میرے سب سے قریب وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔“<sup>(۲)</sup>

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کافی عرصے بعد یمن سے اپنے فرائض انجام دینے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو حضور ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ خلافت کا نظام سنبھال چکے تھے پھر یہ ملک شام چلے گئے اور وہاں طاعون کی بیماری میں شہید ہوئے چنانچہ اردن میں اُس راستہ پر ان کا مزار ہے جو شام کو جاتا ہے۔

قوله : إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ... الخ (ص: ۳۶، سطر: ۵)

حدیث شریف کے ان الفاظ سے بعض علماء کرام نے اس پر استدلال کیا ہے کہ کفار صرف ایمان کے مکلف ہیں اعمال اسلام کے مکلف نہیں کیونکہ ان کو پہلے صرف ایمان کی دعوت دینے کی ہدایت ہے اور قبول ایمان کے بعد اعمال کی، لہذا ”فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ“ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں تو نمازوں کی دعوت ان کو نہ دی جائے۔

(۱) مرقاة ج ۷ ص ۳۰۸۔

(۲) مسند احمد ج ۳ ص ۳۶ رقم الحدیث: ۲۲۰۵۲۔



مگر امام نوویؒ، <sup>(۱)</sup> حافظ ابن <sup>(۲)</sup> حجرؒ اور علامہ شبیر احمد <sup>(۳)</sup> عثمانی رحمہم اللہ نے اس استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے جس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے، چنانچہ حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کرام کے نزدیک یہ حجت نہیں۔

دوسرے اس وجہ سے کہ دعوت میں ترتیب سے یہ لازم نہیں آتا کہ وجوب میں بھی ترتیب ہو چنانچہ نماز و زکاة میں ترتیب واجب نہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے تو اس پر زکاة بھی فرض نہ ہو حالانکہ اس حدیث میں نماز کو مقدم کر کے زکاة کی دعوت اس کے بعد دینے کی ہدایت کی ہے معلوم ہوا کہ یہاں صرف دعوت دینے میں ترتیب بیان کرنا مقصود ہے کہ سب سے پہلے سب سے اہم چیز یعنی شہادتین کی دعوت دی جائے جب وہ قبول کر لیں تو نماز کی دعوت دی جائے جب اُسے بھی قبول کر لیں تو زکاة کا حکم بتایا جائے اس طرح آہستہ آہستہ الہم فالہم حکم کی دعوت دینی چاہئے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ یکبارگی سارے احکام اسلام کی فہرست ان کو سنادی جائے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ گھبرا جائیں گے اور وہ دعوت مؤثر نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں قرآن کریم کے ارشاد ”أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ“ <sup>(۴)</sup> (ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو) کے حکم کی تعمیل کی جائے۔

قوله : تَتَّخِذُ مِنْ أَغْنِيَانِهِمْ (م: ۳۶، سطر: ۶)

ایسے ہی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”تَتَّخِذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً“ <sup>(۴)</sup>

اس سے معلوم ہوا کہ زکوة وصول کرنے کا حق امام المسلمین یعنی حکومت اسلامیہ کا ہے اصل حکم یہی ہے کہ حکومت اسلامیہ زکوة وصول کر کے مصارف زکاة پر خرچ کرے خواہ اموال ظاہرہ ہوں یا اموال باطنہ، چنانچہ عہد رسالت اور شیخینؓ کے دور خلافت میں اسی پر عمل تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں جب اسلامی فتوحات بہت دور تک پھیل گئی تھیں اور دور دراز کے ممالک بھی مسلمانوں کے زیر انتظام آ گئے اور عمال حکومت کے حالات میں تغیر کا اندیشہ ہوا تو حضرت عثمانؓ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ

(۱) شرح نووی ج ۱ ص ۳۷۔

(۲) فتح الباری ج ۳ ص ۳۵۹ کتاب الزکاة باب اخذ الصدقة من الاغنياء۔

(۳) فتح المسهم ج ۱ ص ۳۶۸۔

(۴) سورة النحل ۱۲۵۔

زکوٰۃ وصول کرنے والے عمال لوگوں کے اموالِ باطنہ سونے چاندی اور نقد کی تفتیش کریں اس لئے انہوں نے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ ادا کرنا اربابِ اموال ہی کے سپرد کر دیا کہ وہ خود یہ فریضہ انجام دیں اور صحابہ کرامؓ نے اُس سے اختلاف نہیں کیا اور اس کے بعد حضراتِ فقہاء کرامؓ کا بھی اس پر اتفاق ہو گیا کہ حکومت صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرے گی اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ اربابِ الاموال خود ادا کریں گے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَتَرَدُّ فِيْ فَقَرَائِهِمْ... الخ (ص: ۳۶، سطر: ۶)

حدیث شریف کے اس جملہ سے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ استدلال کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کو دوسرے شہر میں بلا ضرورت شدیدہ منتقل کرنا جائز نہیں اگر کسی نے منتقل کر دی تو حضرات مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور حضراتِ شافعیہ کے نزدیک ادا نہیں ہوگی الا یہ کہ مستحق زکوٰۃ یہاں مفقود ہوں اور احناف کے نزدیک اگرچہ ایسا کرنا بہتر نہیں ہے تاہم اگر دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کر دی جائے گی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup>

حضرت امام شافعیؒ "فترد فی فقرائہم کی ضمیر کا مرجع اہل یمن کو قرار دیتے ہیں جبکہ احناف کہتے ہیں کہ ہم ضمیر کا مرجع مسلمین ہے اصل عبارت اس طرح ہے (ای الی فقراء المسلمین) لہذا اس جملہ سے حضراتِ شوافع کا استدلال درست نہیں۔<sup>(۳)</sup>

### باب الامر بقتال الناس... الخ

۱۲۴ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ، وَنَفْسَهُ، إِلَّا بِحَقِّهِ

(۱) منہج فتح المہم ج ۱، ص ۳۶۹۔

(۲) عمدہ القاری ج ۹، ص ۹۲۔

(۳) دررِ مسلم ج ۱، ص ۳۲۰۔

وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللَّهِ لَأَقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ، وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللَّهُ لَوْ مَنَعُونِي عَقَالًا كَانُوا يُؤْذُونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتَهُمْ عَلَى مَنَعِهِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَوَاللَّهِ، مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ (ص: ۳۷، سطر: ۸۵۵)

### تشریح

قوله: لَمَّا تُوَفِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،... (ص: ۳۷، سطر: ۵) یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا اور عرب قبائل میں ارتداد کا فتنہ پھیلا۔ اس کے بعد اس حدیث میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کا جو مکالمہ آرہا ہے یہاں اس کا زمانہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ مکالمہ اُنہی وقت ہوا جب بہت سے قبائل عرب مرتد ہو گئے تھے یہ مقصود نہیں ہے کہ آگے اس حدیث میں جو حضرت عمرؓ کا اعتراض آرہا ہے وہ مرتدین سے جہاد کرنے کے بارے میں تھا چنانچہ مکالمہ سے خود واضح ہو جائے گا کہ حضرت عمرؓ کا اعتراض زکاۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے پر تھا مرتدین سے جنگ کرنے پر نہیں تھا۔

### ایک سوال اور ایک جواب

سوال:- یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ منکرین زکاۃ تو باجماع امت کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں کیونکہ فرضیت زکاۃ کا علم ضروریات دین میں سے ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے لہذا وہ مرتد و کافر ہوئے تو پھر حضرت عمرؓ کو ان سے قتال کرنے میں کیوں تردد ہوا؟

جواب:- جواب یہ ہے کہ اصول تکفیر میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ ضروریات دین کے منکر کو اس وقت کافر قرار دیا جائے گا جب اس حکم کا دین میں سے ہونا قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہو۔ یہاں مانعین زکاۃ کو اس بات کا تو علم ضروری حاصل تھا کہ زکاۃ اسلام کا بنیادی حکم ہے لیکن اس حکم کے ابدی اور دائمی ہونے کا علم ضروری حاصل نہیں تھا یعنی ان کو اس بات کا علم ضروری اور قطعی حاصل نہیں تھا کہ زکاۃ کی وصولی کا اختیار آنحضرت ﷺ کے بعد ان کے خلفاء کو بھی حاصل ہے اس لئے ان کو کافر کہنا درست نہ رہا۔ لہذا حضرت عمرؓ کے اعتراض کا منشاء یہ تھا کہ آپ ایسے لوگوں کے ساتھ قتال

کیوں کرتے ہیں جن کے مسلمان ہونے پر آپ کا اور میرا اتفاق ہے پھر اس دعوے پر آپ ﷺ کا ارشاد بطور دلیل ذکر کیا جس میں مسلمانوں سے قتال کرنے کی ممانعت ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَمَنْ قَالَ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ... (ص: ۳۷، سطر: ۶)

یہاں پورا کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ مراد ہے کیونکہ عرف میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پورے کلمہ کا نام اور علم ہے جیسے ثناء پوری ثناء کا نام ہے اور اَعُوذُ بِاللَّهِ پورے تعوذ کا اور بِسْمِ اللَّهِ پوری بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا نام ہے اور الحمد شریف پوری سورۃ فاتحہ کا نام ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ (ص: ۳۷، سطر: ۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا فیصلہ کرنا کہ فلاں شخص نے کلمہ دل سے پڑھا ہے یا نفاق سے؟ یہ ہمارے ذمہ نہیں بلکہ ہم تو صرف ظاہر کے مظہر ہیں اگر وہ ظاہراً کلمہ پڑھا رہا ہے اور کوئی کفر اس سے صراحۃً ظاہر نہ ہوا ہو تو اُسے مسلمان سمجھیں گے اور اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگائیں گے باقی حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله : وَاللَّهُ لَا قَائِلَ مَنْ فَرَّقَ... الخ (ص: ۳۷، سطر: ۷)

مطلب اس ارشاد کا یہ تھا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم ایک ہے تو جس طرح تارکینِ صلاۃ سے قتال کرنا بالاتفاق ضروری ہے اس طرح مانعینِ زکوٰۃ سے بھی قتال کیا جائے گا گویا آپ نے صلاۃ پر زکوٰۃ کو قیاس فرمایا اور نماز کا جو حکم تھا وہی زکوٰۃ پر لگایا۔

### ایک سوال اور جواب

سوال:- حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس جواب پر ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دعوے کی دلیل میں تو حدیث شریف پیش فرمائی تھی اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کے مقابلے میں قیاس پیش فرمایا اور یہ اصولِ فقہ کا ضابطہ ہے کہ نص کے مقابلے میں قیاس حجت نہیں۔

جواب:- یہ ہے کہ دراصل حضرت صدیق اکبرؓ نے تین دلیلیں ارشاد فرمائی تھیں۔

۱ ... ایک یہ دلیل قیاسی جو اوپر بیان ہوئی۔

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۳۲۲، ۳۲۱۔

(۲) درس مسلم ج ۲ ص ۳۲۲۔

(۳) فتح المسہم ج ۱ ص ۶، ۳۷۵۔

۲ ... دوسری دلیل آپ کا یہ ارشاد ”فان الزكاة حق المال“ یہ دلیل اس حدیث کے جملہ الا بحقہ کی بنیاد پر دی کہ آپ ﷺ نے اسی حدیث میں الا بحقہ (ای بحق قوله لا اله الا الله) یعنی الاسلام کا استثناء کر کے ایسے مواقع میں قتال کا حکم برقرار رکھا تھا یعنی جہاں اسلام کے حق کا تقاضا ہوگا وہاں قتال درست ہوگا اور زکاة اسلام کا حق مالی ہے لہذا اس کے تارکین سے بھی قتال کیا جائے یہ جواب اس مذکورہ حدیث کی بنیاد پر ہوا۔

۳ ... تیسری دلیل یہ ہے کہ جو حدیث حضرت عمرؓ نے پیش کی تھی دراصل اس میں دو جملے اور بھی تھے ایک ویقیموا الصلوٰۃ اور دوسرا ویؤتوا الزکاة یہ جملے آگے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں حضرت امام مسلمؒ نے نقل کئے ہیں (ص ۳۷ ج ۱) مگر حضرت عمرؓ کو یہ جملے یاد نہ رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ کو یاد تھے چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم<sup>(۱)</sup> میں لکھا ہے کہ سنن نسائی<sup>(۲)</sup> میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ پوری حدیث ان دو جملوں سمیت حضرت عمرؓ کو ان کے مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں سنائی تھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس حدیث مرفوع کے ان دو جملوں سے بھی قتال کے جائز ہونے پر استدلال کیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا ایک استدلال قیاس سے تھا، دوسرا اسی حدیث مرفوع کے لفظ الا بحقہ سے اور تیسرا استدلال حدیث ابن عمرؓ کے ان مذکورہ دو جملوں سے تھا۔

قوله : وَاللّٰهُ لَوْ مَنَّوْنِيْ عِقَالًا... (ص: ۳۷، سطر: ۷)

بخاری شریف کی بعض روایات میں عناقاً<sup>(۳)</sup> کا لفظ ہے جس کے معنی بکری کے بچے کے ہیں اور عقلاً کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں صاحب فتح الملہمؒ کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے اس سے مراد وہ رسی ہے جس سے اونٹ کو باندھا جاتا ہے اور دلیل میں یہ روایت نقل کی ہے ”وقد بعث النبی ﷺ محمد بن مسلمة على الصدقة وكان يأخذ مع كل فريضة عقلاً“ بہر حال عقلاً سے مراد اونٹ کو باندھنے کی رسی ہے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۷۷۔

(۲) سنن النسائی کتاب الجہاد باب وجوب الجہاد، رقم الحديث: ۳۰۹۴۔

(۳) صحيح البخاری کتاب الزکاة باب اخذ العناق فی الصدقة رقم الحديث: ۱۴۵۶۔

(۴) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۷۸۔

قوله : فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : .... أَنَّهُ الْحَقُّ (ص ۳۷ سطر: ۸)

### ایک سوال اور ایک جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بھی مجتہد مطلق تھے اور حضرت عمرؓ بھی۔ اور کسی مجتہد کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مجتہد کی تقلید کرے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی تقلید کیوں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقلید بلا دلیل مان لینے کا نام ہے جبکہ حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بات دلیل کے بعد مانی تھی تو گویا اپنے سابق اجتہاد سے انہوں نے دلیل کے بعد رجوع فرمایا نہ کہ تقلید کی بناء پر۔<sup>(۱)</sup>

### اہم فائدہ

واضح رہے کہ مانعین زکوٰۃ سے قتال کفر کی بنیاد پر نہ تھا اس لئے کہ اصول تکفیر کی روشنی میں کفر کا حکم جاری نہیں ہوتا کیونکہ یہ نو مسلم تھے اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد باقی رہنے کا ان کو علم ضروری حاصل نہ تھا لہذا یہ قتال ان کی بغاوت کی وجہ سے تھا کہ خلیفہ وقت نے جب زکوٰۃ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے نہ صرف حکم نہ مانا بلکہ اپنے اس موقف کے لئے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لہذا اب وہ باغی ٹھہرے اس لئے ان سے قتال جائز ہوا۔ چنانچہ باغیوں سے قتال کے جائز ہونے پر حضرات فقہاء نے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

۱۲۷۔ ”وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ، وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَجَسَابَتُهُمْ عَلَى اللَّهِ، ثُمَّ قَرَأَ: (إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُضْطَرٍ)“

(ص ۳۷ سطر ۱۳ تا ۱۵)

### تشریح

قوله: ثُمَّ قَرَأَ ”إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُضْطَرٍ“ (ص ۳۷ سطر ۱۵)

(۱) اكمال المعتم ج ۱ ص ۲۳۶ و شرح النووي ج ۱ ص ۴۰۔

(۲) درر مسلم ج ۱ ص ۳۲۵۔



یہ آیت ماقبل کے جملہ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ کی تفسیر یا تائید کے طور پر ذکر فرمائی ہے اور مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے زبانی اقرار پر اعتبار کر لینا کافی ہے دل کی تحقیق کرنے پر آپ کو مقرر نہیں کیا گیا۔<sup>(۱)</sup>

۱۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَسَاةٍ الْمُسَمَعِيُّ... (الی قولہ)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا، عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ، وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ“ (ص: ۳۷-۳۸ سطر ۱۵ تا ۱۷)

### تشریح

قولہ : أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا (ص: ۳۷-۳۸ سطر ۱۶)

یہاں ”الناس“ میں الف لام استغراق کا نہیں بلکہ عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد تمام کافر نہیں بلکہ مشرکین عرب مراد ہیں دنیا کے دوسرے کافروں کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ ان کے لئے یہ حکم ہے کہ ان سے جزیہ لے کر مسلمان ممالک میں رہنے دیا جائے گا۔ مگر مشرکین عرب کے لئے یہ حکم تھا کہ یا تو وہ مقررہ مدت میں جزیرۃ العرب کی سکونت چھوڑ دیں ورنہ ان سے قتال ہوگا ”حتی یشهدوا الخ“ یعنی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔<sup>(۲)</sup>

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا ہے؟

یہاں اسلام اور اہل اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض ہوتا ہے اور یہ اعتراض یورپ کے مستشرقین تقریباً گزشتہ دو سو سال سے مسلمانوں پر کر رہے ہیں۔

مستشرقین کون ہیں؟

مستشرقین میں مغربی ممالک کے وہ غیر مسلم اسکالرز اور محقق ہیں جو لوگوں کو تحقیق اور ریسرچ کے نام پر گمراہ کرتے ہیں ان کا کام یہ ہے کہ یہ علوم مشرقیہ کے اندر مہارت پیدا کرتے ہیں ان میں

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۳۷۵۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۳۲۹۔



سے کسی نے مثلاً ہندو مذہب کی تحقیق کی ہے کسی نے بدھ مذہب کے بارے میں۔ ان کے یہاں ان موضوعات پر تحقیقی کام ہوتا ہے جو لوگ یہ کام کرتے ہیں انہیں مستشرقین کہتے ہیں۔

لیکن اسلام کے بارے میں تحقیق سے ان کا مقصد حق معلوم کرنا نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، اعتراضات نکالنا اور ان اعتراضات کو اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے دنیا میں پھیلانا ان کا مقصد ہوتا ہے۔

### مستشرقین کا اعتراض

چنانچہ ان لوگوں نے اسلام پر جہاں اور بہت سے اعتراضات کئے وہاں ان میں سے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اسلام میں جہاد اس لئے مشروع ہوا ہے تاکہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے دنیا میں اسلام اپنی حقانیت اور دلائل کے ذریعے نہیں پھیلا نیز مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اسلام کی اعلیٰ فطری تعلیمات کی کشش سے بھی نہیں پھیلا بلکہ اسلام کو تلوار کے ذریعے زبردستی دنیا میں پھیلا یا گیا ہے اس سے معلوم ہوا اسلام سراسر تشدد پر مبنی ایک ظالمانہ مذہب ہے جو لوگوں کو مذہبی آزادی سے روکتا ہے اور زبردستی انہیں اپنا پیروکار بناتا ہے۔

اگرچہ یہ اعتراض گذشتہ تقریباً دو سو سال سے چل رہا ہے لیکن آج کل یہ اپنے عروج پر ہے مغربی میڈیا زہرا گل رہا ہے اور ان کے بعض مفکرین یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ قرآن انسانیت دشمنی کی تعلیم دیتا ہے اس کے اندر غیر مسلموں کے بارے میں جگہ جگہ یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ ”اقتلوہم“ اور ”قاتلوہم“ وغیرہ۔ یہ قرآن ہی ہے جو مسلمانوں کو قتل و قتال پر ابھارتا ہے اس کے اندر غیر مسلم اقوام کے لئے کوئی امن و امان نہیں ہے اس سے شاید وہ دنیا کو یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے خطرہ کو اس وقت تک ختم نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ قرآن کریم کی تعلیم کو نہیں اٹھایا جائے گا۔

### ان کے اعتراض کی ظاہر آدودلیلین

#### پہلی دلیل

ان کی اعتراض کی ایک دلیل بظاہر یہ حدیث شوالب بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے:-

”أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ،

وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ“

اگر قرآن کریم کی آیات اور قرآن و سنت کے دوسرے احکام و قواعد سے نظر ہٹا کر کوئی دنیا کو دھوکہ دینا چاہے تو وہ یہ سمجھانے کی کوشش کر سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے تین کام زبردستی کرائے جائیں گے۔

۱۔ کلمہ طیبہ کا اقرار۔ ۲۔ نماز کی پابندی۔ ۳۔ زکوٰۃ کی ادائیگی۔

جب تک پوری دنیا کے لوگ یہ تین کام نہیں کریں گے اُس وقت تک اُن سے جنگ جاری رہے گی۔

### دوسری دلیل

اسی طرح دوسری دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

”فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَأَحْصُرُوهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ“ (۱)

اس آیت کا حوالہ دے کر کوئی سیاق و سباق اور دوسری آیات سے آنکھیں بند کر کے کہہ سکتا ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار جہاں کہیں بھی ملیں انہیں قتل کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ ایمان لے آئیں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ بھی دیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تمام کفار کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل اور نماز و زکوٰۃ کے پابند نہ ہو جائیں اس وقت تک ان کی جان بخشی نہیں ہے۔

یہ اعتراض غلط فہمی اور دھوکہ دہی پر مبنی ہے

اس اعتراض کا جواب سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یاد رکھئے! یہ حدیث ہو یا مذکورہ بالا آیت جب سیاق و سباق سے جدا کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو غلط فہمی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں جس کا مقصد ہی ناواقف لوگوں کو دھوکہ دینا ہو وہ یہ کام کرتا رہے گا۔ ورنہ قرآن کریم کی جس آیت پر ان لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ ”فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ... الخ“ اس کے بعد اگلی آیت میں یہ ہے:

”وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ...“ (۱)

”اگر کوئی مشرک آپ کے پاس امن کے ساتھ آنے کی اجازت مانگے تو اسے اجازت دیدو، یہاں آنے سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے گا۔“

اس کے بعد مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے ”ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ“ پھر اس کو اس کی جائے پناہ تک پہنچا دو۔ گویا یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ امن و ایمان کے ساتھ اس کو اس کے وطن واپس بھیج دیا جائے۔

دیکھئے! اس آیت میں اس شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہے جو مسلمان نہیں ہوا کہ اس سے لڑائی نہ کی جائے۔ اور اس سے مراد وہ کافر ہے جو دیزالے کر مسلمانوں کے ملک میں آئے۔ ایسے کافر کو شرعی اصطلاح میں ”مستامن“ کہتے ہیں۔ جیسے آج کل دوسرے ممالک کے کافر دیزالے کر ہمارے ملک میں آتے ہیں تو ایسے کافروں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔ اور ان سے جنگ ہرگز نہ کی جائے گی۔ اور انہیں بحفاظت اپنے وطن بھیجنے کا انتظام کیا جائے گا۔

اسی طرح سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیت سے کچھ پہلے سورہ انفال کے پچھلے حصہ میں یہ آیت بھی ہے کہ:

”وَإِنْ حَنَظِرُوا لِلْإِسْلَامِ فَأَجْنَحْ لَهُا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ...“ (۲)

اس میں مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کر لیں۔ معلوم ہوا کہ کفار اگر اپنے کفر پر رہتے ہوئے مسلمانوں سے صلح کے طلب گار ہوں تو مسلمان اُن سے صلح کر سکتے ہیں اور ایسی صورت میں بھی ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح اس سورہ توبہ میں کچھ آگے ایک آیت یہ بھی ہے کہ:

”قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

(۱) سورہ التوبہ آیت ۶

(۲) لامعالم ۶۱

يَدٍ وَهُمْ ضَعُفُونَ...“ (۱)

اس آیت میں ”ید“ کے معنی ہیں ”طاقت“۔ اور ”عن“ سبب کے معنی میں ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ جزیہ ادا کرے اسلام کی طاقت کی وجہ سے۔ اور ”وَهُمْ ضَعُفُونَ“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے عام قانون کی پابندی کرنے کا وعدہ کر لیں (۲) تو ایسے کفار مسلمانوں کے ملک میں رہ سکتے ہیں۔ اور یہاں کے عام قوانین کی پابندی کرتے ہوئے جزیہ (ٹیکس) ادا کریں تو بھی ان سے قتال نہیں کیا جائے گا۔

### کفار سے لڑائی نہ کرنے کی چار صورتیں

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے جنگ نہ کرنے کی چار صورتیں ہیں۔

۱ ... باہم صلح ہونا۔

۲ ... استیمان۔ یعنی اجازت اور ویزا لے کر مسلمانوں کے ملک میں آنا۔

۳ ... جزیہ دینا جو ایک قسم کا ٹیکس ہے۔ جو مسلم ملک میں غیر مسلم باشندوں سے زکوٰۃ کے

بجائے لیا جاتا ہے۔ وہ ادا کر کے کافروں کا مسلمانوں کے ملک میں رہنا۔

۴ ... کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو قبول کر لینا۔

ان آیات سے یہ بات خود بہ خود واضح ہو گئی کہ قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں جس قتال کا ذکر ہے۔ اُس کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے۔ اگر زبردستی مسلمان بنانا مقصود ہوتا تو پھر نہ کفار سے صلح کی اجازت ہوتی نہ استیمان کی اور نہ جزیہ قبول کیا جاتا بلکہ جہاد اسلام کا مقصد وہ ہے جو آگے آرہا ہے۔

### جہاد کی دو قسمیں، اقدامی اور دفاعی

چنانچہ وہ کفار جن سے ہمارا نہ صلح کا معاہدہ ہے نہ وہ امان لے کر ہمارے ملک میں آئے ہیں۔ اور نہ وہ ہمارے ملک کے شہری ہیں۔ تو ہم سے جنگ کرنے میں وہ بھی آزاد ہیں۔ اور اُن سے جنگ کرنے میں ہم بھی آزاد ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جو ہم سے کسی قسم کی صلح اور معاہدہ نہیں کر رہے ان کے بارے میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ان پر نظر رکھو اگر محسوس ہو کہ یہ تمہارے لئے خطرہ بن رہے ہیں

(۱) سورۃ توبہ ۲۰ آیت ۲۹

(۲) تفسیر معارف القرآن ج ۳ ص ۳۶۲۔

تو اس سے پہلے کہ وہ واقعی خطرہ بن جائیں اُن پر غلبہ حاصل کر لو تا کہ یا تو وہ تم سے ترک جنگ کا معاہدہ کر لیں یا جزیہ دیکر تمہارے ملک میں پُدامن شہری بن کر رہنے لگیں اس کا نام ”اقدامی جہاد“ ہے۔ اور جس وقت دشمن مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائے اس وقت جواب میں جو جہاد کیا جائے گا اُس کا نام ”دفاعی جہاد“ ہے۔ اسلام میں اقدامی جہاد کی بھی اجازت ہے اور دفاعی جہاد کی بھی۔

اقدامی جہاد کی مثال غزوہ تبوک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کے لشکر جمع ہو رہے ہیں اور ان کا منصوبہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کرنے کی تیاری کا عام اعلان کر دیا اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دشمن کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور دفاعی جہاد کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ جیسے: غزوہ بدر، غزوہ احد، اور غزوہ خندق وغیرہ۔

### مشرکین عرب کے لئے قتال سے بچنے کی دو صورتیں

البتہ مشرکین عرب کے لئے قتال سے بچنے کی صرف دو صورتیں تھیں کہ یا تو وہ سورۃ التوبہ کے شروع میں بیان کی گئی مدت ”قَبَاذًا اَنْسَلَخَ الْاَشْهُرَ الْحُرْمَ... الخ“ کے اندر اندر جزیرۃ العرب سے اپنے ساز و سان سمیت کہیں اور چلے جائیں یا اسلام قبول کر لیں ورنہ انہیں قتل کیا جائیگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جزیرۃ العرب مسلمانوں کی چھاؤنی تھی اور اپنی چھاؤنی میں کوئی بھی قوم دشمن کو سکونت کی اجازت نہیں دیتی۔ دیکھئے! یہاں بھی ان کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا کہ وہ مذکورہ مدت میں چاہیں تو جزیرۃ العرب سے باہر کہیں جا کر رہیں اور حدیث باب یعنی حدیث ابن عمرؓ میں بھی ”امرت ان اقاتل الناس“ میں ”الناس“ سے مراد مشرکین عرب ہیں۔

### جہاد اسلام کا مقصد

معلوم ہونا چاہئے کہ جہاد اسلام کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ یعنی دین کو سر بلند کرنا اور اسلام کو عزت دینا، مسلمانوں کی حفاظت کرنا، اور کفر کی شوکت کا خاتمہ کرنا ہے تا کہ اسلام کو جملہ خطرات سے بچایا جاسکے۔ لہذا یورپ کے مستشرقین کا یہ اعتراض ہرگز درست نہیں کہ اسلام کو دنیا میں لکوار کے ذریعہ زبردستی پھیلایا گیا ہے۔

### اس موضوع پر ہمارے اکابر کی چند تصانیف

۱ ... یورپ کے مستشرقین نے جب اہل اسلام پر یہ اعتراض کیا تو ہمارے بزرگوں نے اس پر مفصل بحث کی۔ چنانچہ ”سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم“ میں سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اختصار و جامعیت کے ساتھ چند صفحات میں اُس کا کافی و شافی جواب دیا ہے۔

۲ ... اسی طرح شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولانا حبیب الرحمن رحمہ اللہ نے جو دارالعلوم دیوبند کے صدر اور مہتمم تھے۔ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟“ یہ کتاب ہندوستان میں اسی نام سے چھپی ہے البتہ پاکستان میں ”اشاعت اسلام“ کے نام سے چھپتی ہے۔ یہ بڑی مفصل کتاب ہے۔ اور اس میں انہوں نے واقعات اور تاریخ اسلام کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ اسلام طاقت کے زور سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے عمدہ اخلاق اور مسلمانوں کے اعلیٰ کردار کی وجہ سے پھیلا ہے۔

۳ ... شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے۔ یہ کتاب ادارۃ المعارف کراچی سے چھپ گئی ہے اس کتاب کا نام ہے ”دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا“ یعنی کافر طاقتوں نے لوگوں کو زبردستی اسلام سے روکنے کے لئے کیسے کیسے مظالم کئے ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت مستشرقین کے سوال کا الزامی جواب ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ اسلام زبردستی پھیلا یا گیا ہے حالانکہ معاملہ الٹ ہے کہ اسلام سے لوگوں کو زبردستی روکا گیا ہے اور اس کے لئے اُن پر انتہائی درجہ کا تشدد اور مظالم ڈھائے گئے ہیں مگر اس کے باوجود اسلام پھیلتا چلا گیا ہے۔ غرض کہ الحمد للہ ان اکابر رحمہ اللہ نے اس موضوع پر بڑا کافی اور شافی کلام فرمایا ہے۔ بوقت ضرورت اُس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔<sup>(۱)</sup>

### مستشرقین سے ایک سوال

یورپ کے مستشرقین کہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا ہے ہمارا ان سے ایک سوال ہے کہ آج کل یورپ کے ممالک مثلاً اٹلی، فرانس اور امریکہ وغیرہ میں کثرت سے کافر مسلمان ہو رہے ہیں۔ شاید کوئی سادہ اس سے خالی نہیں جانتا۔ بتائیے! ان پر مسلمانوں کی کون سی تلوار

چل رہی ہے۔ اور مسلمان تمہارے ملک میں جہاں تمہاری حکومت ہے ایسی کیا زبردستی کر کے ان کو مسلمان کر رہے ہیں ظاہر ہے نہ تلواریں چل رہی ہے نہ زبردستی ہو رہی ہے محض کافر اسلام کی حقانیت اور اس کی عمدہ تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو رہے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمان ہوتے رہیں گے لہذا مستشرقین کا مذکورہ اعتراض محض غلط اور بے حقیقت ہے۔

قوله: وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ (ص: ۳۷: ۱۶)

اس حدیث میں یہ دو جملے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کئے ہیں حضرت فاروق اعظمؓ کا جو مکالمہ حضرت صدیق اکبرؓ سے ہوا تھا اس میں یہ جملے حضرت فاروق اعظمؓ نے روایت نہیں کئے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ بظاہر ان کو یاد نہیں رہے تھے اگر یاد ہوتے تو وہ اشکال پیش نہ آتا جو انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے پیش کیا تھا اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

### باب الدلیل علی صحة اسلام من حضره الموت... الخ

۱۳۱۔ حَدَّثَنِي حَرَمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التَّحِيْبِيُّ،... (الی قولہ)... أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمِيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَمَّ، قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمِيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ، أَتُرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْزِضُهَا عَلَيْهِ، وَيُعِيدُ لَهُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ: هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا وَاللَّهِ لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أَنُحِ عَنْكَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَى قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْحَجِيمِ) وَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِي أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ



يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ“ (ص ۴۰ سطر ۶۱)

## تشریح

قوله : الْمُسَيَّبُ، (ص ۴۰ سطر ۱)

”یاء“ کا فتح اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ البتہ ”یاء“ کے فتح کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور ہے۔ حضرت ابوطالب کی وفات کے وقت یہ کافر تھے، شاید یہ اس مجلس میں موجود تھے جہاں حدیث باب کا واقعہ پیش آیا۔ پھر انہوں نے مسلمان ہو جانے کے بعد اسے روایت کیا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ (ص ۴۰ سطر ۱)

یعنی جب موت کا وقت قریب ہو گیا لیکن یہاں موت کے قریب ہونے سے نزاع روح شروع ہونے سے پہلے کا وقت مراد ہے کیونکہ حالت غرغره میں آدمی نہ تو صحیح طریقے سے بات کر سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے نیز حالت غرغره میں اگر کوئی ایمان لائے تو وہ قبول بھی نہیں ہوتا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۴۰ سطر ۱)

حضرت عبدالمطلب نے حضرت ابوطالب کو وصیت کی تھی کہ اپنے اس بھتیجے کو اپنے پاس رکھنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام آنے کے وقت چار چچا تھے۔

۱۔ ابوطالب ۲۔ ابولہب ۳۔ حمزہ ۴۔ عباس

ان میں سے حضرت حمزہ، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ابوطالب اور ابولہب محروم رہے<sup>(۳)</sup> اور ان میں حقیقی چچا حضرت ابوطالب تھے اسی لئے حضرت عبدالمطلب نے ان کو وصیت کی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی پرورش میں لڑکپن اور جوانی کا زمانہ گزارا یہاں تک کہ جب اسلام آیا تو دشمنوں کے مقابلے میں ابوطالب نے آپ کا کھل کر ساتھ دیا۔ اور آپ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر دشمنوں کے سوشل بائیکاٹ کو بھی بخوشی برداشت کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سب سے پہلے نعت کہنے والے بھی ابوطالب تھے۔ ان کے اشعار کو دیکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

(۱) فتح المہم ج ۱ ص ۳۳۲۔

(۲) رد المحتار ج ۳ ص ۲۳۰۔

(۳) فتح الباری ص ۱۹۶، ج ۷۔

برحق اور سچا سمجھتے تھے<sup>(۱)</sup> یعنی ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برحق ہونا معلوم تھا لیکن تصدیق قلبی یعنی جان کر مان لینا حاصل نہ تھا اور ایمان کا دار و مدار اسی پر ہے اس لئے اخیر تک انہوں نے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق نہیں کی اور کفر پر ان کا انتقال ہوا۔

قوله : يَا عَمَّ (ص: ۴۰، سطر: ۲)

یہاں اصل میں یائے متکلم محذوف ہے، یہ اصل میں یَا عَمِّ تھا جو ندا کے وقت حذف کر دی جاتی ہے۔

قوله : أَتُرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ (ص: ۴۰، سطر: ۳)

نفسیاتی حربے کے طور پر ان دونوں نے ابوطالب کو یاد دلایا کہ تم اپنے آباء اجداد کی ملت اور دین سے اعراض نہ کرو۔

قوله : يَغْرِضُهَا عَلَيْهِ (ص: ۴۰، سطر: ۳)

اس کلمہ کو یعنی کلمہ طیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب پر پیش کرتے رہے۔

قوله : الْآخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ (ص: ۴۰، سطر: ۳)

یہاں پر آخر، مفعول فیہ ہونے کی بناء پر منصوب ہے اصل عبارت یوں ہے۔ اِی فِی الْآخِرِ مَا كَلَّمَهُمْ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضروریات دین کا صرف یقین اور جاننا کافی نہیں بلکہ زبان سے اقرار اور دل سے ماننا ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شہادتین کے زبان سے اقرار کے بغیر ایمان معتبر نہیں اگرچہ تصدیق قلبی بھی حاصل ہو جائے<sup>(۲)</sup> جس کی تفصیل کتابُ الایمان کے پانچ اہم مسائل میں جسے پہلے مسئلے کے تحت آچکی ہے۔ اور ابوطالب کے ایمان میں یعنی دل سے ماننا اور زبان سے اقرار کرنا ان دونوں چیزوں کی کمی تھی اس لئے ان کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوا۔

اس حدیث سے ایک ادب معلوم ہوا وہ یہ کہ بظاہر ابوطالب نے انا علی ملة عبد المطلب کہا ہوگا لیکن راوی نے انا کے بجائے ہو کہا وجہ یہ ہے کہ انا علی ملة عبد المطلب کلمہ کفر ہے اگر راوی اس کو ذکر کرتے تو اگرچہ نقلی کفر کفر نہ باشد کے تحت یہ کفر نہ ہوتا لیکن راوی نے انا کو ہو سے

(۱) لا تصح فی مسند الصحابة، ترجمۃ ابی طالب ج ۲ ص ۱۶۲ وفتح المولود ج ۱ ص ۲۸۲۔

(۲) فتح المسند ج ۱ ص ۲۸۷۔

بدل دیا تا کہ اپنی طرف کفر کی نسبت کا وہم بھی کسی کو نہ ہو۔ چنانچہ ادب یہ ہے کہ متکلم اگر اپنی طرف کسی بری چیز کی نسبت کرے تو ناقل کو چاہئے کہ اُسے صیغہ متکلم کے ساتھ نقل نہ کرے تا کہ اپنی طرف بری چیز کی نسبت کا شبابہ بھی نہ ہو اس ادب پر ہر زبان میں عمل کیا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ“ (ص: ۴۰، سطر ۳)

بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے انتقال کے وقت نازل ہوئی حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک اُس وقت نازل ہوئی جب آپ مقام ابواء میں اپنی والدہ کی قبر پر ان کے لئے استغفار کرنے لگے اور ایک قول یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے مشرک والدین کے بارے میں استغفار کی اجازت چاہی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی لیکن ایک آیت کے نزول کے بارے میں کئی اسباب ہو سکتے ہیں خلاصہ یہ کہ اگرچہ یہ آیت ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے تاہم کہا جاسکتا ہے کہ اس کا سبب ابوطالب کا مذکورہ واقعہ بھی ہے اور والدہ کے لئے استغفار کرنے کا واقعہ بھی ہے اور بعض صحابہ کرام کا اجازت طلب کرنا بھی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (ص: ۴۰، سطر ۵)

یہاں ہدایت سے ہدایت کا راستہ بتانا اور ہدایت دینا دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

۱۳۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، ح وَحَدَّثَنَا حَسَنُ الْحُلَوَانِيُّ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ (وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ) قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ صَالِحٍ انْتَهَى عِنْدَ قَوْلِهِ: فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِ، وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّائِيَيْنِ، وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: وَيَعُودَانِ فِي تِلْكَ الْمَقَالَةِ، وَفِي حَدِيثِ مَعْمَرٍ مَكَانَ هَذِهِ الْكَلِمَةِ فَلَمْ يَزَلَا بِهِ. (ص: ۴۰، سطر: ۷، ۸)

### تشریح

قوله : غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ صَالِحٍ انْتَهَى عِنْدَ قَوْلِهِ... الخ (ص: ۴۰، سطر: ۷)

(۱) اندیاح ج ۱ ص ۱۵۶۔

(۲) فتح المصنوع ج ۱ ص ۳۸۵۔

(۳) فتح المصنوع ج ۱ ص ۳۸۵، ۳۸۶۔

حضرت صالحؑ کی روایت حضرت معمرؓ کی روایت سے دو اعتبار سے مختلف ہے۔

۱ ... ان کی روایت فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ پر ختم ہو جاتی ہے جبکہ حضرت معمرؓ نے وہ آیات بھی ذکر کی ہیں جو اُس سے پہلی روایات میں گزریں۔

۲ ... انکی روایت میں "وَيَعُودُ" ان بتلك المقالة کے الفاظ ہیں جبکہ حضرت معمرؓ کی روایت میں "المقالة" کے بجائے "الكلمة" کا لفظ ہے اور "فلم يزال به" کے الفاظ ہیں۔

۱۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ بْنُ مَيْمُونٍ، ... (الی قولہ) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ: قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"، قَالَ: لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ، يَقُولُونَ: إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ الْجَزَعُ لَا قَرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ (إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ) (ص: ۴۰، سطر: ۱۱۳۹)

### تشریح

قوله: لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ (ص: ۴۰، سطر: ۱۱۴۰)

یعنی اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ قریش مجھے عار دلائیں گے کہ اُسے دین بدلنے پر موت کے خوف نے آمادہ کیا ہے تو میں ضرور تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا یعنی کلمہ اسلام پڑھ کر آپ کو خوش کر دیتا۔

قوله: لَا أَقَرُّ بِهَا عَيْنَكَ (ص: ۴۰، سطر: ۱۱)

میں تجھے ضرور اس کلمہ سے خوش کر دیتا۔ خوشی کے لئے حضرت ابوطالب نے آنکھوں کی ٹھنڈک کو استعمال کیا وجہ یہ ہے کہ عرب میں گرمی زیادہ ہوتی تھی اس لئے وہاں عرف یہ تھا کہ پسندیدہ حالت کو ٹھنڈک سے تعبیر کرتے تھے برخلاف ایران کے کہ وہاں پسندیدہ حالت کو گرمی سے تعبیر کرتے تھے کیونکہ ایران کا علاقہ ٹھنڈا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### فائدہ

حدیث ابی طالب سے جھمیہ اور مرجئہ کا رد ہو گیا وہ اس طرح کہ جھمیہ کے نزدیک ایمان کے لئے صرف تصدیق قلبی کافی ہے۔ زبان سے اقرار کرنا ضروری نہیں۔ اور عام مرجئہ کے

نزدیک اگرچہ تصدیق قلبی ضروری ہے لیکن اقرار باللسان ان کے ہاں بھی ضروری نہیں اس واقعہ سے دونوں کی تردید ہوگئی کیونکہ ابو طالب کو اگرچہ صرف جاننے کی حد تک تصدیق حاصل تھی لیکن تصدیق بمعنی ماننا اور زبان سے اقرار کرنا حاصل نہ تھا جبکہ مسلمان ہونے کے لئے ان دونوں کا ہونا ضروری تھا جیسا کہ حدیث بالا سے ثابت ہوا۔ اس وجہ سے اُسے کافر قرار دیا گیا<sup>(۱)</sup> معلوم ہوا کہ جہمبہ اور مرجئہ دونوں مذاہب حدیث کی رو سے باطل ہیں۔

### باب الدلیل علی من مات علی التوحید دخل الجنة

۱۳۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قولہ)... عَنْ عُثْمَانَ، قَالَ: قَالَ:

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، دَخَلَ

الْجَنَّةَ“ (ص: ۴۱، سطر: ۲۱)

### تشریح

چونکہ اس باب میں آنے والی حدیث جہمبہ کی دلیل بن سکتی تھی اس لئے اہم مسلم نے پہلے ان کے مذہب کی تردید کے لئے حدیث ابو طالب ذکر کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگلی حدیث کے اندر وَهُوَ يَعْلَمُ اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے بلکہ اس میں يَعْلَمُ سے مراد یؤمن ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: وَهُوَ يَعْلَمُ (ص: ۴۱، سطر: ۲)

یہ حدیث جہمبہ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان صرف معرفت یعنی جاننے اور یقین کرنے کا نام ہے ماننے کا نام نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یعلم سے مراد یقین کر کے ماننا ہے یعنی تصدیق شرعی مراد ہے صرف تصدیق بمعنی جاننا مراد نہیں۔ قرینہ یہ ہے کہ ابو طالب کا ایمان بلاشبہ معتبر نہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا علم اور یقین اُسے بھی حاصل تھا۔

نیز اس حدیث سے مرجئہ بھی استدلال کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک نجات کلی کے لئے صرف تصدیق کافی ہے اقرار و اعمال ضروری نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے آگے اور پیچھے کی احادیث میں شہادتین کا ذکر صراحۃً

(۱) اکمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۱۱۳، ۱۱۴۔

(۲) المعجم ج ۱ ص ۱۹۷۔

مذکور ہے اس لئے اقرار باللسان بھی ضروری ہے۔ اور یہاں لفظ يعلم میں وہ تاویل کرنا ضروری ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ یعنی يعلم سے مراد یومن ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (ص: ۴۱، سطر: ۳)

اس سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہے۔

قوله : ”دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (ص: ۴۱، سطر: ۳)

جنت میں داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر اعمال اچھے ہو گئے تو دخولِ اولی ہوگا اور اگر اچھے نہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے وہ معاف بھی نہ کئے تو سزا بھگتنے کے بعد دخولِ جنت ہوگا البتہ جنت میں داخل ضروری ہوگا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا۔

۱۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ بْنُ أَبِي النَّضْرِ... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرٍ، قَالَ : فَفَئِدَتْ أَرْوَادُ الْقَوْمِ، قَالَ : حَتَّى هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ، قَالَ : فَقَالَ عُمَرُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ جَمَعْتَ مَا بَقِيَ مِنْ أَرْوَادِ الْقَوْمِ، فَدَعَوْتَ اللَّهَ عَلَيْهَا، قَالَ : فَفَعَلَ، قَالَ : فَجَاءَ ذُو الْبَرِّ بِبُرِّهِ، وَذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهِ، قَالَ : وَقَالَ مُجَاهِدٌ : وَذُو النَّوَاةِ بِنَوَاهِ، قُلْتُ : وَمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ بِالنَّوَى؟ قَالَ : كَانُوا يَمْضُونَهُ وَيَشْرَبُونَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، قَالَ : فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ حَتَّى مَلَأَ الْقَوْمُ أَرْوَادَهُمْ، قَالَ : فَقَالَ عِنْدَ ذَلِكَ : أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، لَا يَلْقَى اللَّهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فِيهِمَا، إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (ص: ۴۲، سطر: ۴۲)

### تشریح

قوله : فِي مَسِيرٍ، (ص: ۴۲، سطر: ۲)

اس کے معنی ہیں ایک سفر میں۔ اگلی روایت میں صراحت ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔

قوله : فَفَئِدَتْ أَرْوَادُ الْقَوْمِ، (ص: ۴۲، سطر: ۲)

یعنی قوم کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا ازواد، زاد کی جمع ہے۔ اس کے معنی تو شے کے

آتے ہیں، اور توشہ وہ کھانا کہلاتا ہے جو مسافر سفر میں اپنے ساتھ لے جائے۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : حَتَّى هُمْ (ص: ۴۲، سطر: ۲)

ہم کا درجہ عزم سے کم ہے اور بعض دفعہ ارادہ سے بھی اس کا درجہ کم ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ”وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا“<sup>(۲)</sup> میں ”ہم“ کا درجہ ارادہ سے بھی کم ہے۔

قولہ : حَمَائِلِهِمْ (ص: ۴۲، سطر: ۲)

حَمَائِلُ حُمُولَةٍ کی جمع ہے وزن لادنے کے جانور کو کہتے ہیں اور بعض نسخوں میں حمائل ہے اور حمائل جمع ہے حمالة کی اور وہ جمع ہے حمل کی، جیسے حجارة جمع ہے حجر کی، اور حمل کے معنی ہیں اونٹ۔<sup>(۳)</sup>

### ایک سوال اور ایک جواب

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر سفر بھوک جیسے پر مشقت سفر میں جانوروں کو ذبح کر دیا جاتا تو انتہائی سخت مشقت لاحق ہو جاتی بلکہ جانوں کو خطرہ بھی لاحق ہو جاتا کیونکہ پیدل سفر کرنا پڑتا ظاہر ہے ایسا عزم کرنا صحیح نہیں ہے جس سے خود کو یا دوسرے لوگوں کو سخت مشقت یا جان کا خطرہ لاحق ہو جائے۔ جواب یہ ہے کہ اگر جانور ذبح نہ کرتے تو بھوک سے فی الحال موت کا خطرہ تھا کیونکہ زاوراہ تو ختم ہو چکا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اھون البلیتین“ یعنی دو مصیبتوں میں سے کم درجہ کی مصیبت کو اختیار فرمایا چنانچہ یہاں دیکھئے ایک مصیبت یہ سامنے تھی کہ اونٹ ذبح کرنے کی وجہ سے جانوروں اور سواروں کی کمی ہوتی اور دوسری مصیبت یہ تھی کہ ذبح نہ کرنے سے انسانوں کی فی الحال موت واقع ہو جاتی اب ظاہر ہے کہ ان میں سے دوسری مصیبت زیادہ سخت ہے پہلی کے مقابلہ میں۔ اس لئے پہلی مصیبت کو اختیار کیا گیا اور اھون البلیتین کو اختیار کرنے کا قاعدہ مجمع علیہا ہے اس قاعدہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر کسی کشتی میں آگ لگ گئی تو علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت آگ سے جان بچانے کے لئے سمندر میں کودنا جائز ہے اور یہ خود کشتی نہیں ہے کیونکہ سمندر میں کودنے سے جان بچانے کا کچھ نہ کچھ امکان موجود ہے لیکن آگ سے بھری کشتی میں اس کا امکان نہیں ہے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) لسان العرب ج ۶ ص ۱۰۹۔

(۲) سورۃ یوسف: آیت نمبر ۲۳۔

(۳) فتح المہم ج ۱ ص ۳۸۹۔

(۴) درر مسلم ج ۱ ص ۳۳۹۔



قوله: لَوْ جَمَعْتُ (ص: ۴۲، سطر: ۲)

اگر لو تمنا کے لئے ہو تو جواب کی ضرورت نہیں اور اگر لو شرطیہ ہو تو جواب شرط محذوف ہے مثلاً لظہر برکتها أو لکان خیراً — اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بڑوں کے سامنے چھوٹے یا ادب طریقے سے کوئی مشورہ دیں یہ ادب کے خلاف نہیں۔ ہم نے اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ کرتے تھے اور الحمد للہ ہم بھی کرتے ہیں۔ اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں۔

قوله: قَالَ: فَفَعَلَ (ص: ۴۲، سطر: ۲)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی تجویز کو قبول کر لیا اور صحابہ کرامؓ کو اپنے اپنے توشے لانے کا حکم فرمایا۔

قوله: كَانُوا يَمْصُونَهُ (ص: ۴۲، سطر: ۳)

یعنی وہ گھٹلیوں کو چوستے تھے اور پانی پیتے تھے تاکہ دل بہل جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ گھٹلیوں کے چبانے سے ان سے جو ذرات نکلتے ہیں ان کو نگل لیتے ہوں اور ان سے کچھ دل بہلاتے ہوں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوَدَهُمْ (ص: ۴۲، سطر: ۳)

أَزْوَدَہُ یہ زَاد کی جمع ہے جس کے معنی توشہ کے ہیں یہاں اس سے مراد مجاز ہے یعنی ازودہ سے مراد ظروف ازودہ ہیں یعنی توشے کے برتن مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ سب نے توشے کے برتن بھر لئے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: فَقَالَ عِنْدَ ذَلِكَ (ص: ۴۲، سطر: ۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر بھی شہادتین کا ذکر جنت میں داخل ہونے کے طور پر فرمایا اُس سے مرجئہ اور جہمیہ دونوں کی تردید ہوگئی جو اقرار باللسان کو ضروری قرار نہیں دیتے ان کے مذاہب کی تفصیل کتاب الایمان کے شروع کے اصولی مسائل میں آچکی ہے۔

(۱) درہم مسلم ج ۱ ص ۳۳۰

(۲) اکمال المعلم ج ۱ ص ۳۵۶۔

۱۳۸۔ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عَثْمَانَ، ... (الی قولہ) ... عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ - شَكَّ الْأَعْمَشُ قَالَ: لَمَّا كَانَ غَزْوَةُ تَبُوكَ أَصَابَ النَّاسَ مَحَاةٌ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ أَذْنَتَ لَنَا فَتَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا، فَأَكَلْنَا وَادَّهَنَّا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: افْعَلُوا، قَالَ: فَجَاءَ عُمَرُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ فَعَلْتَ قُلَّ الظُّهْرُ، وَلَكِنْ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ أَرْوَادِهِمْ، ثُمَّ ادْعُ اللَّهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَهَةِ، لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ، قَالَ: فَدَعَا يَنْطِعُ، فَبَسَطَهُ، ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ أَرْوَادِهِمْ، قَالَ: فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِكُفِّ ذُرَّةٍ، قَالَ: وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكُفِّ تَمْرٍ، قَالَ: وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكُسْرَى حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَى النَّطْعِ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ يَسِيرٌ، قَالَ: فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ بِالْبَرَكَهَةِ، ثُمَّ قَالَ: خُذُوا فِي أَوْعِيَّتِكُمْ، قَالَ: فَأَخَذُوا فِي أَوْعِيَّتِهِمْ، حَتَّى مَا تَرَكُوا فِي الْعَسْكَرِ وَغَاءٌ إِلَّا مَلْفُوهٌ، قَالَ: فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، وَفَضَلْتُ فَضْلَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، لَا يَلْقَى اللَّهُ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ، فَيُحَبِّبَ عَنِ الْجَنَّةِ“ (مس: ۴۲، سطر: ۵، ص: ۴۳، سطر: ۴۱)

### تشریح

قولہ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ (مس: ۴۲، سطر: ۵)

یہاں حضرت امام اعمشؒ کو شک ہو رہا ہے کہ ابوصالحؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں یا حضرت ابوسعید رحمہ اللہ سے۔ لیکن اوپر طلحہ بن مصرفؒ والی سند میں تصریح ہے کہ ابوصالحؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں۔

قولہ: غَزْوَةُ تَبُوكَ (مس: ۴۲، سطر: ۵)

غزوہ تبوک مشکل ترین غزوات میں سے ہے۔ یہ سخت گرمی کے موسم میں پیش آیا۔ سفر لمبا تھا اور درمیان میں طویل اور سخت وحشت ناک صحراء واقع تھا۔

قوله : مَجَاعَةٌ (ص: ۴۲، سطر: ۵)

مَجَاعَةٌ سخت بھوک کو کہتے ہیں۔

قوله : نَوَاضِحًا (ص: ۴۲، سطر: ۵)

نواضح یہ ناضح کی جمع ہے۔ وہ اونٹنی جو پانی لا دینے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَادِّهْنَا (ص: ۴۲، سطر: ۵)

عام طور سے اس کے معنی ہوتے ہیں۔ چکنائی کی مالش کرنا۔ لیکن یہاں چکنائی کو کھانے میں استعمال کرنا مراد ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : قُلْ الظُّهْرُ (ص: ۴۳، سطر: ۱)

یعنی سواریاں کم ہو جائیں گی۔ یہاں ”الظہر“ یعنی جزو بول کر کل مراد لیا ہے۔ یعنی کمر بول کر اونٹنی مراد لی ہے۔<sup>(۳)</sup> اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خاص مزاج تھا کہ اگر صحابہ کرام کوئی بات مشورہ کہتے اور وہ آپ کے کسی مصلحت کے خلاف نہ ہوتی تو قبول فرما لیتے تھے۔

قوله : لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَ فِيْ ذٰلِكَ، (ص: ۴۳، سطر: ۱)

یہاں جعل بمعنی خلق ہے اور اس کا مفعول بہ محذوف ہے۔ ای یَجْعَلَ فِيْ ذٰلِكَ الْبَرَكَةَ۔

قوله : يَنْطَعُ (ص: ۴۳، سطر: ۲)

چمڑے کا دسترخوان۔

نَطَع میں چار لغات ہیں:-

۱ ... نون کے کسرہ اور طاء کے فتح کے ساتھ۔ نَطَعُ

۲ ... نون کے کسرہ اور طاء کے سکون کے ساتھ۔ نَطَعُ

۳ ... نون اور طاء دونوں پر فتح ہو۔ نَطَعُ

۴ ... نون پر فتح اور طاء کو ساکن پڑھیں۔ نَطَعُ

(۱) مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۳۹۔

(۲) فتح المصنوع ج ۱ ص ۳۹۰۔

(۳) سواریوں کو ظہر سے تعبیر فرماتے کے وجہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ ان سواریوں کی کمر پر سواری کی جاتی ہے جس لئے ان کو ”ظہر“ کہا جاتا ہے یا جس وجہ سے ان کے ذریعہ سفر کے سلسلے میں مدد حاصل کی جاتی ہے۔ (فتح المصنوع ج ۱ ص ۳۹۰)

لیکن ان میں سب سے پہلی لغتِ نطع سب سے زیادہ فصیح ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَجَعَلَ (ص: ۴۳، سطر: ۲)

جعل افعال شروع میں سے ہے۔ اور افعال شروع کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ اس کا ترجمہ اردو میں لگایا گئے کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ لگا مفرد کی صورت میں اور ”لگے“ جمع کی صورت میں۔

قوله : يَكْفُ ذُرَّةَ (ص: ۴۳، سطر: ۲)

ذرة جوار کی طرح کا غلہ ہوتا ہے۔ ہندی زبان میں اس کو چینا کہتے ہیں۔ یہ جوار کے مشابہ ہوتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : بِكُسْرَةٍ (ص: ۴۳، سطر: ۲)

روٹی وغیرہ کا ٹکڑا۔

قوله : فَضَلْتُ فَضْلَةً (ص: ۴۳، سطر: ۳)

پھر بھی تھوڑا سا بچ گیا۔ فَضَلْتُ میں ضاد کا کسرہ اور فتح دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ اور فَضْلَةً میں فاء مفتوح ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله : فَيُخَجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ (ص: ۴۳، سطر: ۴)

یعنی ایسا نہ ہو کہ شہادتین کا اقرار بھی ہو اور جنت میں داخل ہونے سے محرومی بھی ہو یعنی یہ دونوں چیزیں جمع نہ ہوگی ایمان کی وجہ سے اولاً یا آخراً جنت میں ضرور جائے گا۔

۱۳۹۔ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رَشِيدٍ،... (الی قوله)... عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ، وَابْنُ أُمِّتِهِ، وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ، وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ، وَأَنَّ النَّارَ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللَّهُ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الشَّمَانِيَةِ شَاءَ“ (ص: ۴۳، سطر: ۶۴۴)

تشریح

قوله : حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رَشِيدٍ (ص: ۴۳، سطر: ۴)

(۱) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۱۷۔

(۲) فتح المصنوع ج ۱ ص ۳۹۔

(۳) درر مسموع ج ۱ ص ۳۳۳۔

رشید راء کے ضمہ اور شین کے فتح کے ساتھ ہے۔<sup>(۱)</sup>

ان احادیث سے جہمیہ اور مرجئہ کی تردید ہو رہی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے اقرار باللسان بھی جنت میں داخل ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔

### ایک سوال اور ایک جواب

کیا اقرار باللسان میں ان چیزوں کا اقرار بھی ضروری ہے؟ یعنی الجنة حق والمار حق وان عیسیٰ عبد اللہ وابن امہ و کلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ۔ ان چیزوں کا اقرار ضروری ہے یا نہیں؟

### جواب

اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ عام حالات میں تو ان چیزوں کا اقرار شرط ایمان نہیں البتہ اگر کوئی عیسائی مسلمان ہوگا تو اسے ان عیسیٰ عبد اللہ کا اقرار کرنا ہوگا۔ اسی طرح جو یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ مانتا تھا اس کو حضرت عزیر علیہ السلام کے رب ہونے سے برأت ظاہر کرنی ہوگی اور بت پرستوں کو بتوں سے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَكَلِمَتُهُ الْقَاهَا (ص: ۴۳، ط: ۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ حضرت مریم علیہا السلام کی گود میں کلام کیا تھا اس وجہ سے مبالغہ کے طور پر خود انہیں کلمہ کہا گیا ہے۔ جیسے زید عدل میں ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی ولادت خلاف عادت کلمہ کُن سے ہوئی اور اگرچہ دوسرے انسان بھی کلمہ کُن سے پیدا ہوتے ہیں بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کی ولادت اسباب عادیہ (عام اسباب) سے ہٹ کر ہوئی۔<sup>(۳)</sup>

قوله : وَرُوحٌ مِنْهُ... (ص: ۴۳، ط: ۵)

یہاں ”من“ تبعیض کا نہیں ہے ورنہ شرک ہو جائے گا۔ کیونکہ پھر اس کے معنی ہونگے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح یعنی اس کا جزو ہیں۔ بلکہ یہ ”من“ ابتدائیہ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ

(۱) مکمل اكمال الاكمال ج ۱ ص ۱۱۷، ۱۱۹۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۳۳۳، ۳۳۴۔

(۳) الدیاج ج ۱ ص ۱۵۹۔

روح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ یا ”من“ سببہ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ روح اللہ تعالیٰ کے حکم و ارادہ کی وجہ سے آئی ہے۔

اگرچہ ہر روح خواہ عام اسباب کے تحت آئے وہ من جانب اللہ ہی آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے سے آتی ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی روح عام اسباب سے ہٹ کر آئی تھی اس خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لئے ان کو ”روح منہ“ فرمایا گیا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَدْخَلَهُ اللَّهُ... الْجَنَّةَ (ص: ۴۳، سطر: ۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی ہیں ایمان کے ساتھ یعنی مومن کامل ہے تو جنت میں دخولِ اولیٰ ہوگا اور اگر مومن عاصی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بخشش فرمادی تب بھی دخولِ اولیٰ ہوگا۔ اور اگر بخشش نہ فرمائی تب بھی سزا بھگتنے کے بعد ایمان کی وجہ سے آخر کار جنت میں ضرور داخل ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : عَلَى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ (ص: ۴۳، سطر: ۷، ۸)

اس جملے کے تین مطلب ہو سکتے ہیں:-

۱ ... اس میں ”علی“ مع کے معنی میں ہو، ای ”مع ما کان من عمل“ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کا عمل اچھا ہو یا برا ہر حال میں جنت میں جائیں گے یعنی اگر اچھا عمل ہوگا تو دخولِ اولیٰ نصیب ہوگا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ نے گناہ معاف نہ فرمائے تو سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جانا ہوگا۔

۲ ... اس میں علی سببہ ہو۔ تو اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا بسبب ان اعمال صالحہ کے جو وہ کرتا تھا۔

۳ ... تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے اعمال میں جس عمل کا غلبہ ہوگا اس کی وجہ سے اسی کے مطابق اس کا اکرام ہوگا۔<sup>(۳)</sup> مثلاً اگر روزوں کا غلبہ ہے تو جنت میں باب الریان سے داخل ہوگا۔ وغیرہ

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۴۳ والمعجم ج ۱ ص ۲۵۱۔

(۲) دررِ مسلم ج ۱ ص ۳۳۳۔

(۳) فتح الملہم ج ۱ ص ۳۹۱۔

۱۴۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ... (الی قولہ)... عَنْ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، عَنْ الصَّنَابِجِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ، فَبَكَيْتُ، فَقَالَ: مَهْلًا، لِمَ تَبْكِي؟ فَوَاللَّهِ لَئِنْ اسْتَشْهِدْتُ لِأَشْهَدَنَّ لَكَ، وَلَئِنْ شَفَعْتُ لِأَشْفَعَنَّ لَكَ، وَلَئِنْ اسْتَطَعْتُ لِأَنْفَعَنَّكَ، ثُمَّ قَالَ: وَاللَّهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمْ بِهِ، إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ أُحَدِّثُكُمْ بِهِ الْيَوْمَ، وَقَدْ أُحِيطَ بِنَفْسِي، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ (ص ۴۳، سطر: ۹۷۷)

### تشریح

قولہ : دَخَلْتُ (ص ۴۳، سطر: ۷)

یہ حضرت صنابجیؒ کہہ رہے ہیں۔ کہ میں حضرت عبادۃ بن الصامتؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

قولہ : وَلَئِنْ شَفَعْتُ (ص ۴۳، سطر: ۸)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر انبیاء کے لئے بھی سفارش کا امکان ہے بلکہ دوسری روایات میں شفاعت کی صراحت موجود ہے۔ مثلاً حاجی اور حافظ قرآن کا اپنے گھر والوں کے لئے۔ اور جو بچہ بچپن میں مر گیا ہو اس کا اپنے والدین کے لئے شفاعت کرنا احادیث سے ثابت ہے۔

قولہ : لِأَنْفَعَنَّكَ (ص ۴۳، سطر: ۸)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو مردوں سے بھی زندوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں عقلاً و شرعاً اس کا امکان موجود ہے اور جب امکان ہے تو یہ کہنا جائز ہے کہ یا اللہ مجھے فلاں بزرگ میت کے فیوض و برکات سے فائدہ عطا فرما اور اولیاء اللہ کی قبروں پر برکت حاصل کرنے کے لئے جانا ہمارے بزرگوں سے ثابت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ددا سے پتھر سے شربت سے فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو وہ قادر مطلق کسی اللہ والے بزرگ کے ذریعہ بھی فائدہ پہنچا سکتے ہیں، مگر ہر حال میں یہ لازم ہے کہ معطی حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو جانے اور مانے۔



قوله : وَقَدْ أَحْبَبْتُ بِنَفْسِي (ص: ۴۳، سطر: ۹)

یعنی موت نے میری جان کا احاطہ کر لیا ہے یعنی اب موت کا وقت بالکل قریب ہے اور کسی خاص مصلحت کی وجہ سے اب تک یہ حدیث نہیں سنائی تھی اور غالباً وہ مصلحت یہ تھی کہ اس حدیث میں جو بشارت دی گئی ہے لوگ اس کے محض ظاہری معنی پر مطمئن ہو کر عمل سے غافل نہ ہو جائیں۔ لیکن اب سنارہا ہوں تاکہ بلغوا عنی ولو آیت پر عمل ہو جائے اور علم کو چھپانا لازم نہ آئے۔

قوله : حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ (ص: ۴۳، سطر: ۹)

بظاہر یہ حدیث مرجحہ کی دلیل ہے امام مسلمؒ نے کتاب الایمان میں احادیث لانے میں کی جو ترتیب رکھی ہے یہ ایک خاموش مناظرہ ہے چنانچہ پہلے وہ ایسی احادیثیں بھی لاتے ہیں جن سے باطل فرقوں نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے مگر ساتھ ہی وہ حدیثیں ذکر کرتے ہیں جن سے ان کا استدلال باطل ہو جاتا ہے اور شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے اس حدیث سے مرجحہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس میں لفظ ”النار“ میں الف لام عہد خارجی کا ہے۔ اس میں النار سے مراد وہ جہنم ہے جو کفار کے لئے ہے یعنی جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا کفار کے لئے ہوگا مومن کے لئے نہ ہوگا۔ واللہ اعلم<sup>(۱)</sup>

اس کا ایک جواب شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے اس طرح دیا ہے کہ اس حدیث میں کلمہ طیبہ کی تاثیر کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن کسی چیز کی تاثیر کا پایا جانا دو چیزوں پر موقوف ہوتا ہے:-

۱۔ شرائط کے پائے جانے پر ۲۔ رکاوٹوں کے دور ہونے پر

کلمہ طیبہ کی تاثیر اصلی یہی ہے کہ اس کی وجہ سے ہر قسم کی جہنم کی آگ مکمل طور پر حرام ہو۔ لیکن اس کی یہ تاثیر اس وقت ظاہر ہوگی جب اس کی شرائط پائی جائیں مثلاً کلمہ طیبہ کے مطابق اعمال صالحہ بھی ہوں اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے طب کی کتابوں میں دواؤں کی تاثیر لکھی ہوتی ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کا علاج ہے اور فلاں دوا فلاں مرض دور کرتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان دواؤں کا نفع اور اثر اس وقت ہوگا جب ان کا استعمال طبی شرائط کے مطابق اور پرہیز کے ساتھ ہو۔

زندگی بھر حدیث نہ سنانے کی وجہ

حضرت عبادۃ بن صامتؓ نے زندگی بھر یہ حدیث لوگوں کو نہیں سنائی کہ کہیں لوگ اس کا

ظاہری مفہوم مراد لے کر اعمالِ صالحہ ترک نہ کر دیں لیکن بوقتِ موت علم کو چھپانے کے گناہ کے خوف سے بعض لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ عالم دین کو ایسی بات عوام کے سامنے نہیں کرنی چاہئے جس سے وہ غلط فہمی کا شکار ہوں اگرچہ وہ بات فی نفسہ حق ہو۔

۱۴۲۔ حَدَّثَنَا هَذَابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ... (الی قولہ)... عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: كُنْتُ رِذْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ، فَقَالَ: يَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللَّهِ، وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: يَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: يَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ: قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنْ حَقُّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ، وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: يَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللَّهِ، وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ (ص: ۴۳، سطر: ۴۲۱)

### تشریح

قولہ: كُنْتُ رِذْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص: ۴۳، سطر: ۱)  
سوار کے پیچھے جو شخص بیٹھتا ہے اُسے رِذْفَ کہتے ہیں اور ”رذیف“ بھی کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ (ص: ۴۳، سطر: ۱)

اس میں مبہم پر ضمیمہ ہے اس کے بعد ہمزہ ساکن ہے اور خاء کے نیچے کسرہ ہے اور یہی لغت صحیح ہے۔ رحل کے معنی ہیں کجاوہ اور مؤخرۃ الرحل کے معنی وہ لکڑی جو سوار کے پیچھے ہوتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: يَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ (ص: ۴۳، سطر: ۱)

(۱) المعجم الوسيط ج ۱ ص ۳۳۹۔

(۲) شرح السویتی ج ۱ ص ۴۴۔

## حضرت معاذ کو آواز دینے کی وجہ

## سوال

سوال یہ ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آواز دینے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ حضرت معاذ بالکل قریب اور پیچھے ہی بیٹھے تھے کوئی تیسرا بھی موجود نہ تھا۔

## جواب

جواب یہ ہے کہ پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے نام لے کر آواز دی۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خاص انداز ہے جب کسی عظیم الشان چیز کو بیان کرنا مقصود ہوتا تو سامع کو مکمل طور پر متوجہ کرنے کے لئے آپ مختلف انداز اختیار فرماتے تھے۔ یہاں تین مرتبہ آواز دی اگرچہ پہلی آواز میں حضرت معاذ بن جبل متوجہ ہو گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دے کر خاموشی اختیار فرمائی پھر آواز دی، اس طرح تین دفعہ کیا تا کہ پوری طرح متوجہ ہونے کے ساتھ ان کے اندر آئندہ بیان ہونے والی بات کو سننے کا شوق پیدا ہو۔ اس لئے کہ جو بات شوق اور توجہ سے سنی جائے وہ دل پر زیادہ اثر کرتی ہے پھر تین مرتبہ آواز دینے کے بعد بھی فوراً کوئی بات نہیں بتلائی بلکہ پہلے سوال کیا یہ مزید توجہ بڑھانے کے لئے تھا اور اس پورے انداز کلام سے یہ اشارہ فرمانا مقصود تھا کہ آگے تم کو جو بات بتلائی جائے گی وہ بہت اہم ہے اور اسے معمولی نہ سمجھا جائے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَنْ يَعْبُدُوهُ (ص: ۴۴، سطر: ۳)

اس میں شیفاً منصوب ہے جس میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ یہ مفعول بہ ہو لا یشرکوا کا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ یہ مفعول مطلق ہو۔ اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ اور تقدیر عبارت

یوں ہوگی لا یشرکوا بہ اشراک شیء۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی قسم کا شرک نہ کریں۔ اس

دوسری صورت میں شرک کی تمام اقسام کی نفی ہوگی۔ جبکہ پہلی صورت میں اصل شرک کی ہی نفی ہوگی۔

یعنی بالکل شرک مت کرو۔ اور اقسام شرک سے سکوت ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) کمال اکمال المعلم (بالاعتصاف) ج ۱ ص ۱۲۸-۱۲۹۔

(۲) درر مسلم ج ۱ ص ۳۳۹۔

## ایک سوال اور دو جواب

یہاں بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی پانچ بڑی بڑی قسمیں ہیں:-

۱۔ اعتقادات ۲۔ عبادات ۳۔ معاملات ۴۔ معاشرت

۵۔ اخلاقی باطنہ۔ ان میں عبادات کل دین کا پانچواں حصہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے پورے دین پر عمل کریں نہ کہ صرف عبادات کو بجالائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عبادات کا ذکر کیوں فرمایا؟

## جواب

اس کے دو جواب ہیں:

۱ ... یہاں عبادات طاعات کے معنی میں ہیں اور طاعت کے معنی میں اوامر کو بجالانا اور نواہی سے اجتناب کرنا، دونوں داخل ہیں۔ لہذا عبادات پورے دین کو شامل ہو گئیں۔

۲ ... یہاں عبادات سے عبادات ہی مراد ہیں اس لئے کہ اصل مقصود انسان کی پیدائش سے عبادات کو ادا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ (۱) باقی چیزیں مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہیں لیکن چونکہ یہ عبادات کے ذرائع اور لوازم میں سے ہیں اس لئے ضمنا وہ بھی اس میں آگئیں۔

اس جواب سے دور حاضر کے اس نظریہ کی تردید ہوگئی کہ اسلام میں اصل مقصود اسلامی حکومت کا قیام ہے عبادات وغیرہ اس مقصود کے واسطے صرف بطور ذریعہ کے فرض کی گئی ہیں۔ جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم کی بعض تحریروں سے ان کا نظریہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس حدیث سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ (۲)

۱۴۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ... (الی قولہ)... عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ:

كُنْتُ رِذْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ، يُقَالُ لَهُ: عُفَيْرٌ، قَالَ:

فَقَالَ: يَا مُعَاذُ، تَذَرِي مَا حَقَّ لِلَّهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ؟ قَالَ:

قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللَّهَ، وَلَا

(۱) سورة الدارجات: ۵۶۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۳۳۹-۳۵۰۔

يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَا يُعَذَّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ، قَالَ: لَا تُبَشِّرُهُمْ فَيَتَكَلَّوْا (ص: ۴۴، ص: ۷۴۳)

## تشریح

### ایک تعارض کا ازالہ

قوله: عَلَى حِمَارٍ (ص: ۴۴، سطر: ۵)

## سوال

پچھلی روایت میں مؤخرۃ الرحل کا ذکر ہے اور رحل اونٹ پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سواری اونٹ پر تھی۔ جبکہ اس حدیث میں علی حمار ہے یعنی گدھے پر سواری تھی یہ بظاہر تعارض ہے۔

## جواب

پچھلی حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اونٹنی پر سواری تھی بلکہ اُس میں مؤخرۃ الرحل کا ذکر ہے جس سے مراد قدْر مؤخرۃ الرحل ہے یعنی کجاوہ کی پچھلی لکڑی کے بقدر جس سے فاصلے کی مقدار کی کمی کو بتلانا مقصود ہے اگرچہ سواری گدھے پر ہی تھی۔<sup>(۱)</sup>

قوله: فَيَتَكَلَّوْا (ص: ۴۴، سطر: ۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس بشارت پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل میں سست ہو جائیں گے اور یہ لفظ فیتکلو اصل میں فیتکلون تھا لیکن حالت نصی میں ہونے کی وجہ سے فون جمع متکلم گر گیا ہے اس لئے فیتکلو ہوا۔<sup>(۲)</sup>

۱۴۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قوله)... عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مُعَاذُ، أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ؟

قَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ يُعْبَدَ اللَّهُ وَلَا يُشْرَكَ بِهِ شَيْءٌ، قَالَ: أَتَدْرِي مَا

(۱) سننہ ج ۱ ص ۲۰۲، ۲۰۳ و اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۲۱۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۲۵۱۔

حَقُّهُمْ عَلَيْهِ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ؟ فَقَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَلَا يُعَذَّبُهُمْ

(ص: ۲۳، سطر: ۹۷۷)

## تشریح

قوله: أَتَذَرِي مَا حَقُّهُمْ عَلَيْهِ (ص: ۲۳، سطر: ۹۷۸)

### مشہور اختلافی مسئلہ

یہ مشہور مسئلہ ہے جو اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر عقل کی مطابقت اور زیادہ اچھے کام کی رعایت واجب ہے۔ گویا معتزلہ نے اللہ تعالیٰ پر عقل کو حاکم قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں یہ ارشاد ہے کہ حق العباد علی اللہ أن لا يعذبهم۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ بندوں کو عذاب نہ دیں۔

## جواب

جواب یہ ہے کہ واجب کے لئے موجب کا ہونا ضروری ہے لیکن وہ موجب عقل نہیں ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات موجب ہے یعنی خود اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے اوپر اور بھی کئی چیزوں کو واجب کر رکھا ہے مثلاً خلاف وعدہ نہ کرنے کو واجب کر رکھا ہے اور ہر جاندار کا رزق اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ ارشاد باری ہے:-

”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا“ (۱)

اسی طرح ایسے لوگوں کو عذاب نہ دینا بھی اپنے اوپر واجب فرمایا ہے اور یہ واجب فرمانا ازراہ مہربانی ہے جسے وجوب تفضلی کہتے ہیں۔ (۲)

۱۴۶۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ... (الی قوله)... حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَعَنَا أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا، فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا، وَخَشِينَا أَنْ

(۱) سورہ زمرہ، آیت نمبر ۶۰

(۲) فتح الملہم ج ۳ ص ۳۹۲ (بالا خفصلار)

يُقْتَطَعُ دُونَنَا، وَفَرَعْنَا، فَقُمْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَرَغَ، فَخَرَجْتُ أَبْتَغِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَارِ، فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ أَبًا؟ فَلَمْ أَجِدْ، فَإِذَا رَيْعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بَطْرِ خَارِجَةٍ - وَالرَّيْعُ الْجَدُولُ - فَاحْتَفَزْتُ، فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ: كُنْتُ بَيْنَ أَظْهَرِنَا، فَقُمْتُ فَأَبْطَأْتُ عَلَيْنَا، فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا، فَفَرَعْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَرَغَ، فَأَتَيْتُ هَذَا الْحَائِطَ، فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلُبُ، وَهُوَ لَا يَرَى النَّاسَ وَرَأَيْ، فَقَالَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ، قَالَ: أَذْهَبُ بِنَعْلَيْ هَاتَيْنِ، فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيَقِنًا بِهَا قَلْبُهُ، فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيتُ عُمَرُ، فَقَالَ: مَا هَاتَانِ النُّعْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ فَقُلْتُ: هَاتَانِ نَعْلَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيَقِنًا بِهَا قَلْبُهُ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ، فَضَرَبَ عُمَرُ بِيَدِهِ بَيْنَ نَدْيَيْ فَخَرَرْتُ لِاسْتَيْ، فَقَالَ: ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، فَارْجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجْهَشْتُ بُكَاءً، وَرَكِبَنِي عُمَرُ، فَإِذَا هُوَ عَلَى أَلْرِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قُلْتُ: لَقِيتُ عُمَرَ، فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثَنِي بِهِ، فَضَرَبَ بَيْنَ نَدْيَيْ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاسْتَيْ، قَالَ: ارْجِعْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عُمَرُ، مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، بِأَبِي أَنْتَ، وَأُمِّي، أَبْعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ، مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيَقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَكَلَّ النَّاسُ عَلَيْهَا، فَخَلَّاهُمْ يَعْمَلُونَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَخَلَّاهُمْ

(ص: ۴۳، سطر: ۱۰ تا ص: ۴۶، سطر: ۲)

تشریح

قوله: أَنْ يُقْتَطَعَ دُونَنَا، (ص: ۴۵، سطر: ۱)



اس کے معنی ہیں یعنی دشمن آپ کو ہم سے جدا کر دے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک آیت ”وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ“ (۱) نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت ابوہریرہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ لاحق ہوا (۲) اور اس حدیث سے یہ ادب بھی معلوم ہوا کہ شاگردوں اور مریدین کو اپنے اساتذہ اور مشائخ سے وابستہ رہنا چاہئے اور ان سے باخبر رہنا چاہئے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ ہر وقت اُن سے لگا رہے۔ جس سے ان کو تکلیف ہو۔

قوله : فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَرَغَ (ص: ۴۵، سطر: ۱)

یہ تحدیثِ نعت کے طور پر بتلایا۔ (۳)

قوله : حَائِطًا (ص: ۴۵، سطر: ۱)

در اصل حائط دیوار کو کہتے ہیں لیکن باغ کو بھی حائط کہہ دیتے ہیں اس لئے کہ اس کی بھی چھت کے بغیر صرف دیواریں ہوتی ہیں۔ (۴)

قوله : لِبَنِي النَّجَارِ (ص: ۴۵، سطر: ۲)

یہاں بنی النجار بدل ہے للأنصار سے۔ اور یہ قبیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیال تھا۔ (۵)

قوله : هَلْ أَجِدُ لَهُ بَابًا؟ (ص: ۴۵، سطر: ۲)

یعنی دل میں کہتے ہوئے کہ اس باغ کا کوئی دروازہ ہے یا نہیں؟ لیکن باوجود تلاش کے حضرت ابوہریرہؓ کو دروازہ نظر نہیں آیا۔ بظاہر اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔

۱ ... حضرت ابوہریرہؓ پریشانی اور جلدی کے عالم میں تھے۔ ایسی حالت میں عموماً دیکھنے میں خلل ہو جاتا ہے۔ (۶)

(۱) سورة العائدة، ۶۷۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۲۲۔

(۳) درہ مسلم ج ۱ ص ۳۵۳۔

(۴) السیاح ج ۱ ص ۱۶۲۔

(۵) درہ مسلم ج ۱ ص ۳۵۳۔

(۶) السجل المعلم ج ۱ ص ۳۰۔

۲ ... باغات کے دروازے معروف صفت کے نہیں ہوتے۔ بلکہ دیوار یا جھاڑیوں وغیرہ کے درمیان خلاء پیدا کر کے اُگنے والی کسی چیز سے دروازہ بنالیا جاتا ہے۔ اس انداز کے دروازہ کا پتہ لگانا عموماً ذرا مشکل ہوتا ہے۔

قوله : بَشْرٌ خَارِجَةٌ (ص: ۴۵، سطر: ۲)

لفظ خارجہ میں تین احتمال ہیں۔

۱ ... بشر خارجہ یہ بشر کی صفت ہو یعنی ایسا کنواں جو باغ سے باہر تھا۔

۲ ... بشر خارجہ اس صورت میں یہ مفعول فیہ ہوگا۔ یعنی وہ کنواں جو اُس کے باہر واقع

تھا۔

۳ ... بشر خارجہ اس صورت میں بشر مضاف ہو اور اس کا مضاف الیہ خارجہ ہو یعنی

خارجہ کا کنواں۔ اور خارجہ ایک آدمی کا نام تھا۔ ممکن ہو کسی وجہ سے یہ کنواں اُس کی طرف منسوب ہو گیا ہو۔<sup>(۱)</sup>

قوله : الرَّبِيعُ الْجَدُولُ (ص: ۴۵، سطر: ۲)

یہ راوی کا ادارج ہے لفظ ربیع کی تفسیر کے لئے۔<sup>(۲)</sup> ”الجدول“ کھیت و سیراب کرنے والی

بڑی نالی کو کہتے ہیں۔

قوله : فَأَخْتَفَزْتُ (ص: ۴۵، سطر: ۲)

یعنی میں سکو گیا اور سمٹ گیا۔<sup>(۳)</sup>

قوله : فَقَالَ : أَبُو هُرَيْرَةَ ؟ (ص: ۴۵، سطر: ۳)

یہاں قال کی ضمیر فاعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور لفظ ابو ہریرہؓ

سے پہلے مبتدا اور حرف استفہام محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔ یعنی آنت ابو ہریرہؓ کیا تم

ابو ہریرہؓ ہو؟ میں نے عرض کیا جی۔ اور پھر ہو سکتا ہے کہ یہ استفہام اس لئے ہو کہ اس وقت حضرت

ابو ہریرہؓ کسی حائل کی وجہ سے نظر نہ آئے ہوں اور حضرت ابو ہریرہؓ کے جواب نعم سے اس کی تائید ہوتی

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۴۵۔

(۲) تہذیب ج ۱ ص ۱۶۳۔

(۳) تاکہ اندر داخل ہو سکوں۔ حاشیہ صحیح مسلم للشیخ الدعی ج ۱ ص ۱۸۔

ہے۔ واللہ اعلم (۱)

قوله : كُنْتُ بَيْنَ أَظْهُرِنَا، (ص: ۴۵، سطر: ۳)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے۔

قوله : فَأَبْطَأْتُ عَلَيْنَا، (ص: ۴۵، سطر: ۳)

آپ نے ہمارے پاس آنے میں تاخیر کی۔

قوله : أَعْطَانِي نَعْلَيْهِ، (ص: ۴۵، سطر: ۳)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے نعلین مبارک عطا فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ نوازش بطور علامت فرمائی۔ (۲)

قوله : يَشْهَدُ (ص: ۴۵، سطر: ۳)

یہاں مراد پورا کلمہ ہے۔ یہاں اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کو کئی اعزاز حاصل ہوئے۔

۱ ... سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔

۲ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا قاصد بنایا۔

۳ ... قاصد اور اپنی بھی جنت کی بشارت کے لئے بنایا۔

۴ ... بشارت کی اہمیت کے خاطر بطور علامت اور سند کے آپ نے اپنے نعلین مبارک

انہیں عطا فرمائے۔

عہد رسالت میں چونکہ پڑھنے کا رواج کم تھا اس لئے اہم پیغام کے ساتھ کوئی نشانی بھی دی

جاتی تھی جیسا کہ آج بھی جب غیر ملکی سفیر آتا ہے۔ تو اپنی اسنادِ سفارت پیش کرتا ہے۔ (۳)

قوله : فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيَ عُمَرُ (ص: ۴۵، سطر: ۵)

یہاں عمرؓ کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اگر منصوب ہو تو خبر کان ہوگا۔

اور اگر مرفوع ہو تو اسم کان ہوگا۔

قوله : هَاتَيْنِ؟ نَعْلَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص: ۴۵، سطر: ۵)

(۱) دریں مسلم ج ۱ ص ۳۵۲ و مرقہ ج ۱ ص ۲۰۲۔

(۲) کنز العمال المعظم ج ۱ ص ۱۲۲۔

(۳) دریں مسلم ج ۱ ص ۲۵۵۔

یہ ایک جملہ نہیں ہے بلکہ دو جملہ ہیں۔ پہلا جملہ ہاتین ہے جو استفہامیہ ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ اتنی ہاتین اور دوسرا جملہ نعلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر یہ ہے اور جس کا مبتدا ہما محذوف ہے۔ اور تقدیر عبارت یہ ہے ہما نعلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔<sup>(۱)</sup>

قوله : بَيْنَ ثَنَيْنِ (ص: ۴۵، سطر: ۶)

یعنی میرے سینے کے پتھوں و پتھ۔

قوله : خَرَدْتُ لَاسْتِي (ص: ۴۵، سطر: ۶)

میں کو لہوں کے بل گر گیا۔ دراصل حضرت عمرؓ نے سوچا ہوگا کہ اس وقت تو حضرت ابوہریرہؓ کے ہاتھ میں نعلین مبارک کا تاج ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی ہیں اب میری بات آسانی سے نہ مانیں گے۔ اس لئے بظاہر رعب ڈالنے کے لئے ہاتھ مارا۔

قوله : فَأَجْهَشْتُ بُكَاءً (ص: ۴۵، سطر: ۶)

میں رونے کی حالت میں ہو کر چل پڑا۔ اجھاش اس کو کہتے ہیں کہ کسی کے پاس فریاد لے کر جائے۔ اور وہ رونے کی حالت میں ہو مگر ابھی رویا نہ ہو۔<sup>(۲)</sup>

قوله : عَلَى أُثْرِي (ص: ۴۵، سطر: ۶)

اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں:-

۱ ... حمزہ کے کسرہ اور ث کے سکون کے ساتھ۔ اُثْرِي

۲ ... حمزہ اور ثاء کے فتح کے ساتھ۔ اُثْرِي<sup>(۳)</sup>

قوله : مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ا (ص: ۴۵، س: ۷، ۱)

اس جملے میں یہ تعلیم ہے کہ کسی کی شکایت کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے معاملہ کی تحقیق کر لینی چاہئے اور جس کی شکایت کی گئی ہے اُسے اپنی صفائی کا موقع دینا چاہئے۔

قوله : يَا بَابِي أَنْتَ، وَأُمِّي (ص: ۴۵، سطر: ۶)

یہاں جار مجرور کا تعلق مَفْدِيّ محذوف سے ہے۔ یعنی انت مَفْدِيّ بابی و اُمی اس کا لفظی

(۱) کمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۲۲۔

(۲) معجم الوسيط ج ۱ ص ۱۴۳ و الفائق فی غریب الحديث: ج ۱ ص ۲۳۹۔

(۳) شرح البوی ج ۱ ص ۴۵۔

ترجمہ یوں ہے۔ آپ کا فدیہ ادا کر دیا جائے میرے باپ اور ماں کے ذریعے سے۔ اس کے حاصل معنی یہ ہیں کہ میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضرت عمرؓ کے اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے جو کچھ کیا اس کا منشاء ہرگز نافرمانی نہیں بلکہ ایک مصلحت پیش نظر ہے جو آگے خود ہی بیان کر دی۔<sup>(۱)</sup>

### چند سوالات اور ان کے جوابات

مذکورہ حدیث سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:-

سوال:- ۱۔ ... حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو کیوں مارا؟ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقصد ان کو مارنے سے انہیں تکلیف اور ایذا پہنچانا نہیں تھا بلکہ آگے جانے سے روکنا تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ زبانی منع کرنے سے حضرت ابو ہریرہؓ باز نہیں آئیں گے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو حضرت عمرؓ کی بات پر ترجیح حاصل ہے لیکن روکنا بھی ضروری تھا کیونکہ ایک اور اہم مصلحت پیش نظر تھی۔ اس لئے ایسا کیا یعنی مارا۔

نیز ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قدر زور سے نہ مارا ہوگا کہ وہ گر پڑیں لیکن حضرت ابو ہریرہؓ خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے گر گئے کیونکہ حضرت عمرؓ کا رعب بہت تھا۔

سوال:- ۲۔ ... حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی کہ آپ تو حضرت ابو ہریرہؓ سے فرما رہے ہیں کہ جاؤ اور حضرت عمرؓ فرما رہے ہیں نہ جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کیسے کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حضرت عمرؓ کا منشاء نافرمانی ہرگز نہیں۔ بلکہ تھوڑی دیر کے لئے مہلت حاصل کرنا تھا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تجویز پیش کر سکیں۔

سوال:- ۳۔ ... جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی یہی تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی تو آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نعلین مبارک عطا فرما کر اعلان کرنے کے لئے کیوں بھیجا؟

جواب یہ ہے کہ چونکہ اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نئی نئی خوشخبری ملی تھی اور اس وقت مسلمانوں کے دل ٹوٹے ہوئے تھے اور آخرت کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے، ادھر فقر و فاقہ کی

حالت تھی۔ اور آئے دن دشمنوں سے جہاد کی نوبت آتی تھی اس لئے ان کو تسلی کے لئے اپنی شانِ رحمت کے مطابق بشارت کا حکم دیا لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پیش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سابقہ رائے کی طرف رجوع فرمایا کہ لوگوں کو ابھی یہ بشارت مت دونا کہ وہ اس پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور عمل کرنا ترک کر دیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَإِنِّي أَخْشِي (ص: ۳۶، سطر: ۱)

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ بڑے کا حکم اگر کسی مصلحت کے خلاف محسوس ہو تو ادب کے ساتھ خیر خواہانہ مشورہ دے دینا چاہئے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اپنے مشورہ پر اصرار اور ضد کرنا ادب کے خلاف ہے جب بڑا دلائل سننے کے بعد کوئی فیصلہ کر دے جو تمہاری رائے کے خلاف ہو تو اس وقت ادب یہ ہے کہ اس کو بلا تردد مان لیتا چاہئے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : فَاعْلَمُوا يَعْمَلُونَ، (ص: ۳۶، سطر: ۱)

حضرت عمرؓ کے اس مشورہ کو قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاعلمہم۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے سینہ پر مارنے کا جو عمل کیا تھا اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، ان دو وجہ سے جن کا اوپر ذکر ہو گیا۔ ان وجوہ سے وہ تمام اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں جو حضرت عمرؓ پر اس واقعہ کی بناء پر ہوتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد فاعلمہم کی بناء پر آج بھی خطباء اور واعظین کے لئے یہی حکم ہے کہ یا تو عوام کو ایسی حدیثیں سنائے نہیں یا اگر سنائیں تو توجیہات اور ضروری قیود و شرائط بھی بیان کر دیں۔ تاکہ لوگ عمل میں سست نہ ہو جائیں۔

۱۴۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ... (الی قوله)... عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا

أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَدِيفُهُ عَلَى

الرَّحْلِ، قَالَ : يَا مُعَاذُ قَالَ : لَبَّيْكَ رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ : يَا مُعَاذُ... (الی

قوله)... فَأُخْبِرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأْتِمًا“ (ص: ۳۶، س: ۳۲۴)

## تشریح

قوله : يَا مُعَاذُ! (ص: ۴۶، سطر: ۲)

حضرت امام مسلمؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کا واقعہ یہاں دوبارہ بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ امام مسلمؒ کا طرز یہ ہے کہ وہ ایک ہی مضمون کی روایات ایک ہی جگہ جمع فرماتے ہیں لیکن یہاں ایسا نہیں کیا جس سے شاید بطور تاکید کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق تھی۔ لہذا ان کا یہ اقدام نا فرمانی نہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ نَائِمًا (ص: ۴۶، سطر: ۴)

یعنی علم کو چھپانے کے گناہ سے بچنے کے لئے حضرت معاذؓ نے اپنے مرنے کے قریب یہ حدیث سنا دی۔ اور جن جن صحابہؓ کو اس حدیث میں موجود بشارت کا علم تھا۔ تقریباً ان تمام صحابہؓ نے اپنی موت کے وقت ہی یہ حدیث سنائی، پہلے نہیں سنائی۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ موت سے ذرا پہلے یہ حدیث سنانے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت زندگی کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک واقعہ حضرت ابو حاتمؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام ابو زرہؒ یہ وفات کے وقت ان کو کلمہ طیبہ کی تلقین کے لئے ان کے شاگردوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آپس میں حضرت معاذؓ کی ایک حدیث کا ذکر کیا۔ حضرت ابو زرہؒ نے یہ بات سنی تو سند بیان کر کے حضرت معاذؓ کی روایت کردہ وہ حدیث سنائی جس کے الفاظ یہ ہیں:-

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“

حدیث کا اتنا ہی حصہ حضرت امام ابو زرہؒ سنا پائے تھے کہ روح پرواز کر گئی۔ حدیث کا باقی حصہ دَخَلَ الْجَنَّةَ شاید فرشتوں نے کہا ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

۱۴۸۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ الْمُغِيرَةِ، قَالَ: حَدَّثَنَا

ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الرَّبِيعِ، عَنْ عَتَبَانَ بْنِ

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۳۵۹۔

(۲) فتح الملہم ج ۱ ص ۴۰۶۔



مَالِكٍ، قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَلَقِيتُ عَتَبَانَ، فَقُلْتُ: حَدِيثُ بَلْغَنِي عَنْكَ، قَالَ: أَصَابَنِي فِي بَصَرِي بَعْضُ الشَّيْءِ، فَبَعَثْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَحِبُّ أَنْ تَأْتِيَنِي فَتُصَلِّيَ فِي مَنْزِلِي، فَاتَّخَذَهُ مُصَلِّيً، قَالَ: فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ شَاءَ اللَّهُ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّي فِي مَنْزِلِي وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ اسْتَدُوا عَظَمَ ذَلِكَ وَكَبَّرَهُ إِلَى مَالِكِ بْنِ دُحْشَمٍ، قَالُوا: وَدُّوا أَنَّهُ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ، وَدُّوا أَنَّهُ أَصَابَهُ شَرٌّ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ، وَقَالَ: أَلَيْسَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟ قَالُوا: إِنَّهُ يَقُولُ ذَلِكَ، وَمَا هُوَ فِي قَلْبِهِ، قَالَ: لَا يَشْهَدُ أَحَدٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَيَدْخُلَ النَّارَ، أَوْ تَطْعَمَهُ، قَالَ أَنَسٌ: فَأَعْجَبَنِي هَذَا الْحَدِيثُ، فَقُلْتُ لِأَبْنِي: اكْتُبْهُ فَكُتِبَ، (ص: ۳۶، س: ۷۲۴)

### تشریح

قوله: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (ص: ۳۶، سطر: ۴)

### سند کی دو لطیف باتیں

اس حدیث کی سند میں لطائف الاسناد کی قبیل سے دو اہم باتیں مذکور ہیں:-

۱ ... اس کی سند میں تین صحابی ایک دوسرے سے روایت کر رہے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت محمود بن الربیعؓ سے اور وہ حضرت عتبانؓ سے۔

۲ ... یہ روایت روایت الاکابر عن الاصاغر کی قبیل سے ہے۔ کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ حضرت محمود بن الربیعؓ سے عمر، علم اور مرتبہ میں بڑے ہیں اور حضرت محمود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بچے تھے جبکہ حضرت انسؓ کی عمر اُس وقت تقریباً ۲۰ سال تھی اور انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل ۱۰ سال تک خدمت کا شرف بھی حاصل ہے۔ ایسے امور کو علم الحدیث کی اصطلاح میں لطائف الاسناد کہا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(ص: ۳۶، سطر: ۵)

قوله: قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت یہ کم عمر تھے پھر کہیں باہر چلے گئے تھے۔ کافی عرصہ کے بعد مدینہ طیبہ آئے، اس لئے یہ فرمایا۔

قوله : أَصَابَنِي فِي بَصْرِي (ص: ۴۶، سطر: ۵)

اگلی روایت میں آرہا ہے کہ اُنہ عمی فرمایا۔ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں جن کے مجموعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا اُس وقت یہ پورے نابینا نہ تھے۔ البتہ ان کی نگاہ میں کوئی عیب پیدا ہو چکا تھا لیکن جب یہ روایت سنائی تو اس وقت نابینا ہو چکے تھے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : تُصَلِّيَ فِي مَنْزِلِي (ص: ۴۶، سطر: ۵)

حضرت عثمان بن مالک گھر میں مصلیٰ یعنی نماز کی جگہ بنانا چاہتے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ گھر میں تشریف لا کر ایک مرتبہ ایک جگہ نماز پڑھیں تاکہ آپ کے انوار و برکات ظاہر ہو جائیں اور پھر وہ اُس جگہ کو نماز کے لئے مقرر کر لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور فرمائی اور پھر ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس عمل سے ہمیں دو ادب معلوم ہوئے۔

۱ ... گھر کے اندر نماز کے لئے کوئی جگہ مقرر کرنا مستحب ہے۔<sup>(۲)</sup>

۲ ... اگر کہیں مصلیٰ بنایا جائے تو افتتاح کے لئے تہم کا کسی بزرگ کو بلا لینا مناسب ہے۔

قوله : وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ (ص: ۴۶، سطر: ۶)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نفل نماز پڑھ رہے تھے۔<sup>(۳)</sup>

قوله : ثُمَّ أَسْنَدُوا عَظَمَ ذَلِكَ وَكَبَّرَهُ (ص: ۴۶، سطر: ۶)

اس میں لفظ ”کبر“ کے ”کاف“ پر کسرہ اور ضمہ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن کسرہ زیادہ مشہور

اور رائج ہے اور ”با“ دونوں صورتوں میں ساکن ہے۔<sup>(۴)</sup>

عظم اور کبر دونوں ہم معنی ہیں۔ لفظی معنی یہ ہوئے کہ انہوں نے گفتگو کے اکثر حصہ کو

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الملہم ج ۱ ص ۴۰۱، ۴۰۲۔

(۲) فتح الملہم ج ۱ ص ۴۰۲۔

(۳) درج مسلم ج ۱ ص ۳۶۱۔

(۴) شرح النووی ج ۱ ص ۴۶۔

مالک بن دُخشم سے ملا دیا۔

قوله : قَالَ : وَذُوا اللَّهَ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ، (ص: ۴۶، سطر: ۶)

اس میں قال کا فاعل حضرت عثمان بن مالکؓ ہیں<sup>(۱)</sup> یعنی صحابہ کرامؓ نے یہ تمنا کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کی ہے لہذا وہ ہلاک ہوگا۔

### ایک سوال اور ایک جواب

سوال: بظاہر اس بشارت میں منافقین بھی شامل نظر آتے ہیں حالانکہ قرآن و سنت کی دوسری نصوص میں ان کے کفر کی صراحت ہے۔

جواب: راوی نے اختصار سے کام لیا ہے صحیح مسلم ہی میں آگے کتاب الصلاة باب الرخصة في التعلف عن الجماعة لعذر<sup>(۲)</sup> میں یہ واقعہ تفصیل سے آیا ہے اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مالک بن دُخشم کے بارے میں یہ منقول ہے کہ ألا تراه قد قال لا اله الا الله يريد بذلك وجه الله يعني انهم في الله تعالى في رضاك لئلا اله الا الله پڑھا ہے اور حدیث کے آخر میں ارشاد یوں مذکور ہے فان الله حرم على النار من قال لا اله الا الله يبتغي بذلك وجه الله۔<sup>(۳)</sup>

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن دُخشم کے مومن صادق ہونے کی شہادت دی اور ان سے نفاق کی نفی کی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عذابِ جہنم سے بچنے کے لئے شہادتین کا دل سے ہونا ضروری ہے۔ اعتقاد کے بغیر اقرار باللسان کافی نہیں۔ یہاں ایک سوال اور دل میں پیدا ہوتا ہے کہ شہادتین کے پڑھ لینے سے جہنم میں داخل ہونے کی نفی کیسے ہوگئی؟ کیا اعمالِ صالحہ فرائض و واجبات کے ترک اور گناہوں کے ارتکاب کے باوجود بھی دوزخ میں جانے سے نجات کا وعدہ ہے؟

تو اس کے جوابات وہی ہیں جو پیچھے اس طرح کی احادیث کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔ مثلاً: ایسے شخص کو جنت میں اولاً داخلہ نصیب نہ ہوتا بلکہ اگر توبہ نہ کی یا بخشش نہ ہوئی تو آخر کار اپنے کئے کی دوزخ میں سزا پا کر اور ایمان کی بدولت جنت میں جانا نصیب ہونا وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ عارضی طور پر

(۱) شرح السوری ج ۱ ص ۴۶۔

(۲) صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۳۔

(۳) فتح المہم ج ۱ ص ۴۰۲۔

دوزخ میں جانا ہوگا، دائمی طور پر نہیں۔

۱۴۹۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ... (الی قولہ)... عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :  
حَدَّثَنِي عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّهُ عَمِيَ، فَلُرْسِلَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، فَقَالَ : تَعَالَ فَخُطُّ لِي مَسْجِدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،  
وَجَاءَ قَوْمُهُ وَنِعَتَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، يُقَالُ لَهُ : مَالِكُ بْنُ الدُّخَشِمِ. (ص: ۴۷، س: ۲۰۱)

### تشریح

قولہ : مَالِكُ بْنُ الدُّخَشِمِ (ص: ۴۷، سطر: ۷)

صحیح مسلم کی روایات میں یہاں یہ نام دو طرح آیا ہے۔

۱ ... دخیشم۔ ۲ ... دخشم۔

اور صحیح مسلم کی کتاب الصلاة میں جہاں یہ واقعہ آیا ہے وہاں م کے بجائے دونوں جگہ نون

ہے یعنی دُخیشم اور دخشم ہے۔<sup>(۱)</sup>

### بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا

۱۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ... (الی قولہ)... عَنْ  
الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :  
ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا.

(ص: ۴۷، سطر: ۳۲۴)

### تشریح

قولہ : مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا، (ص: ۴۷، سطر: ۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی لذت اُس شخص کو نصیب ہوگی جس کے اندر صفتِ رضا

پائی جائے وہ اس طرح کہ وہ خدا تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہو، کسی اور کو اپنا رب بنانے یا ماننے کے

لئے تیار نہ ہو۔ کسی اور کی ربوبیت کا طلبگار نہ ہو، اپنے رب کی نعمتوں کا شکر اور اس کی دی ہوئی تکلیفوں



کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بضع سات کے عدد کے لئے ہے اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کی بعض روایات میں سبع و سبعون آیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### ایک تعارض اور تین جواب

اس روایت میں سبع و سبعون کا ذکر ہے جبکہ اگلی روایت میں بضع و سبعون کا ذکر ہے بظاہر یہ تعارض ہے لہذا اس تعارض کے تین جوابات ہیں:-

۱ ... پہلی روایت میں بضع و سبعون جزم و یقین کے ساتھ اور اگلی روایت میں راوی کو شک ہے لہذا پہلی روایت کو اس پر ترجیح ہوگی۔

۲ ... کم عدد زیادہ عدد کی نفی نہیں کرتا لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔

۳ ... ہو سکتا ہے کہ آپ کو شروع میں سَبْع و سبعون کا علم دیا گیا ہو اور بعد میں بضع و سبعون کا علم دیدیا گیا ہو لہذا اس میں بھی کوئی تعارض نہیں۔<sup>(۲)</sup>

شُعْبَةُ یہ شُعْبٌ کا واحد ہے اس کے معنی ہیں درخت کی شاخ اور حصہ۔ یہ ”شین“ کے ضمہ کے ساتھ ہے اس سے مراد اچھی خصلت ہے مطلب یہ ہے کہ ایمان متعدد اچھی اچھی خصلتوں اور اعمال والا ہے<sup>(۳)</sup> اور ایمان کی مثال اس درخت کی طرح ہے کہ ایمان اس کی جڑ ہے اور باقی اسکے پتے ہیں۔ اگر درخت صحیح ہے تو پتے بھی صحیح اور ہرے بھرے ہونگے اور اگر جڑ خراب ہو تو پتے بھی خراب ہونگے لہذا باعمل مومن کی مثال ہرے بھرے درخت کی طرح ہے۔

قوله: أَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ (ص: ۴۷، سطر: ۵)

یہاں حياء کا ذکر بطور خاص اسکی اہمیت بیان کرنے کے لئے ہے اور شُعْبَةُ میں تنوین تعظیم کے لئے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حياء ایمان کا عظیم شعبہ ہے۔<sup>(۴)</sup>

۱۵۲ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ

شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ

(۱) فتح المسهم ج ۱ ص ۴۰۶۔

(۲) فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۵۱ و عمدة القاری ج ۱ ص ۱۲۵۔

(۳) المسهم ج ۱ ص ۲۱۶۔

(۴) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتح المسهم ج ۱ ص ۴۱۰۔

شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ (ص: ۴۷، طر: ۶۰۵)

قوله : فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (ص: ۴۷، ص: ۶)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت صرف دل سے تصدیق کرنا ہے اور اقرار باللسان دنیا میں احکام اسلام جاری ہونے والا ایک شعبہ ہے یہ اصلاً اس کا جزو نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَأُذْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ (ص: ۴۷، ص: ۶)

اذی ہر تکلیف دینے والی چیز کو کہا جاتا ہے جیسے کانٹا، ہڈی، پتھر اور ہمہ قسم کی گندی شامل ہے۔<sup>(۲)</sup> اور إِمَاطَةُ الْأَذَى اگرچہ ادنیٰ شعبہ ہے لیکن دوسری طاعات جو شعبہ ایمان میں داخل نہیں ان کے مقابلے میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ شعبہ ایمان میں سے ہے۔<sup>(۳)</sup> اور آسان بھی ہے۔

### ایمان کے کتنے شعبے ہیں؟

یہاں ایمان کے تین شعبوں کا ذکر آیا ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، حیا، اور إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ۔ باقی شعبے کون کون سے ہیں؟ یہ معلوم اور معین کرنے کے لئے حضراتِ محدثین نے بہت کوشش فرمائی ہے۔ مثلاً امام ابو حاتم بن حبانؒ نے اپنی کتاب ”وصف الایمان وشعبہ“ میں اور حضرت امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب ”شعب الایمان“ میں اپنے اپنے فہم کے مطابق جمع فرمایا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے اسی موضوع پر ایک رسالہ ”فروع الایمان“ تحریر فرمایا ہے۔ جس میں ہر شعبہ کی تفصیل احادیث کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اور کل شعبے ستر بیان فرمائے ہیں۔ دوسرے محدثین نے دیگر مختلف انداز سے ایمان کے شعبوں کی فہرست مرتب کی ہے جو دوسروں سے مختلف ہے۔ چنانچہ حتمی اور یقینی طور پر ایمان کے شعبوں کو معین کرنا مشکل ہے۔ البتہ امام ابو حاتم بن حبانؒ کافی حد تک اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اُن تمام نیک اعمال کو جمع کیا۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من الایمان کہہ کر فرمایا ہے۔ لیکن وہ ستر سے کم نکلے۔ پھر انہوں نے اُن نیک اعمال کو جمع کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں من الایمان کہہ کر فرمایا ہے۔ لیکن وہ بھی ستر سے کم نکلے پھر انہوں نے ان دونوں کو جمع کیا۔ اور مکررات کو حذف کیا تو ان کی تعداد ستر سے کچھ اوپر نکلی۔ ان کی یہ تحقیق دل کو لگتی

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۳۶۵۔

(۲) کمال کمال المعجم ج ۱ ص ۱۳۲۔

(۳) صاحب مرقاۃ نے فرمایا ”ادبی“ ”دعو“ سے مشتق ہے جس کا معنی اقرب اور قریب ہے اور ”اخذها إمطاة الاذی عن طریق“ کا مطلب یہ ہے کہ اس

شعبہ کو سرانجام دینا بہت آسان ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۴۰)



ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایمان کے شعبوں کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے۔ ہمیں اس کا صحیح علم نہیں۔ البتہ ایمان کے شعبوں کی تفصیل احکام شرعیہ کی صورت میں موجود ہے۔ نیز ہم ان کی صحیح اور حتمی تعداد جاننے کے مکلف بھی نہیں اور اُن کا نہ جاننا ہمارے لئے کچھ مضر نہیں۔ ہمارے لئے بس اتنا کافی ہے کہ جن امور کو انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے ان کو بجالائیں اور جن باتوں کے کرنے سے منع کیا گیا ہے اُن سے باز رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔<sup>(۱)</sup>

إِمَاطَةُ الْأَذَى سُنَّتْ هِيَ۔ اور سنت بھی ایسی جو ایمان کے شعبوں میں سے ہے۔ آج کل ہمارے مدرسوں میں یہ سنت مردہ ہو رہی ہے۔ اس کو زندہ کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کی مغفرت کر دی گئی۔ صرف اس وجہ سے کہ اس نے راستہ میں لٹکی ہوئی شاخ کو جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی کاٹ دیا اور اسے راستہ سے ہٹا دیا۔<sup>(۲)</sup>

### ایک مشہور سوال و جواب

قوله : أَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ (ص: ۴۷، ص: ۶)

یہاں ایک مشہور سوال ہے وہ یہ کہ حیاء جس کو شرم کہتے ہیں۔ یہ فطری اور طبعی ہوتی ہے۔ جو کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور جو چیز فطری ہو وہ غیر اختیاری ہوتی ہے۔ جس کا آدمی مکلف نہیں اور یہاں شعب الایمان میں اس کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے۔ حالانکہ حیاء غیر اختیاری ہے۔ پھر اس کا انسانوں کو کیسے مکلف بنایا گیا ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“<sup>(۳)</sup>

یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے۔

### حیاء کی قسمیں

اس کا جواب یہ ہے کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں:

۱ ... حیاء شرعی

۲ ... حیاء طبعی و عرفی

یہاں حدیث میں حیاء سے حیاء شرعی مراد ہے۔ حیاء عرفی و طبعی مراد نہیں ہے۔<sup>(۴)</sup> اور حیاء

(۱) المفہم ص ۱۷، ج ۱۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ج ۱۳، ص ۲۳۹۔

(۳) سورة البقرة: ۲۸۶۔

(۴) عمدة القاری ج ۱ ص ۱۲۹ والمفہم ج ۱ ص ۲۱۸۔

شرعی اختیاری ہے۔ اس لئے انسان اس کا مکلف ہے۔ اور حیاء طبعی غیر اختیاری ہے انسان اس کا مکلف نہیں ہے ان دونوں کی تعریف یہ ہے۔

### حیاء طبعی و عرفی کی تعریف

جو عمل عرفاً قابل ملامت ہو اس کو کرنے سے طبیعت کا رکنا اور ملامت کے ڈر سے ہمت نہ کرنا اگرچہ وہ عمل شرعاً قابل ملامت نہ ہو بلکہ مطلوب ہو جیسے لوگوں کی ملامت کے خوف سے ڈاڑھی نہ رکھنا یا خواتین کا لوگوں کی ملامت کے ڈر سے، یا مذاق کے ڈر سے شرعی پردہ نہ کرنا وغیرہ۔

### حیاء شرعی کی تعریف

حیاء شرعی کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو عمل از روئے شرع ممنوع اور قابل ملامت ہو اس کو کرنے سے رکنا اور اس کو کرنے کی ہمت نہ کرنا تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی پکڑ نہ ہو حیاء شرعی ہے۔ جیسے مغربی معاشرے میں ڈاڑھی منڈھوانے کی ہمت نہ ہونا اور مسلمان خواتین کا بے پردگی سے بچنا وغیرہ۔

### حیاء شرعی کی دوسری تعریف

حیاء شرعی کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ انسان میں ایسی خصلت کا نام ہے جو اسے ایسے کام کے ارتکاب سے روکے جو شرعاً مذموم ہو جیسے ادا کرنا نہ بجالانا یا نواہی کا ارتکاب کرنا کہ حیاء ایسا کرنے سے روکتی ہے تو یہ حیاء شرعی ہے لیکن یہ تعریف تقویٰ پر بھی صادق آتی ہے لہذا یہ تعریف مانع نہیں ہے۔

### حیاء شرعی کی تیسری تعریف

حضرت جنید بغدادیؒ نے حیاء کی تعریف یہ بتلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں کے استحضار سے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو حیاء کہتے ہیں اور جب یہ حیاء پیدا ہوتی ہے تو انسان اپنے گناہوں پر توبہ و استغفار کرتا ہے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور حیاء شرعی کے بارے میں ایک شاعر نے اپنی نعت میں ایک شعر خوب کہا ہے۔

ان کی سنت پر چل کر نہ شرماؤں میں

اے خدا مجھ کو ایسی حیاء چاہئے<sup>(۱)</sup>

۱۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قولہ)... عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ، فَقَالَ: الْحَيَاءُ مِنْ الْإِيمَانِ (ص: ۴۷، سطر: ۷، ۸)

قولہ: يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ (ص: ۴۷، سطر: ۷، ۸)

اس میں فی سبب کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ اپنے بھائی کو حیا کی وجہ سے نصیحت کر رہا تھا کہ زیادہ حیا، نہ کیا کرو کہ جس سے تمہارے اپنے بعض حقوق بھی تلف ہو جائیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی کہ حیا تو ایمان میں سے ہے لہذا حیا سے منع نہ کرو۔<sup>(۱)</sup> اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نکیر و تنبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کو تم نے حیا سمجھا ہے وہ شرعی حیا نہیں بلکہ حیا عرفی اور طبعی ہے۔ اور حیا شرعی تو ایمان کا شعبہ ہے لہذا اس سے منع نہیں کرنا چاہئے۔<sup>(۲)</sup>

۱۵۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قولہ)... عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، يُحَدِّثُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ، فَقَالَ بُشَيْرُ ابْنُ كَعْبٍ: إِنَّهُ مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ: أَنَّ مِنْهُ وَقَارًا، وَمِنْهُ سَكِينَةٌ، فَقَالَ عِمْرَانُ: أَخَذْتُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحَدَّثَنِي عَنْ صُحُفِكَ (ص: ۴۸، سطر: ۳۱، ۳۲)

## تشریح

قولہ: فِي الْحِكْمَةِ (ص: ۴۸، سطر: ۳۱، ۳۲)

یعنی فلسفہ کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہے کہ حیا سے وقار پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب حیا ہوتی ہے تو آدمی دوسروں کی عزت کرتا ہے جب یہ دوسروں کی عزت کرتا ہے تو دوسرے اس کی عزت کرتے ہیں جس سے آدمی میں عزت و وقار پیدا ہوتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

قولہ: وَمِنْهُ سَكِينَةٌ (ص: ۴۸، سطر: ۳۱، ۳۲)

سکینہ ایسی حرکات سے رکنے کو کہتے ہیں جو مروت کے خلاف ہوں۔ حیا اُن سے اجتناب

(۱) صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۱

(۲) مکمل اکمال لا کمال ج ۱ ص ۱۳۲۔

(۳) صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۱۲۔

کا ذریعہ بنتی ہے جیسے راستے میں استنجاء کرنا، کھانا، پینا، اور بیٹھ کر باتیں کرنا وغیرہ۔ اور بُشیرؓ کی اس بات سے حدیث کی تائید ہوتی ہے لیکن عمران بن حصینؓ کے ناراض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب کا تقاضا یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تائید فلسفے کی کتابوں سے کی جائے کیونکہ احادیث تائید کی محتاج نہیں۔ ہاں اگر اس کے برعکس ہوتا یعنی فلسفے کی تائید احادیث سے ہوتی تو پھر کوئی مضائقہ نہ تھا۔ کیونکہ فلسفہ محتاج ہے نہ کہ احادیث۔<sup>(۱)</sup> اگلی حدیث میں حضرت عمرانؓ کی ناراضگی کی دوسری وجہ بھی آرہی ہے اور بڑی وجہ وہی ہے۔

حضرت عمرانؓ کے اس فعل سے ایک ادب معلوم ہوا کہ کسی استاذ یا بزرگ کے سامنے کسی دوسرے استاذ یا شیخ کی بات نقل نہ کرنی چاہئے۔ کہ حضرت آپ صبح فرما رہے ہیں اس لئے کہ ہمارے فلاں استاذ یا شیخ نے بھی اسی طرح کہا تھا۔ اس سے دل شکنی ہوتی ہے اس لئے کہ وہ استاذ یا شیخ یہ سمجھیں گے کہ اس نے میری بات کو کافی نہیں سمجھا۔

### ایک سوال اور جواب

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحياء لا یأتی الا بالعیر۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مرتبہ یہ حیاء اعمال صالحہ کرنے سے رکاوٹ بن جاتی ہے مثلاً بعض لوگوں کو ڈاڑھی رکھنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اسی طرح کسی کو دعوت خیر دیتے ہوئے یا وعظ یا تقریر کرتے ہوئے ہچکچاہٹ یا شرم آتی ہے تو بظاہر یہ حیاء خیر کے بجائے شر لاتی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حیاء صرف خیر لانے کا ذریعہ نہیں بنتی بلکہ بعض مرتبہ حیاء خیر کے بجائے شر بھی لاتی ہے۔

### جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ جو حیاء خیر لاتی ہے اس سے مراد حیاء شرعی ہے نہ کہ عرفی اور طبعی۔ اور حیاء کی جو مثال آپ نے سوال میں دی ہے وہ حیاء شرعی نہیں بلکہ حیاء عرفی اور طبعی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں کہیں حیاء شرک کا ذریعہ بنے وہ طبعی اور فطری حیاء ہوتی ہے نہ کہ شرعی حیاء۔ شرعی حیاء ہمیشہ خیر کا ذریعہ بنتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) فتح مبین ج ۱ ص ۱۲۲۔

(۲) مکمل اکمال الاکمال ج ۱ ص ۱۲۲۔

۱۵۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ،... (الی قوله)... أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ حَدَّثَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ فِي رَهْطٍ، وَفِينَا بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ، فَحَدَّثَنَا عُمَرَا، يَوْمَئِذٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ قَالَ: أَوْ قَالَ: الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ: إِنَّا لَنَجِدُ فِي بَعْضِ الْكُتُبِ - أَوِ الْحِكْمَةِ - أَنَّ مِنْهُ سَكِينَةٌ وَوَقَارٌ لِلَّهِ، وَمِنْهُ ضَعْفٌ، قَالَ: فَغَضِبَ عُمَرَا حَتَّى احْمَرَّتَا عَيْنَاهُ، وَقَالَ: أَلَا أَرَى أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُعَارِضُ فِيهِ، قَالَ: فَأَعَادَ عُمَرَا الْحَدِيثَ، قَالَ: فَأَعَادَ بُشَيْرٌ، فَغَضِبَ عُمَرَا، قَالَ: فَمَا زِلْنَا نَقُولُ فِيهِ إِنَّهُ مِنَّا يَا أَبَا نُجَيْدٍ، إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ، (ص: ۴۸، سطر: ۶۲۳)

## تشریح

(ص: ۴۸، سطر: ۳)

قوله: رَهْطٌ

وہ جماعت جو دس سے کم ہو اور اُس میں کوئی عورت نہ ہو سب کے سب مرد ہوں اس کو "رَهْطٌ" کہتے ہیں۔ (۲)

(ص: ۴۸، سطر: ۴)

قوله: وَمِنْهُ ضَعْفٌ

اور حیاء سے ضعف بھی پیدا ہوتا ہے اور ضعف و کمزوری ظاہری اعتبار سے نقص ہے حالانکہ حدیث میں ہے کہ حیاء کُل کی کُل خیر ہے۔ اس پر حضرت عمران بن حصینؓ ناراض ہوئے۔ اور یہ ان کے ناراض ہونے کی دوسری وجہ تھی کیونکہ حضرت بُشَیْر کی نیت اس کے بیان کرنے میں اگرچہ غلط نہ ہو کیونکہ شرعاً قابل ملامت عمل کرنے سے ہمت کا پست ہونا اور ٹوٹ جانا حیاء ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک نقص ہے۔ مگر یہ نقص محمود ہے مذموم نہیں لہذا بُشَیْر کی بات فی نفسہ تو غلط نہ تھی لیکن بات کا انداز ادب کے خلاف تھا جو حدیث سے معارضہ کا تاثر دے رہا تھا اس لئے انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا بہر حال یہاں تک دونوں وجہ پوری ہو گئیں۔

حیاء پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: حیاء کس طرح پیدا ہوتی ہے؟

جواب: کچھ لوگوں میں حیاء طبعی اور پیداہی ہوتی ہے اس وقت تو صرف حیاء کا امالہ کیا جائے گا وہ اس طرح کہ حیاء طبعی کو حیاء شرعی کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔ یعنی اس کے استعمال کا رخ بدل دیا جائے گا۔ اور یہ امالہ اللہ والوں کی صحبت اور تربیت میں رہنے سے ہوگا۔ بعض لوگوں میں حیاء طبعی نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے ان کو زیادہ مجاہدہ کرنا ہوگا ایک حیاء پیدا کرنے کا اور دوسرا حیاء کے امالہ کا۔ اور یہ مجاہدہ بھی بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ہوگا۔ خود بخود نہ ہوگا۔ اور نہ صرف پڑھنے سے ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

قوله: اَحْمَرْتَا عَيْنَاهُ، (ص: ۴۸، سطر: ۵)

فاعل جب اسم ظاہر ہو تو فعل کا صیغہ واحد ہوتا ہے خواہ فاعل مفرد ہو یا تشبیہ ہو یا جمع ہو لہذا اس قاعدہ سے یہاں فعل احمرت ہونا چاہئے لیکن یہاں احمرتنا فعل تشبیہ ہے جو اس مشہور قاعدہ کے خلاف ہے مگر یہ لغتِ قلیلہ کے مطابق اکلونی البراغیث کی قسم سے ہے اور جائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

### باب جامع أوصاف الاسلام

۱۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قولہ)... ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ غَيْرَكَ قَالَ: "قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ، قَاسَتْقِمُ" (ص: ۴۸، سطر: ۸، ۷)

### تشریح

قوله: قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ، (ص: ۴۸، سطر: ۸)

یعنی زبان سے ایمان بالقلب کا اقرار کرو۔

قوله: ثُمَّ اسْتَقِمْ (ص: ۴۸، سطر: ۸)

استقامۃ یہ ضد ہے ٹیڑھے پن کی لہذا تم استقام کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے رہو یعنی اوامر و نواہی کی پوری پوری پابندی کرو، ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچو، ہر ایک کے حقوق ادا کرو، حقوق العباد بھی اور حقوق اللہ بھی، چنانچہ مقام استقامت دین کا اعلیٰ مقام ہے لیکن یہ مقام مشکل ترین بھی ہے

(۱) دروسِ مسلم ج ۱ ص ۲۷۷۔

(۲) کمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۳۳۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: ”شیئتی ہود“ (۱) مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا، کیونکہ اس سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے: ”فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ“ (۲) اسی مشکل کی وجہ سے یہ دعا سورۃ فاتحہ میں لائی گئی ہے کہ اهدنا الصراط المستقیم جو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ صراط مستقیم ہل صراط کا نمونہ ہے جو لوگ صراط مستقیم پر ٹھیک طریقے سے چلیں گے وہ ہل صراط پر بھی آسانی سے گزر جائیں گے صوفیاء کرام کا مقولہ ہے ”الاستقامة فوق الف کرامة“ یعنی استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے دلیل یہ ہے کہ کرامت ولی کا فعل نہیں ہوتا اور وہ اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی بلکہ وہ من جانب اللہ ہوتی ہے چنانچہ کرامت کے ظہور سے نہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں اضافہ ہوتا ہے نہ درجات میں نہ ثواب میں۔ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک انعام ہے بخلاف استقامت کے کہ آدمی جتنا استقامت میں بڑھے گا اور ترقی کرے گا اتنا ہی قرب بڑھتا چلا جائے گا اور استقامت مطلوب ہے کرامت مطلوب نہیں، بعض لوگ اولیاء اللہ میں بجائے استقامت کے کرامت ڈھونڈتے ہیں یہ معیار صحیح نہیں ہے۔ صحیح معیار ولایت اتباع سنت ہے اور سنت ہی صراط مستقیم ہے اور سنت کا کامل اتباع استقامت ہے لہذا اسی کی کوشش کرنی چاہئے۔ (۳)

### باب تفاضل الاسلام وای امورہ افضل؟

۱۵۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ،... (الی قولہ)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ، وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ (مس: ۴۸، سطر: ۱۰، ۹)

### تشریح

قولہ : أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ (مس: ۴۸، سطر: ۱۰)

اسلام کے دو اصطلاحی معنی ہیں۔

۱۔ ... اعمال ظاہرہ جیسا کہ کتاب کے شروع میں حدیث جبریل میں بیان کیا گیا۔

(۱) جامع سمری، باب ومن سورۃ الواقعة، رقم الحدیث: ۳۲۹۷۔

(۲) سورۃ ہود آیت نمبر ۳۱۔

(۳) فتح المہم ج ۱ ص ۴۱۳، ۴۱۴۔



۲ ... پورا دین اسلام۔

اس دوسرے معنی میں پورا دین، اسلام میں داخل ہے خواہ عقائد ہوں یا اعمال ظاہرہ ہوں یا اعمال باطنہ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

”وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ“<sup>(۱)</sup> ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“<sup>(۲)</sup>  
 ”الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“<sup>(۳)</sup>

اس حدیث میں ”اَیُّ الْإِسْلَامِ خَیْرٌ؟“ فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ”اَیُّ أَعْمَالِ الْإِسْلَامِ خَیْرٌ؟“ یعنی دین اسلام کے اعمال میں سے کونسا عمل بہتر ہے؟

قوله : تُطْعِمُ الطَّعَامَ، (ص: ۴۸، سطر: ۱۰)

یہاں ان مقدر ہے اے ای ان تطعم۔<sup>(۴)</sup>

یہاں اطعام سے مطلقاً کھانا کھلانا مراد ہے خواہ امیر کو یا غریب کو، رشتہ دار کو یا اجنبی کو اور خواہ بلا کر کھلایا جائے یا اُس کے گھر بھیج دیا جائے یہ سب کو شامل ہے۔<sup>(۵)</sup>

قوله : وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ، وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ (ص: ۴۸، سطر: ۱۰)

آج کل یہ رواج ہو گیا ہے کہ صرف جان پہچان کے لوگوں کو سلام کرتے ہیں اجنبی لوگوں کو سلام نہیں کرتے اور یہ علامات قیامت میں سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”قرب قیامت میں سلام صرف معرفت میں منحصر ہو جائے گا“۔<sup>(۶)</sup>

سلام میں پہل کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے (۷) جن بزرگوں کے ہم نام لیوا ہیں ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں احیاء سنت کی دھن تھی چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا اعجاز علی صاحبؒ کی ایک خاص بات یہ مشہور تھی کہ وہ ابتداء بالسلام کا غیر معمولی اہتمام فرماتے تھے طلبہ بارہا کوشش کرتے تھے کہ وہ استاذ کو پہلے سلام کریں مگر حضرت پہلے سلام کرنے

(۱) سنن عمر: ۸۵۰۔

(۲) سنن عمر: ۱۹۔

(۳) مائدہ: ۳۔

(۴) کم، فی حاشیۃ البخاری ج ۱، ص ۶۔

(۵) درس مسموع ص ۳۷۲۔

(۶) مسند امام احمد بن حنبل: ج ۶ ص ۱۷۹۔

کے ایسے عادی تھے کہ طلباء کو اس کا موقع نہیں ملتا تھا ان بزرگوں میں وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ....<sup>(۱)</sup> کا جذبہ تھا۔

دوسری حدیث میں جو آگے کتاب الایمان میں آئے گی کہ ”افشوا السلام بیسکم“ سلام کو آپس میں پھیلاؤ، چنانچہ اسلامی آداب میں یہاں تک ہے کہ اگر دو آدمی باتیں کرتے جا رہے ہوں اور ان کے درمیان میں درخت وغیرہ آگیا اور ایک لمحہ کے لئے آڑ آگئی تو جب وہ آڑ ختم ہو جائے تو پھر سلام کر دے۔

فائدہ: حضرت امام مسلمؒ پہلے شعب الایمان کے متعلق حدیث لائے اب وہ اسکی احادیث لا رہے ہیں جن میں ایسے اعمال کا بیان ہے جن کو قرآن کریم یا احادیث میں ایمان یا من الایمان کہا گیا ہے یا ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے اس سے بظاہر امام مسلمؒ اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اعمال بھی شعب الایمان میں سے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

۱۶۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، يَقُولُ: إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. (ص: ۴۸، سطر: ۱۰ تا ۱۲)

### تشریح

قوله : مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (ص: ۴۸، سطر: ۱۲)

یہ اسلامی معاشرت کا بنیادی اصول ہے۔ واضح ہو کہ دین کے ۵ بڑے بڑے اہم حصے ہیں۔ جن میں ایک معاشرت ہے اور معاشرت کی اصل یہ حدیث ہے معاشرت کے محرمات ہوں یا فرائض، واجبات و مستحبات ہوں یا مکروہات ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ ناحق کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور ادب کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہمارے کسی عمل سے دوسروں کو ناحق تکلیف یا ناگواری پیش نہ آئے خواہ وہ اپنے سے چھوٹے ہوں یا بڑے سب کا ادب لازم ہے۔

### ایک سوال اور ایک جواب

سوال: یہاں الْمُسْلِمُونَ کا لفظ ہے کیا کافروں کو تکلیف پہنچانا جائز ہے؟

(۱) فتح المسند ج ۱ ص ۴۱۷۔

(۲) درر المسند ج ۱ ص ۳۷۲، ۳۷۳۔

جواب: اگر کافر ذمی ہوں یا معاہدہ ہوں تو اس کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں، غیر مسلموں کے حق میں یہ ناجائز ہونا شریعت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔<sup>(۱)</sup>

### ایک وضاحت

یاد رہے کہ باب بیٹے کو، استاذ شاگرد کو تاویلاً ڈانٹنا ہے۔ یا شرعی حدود میں مار لگاتا ہے یہ ایذائے حرام میں داخل نہیں کیونکہ یہ ناحق نہیں بلکہ خیر خواہی ہے جیسے طبیب مریض وغیرہ کو آپریشن وغیرہ سے تکلیف پہنچاتا ہے مگر وہ خیر خواہی میں داخل ہے یہی تفصیل حدود و قصاص وغیرہ میں بھی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (ص: ۴۸، سطر: ۱۰)

اس میں زبان کو ہاتھ پر مقدم فرمایا ہے اس کی کئی وجہ ہیں:-

۱ ... ایک یہ کہ زبان سے تکلیف پہنچانا آسان ہے اور عام بھی ہے کہ اس کے ذریعے اپنے سے زیادہ طاقت ور آدمی کو بھی تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے جبکہ ہاتھ سے اس کو تکلیف دینا مشکل ہے۔ اسی طرح زبان سے دور دراز کے لوگوں کو حتیٰ کہ مردوں کو بھی تکلیف دی جاسکتی ہے جبکہ ہاتھ سے انہیں تکلیف نہیں پہنچائی جاسکتی۔

۲ ... اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زبان سے پہنچائی ہوئی تکلیف ہاتھ کی تکلیف سے زیادہ الم ناک ہوتی ہے۔ اس کے لئے عربی کا مشہور شعر ہے:-

جراحات السنان لها التيام

ولا يلتام ما جرح اللسان<sup>(۳)</sup>

قوله : وَيَدِهِ (ص: ۴۸، سطر: ۱۰)

زبان کے بعد بقیہ اعضاء کے بجائے صرف ہاتھ کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے کہ زبان کے بعد اکثر ایذا رسانیاں ہاتھ سے ہوتی ہیں یا اس لئے کہ محاورہ میں عمل کی نسبت ہاتھ کی طرف کی جاتی ہے اگرچہ وہ کسی اور عضو سے انجام دیا گیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

(۱) فتح المہم ج ۱ ص ۴۹۔

(۲) عمدہ النہاری ج ۱ ص ۱۳۳۔

(۳) فتح المہم ج ۱ ص ۴۱۸۔

”يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَلَّمَتْ يَدَاهُ“ (۱)

خلاصہ یہ کہ ایذا رسانی خواہ ہاتھ سے ہو یا کسی اور عضو سے دونوں حرام ہیں۔

### ایک تعارض کا ازالہ

سوال: اس حدیث میں مسلمانوں کو اپنے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رکھنے کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے اور اسی باب کی پہلی حدیث میں اطعام الطعام کو خیر الاعمال فرمایا گیا ہے جبکہ صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں آگے صفحہ ۶۲ پر ایک حدیث میں ایمان کو افضل الاعمال فرمایا ہے اور دوسری حدیث میں نماز کو اُس کے وقت پر ادا کرنے کو افضل الاعمال فرمایا ہے بظاہر اُن میں تعارض ہے۔

جواب:- اس کے دو جواب ہیں:-

۱ ... احادیث میں جہاں کسی عمل کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے وہاں اُس سے مراد من افضل الاعمال ہے یعنی افضل اعمال میں سے یہ عمل بھی ہے۔ اور افضل اعمال ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ احادیث کے اس اختلاف کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں:-

۱ ... کبھی یہ اختلاف پوچھنے والوں کے مختلف حالات کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ کسی کے حق میں کوئی عمل افضل ہے اور دوسرے کے حق میں کوئی دوسرا عمل افضل ہے۔

۲ ... کبھی یہ اختلاف وقت کے تقاضوں کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ ایک وقت میں ایک عمل افضل ہے اور دوسرے وقت میں دوسرا عمل۔ لہذا کوئی تعارض نہیں۔

۳ ... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف حیثیتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے مثلاً کھانا کھانا اس حیثیت سے افضل ہے کہ یہ عمل باہمی محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے اور تمام مذاہب میں پسندیدہ اور مرغوب ہے اور وقت پر نماز ادا کرنا اس حیثیت سے افضل ہے کہ اس میں بندے کی شانِ عبدیت سب سے زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح دیگر اعمال کا

افضل ہونا من وجہ دون وجہ ہے۔ (۱)

۱۶۲۔ وَحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

(ص: ۴۸، سطر: ۱۳، ۱۴)

### تشریح

قولہ: **أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟** (ص: ۴۸، سطر: ۱۳)

أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ اُی اُی اعمال الاسلام یعنی اسلام کے اعمال میں کونسا عمل افضل ہے؟

قولہ: **مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.** (ص: ۴۸، سطر: ۱۳)

یہاں من سے پہلے مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ عَمَلُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ... الخ۔ اور اس عمل کا افضل ہونا بظاہر اس حیثیت سے ہے کہ جن اعمال کے ذریعے معاشرہ میں امن و امان قائم کرنے کی کوشش کی جائے یہ عمل اُن سب سے افضل اور سب سے زیادہ موثر ہے۔ (۲)

### باب بیان خصال من اتصف بهن وجده حلاوة الايمان

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ... (الی قولہ)... عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَتَوَدَّ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقَدَّفَ فِي النَّارِ. (ص: ۴۹، سطر: ۲۱)

### تشریح

قولہ: **ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ** (ص: ۴۹، سطر: ۱)

یہاں ثلث مبتدا ہے اور آگے کا جملہ اس کی خبر ہے اور ثلاث اگرچہ نکرہ ہے مگر اس کا مبتدا ہونا اس لئے جائز ہے کہ اس کی تین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور تقدیر عبارت ثلث خصال ہے۔ (۳) یعنی جس کے اندر یہ تین صفات ہوں اس کو ایمان کی لذت نصیب ہوگی۔

(۱) فتح المسہم ج ۱ ص ۴۶۶۔

(۲) درر مسلم ج ۱ ص ۳۷۵۔

(۳) کنز فی فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۔

قوله : خَلَاوَةٌ الْإِيمَانِ (ص: ٣٩، ط: ٢)

ایمان کی لذت سے مراد یہ ہے کہ طاعات میں اگرچہ مشقت ہو مگر اُن میں لذت آنے لگتی ہے جیسے جہاد، تبلیغ اور تقویٰ، علم دین سیکھنا اور سکھانا اور دین کے کاموں میں محنت کرنا کہ اگرچہ ان میں مجاہدے ہیں پھر بھی محبوب ہو جاتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، (ص: ٣٩، سطر: ٢)

آج کل محبت کا معیار اکثر وطن یا پارٹی، قوم یا قبیلہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ ہر حال میں اُسی کا ساتھ دیا جاتا ہے خواہ اس میں ظلم کی حمایت ہو رہی ہو اسی کا نام عصیت ہے یہ جاہلانہ اور مشرکانہ رسم ہے جو سراسرنا جائز ہے۔ دین کی تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہمارا دوست اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی سے محبت ہو تو اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو۔

## سوال و جواب

سوال: محبت تو غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری چیز کا انسان مکلف نہیں؟

جواب: جواب یہ ہے کہ اگر یہاں محبت سے عقلی محبت مراد ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ وہ اختیاری ہے لیکن اگر یہاں محبت طبعیہ مراد ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ محبت طبعی اگرچہ غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اسباب اختیاری ہیں اس لئے اس کا مکلف ہونا خلاف شریعت نہیں۔ مثلاً: آدمی، بیوی، ماں، باپ، اولاد سب سے طبعاً محبت کرتا ہے لیکن اگر نیت اللہ تعالیٰ کے لئے کر لی جائے اور اس محبت کو شرعی احکام کے تابع کر لیا جائے تو یہ بھی عبادت بن جاتی ہے۔ شاگرد اور اُستاد کے درمیان، اسی طرح مرید اور شیخ کے درمیان جو محبت ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں داخل ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَأَنْ يَكْفُرَ أَنْ يُعَوِّدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ، (ص. ٣٩، سطر ٢)

حدیث شریف کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہو گیا اور مسلمان ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹا اُس کے لئے ناگوار ہو۔ اور دلالت النص کے طور پر اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو ابتداء ہی سے مسلمان ہو۔ (۳)

(١) في كمال كمال المعجم (ج ١ ص ١٣٢) عن الحديث: أهل الليل في إيمانهم أهل الله في لهوهم وعن ابن أبي عمير: والله ما لي بده و  
عنهم نعمه في ليلته ما عساه بالأسوف

(۲) درس مستقیم ج ۱ ص ۳۷۶، ۳۷۷.

(۳) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ مرقاۃ ج ۱ ص ۱۴۸، کتاب الایمان۔

۱۶۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ... (الی قولہ) ... عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ طَعَمَ الْإِيمَانِ ... الخ (ص: ۴۹، سطر: ۳۲)

قولہ : طَعَمَ الْإِيمَانِ (ص: ۴۹، سطر: ۳۲)  
ایمان کا مزہ یعنی ایسے شخص کو طاعات میں لذت آنے لگتی ہے اور گناہوں سے وحشت اور نفرت ہونے لگتی ہے۔ (۱)

### باب وجوب محبة رسول اللہ ﷺ

۱۶۶۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَلِيٍّ، ح وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ (وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الْوَارِثِ: الرَّجُلُ) حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ. (ص: ۴۹، سطر: ۶۵)

### تشریح

قولہ : لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ ..... حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ (ص: ۴۹، سطر: ۶۵)

حاصل یہ ہے کہ تمام انسانوں کی محبت سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔ اور یہ تو طے شدہ بات ہے کہ یہاں حب اختیاری مراد ہے غیر اختیاری نہیں کیونکہ انسان اس کا مکلف نہیں۔ لیکن حب اختیاری سے کیا مراد ہے اس میں دو احتمال ہیں:-

۱ ... اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ کا یہ اعتقاد ہو کہ سب سے بڑی ذات مخلوق میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اس درجہ کا اعتقاد تو نفس ایمان کے لئے شرط ہے جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا عقیدہ نہیں رکھتا وہ سرے سے مؤمن ہی نہیں کیونکہ ایسا اعتقاد ضروریات دین میں سے ہے اور اس صورت میں لا یؤمن میں لا سے جنس ایمان کی نفی ہوگی۔



۲ ... دوسرا احتمال یہ ہے کہ حب سے مراد دل کا میلان ہو یعنی حب طبعی مراد ہو۔ اس صورت میں لایو من میں کمال ایمان کی نفی ہوگی۔

اس دوسرے احتمال پر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حب طبعی تو غیر اختیاری ہے تو پھر اس پر کمال ایمان کیوں موقوف ہے؟

اس کا جواب بھی وہی ہے کہ اگرچہ حب طبعی غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اسباب اختیاری ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال، جمال، نوال، امت پر شفقت کرنا، امت پر احسانات، امت کے حق میں شفاعت کرنا وغیرہ۔ ان میں غور کرنے اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشقوں کی صحبت اختیار کرنے سے حب طبعی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ سب امور اختیاری ہیں۔

یہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شعب الایمان میں سے ہے اور یہ تمام احادیث مرجیہ کے مذہب کی تردید کر رہی ہیں۔ کہ کسی کا ایمان اُس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ باطنی اعمال و اخلاق بھی حاصل نہ ہوں۔<sup>(۱)</sup>

### باب الدلیل علی أنّ من خصال الایمان... الخ

۱۶۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قولہ)... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ - أَوْ قَالَ: لِحَارِهِ - مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (مس: ۵۰، سطر: ۲۱)

#### تشریح

قولہ: حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ (مس: ۵۰، سطر: ۲۱)

اس حدیث میں بھائی سے دینی بھائی مراد ہے۔ اور یہاں بظاہر لایو من میں کمال ایمان کی نفی مراد ہے۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک جو چیز اپنے لئے پسند کرے اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) درجی مسلم ج ۱ ص ۳۷۷، ۳۷۸۔

(۲) فتح المسہم ج ۱ ص ۳۷۸۔

## باب بیان تحریم ایذاء الجار

۱۶۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارَهُ بَوَاقِعُهُ. (مس: ۵۰، سطر: ۴، ۳)

## تشریح

قوله : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ (مس: ۵۰، سطر: ۴)

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص مسلمان تھا لیکن گناہوں کی زندگی میں اس کا انتقال ہو گیا تھا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو اس کو معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادے یا ان گناہوں کی سزا کے بعد جنت میں داخل فرمادے اس لئے اس حدیث مبارک کے اس جملہ "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ" کی ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ایذاء کی حرمت کے معلوم ہونے کے باوجود اس کو حلال سمجھتا تھا وہ کافر ہے جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا۔ یا اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ جو شخص پڑوسیوں کو تکلیف دیتا تھا وہ دخولِ ادلیٰ کے وقت جنت میں داخل نہیں ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : بَوَاقِعُهُ (مس: ۵۰، سطر: ۴)

بوائق جمع ہے بائقہ کی، شدید تکلیف کو کہتے ہیں<sup>(۲)</sup> اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کو شدید تکلیف پہنچانا جنت میں جانے سے مانع ہے یاد رکھئے! صرف نوافل ادا کرنے سے آدمی ولی نہیں بنتا بلکہ بڑی بڑی چیزوں کے ساتھ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی اہتمام رکھنے سے اور زندگی کے تمام شعبوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے سے ولی بنتا ہے۔

## باب الحث علی اکرام الجار والضعیف ولزوم الصحت... الخ

۱۷۰۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

(۱) فتح المسهم ج ۱ ص ۴۳۰۔

(۲) فتح المسهم ج ۱ ص ۴۳۰۔

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ. (مس: ۵۰، سطر: ۶۵۴)

### تشریح

قوله : فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، (مس: ۵۰، سطر: ۵)

یعنی جس بات میں دینی اور دنیاوی فائدہ نہ ہو اُس سے اجتناب کیا جائے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ (مس: ۵۰، سطر: ۶)

بخاری شریف میں ہے کہ ضیافت تین دن تک ہے۔<sup>(۲)</sup> اور اُن میں ایک دن، رات جائزہ ہے اور جائزہ کی تفسیر میں دو قول ہیں:-

۱ ... پہلے ایک دن، رات کے کھانے میں تکلف کرنا یہ جائزہ ہے باقی دنوں میں جو کچھ حاضر ہے وہ پیش کر دینا کافی ہے۔

۲ ... جب مہمان جانے لگے تو اُسے ایک دن، رات کا توشہ یعنی کھانا دینا۔<sup>(۳)</sup>

۱۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ. (مس: ۵۰، سطر: ۸۴۶)

### تشریح

قوله : فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ (مس: ۵۰، سطر: ۷)

یہ جملہ نافیہ ہے مگر یہاں نفی بمعنی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ وہ شخص پڑوسی کو نقصان نہ پہنچائے۔<sup>(۴)</sup>

قوله : فَلْيَقُلْ خَيْرًا (مس: ۵۰، سطر: ۸)

(۱) صحیح البخاری کتاب الأدب باب اکرام الضیف و محلقته ایام بنفسہ رقم الحدیث: ۶۱۳۵۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۳۸۰، علامہ ابی مالکی نے امام شافعی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ بنظر من یزید فکلام فان لم یضرراً تکلم وان راه او شد فیہ سکت (اکمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۱۵۱) یعنی کلام کرتے وقت اس بات کو مد نظر رکھنا چاہئے کہ اگر وہ بات کرنے سے نقصان نہ ہوگا تو وہ بات کر لینی چاہئے لیکن اگر وہ بات کرنے سے نقصان ہو یا نقص نقصان میں شک ہو تو خاموش رہنا چاہئے۔

(۳) فتح الباری ج ۵ ص ۵۳۳۔

(۴) فتح المسہم ج ۱ ص ۳۳۲۔

اس میں فرض، واجب اور مستحب کلام سب داخل ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مباح کلام ذکر نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جس مباح کلام میں دین یا دنیا کا فائدہ نہ ہو اُس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ انجام کے اعتبار سے وہ بھی مباح نہیں رہتا بلکہ مکروہ یا ناجائز ہو جاتا ہے کیونکہ فضول گفتگو کرنے سے اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع ہوتا ہے اور اُسے تکلیف پہنچتی ہے لہذا یہ بھی انجام کے اعتبار سے شر ہے خیر نہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: أُولَئِكَ  
(ص: ۵۰، سطر: ۸)

اس عادت کو پیدا کرنے کے لئے بہت سے لوگوں کو بڑا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اس کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا۔ صوفیاء کرامؒ کے یہاں چار مجاہدے مشہور ہیں:

۱ ... قلت طعام۔ (کم کھانا)۔ ۲ ... قلت منام۔ (کم سونا)

۳ ... قلت كلام۔ (کم بولنا) ۴ ... قلت اختلاط مع الانام۔ (لوگوں سے کم ملنا)

ان میں سے آج کل پہلے دو مجاہدوں کے کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ قوی بہت ضعیف ہو گئے ہیں البتہ آخر کے دو مجاہدے بہر حال ضروری ہیں جو مرشد کی رہنمائی میں کرنے چاہئیں۔ اور ان سب کا مقصد انسان کو لایعنی امور سے اور گناہوں سے بچانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”من حسن اسلام المرء تركه ما لایعنيه“<sup>(۲)</sup>

”یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے لایعنی امور سے بچنا ہے۔“

### باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان... الخ

۱۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: نَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قولہ)... عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ (وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ) قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرَوَّانُ. فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ: قَدْ تَرَكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ،

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۳۸۱۔

(۲) جامع الترمذی باب منه من باب من تكلم بكلمة يضحك به الناس، رقم الحديث: ۲۳۶۷۔

وَذَلِكَ أَوْعَفُ الْإِيمَانِ.

(ص: ۵۱، سطر: ۱۰ تا ص: ۵۱ سطر: ۲)

## تشریح

قوله : قَالَ : أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ (ص: ۵۱، سطر: ۱)

نماز عید میں سنت یہ ہے کہ نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہو لیکن مروان نے خطبہ پہلے اور نماز بعد میں پڑھانی شروع کر دی یہ مروان بن حکم ہیں اور امام بخاریؒ نے مروان کی دو روایتیں اپنی کتاب میں نقل فرمائی ہیں <sup>(۱)</sup> ان کا تعلق بنو امیہ سے تھا یہ حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی تھے اور داماد بھی، ان کی ولادت ہجرت کے دو یا چار سال بعد ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کی ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں اور بقول امام بخاریؒ کے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی حاصل نہیں اور یہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ طیبہ کے عامل (گورنر) تھے۔ <sup>(۲)</sup>

کہا جاتا ہے کہ مروان بن حکم نے خطبہ کو نماز سے شاید اس لئے مقدم کیا تھا کہ لوگ ان سے بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر خوش نہ تھے۔ اس لئے مروان کو خطرہ ہوا کہ اگر نماز کے بعد خطبہ دیا تو یہ لوگ خطبہ نہ سنیں گے اور بعض حضرات نے اس عمل کی نسبت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف کی ہے جو درست نہیں اور محدثین کرامؒ نے ان کے بجائے مسلم کی حدیث باب کوراج قرار دیا ہے۔ جس میں صراحت ہے کہ یہ کام سب سے پہلے مروان نے کیا تھا۔ اور مروان نے یہ کام شاید اپنی مذکورہ بالا مصلحت سے کیا تھا یا احیاناً مقدم کرنے کے بجائے اُسے معمول بنالیا تھا۔ اسی لئے اُس کے عمل پر تنقید کی گئی اور مذکورہ بالا خلفاء پر تنقید نہیں کی گئی۔ <sup>(۳)</sup>

(ص: ۵۱، سطر: ۱)

قوله : فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ،

أَي قَامَ مُتَوَجِّهًا إِلَيْهِ رَجُلٌ يَعْنِي أَيْكَ فَمِنْ أَسْ كِي طَرَفِ رِيخ كَر كَهْرَاهُوا۔ <sup>(۴)</sup>

(ص: ۵۱، سطر: ۱)

قوله : الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ

(۱) دیکھئے صحیح البخاری کتاب الوکالۃ باب اذا ذهب شفاء لوكيل الحج۔ حافظ ابن حجر نے حدی الساری مقدمہ فتح الباری میں فرمایا ہے کہ صحیح البخاری

میں مروان کی دو حدیثیں منقول ہیں، (ج ۲ ص ۱۹۴)

(۲) کتاب فی فتح الباری ج ۱ ص ۴۳۳، ۴۳۴۔

(۳) کمال لا کمال علامہ سید موسیٰ ج ۱ ص ۴۳۳۔

(۴) درج مسلم ج ۱ ص ۲۸۳۔

یہاں ان صاحب نے صرف مسئلہ بیان کیا کوئی بحث نہیں کی اور نہ ہی کوئی جھگڑا کیا، اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ عالم کا بنیادی فریضہ نرمی اور خیر خواہی سے مسئلہ بتلانا ہے اور صحیح بات کی ترغیب دینا ہے۔ علماء کا فریضہ منکر کے مقابلے میں برائی کو ہاتھ سے مٹانا نہیں ہے بلکہ زبان سے منع کرنا ہے اور وہ بھی نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ۔

قوله : قَدْ تَرَكَ مَا هُنَالِكَ، (ص: ۵۱، سطر: ۱)

یہاں هُنَالِكَ ظرفِ زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے یعنی وہ عمل جو زمانہ نبوی اور عہدِ صدیقی میں تھا وہ اب متروک ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنے والا میں پہلا انسان نہیں ہوں بلکہ پہلے بھی ایسا کیا گیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَمَّا هَذَا (ص: ۵۱، سطر: ۱)

یعنی یہ شخص جس نے نکیر کی ہے۔

قوله : فَقَدْ قَضَىٰ مَا عَلَيْهِ (ص: ۵۱، سطر: ۱)

اس نے اپنے اوپر عائد ہونے والے فریضہ نہی عن المنکر کو ادا کر دیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کے اس ارشاد سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ جب ایک شخص امر بالمعروف کر لے اور اس کو دوسروں کی تائید کی ضرورت ہو تو اس کی تائید کرنی چاہئے۔<sup>(۲)</sup> دوسری بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ ”الصلاة قبل الخطبة“ کا جملہ کہہ دینا ہی زبان سے برائی مٹانے کے لئے کافی تھا۔ حالانکہ وہ اس کو پکڑ کر زبردستی مصلے سے ہٹا بھی سکتے تھے لیکن یہ اس لئے نہیں کیا کہ اس سے فتنہ برپا ہو جاتا معلوم ہوا کہ اُس وقت ان کا فریضہ زبان سے نکیر کرنے کا تھا منکر کو ہاتھ سے مٹانے کا نہ تھا۔

یہ حدیث امر بالمعروف (یعنی اچھی بات کا حکم دینا) اور نہی عن المنکر (یعنی بری بات سے منع کرنے) سے متعلق ہے جو دین کا اہم ستون اور اس کی بنیاد ہے اگر یہ ختم ہو جائے تو دین درہم برہم ہو جائے لہذا اس کا جامع خلاصہ سمجھنے کی ضرورت ہے یاد رکھئے! یہ فریضہ جتنا اہم ہے اتنا ہی اس کی حدود و شرائط بھی اہم ہیں۔ ہمارے حضرت بانی دارالعلوم کراچی فرمایا کرتے تھے کہ نماز کی بہت سی

(۱) درسم ج ص ۳۸۳۔

(۲) کنز العمال المعلم ج ۱ ص ۱۵۳۔

تفصیلات قرآن کریم میں نہیں ہیں بلکہ احادیث میں ہیں مثلاً: تعداد رکعات اور ترتیب ارکان وغیرہ لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں بہت ساری تفصیلات قرآن کریم میں بتائی گئی ہیں وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے افراط و تفریط میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ تھا چنانچہ اس بارے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک درست اور دو غلط۔ بعض لوگ اس میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ سنت انبیاء کے مطابق حکمت و خیر خواہی اور نرم کلامی کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ سختی اور غصے سے کام لیتے ہیں اور موقع محل کی رعایت نہیں کرتے۔ اور بعض لوگ بالکل چپ شاہ بن جاتے ہیں کہ ان کے گھر والے حرام و ناجائز کام کرتے رہتے ہیں مگر یہ کچھ نہیں بولتے، اُن کو بالکل منع نہیں کرتے دوسروں کے ساتھ بھی ان کا یہی طرز عمل ہوتا ہے یہ دونوں قسمیں غلط ہیں اور دین کو کمزور کرنے کا ذریعہ ہیں قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی اپنی قوموں کو دعوت اسلام دینے کے لئے جو مکالمے نقل کئے گئے ہیں وہ اس کام میں سنت انبیاء علیہم السلام کی تشریح کے لئے کافی ہیں۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کو دعوت اسلام کے لئے بھیجا اس وقت انہیں تلقین فرمائی ”فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا“<sup>(۱)</sup> (اور فرعون سے نرم بات کہنا) اس کے بارے میں حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ ہم حضرت موسیٰ اور ہارون سے بڑے مصلح نہیں اور ہمارے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ اور سرکش نہیں لیکن جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو فرعون کے مقابلے میں سخت کلامی کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ نرم بات کہنے کا حکم دیا تو ہمیں اپنے مخاطبین سے سخت کلامی کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔ لہذا وعظ و نصیحت میں نرمی اختیار کرنی چاہئے۔

قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قوموں سے جو مکالمے جگہ جگہ نقل فرمائے ہیں ان سے بھی دین کی دعوت اور تبلیغ کرنے والے کے لئے یہ ہدایت اور رہنمائی ملتی ہے کہ ایسے موقع پر حق بات کہنے والے کو صبر و تحمل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لینا چاہئے۔ جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں وہ حق پر ہیں اور ان کی دعوت و تبلیغ سے فائدہ ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ کبھی کبھی دعوت کے کام کو اس خیال سے چھوڑ دیتے ہیں کہ دعوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ لوگ حق بات کو قبول نہیں کرتے اس بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے فرمایا کہ یہ



ان کی سب سے بڑی غلط فہمی اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ کیونکہ جب بھی دعوت دی جاتی ہے اس کا فائدہ ضرور ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:-

”وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ“ (۱)

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس نفع کے پہنچنے میں مختلف اوقات اور اشخاص کے اعتبار سے فرق ہو کہ کسی پر بالکل اثر نہ ہو اور کسی پر زیادہ اثر ہو اور کسی پر کم، کسی کو فوراً فائدہ پہنچ جائے اور کسی کو بعد میں، لیکن ایک حد تک فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ البتہ فائدہ پہنچنے کی تین شرطیں ہیں۔

۱ ... بات حق ہو یعنی شریعت کے مطابق درست ہو۔

۲ ... نیت حق ہو۔ یعنی مخاطب کی خیر خواہی اور اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، اپنی بڑائی جتانا یا مخاطب کی تذلیل و تحقیر مقصود نہ ہو۔

۳ ... طریقہ حق ہو۔ یعنی سنتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مطابق خیر خواہانہ اور حکیمانہ گفتگو ہو، انداز نرم ہو، سخت کلامی نہ ہو۔ جب ان میں سے کوئی شرط مفقود ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ فائدہ نہ ہو ورنہ ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی مذکورہ بات نہایت اہم اور قرآن و سنت کی تعلیمات کا نچوڑ ہے کہ جب حق بات حق نیت سے اور حق طریقہ سے کہی جاتی ہے تو فائدہ ضرور ہوتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور فوراً ہو یا تاخیر سے۔ سب سامعین کو ہو یا بعض کو اس لئے ان تین شرطوں کے ساتھ وعظ و تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا چاہئے۔

قوله : فَلْيَغْيِرْهُ بَيِّدْهُ (ص: ۵۱، سطر: ۳)

یہاں یہ سے مراد قوت ہے اس کے معنی ہوں گے ”لہذا اپنی طاقت سے اس کو بدلے“ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بعض حالات میں فرض عین اور بعض حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے عام حالات میں فرض کفایہ ہے کیونکہ یہاں منکم میں من تبغیضہ ہے اور آیت ”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ“ سے بھی معلوم ہوا کہ اس کام کے لئے بڑی جماعت ہونی چاہئے یہ بھی فرض کفایہ ہونے کی دلیل ہے البتہ اگر کوئی شخص کسی منکر کو دیکھ رہا ہے۔ تو اس شخص پر تنبیہ منکر کی کوشش بقدر استطاعت فرض

عین ہو جاتی ہے اور حدیث باب میں مروان کے واقعہ سے استطاعت کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے۔ بہر حال برائی کو ہاتھ سے مٹانے کی استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ یہ بدلنا اس طرح ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی بڑا منکر یا فتنہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہو اور تفرقہ نہ ہو ورنہ ایسی صورت میں منکر کو ہاتھ سے بدلنا فرض تو کیا جائز بھی نہیں اور جو حکم ہاتھ سے بدلنے کا ہے وہی حکم زبان سے بدلنے کا ہے۔ یعنی اگر زبان سے بدلنے اور روکنے کے نتیجے میں بڑا فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو سکوت واجب ہے مگر اُس وقت دل سے منکر کو بدلے اور دل سے منکر کو بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے اس منکر کو برا سمجھے، اور یہ نیت اور عزم بھی رکھے کہ اگر کبھی مجھے قدرت ہوئی تو ہاتھ اور زبان سے بھی منکر کو تبدیل کروں گا۔ اور اُس سے منع کروں گا بلکہ اُس منکر کے ازالہ کی دعا کرنا بھی دل سے بدلنے میں داخل ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (ص: ۵۱، ط: ۲)

ای اضعف اعمال الایمان یعنی دل سے برائی روکنے سے منع کرنے سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں کیونکہ اگر دل سے بھی ایسے منکر کو برا نہیں سمجھتا جس کے منکر ہونے کا علم ضروری حاصل ہو چکا ہے تو یہ حلال کو حرام سمجھنا ہے۔ اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

ہمارے اکابر کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور رد بدعت کا طریقہ نہایت معتدل تھا۔ دلائل اور خیر خواہی سے اور انبیاء علیہم السلام والے طریقے کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ چنانچہ جب تک ہمارے بزرگ زندہ رہے وہی غالب رہے اور سنتیں زندہ ہوتی رہیں۔ اور جب سے رد بدعت کے نام پر یا عشق رسول کے نام پر تقریروں میں سخت کلامی اور تشدد شروع ہوا اس سے بدعات کو فروغ ملا اور اب یہ ہو رہا ہے کہ کسی منکر کے ازالے کے لئے سنت انبیاء کے بجائے تشدد کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اور متعدد منکرات کھڑے ہو گئے ہیں اس طرز عمل سے بچنا لازم ہے۔<sup>(۲)</sup>

۱۷۶۔ حَدَّثَنِي عُمَرُو النَّاقِذُ، (الِی قولہ) عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ

بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْمُسَوَّرِ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ

مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّةٍ

(۱) اکمال لا کمال للعلامہ السنوسی ج ۱ ص ۱۵۲۔

(۲) درس مسلم ج ۱ ص ۳۸۹۔

قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ، وَأَصْحَابُ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ،  
ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْلِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَفْعَلُونَ مَا لَا  
يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ يَدِيهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ،  
وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةٌ خَرْدَلٍ.

قَالَ أَبُو رَافِعٍ: فَحَدَّثْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ فَأَنْكَرَهُ عَلَيَّ، فَقَدِمَ ابْنُ مَسْعُودٍ  
فَنَزَلَ بِقَنَاءَ فَاسْتَبَعَنِي إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَعُودُهُ، فَأَنْطَلَقْتُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْنَا  
سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، فَحَدَّثَنِيهِ كَمَا حَدَّثْتُهُ ابْنُ عُمَرَ، قَالَ  
صَالِحٌ: وَقَدْ تُحَدِّثُ بِنَحْوِ ذَلِكَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ، (ص: ۵۲، سطر: ۶۴۳)

### تشریح

قوله: عَنْ أَبِي رَافِعٍ، (ص: ۵۲، سطر: ۳)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ان کا نام اسلم ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله: حَوَارِيُّونَ، (ص: ۵۲، سطر: ۴)

یہ حواری کی جمع ہے اور حواری مخلص ساتھی کو کہتے ہیں یہ حور (حاء اور واو کے فتح کے  
ساتھ) سے مشتق ہے اور وہ شدید سفیدی کو کہتے ہیں اور وہ لوگ خلوص نیت اور باطن کی صفائی کی وجہ  
سے حواری کہلائے۔

### ایک سوال اور جواب

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نبی ایسے دکھائے گئے کہ  
ان کے ساتھ ایک دو پیروکار تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی، پیروکار نہ تھا<sup>(۲)</sup> اور اس حدیث باب میں  
ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ان کی امت میں سے کچھ حواری  
اور احباب ایسے تھے جو ان کی سنت کو اختیار کرتے تھے“ بظاہر ان میں تعارض ہے۔

جواب: یہاں حدیث باب میں نبی سے اکثر نبی مراد ہیں۔ ایسے نبی جن کا کوئی پیروکار نہ تھا

(۱) فتح المصنوع ج ۲ ص ۴۳۶۔

(۲) مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۸۵۔

(۳) کمال: کمال المعجم ج ۱ ص ۱۵۵۔

شاذ ہیں والِشَّاذِ كَالْمَعْدُومِ۔<sup>(۳)</sup>

قوله : خُلُوفٌ (ص: ۵۲، سطر: ۴)

یہ خُلُوفٌ بسکون اللام کی جمع ہے بڑے جانشین کو کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ“<sup>(۱)</sup> اور خُلُوفٌ بفتح اللام اچھے جانشین کو کہتے ہیں اور اس کی جمع اخلاف آتی ہے جیسے سلف کی جمع اسلاف آتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، (ص: ۵۲، سطر: ۴)

یعنی ”کہتے ہو نکلے وہ بات جو کرتے نہیں ہو نکلے“۔ اس کے ظاہر کو دیکھ کر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طاعت پر آدمی خود عمل نہیں کرتا تو دوسروں کو بھی اس کی دعوت نہ دے۔ خوب سمجھ لو کہ ایسا سمجھنا غلط ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نے مختصر الفاظ میں قرآن کریم کی آیت ”لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ“<sup>(۳)</sup> کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ یہاں دعوے کی مذمت ہے دعوت کی نہیں<sup>(۴)</sup> یعنی قول سے مراد جھوٹا دعویٰ کرنا ہے مثلاً تہجد نہیں پڑھتے لیکن دعویٰ کرتے ہیں کہ تہجد گزار ہیں متقی ہیں نہیں لیکن متقی ہونے کا دعویٰ کریں یہ غلط ہے حاصل یہ ہے کہ دعوت دینے کی مذمت نہیں بلکہ دعوے کی مذمت ہے۔ لہذا جس طاعت پر عمل نہ ہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا درست ہے اور یہ اس آیت کے خلاف نہیں۔<sup>(۵)</sup>

قوله : فَمَنْ جَاهَدْهُمْ يَبِيدْهُمْ فَهُوَ مُؤْمِنٌ (ص: ۵۲، سطر: ۴)

یہاں جہاد کے تین درجے بیان کئے گئے ہیں۔

۱ ... جہاد بالید۔

۲ ... جہاد باللسان۔

۳ ... جہاد بالقلب۔

(۲) سورۃ مریم آیت ۵۹۔

(۳) فتح المعجم ج ۱ ص ۳۶۶

(۴) سورۃ الصف ۲

(۵) بیان القرآن ج ۳ ص ۶۱ تحت هذه الآية.

(۵) دریں مسلم ج ۱ ص ۳۹۱۔

اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے اور یہ رضا بالمعصیت ہے اور جب اس کے معصیت ہونے کا علم ضروری حاصل ہو چکا ہو تو اس پر راضی ہونا کفر ہے، لیکن یہاں جہاد سے مراد قتال (لڑائی) نہیں ہے۔ بلکہ کوشش اور مجاہدہ مراد ہے کیونکہ یہاں جہاد باللسان اور جہاد بالقلب کا بھی ذکر ہے اور زبان اور قلب سے قتال نہیں ہوتا نیز پیچھے حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان کے سامنے حق بات کو بذریعہ زبان بیان کر دینا کافی ہے۔

قوله : قَالَ أَبُو رَافِعٍ : فَحَدَّثْتُ عَبْدَ اللَّهِ ... الخ (ص: ۵۲، سطر: ۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس انکار کی وجہ وہ ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے بیان فرمائی ہے۔ کہ حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت یعنی حدیث باب پر تکیر کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ اس حدیث کا ظاہر دیگر روایات سے معارض ہے کیونکہ اس حدیث میں اہل اسلام سے قتال (لڑائی) کی ترغیب کی طرف ذہن جاتا ہے جو کہ درست نہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَتَزَلُّ بِقَنَاءَةٍ (ص: ۵۲، سطر: ۵)

قناة مدینہ منورہ کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : قَالَ صَالِحٌ : وَقَدْ تَحَدَّثُ ... الخ (ص: ۵۲، سطر: ۶)

یعنی حضرت ابورافعؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واسطے کے بغیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

باب تفاضل اهل الايمان فيه ورجحان اهل اليمن فيه

۱۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ :  
أَشَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْيَمَنِ، فَقَالَ : أَلَا إِنَّ الْإِيمَانَ هَهُنَا،  
وَإِنَّ الْقُسُوءَ وَغِلْظَ الْقُلُوبِ فِي الْفُلَادِينَ، عِنْدَ أَصُولِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ، حَيْثُ يَطْلُعُ  
قَرْنَا الشَّيْطَانِ فِي رَيْبَةٍ، وَمُضَرٍ. (ص: ۵۲، سطر: ۱۰۴۸)

تشریح

قوله : فَقَالَ : أَلَا إِنَّ الْإِيمَانَ هَهُنَا، (ص: ۵۲، سطر: ۶)

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتح المعلم ج ۱ ص ۳۳۸ ۳۳۹ وشرح النووی ج ۱ ص ۵۵۲ درج مسلم ج ۱ ص ۳۹۳ ۳۹۴۔

(۲) معجم سدید ج ۶ ص ۴۰۱۔

(۳) کماں اکمل المعلم ج ۱ ص ۱۵۶۔

حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں ایمان ہے۔ اور قلوب کی سختی فدا دیں میں ہے۔

### سوال

یہاں سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے اہل یمن کی کمال و ایمان میں افضلیت معلوم ہوتی ہے حالانکہ مہاجرین و انصار کی افضلیت قرآن کریم سے ثابت ہے؟

### جواب

اس کے دو جواب ہیں:-

۱ ... ایک جواب یہ ہے کہ یہاں اہل یمن کا مقابلہ اہل مشرق کے قبیلے ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے ہو رہا ہے لہذا ان کی افضلیت درحقیقت قبیلہ ربیعہ اور مضر کے مقابلے میں بیان فرمانا مقصود ہے۔ یا مہاجرین و انصار کے علاوہ باقی قبائل عرب پر اہل یمن کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلت جزئیہ ہے یعنی صرف رقت قلب کے اعتبار سے ہے جس کی تفصیل آگے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی کلام میں آرہی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : الْفَدَّادِينَ (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

فداد بالتشديد کی جمع ہے۔ فداد کے کئی معنی آتے ہیں ایک وہ شخص جو چیخنے چلانے والا ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ”فد الرجل فديداً“ جب کوئی شخص اپنے کھیت میں اور اپنے مویشیوں کے پیچھے چیخنے اور چلائے۔

دوسرے وہ شخص جو فدید والا ہو اور فدید کہتے ہیں بہت اونٹ والے کو تو فداد کے معنی ہوئے وہ شخص جو بہت اونٹ والا ہو اور فداد کے تیسرے معنی ہیں ”کثیر المال“ خواہ وہ اونٹ ہوں یا کوئی اور مال لیکن اس حدیث میں آگے چونکہ اذئاب الابل آرہا ہے لہذا یہاں پہلے معنی واضح ہیں یعنی زیادہ زور سے بولنے اور چلانے والے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : عِنْدَ أَصُولِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ، (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

(۱) درجہ سیم ج ص ۳۹۵۔

(۲) کنز العمال، المصنف ج ۱ ص ۱۵۸۔

یہ ترکیب میں فدا دین کے لئے ظرف ہے<sup>(۱)</sup> یعنی وہ لوگ اونٹوں کو ہانکنے کے لئے ان کی دموں کے پاس چپختے چلانے والے ہیں۔

قوله : الْقَسْوَةُ وَغِلْظُ الْقُلُوبِ (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

دونوں کے معنی ہیں سختی یعنی یہ لوگ نصیحت کو سن کر جلدی سے اس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اس کے مقابل دل کی نرمی یہ ہے کہ حق بات نصیحت سن کر اس کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں۔

قوله : يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

القرنان سر کے سینک اور سر کی دو جانب کو کہتے ہیں قرن اس کا واحد ہے۔ ہو سکتا ہے حقیقت مراد ہو کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ وہ اس کے قرنین کے درمیان سے نمودار ہو مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آفتاب ہر وقت کسی نہ کسی علاقے میں طلوع ہو رہا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آفتاب ہر وقت میں قَرْنِ الشَّيْطَانِ کے درمیان میں رہے۔ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں:-

۱ ... آپ نے یہ جملہ اہل مدینہ کے اہل شرعی کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں جو علاقے ہیں وہاں آفتاب بَيْنَ قَرْنِ الشَّيْطَانِ طلوع ہوتا ہے اس صورت میں قرنان کے حقیقی معنی مراد ہیں اور شیطان اس مقصد سے کھڑا ہوتا ہوگا کہ جو شخص اس وقت نماز پڑھے وہ شیطان کے لئے سجدہ کرتے ہوئے نظر آئے۔

۲ ... قرنین سے مراد جماعتیں ہیں یعنی شیطان کی دو جماعتیں ہیں جو اس کی پیروی میں ہیں بظاہر اس سے مراد ربیعہ اور مضر کے قبیلے ہیں جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : فِي رَبِيعَةٍ وَمُضَرٍ (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

یہ فی الفدادین کا بدل ہے<sup>(۳)</sup> کیونکہ یہ لوگ اونٹ پالتے تھے ان میں یہ صفات دل کی سختی وغیرہ اُس وقت موجود تھیں اور ربیعہ و مضر قبیلہ ہے جس کا ذکر وفد عبد القیس میں آیا ہے جن کی

(۱) مکمل اکمال المعجم ج ۱ ص ۱۵۸، علامہ سنوٹی نے ”عند اصول اوزاب الاصل“ کے ذیل میں دلوں میں نرمی اور اچھے اچھے خلاق پیدا کرنے کے لئے فقہ اور حکمت کی مجالس کو لازم پکڑنے اور اہل دل اور اہل عمل مشائخ کی صحبت کو اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی مجاہد اور ایسے اشغال دنیویہ جو ہر خیر سے دور کرنے والے ہیں، ان سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ (ج ۱ ص ۱۵۸، ۱۵۹)

(۲) اکمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۱۵۹ وضع الملہم ج ۲ ص ۴۔

(۳) اکمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۱۵۹



شاذ ہیں والیشاذ کالمعلوم۔<sup>(۳)</sup>

قوله : خُلُوفٌ (ص: ۵۲، سطر: ۴)

یہ خُلُوفٌ بسکون اللام کی جمع ہے بڑے جانشین کو کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ“<sup>(۱)</sup> اور خَلَفٌ بفتح اللام اچھے جانشین کو کہتے ہیں اور اس کی جمع اخلاف آتی ہے جیسے سلف کی جمع اسلاف آتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، (ص: ۵۲، سطر: ۴)

یعنی ”کہتے ہوئے وہ بات جو کرتے نہیں ہوئے“۔ اس کے ظاہر کو دیکھ کر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طاعت پر آدمی خود عمل نہیں کرتا تو دوسروں کو بھی اس کی دعوت نہ دے۔ خوب سمجھ لو کہ ایسا سمجھنا غلط ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نے مختصر الفاظ میں قرآن کریم کی آیت ”لَيْمَ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ“<sup>(۳)</sup> کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ یہاں دعوے کی مذمت ہے دعوت کی نہیں<sup>(۴)</sup> یعنی قول سے مراد جھوٹا دعویٰ کرنا ہے مثلاً تہجد نہیں پڑھتے لیکن دعویٰ کرتے ہیں کہ تہجد گزار ہیں متقی ہیں نہیں لیکن متقی ہونے کا دعویٰ کریں یہ غلط ہے حاصل یہ ہے کہ دعوت دینے کی مذمت نہیں بلکہ دعوے کی مذمت ہے۔ لہذا جس طاعت پر عمل نہ ہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا درست ہے اور یہ اس آیت کے خلاف نہیں۔<sup>(۵)</sup>

قوله : لَمَنْ جَاهَدْهُمْ يَنْبَغِي لَهُمْ قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ (ص: ۵۲، سطر: ۴)

یہاں جہاد کے تین درجے بیان کئے گئے ہیں۔

۱ ... جہاد بالید۔

۲ ... جہاد باللسان۔

۳ ... جہاد بالقلب۔

(۲) سورہ مريم آیت ۵۹۔

(۳) فتح المنہم ج ۱۔ ص ۳۶

(۴) سورہ نصف ۲

(۵) بید الغرر ج ۳ ص ۶۱ تحت هذه الآية۔

(۵) درس مسلم ج ۱ ص ۳۹۔

حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں ایمان ہے۔ اور قلوب کی سختی فدا دین میں ہے۔

### سوال

یہاں سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے اہل یمن کی کمال و ایمان میں افضلیت معلوم ہوتی ہے حالانکہ مہاجرین و انصار کی افضلیت قرآن کریم سے ثابت ہے؟

### جواب

اس کے دو جواب ہیں:-

۱ ... ایک جواب یہ ہے کہ یہاں اہل یمن کا مقابلہ اہل مشرق کے قبیلے ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے ہو رہا ہے لہذا ان کی افضلیت درحقیقت قبیلہ ربیعہ اور مضر کے مقابلے میں بیان فرمانا مقصود ہے۔ یا مہاجرین و انصار کے علاوہ باقی قبائل عرب پر اہل یمن کی افضلیت بیان کرنا مقصود ہے۔

۲ ... دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ افضلیت جزئیہ ہے یعنی صرف رقتہ قلب کے اعتبار سے ہے جس کی تفصیل آگے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ”کیسکام میں آرہی ہے۔“<sup>(۱)</sup>

قوله : الْفَدَّادِينَ (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

فداد بالتشديد کی جمع ہے۔ فداد کے کئی معنی آتے ہیں ایک وہ شخص جو پیچھے چلانے والا ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ”فد الرجل فديداً“ جب کوئی شخص اپنے کھیت میں اور اپنے مویشیوں کے پیچھے پیچھے اور چلائے۔

دوسرے وہ شخص جو فدید والا ہو اور فدید کہتے ہیں بہت اونٹ والے کو تو فداد کے معنی ہوئے وہ شخص جو بہت اونٹ والا ہو اور فداد کے تیسرے معنی ہیں ”کثیر المال“ خواہ وہ اونٹ ہوں یا کوئی اور مال لیکن اس حدیث میں آگے چونکہ اذئاب الابل آرہا ہے لہذا یہاں پہلے معنی واضح ہیں یعنی زیادہ زور سے بولنے اور چلانے والے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : عِنْدَ أَصُولِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ، (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۳۹۵۔

(۲) کتاب کمد المعجم ج ۱ ص ۱۵۸۔

یہ ترکیب میں فدا دین کے لئے ظرف ہے <sup>(۱)</sup> یعنی وہ لوگ اونٹوں کو ہانکنے کے لئے ان کی دموں کے پاس چبھنے چلانے والے ہیں۔

قوله : الْقَسْوَةُ وَغِلْظُ الْقُلُوبِ (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

دونوں کے معنی ہیں سختی یعنی یہ لوگ نصیحت کو سن کر جلدی سے اس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اس کے مقابل دل کی نرمی یہ ہے کہ حق بات و نصیحت سن کر اس کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں۔

قوله : يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

القرنان سر کے سینگ اور سر کی دو جانب کو کہتے ہیں قرن اس کا واحد ہے۔ ہو سکتا ہے حقیقت مراد ہو کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ وہ اس کے قرنین کے درمیان سے نمودار ہو مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آفتاب ہر وقت کسی نہ کسی علاقے میں طلوع ہو رہا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آفتاب ہر وقت میں قَرْنِی الشَّيْطَانِ کے درمیان میں رہے۔ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں:-

۱ ... آپ نے یہ جملہ اہل مدینہ کے افق شرعی کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں جو علاقے ہیں وہاں آفتاب بَيْنَ قَرْنِی الشَّيْطَانِ طلوع ہوتا ہے اس صورت میں قرنان کے حقیقی معنی مراد ہیں اور شیطان اس مقصد سے کھڑا ہوتا ہوگا کہ جو شخص اس وقت نماز پڑھے وہ شیطان کے لئے سجدہ کرتے ہوئے نظر آئے۔

۲ ... قرنین سے مراد جماعتیں ہیں یعنی شیطان کی دو جماعتیں ہیں جو اس کی پیروی میں ہیں بظاہر اس سے مراد ربیعہ اور مضر کے قبیلے ہیں جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ <sup>(۲)</sup>

قوله : فِي رَبِيعَةٍ وَمُضَرَ. (ص: ۵۲، سطر: ۱۰)

یہ فی الفدادین کا بدل ہے <sup>(۳)</sup> کیونکہ یہ لوگ اونٹ پالتے تھے ان میں یہ صفات دل کی سختی وغیرہ اُس وقت موجود تھیں اور ربیعہ وہی قبیلہ ہے جس کا ذکر وفد عبد القیس میں آیا ہے جن کی

(۱) مکمل اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۵۸ علامہ سنوٹی نے ”معارف اصول اذنب الاصل“ کے ذیل میں دلوں میں نرمی اور اچھے اچھے اخلاق پیدا کرنے کے لئے فقہ اور حکمت کی مجالس کو لازم پکڑنے اور اہل دل اور اہل عمل مشارح کی صحبت کو اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی مجالس اور ایسے اشغال دنیویہ جو ہر خیر سے دور کرنے والے ہیں، ان سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ (ج ۱ ص ۱۵۸، ۱۵۹)

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۵۹ وضع المعلم ج ۲ ص ۲۔

(۳) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۵۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی تھی۔

### سوال

جب ان کے دلوں میں سختی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کیسے فرمائی؟

### جواب

اس کے دو جواب ہیں:-

۱ ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ارشاد وفد عبد القیس کے آنے سے پہلے فرمایا ہوگا یعنی ان میں یہ سختی اسلام لانے سے پہلے تھی بعد میں باقی نہ رہی۔<sup>(۱)</sup>

۲ ... اگر وفد عبد القیس کے آنے کے بعد فرمایا تو یہ ارشاد ان کے اکثر افراد کے اعتبار سے ہوگا جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔

۱۸۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزُّهْرَانِيُّ... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَرْقُ أَفْعَدَةَ، الْإِيْمَانِ يَمَانٍ، وَالْفِغَةُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ (ص: ۵۳، سطر: ۲۱)

قوله: جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ، (ص: ۵۳، سطر: ۱)

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء مدینہ طیبہ آئے تھے اس وقت آپ نے جاء اهل یمن فرمایا۔<sup>(۲)</sup>

قوله: هُمْ أَرْقُ أَفْعَدَةَ، (ص: ۵۳، سطر: ۱)

ارق اسم تفصیل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں زیادہ نرم اور افعدۃ فواد کی جمع ہے اور فواد اس جہلی کو کہتے ہیں جو دل کے اوپر ہوتی ہے<sup>(۳)</sup> یعنی ان کے دل زیادہ نرم اور نصیحت کو جلدی قبول کر لیتے ہیں۔<sup>(۴)</sup>

قوله: الْإِيْمَانُ يَمَانٍ،... الخ (ص: ۵۳، سطر: ۱)

(۱) لامع المراری ج ۳، ص ۲۲۔

(۲) فتح الملہم ج ۲، ص ۵۔

(۳) معجم الوسیط ج ۲، ص ۶۷۔

(۴) مکمل اکمال الاکمال ج ۱، ص ۱۶۰۔

ایمان اصل میں یمانی تھا یا بے نسبت حذف کر دی گئی یعنی قابل تعریف ایمان یمن والوں کا ہے اور ایمان کی صفت فقر اور حکمت دوسروں کی نسبت ان میں زیادہ پائی جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

۱۸۲۔ حَدَّثَنِي عُمَرُو النَّاقِذُ،... (الی قوله)... عَنِ الْأَعْرَجِ، قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَضْعَفُ قُلُوبًا وَأَرْقُ أَفْئِدَةً، الْفِقْهُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ (ص: ۵۳، سطر: ۴۳)

### تشریح

قوله: أَضْعَفُ قُلُوبًا (ص: ۵۳، سطر: ۴۳)

اس سے مراد ارق قلوباً ہے یعنی نرم دل ہونا اور ان کی یہ فضیلت جزئیہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کے مختلف آثار ہیں کسی کو ایک اثر کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ اور کسی کو دوسرے اثر کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”میری امت میں سب سے زیادہ رحمدل ابو بکر ہیں۔ اور دین کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت اور مضبوط عمر ہیں اور سب سے بڑھ کر حیا میں حضرت عثمانؓ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ بڑھ کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت حضرت علیؓ میں ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراحؓ ہیں دیکھتے یہ سب صحابی ہونے کی فضیلت میں برابر ہیں لیکن خاص خاص آثار کی وجہ سے ان کی علیحدہ علیحدہ جزوی فضیلت ہے جو ہر ایک کی الگ الگ بیان فرمائی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خاص اثر دوسرے صحابی میں بالکل نہ تھا اسی طرح مہاجرین کو افضلیت اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں سبقت کرنے کے اعتبار سے ہے، انصار کو نصرت کے اعتبار سے افضلیت حاصل ہے اور اہل یمن کو رقت قلب کے اعتبار سے افضلیت حاصل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اہل یمن کی فضیلت جزوی اعتبار سے ہے ورنہ مجموعی طور پر مہاجرین و انصار کو دین کی خاطر عظیم قربانیوں کی وجہ سے اور اسلام لانے میں سبقت کرنے کی وجہ سے افضلیت حاصل ہے خلاصہ یہ کہ اہل یمن کی افضلیت جزوی اعتبار سے ہے۔<sup>(۲)</sup>

۱۸۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوُ الْمَشْرِقِ، وَالْفَخْرُ وَالْخِيَلَاءُ فِي

أَهْلُ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ الْفَدَّادِينَ، أَهْلُ الْوَبَرِ وَالسَّكِينَةِ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ. (ص: ۵۳، سطر: ۴)

### تشریح

قوله : رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ (ص: ۵۳، سطر: ۴)

مدینہ منورہ سے مشرق میں نجد، عراق، ایران اور قبیلہ ربیعہ و مضر واقع ہیں علامہ عثمانی نے فرمایا کہ حدیث کے الفاظ میں عموم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں کفر زیادہ ہوگا چنانچہ قبیلہ ربیعہ و مضر کفر میں سخت تھے اگرچہ عبد القیس بعد میں مسلمان ہو گئے اور ایرانی مجوس بھی کفر میں سخت تھے تا تاری فتنہ بھی مشرق سے اٹھا تھا، قتل حسینؑ جنگ جمل و صفین بھی عراق میں ہوئیں جو مشرق میں ہے و جال کا ظہور بھی مشرق یعنی ایران و عراق سے ہوگا یا جوج ماجوج کا فتنہ بھی تقریباً مشرق سے ظاہر ہوگا<sup>(۱)</sup> اور ہم اہل پاکستان بھی مدینہ منورہ سے مشرق میں واقع ہیں لہذا بہت اہتمام کے ساتھ فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

قوله : أَهْلُ الْوَبَرِ (ص: ۵۳، سطر: ۵)

یعنی اونٹوں کی کھال اور بالوں سے بنائے جانے والے خیموں میں رہنے والے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَالْخَيْلَاءُ لِي أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ... وَالسَّكِينَةِ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ

(ص: ۵۳، سطر: ۴)

سکینت یعنی اطمینان و سکون (نودوی<sup>(۳)</sup>) سیدی حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی عادات و اخلاق پر صرف انسان ہی کے صحبت کے اثرات نہیں بلکہ جانوروں کی صحبت کے بھی اثرات پڑتے ہیں۔<sup>(۴)</sup>

یمن والے بکری پالتے تھے۔ ان کی صحبت کا ایک اثر یہ تھا کہ ان کے دلوں میں نرمی تھی اونٹ اور گھوڑوں کے پالنے والوں میں سختی تھی کیونکہ جانوروں کی صحبت اور ماحول کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے اسی طرح مختلف پیشوں کے بھی مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ مثلاً قصائی بڑے سخت دل ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ گھوڑا اونٹ وغیرہ پالنا جائز نہیں یا قصائی کا پیشہ برا ہے اُسے اختیار کرنا

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۶۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۶۱۔

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۵۳۔

(۴) فتح الملہم ج ۱ ص ۷۔

جائز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے اخلاق و اعمال کی اصلاح میں اسلام زیادہ احتیاط کا تقاضا کرتا ہے لہذا ان پیشے والوں کو احتیاط کرنی چاہئے۔<sup>(۱)</sup>

۱۹۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قولہ)... عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ،  
مِثْلَ حَدِيثِ جَرِيرٍ وَزَادَ: وَالْفَخْرُ وَالْخِيَلَاءُ فِي أَصْحَابِ الْإِبِلِ، وَالسَّكِينَةُ  
وَالْوَقَارُ فِي أَصْحَابِ الشَّاءِ (ص: ۵۳، سطر: ۱۳)

### تشریح

قولہ : وَالسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ فِي أَصْحَابِ الشَّاءِ (ص: ۵۳، سطر: ۱۳)  
تقریباً تمام انبیاء علیہم السلام نے بکریاں چرائی ہیں تاکہ ان میں تواضع و انکساری پیدا ہو سکون  
اور وقار کی صفت حاصل ہو جو امت کی رہنمائی کے لئے ناگزیر ہے۔

۱۹۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قولہ) أَنَّهُ سَمِعَ جَاهِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ  
يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غِلْظُ الْقُلُوبِ، وَالْجَفَاءُ فِي  
الْمَشْرِقِ، وَالْإِيمَانُ فِي أَهْلِ الْحِجَازِ (ص: ۵۳، سطر: ۱۳، ۱۴)

قولہ : الْجَفَاءُ (ص: ۵۳، سطر: ۱۳)  
کسی سے اعراض برتنا اور بدسلوکی کرنا۔ جفا یحفو جفاء سے ہے۔

قولہ : فِي أَهْلِ الْحِجَازِ (ص: ۵۳، سطر: ۱۳)  
پچھلی روایت میں اہل یمن کے ایمان کی فضیلت بیان ہوئی ہے یہاں اہل حجاز کے ایمان کی  
اور ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ایک کی فضیلت دوسرے کی نفی نہیں کرتی۔ ہر ایک کی فضیلت الگ  
حیثیت سے ہے جیسا کہ فتح الملہم کے حوالے سے پیچھے گزرا۔

### باب بیان أنه لا يدخل الجنة الا المؤمنون... الخ

۱۹۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا  
حَتَّى تَحَابُّوْا، أَوْ لَا أَذِلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمْوه تَحَابَبْتُمْ؟ أَفَشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ  
(ص: ۵۳، سطر: ۲۱)



## تشریح

قوله : وَلَا تَوْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، (ص: ۵۳، سطر: ۲۱)

لا تو مونا اصل میں لا تو منون تھا۔ ہو سکتا ہے کہ تحابوا کے ہم شکل ہونے کی وجہ سے نون کو حذف کر دیا گیا ہو علامہ سیوطی اور علامہ ابی نے کہا ہے کہ یہ بھی ایک معروف لغت ہے جس میں نون کو حذف کر دیا جاتا ہے اور یہاں بھی نفی نفی کمال ایمان کی ہے نفس ایمان کی نہیں۔<sup>(۱)</sup>

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ محبت اگرچہ غیر اختیاری ہے لیکن اسباب محبت اختیاری ہیں۔ جن میں سے ایک سلام کرنا بھی ہے ایک خاص بات یہاں پر یہ ہے کہ واجب کا ثواب سنت مؤکدہ سے زیادہ ہوتا ہے قاعدہ اگرچہ یہ ہے لیکن یہاں معاملہ الٹ ہے کہ سلام میں پہل کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سلام کا جواب واجب ہے مگر سلام میں پہل کرنے کا ثواب سلام کے جواب دینے سے زیادہ ہے۔ سلام کرنے کے بہت سے فوائد ہیں ان میں سے تین یہ ہیں:-

۱ ... سلام خیر الاعمال میں سے ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں پیچھے حدیث گزر چکی۔

۲ ... اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے جیسا کہ حدیث باب میں ہے۔

۳ ... بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ سلام میں پہل کرنا کبر کا علاج ہے۔<sup>(۲)</sup>

## باب بیان الدین النصیحة

۱۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ الْمَكِّيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قُلْتُ لِشُهَيْلٍ: إِنَّ عَمْرًا حَدَّثَنَا عَنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِيكَ، قَالَ: وَرَجَوْتُ أَنْ يُسْقِطَ عَنِّي رَجُلًا، قَالَ: فَقَالَ: سَمِعْتُهُ مِنَ الَّذِي سَمِعْتُهُ مِنْهُ أَبِي كَانَ صَدِيقًا لَهُ بِالشَّامِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ شُهَيْلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ تَعِيمِ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ. (ص: ۵۴، سطر: ۵۲۳)

## تشریح

قوله : تَعِيمِ الدَّارِيِّ (ص: ۵۴، سطر: ۵)

(۱) نہ بدح ج ۱ ص ۵۴ و کمار اکمال المعجم ج ۱ ص ۴۴۴

(۲) شعب الایمان لیبہقی ج ۶ ص ۴۳۳۔ باب فی مقاربتہ و مواذتہ اهل الدین

حضرت تمیم داری صحابی ہیں اور ان کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث حساسہ ان سے نقل فرمائی ہے جو آگے جلد ثانی میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ غالباً یہ فضیلت کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔

قوله : الدِّينُ النَّصِيحَةُ (ص: ۵۳، سطر: ۵)

یہ جوامع الکلم میں سے ہے اور پورا دین اس میں آجاتا ہے۔ نصیحت کے معنی ہیں ”کسی کے ساتھ اخلاص کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا سلوک کرنا“ بعض اوقات اچھا سلوک تو ہوتا ہے لیکن اخلاص نہیں ہوتا بلکہ خوشامد اور چالوسی ہوتی ہے یا کوئی دنیاوی غرض ہوتی ہے۔ وہ النصیحة نہیں۔ اور بعض شراح نے النصیحة کو چوتھائی دین کہا ہے اور اس پر الدین کے اطلاق کو مجاز قرار دیا ہے۔ لیکن غور کرنے سے اور بعض شارحین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہی مراد ہے اور پورا دین خیر خواہی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ (ص: ۵۳، سطر: ۵)

اس میں ایمان، اسلام اور احسان سب کچھ آجاتا ہے۔ اگر صرف اللہ ہوتا تب بھی پورا دین اس میں آجاتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے متعلق صحیح عقیدہ رکھے اُس سے محبت رکھے، اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی کتاب پر عمل کرے اور اس کی صفات کمال کا عقیدہ رکھے یہ سب کچھ اس میں داخل ہے۔ اس کے بعد و لکتابہ فرمایا کہ اس کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ اس کی تلاوت کرے، اس کو حفظ کرے، اس کا عالم بنے اور اس کی تعلیم و تبلیغ کرے اور اس کے احکام و ہدایات پر عمل کرے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَلِرَسُولِهِ (ص: ۵۳، سطر: ۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اُن سے محبت کرے، ان کا اتباع کرے، اُن کی تعلیمات کو عام کرے وغیرہ۔<sup>(۳)</sup>

قوله : وَلَا تِمْنَةُ الْمُسْلِمِينَ (ص: ۵۳، سطر: ۵)

(۱) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۲۶۲۔

(۲) فتح المبین ج ۲ ص ۹۔

(۳) ۶۰، ۶۱۔

## اولوا الامر سے کون مراد ہیں؟

اس میں دو احتمال ہیں:-

۱ ... الاثمه سے مراد اولی الامر یعنی حکام ہوں اور عام طور پر یہی مراد لئے جاتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

۲ ... ائمہ سے مراد فقہاء اور مجتہدین ہوں یہ بھی ائمة المسلمین میں داخل ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قرآن مجید میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“<sup>(۳)</sup>

یہاں منکم ای من المسلمین کی قید ہے متقی وغیرہ کی قید نہیں چنانچہ مسلم حکام کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ نیک اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کی جائے اگرچہ وہ خود ظالم اور بد عمل ہوں۔ ہاں اُن کے ناجائز حکم پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے۔

”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق“<sup>(۴)</sup>

اور بشرط قدرت ان کو سنتِ انبیاء کے مطابق امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جائے۔ ائمہ فقہاء کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی فقہ کی تدوین ترویج کی جائے اور عوام ان کے فتاویٰ پر عمل کرے ان کے نیک کاموں میں اُن کے ساتھ تعاون کی جائے،<sup>(۵)</sup> حضرت والائے معارف القرآن میں اولی الامر کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کر کے فرمایا کہ دراصل دونوں مراد ہیں یعنی علماء بھی اور حکمران بھی اس طرح کہ دنیا کے انتظامی امور میں حکام کی اطاعت کی جائے اور دینی امور میں علماء دین کی۔<sup>(۶)</sup>

(ص: ۵۳، سطر: ۵)

قوله: وَعَامَّتِهِمْ

اور عوام کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اُن کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جائے

(۱) کمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۶۴۔

(۲) الدیاج ج ۱ ص ۱۸۰۔

(۳) سورة النساء ۵۹۔

(۴) سنن الکبریٰ لیبیہقی: ج ۳ ص ۱۲۶۔

(۵) کمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۶۴۔

(۶) معارف القرآن ج ۲ ص ۳۵۰۔

اُن کو راحت پہنچائی جائے، تکلیف نہ دی جائے یعنی حدیث ”مَنْ سَلَّمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَه“ پر عمل کیا جائے اُن کے لئے وہی اچھی باتیں پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے اور اُن کے لئے انہی بری چیزوں کو ناپسندیدہ سمجھے جن کو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے وغیرہ۔<sup>(۱)</sup>

۱۹۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الْحَقُّ قَوْلُهُ) عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (ص: ۵۵، سطر: ۲۰۱)

قوله: عَنْ جَرِيرٍ، (ص: ۵۴، سطر: ۵)

بعض روایات میں ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور بعض میں ہے کہ رمضان ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: بَايَعْتُ (ص: ۵۵، سطر: ۱)

احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مختلف قسم کی بیعتیں کی تھیں اُن میں سے چار قسمیں یہ ہیں۔

۱۔ بہت سوں نے بیعت اسلام کی یعنی اسلام قبول کرنے کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔  
۲۔ بیعت علی الجہاد: صلح حدیبیہ میں جو بیعت رضوان ہوئی وہ بیعت قتال تھی کہ لڑائی میں فتح ہوگی یا شہادت۔

۳۔ بیعت علی التقویٰ: یعنی تقویٰ کے اہتمام پر بیعت کی چنانچہ خواتین اسلام سے بیعت لی گئی جس کا ذکر اس آیت میں ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ“<sup>(۳)</sup> یہ خواتین مسلمان تھیں لیکن اس کے باوجود کفر و شرک سے اور اعمالِ سیئہ سے بچنے پر بیعت لی گئی اسی طرح حدیثِ شِوَاب میں حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز قائم کرنے اور مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت لی گئی یہ بیعت علی التقویٰ تھی۔

۴۔ بیعت خلافت: ایسے ہی ایک بیعت خلافت ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے خلفاء کے

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۲۴۔

(۲) ص ۳۳۳ ج ۱ ص ۳۳۳

(۳) سورہ مائدہ ۲

ہاتھ پر ہوئی۔

## سوال

صوفیاء کرام کے ہاں جو بیعت ہوتی ہے وہ کونسی ہے؟

## جواب

یہ شریعت پر پابندی سے عمل کرنے پر بیعت ہوتی ہے اور یہ وہ بیعت ہے جو مذکورہ بالا خواتین نے اور حضرت جریرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کی یہ بیعت علی التقویٰ کہلاتی ہے اور یہ بیعت سنت ہے واجب نہیں کیونکہ اس کا حکم عام نہیں ہے۔ اصلاً شریعت کا اتباع واجب ہے۔ جو بیعت کے بغیر بزرگوں اور علماء کرام سے ہدایت لیتے رہنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ اُن کے ہاتھ پر بیعت ہونے میں برکت ہوتی ہے اور قرآن و سنت کی ہدایات پر عمل آسان ہو جاتا ہے مرید اپنی دینی ذمہ داری کو زیادہ قوت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

۱۹۹۔ حَدَّثَنَا سُريجُ بْنُ يونسَ، وَيَعْقُوبُ الدُّورِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ سَيَّارٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَلَقَّنِي فِيمَا اسْتَطَعْتُ، وَالنُّصْحَ لِكُلِّ مُسْلِمٍ قَالَ يَعْقُوبُ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ: نَا سَيَّارٌ (ص: ۵۵، سطر: ۲، ۳)

## تشریح

قوله: هُشَيْمٌ، عَنْ سَيَّارٍ، (ص: ۵۵، سطر: ۳)

یہ ہشیم ثقہ ہیں مگر مدلس ہیں۔ اور مدلس کا عنعنہ قبول نہیں ہوتا<sup>(۲)</sup> لہذا سند میں علت آگئی اس کا جواب خود امام مسلمؒ کے صنیع سے آگے آرہا ہے۔

قوله: فِيمَا اسْتَطَعْتُ، (ص: ۵۵، سطر: ۳)

اس میں مخاطب کا صیغہ استطعت اور متکلم کا صیغہ اور واحد متکلم صیغہ استطعت دونوں کا احتمال ہے اور دونوں طرح پڑھنا درست ہے پہلی صورت میں معنی ہو گئے کہ سننے اور اطاعت کرنے کی

(۱) درج مسہم ج ۳ ص ۳۰۴۔

(۲) فتح المسہم ج ۲ ص ۲۔

بیعت اس حد تک کرو جتنی تمہارے اندر استطاعت ہو۔ اور دوسری صورت میں معنی ہونگے کہ بیعت میں یوں کہو کہ میں سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کرتا ہوں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : قَالَ يَعْقُوبُ فِي رَوَايَتِهِ : قَالَ : نَا سَيَّارٌ (ص: ۵۵، سطر: ۳)

یہ اس علت کا جواب ہے کہ ہشیم کی سیار سے براہ راست حدیث بیان کرنا بھی منقول ہے صرف عنعنہ ہی نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

حضرت جریرؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ انصح لکل مسلمین کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے، کسی سے سودا کرتے تو اُسے کہتے کہ میں نے یہ چیز تم سے خریدی ہے یہ مجھے زیادہ پسند ہے جو اُس ثمن کے مقابلے میں جو میں نے تمہیں دی ہے ایک مرتبہ اُن کے غلام نے ان کی فرمائش پر تین سو درہم میں گھوڑا خریدا یہ بائع کے پاس گئے اور کہا بھائی تم نے قیمت بہت کم لگائی ہے پھر خود ہی بڑھاتے بڑھاتے آٹھ سو درہم قیمت ادا کی۔<sup>(۳)</sup>

### باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی... الخ

۲۰۰۔ ”حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِمْرَانَ التَّجِيبِيُّ،... (الی قوله)... قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : إِنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ : فَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هَؤُلَاءِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، ثُمَّ يَقُولُ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهُمْ : وَلَا يَنْتَهَبُ نَهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَنْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ.“ (ص: ۵۵، سطر: ۶۴۳)

### تشریح

قوله : لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ... الخ (ص: ۵۵، سطر: ۵)

یہ قاعدہ ہے کہ جب لائے نفی قید اور مقید کے مجموعہ پر داخل ہو تو وہاں نفی قید کی ہوتی ہے۔

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۱۹۰۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۱۱۔

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۵۵۔

یہاں قید ”وہو مومن“ ہے اور اس سے پہلے کا جملہ مقید ہے۔ اور ان دونوں کے مجموعہ پر لا داخل ہے لہذا یہاں مطلب یہ ہے کہ زنا کی حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا، اسی طرح آدمی چوری کرنے اور شراب پینے کی حالت میں مومن نہیں ہوتا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : اَنْ اَبَا بَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هَؤُلَاءِ (ص: ۵۵، سطر: ۶)

اس میں ہولاء سے زنا، چوری اور شراب پینے کی طرف اشارہ ہے۔

قوله : وَلَا يَنْتَهَبُ (ص: ۵۵، سطر: ۶)

انتہاب زبردستی چھیننے اور ڈاکہ ڈالنے کو کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : ذَاتَ شَرَفٍ (ص: ۵۵، سطر: ۶)

قیمتی چیز اور اہمیت والی چیز۔<sup>(۳)</sup>

قوله : يَقُولُ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهُنَّ... الخ (ص: ۵۵، سطر: ۶)

ان الفاظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھا کلمہ حدیث مرفوع نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف سے اور راجح ہے لیکن خوب سمجھیں کہ چوتھا کلمہ بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے حضرت ابو نعیم اصفہانیؒ کی مستخرج علی صحیح مسلم میں مرفوعاً منقول ہے۔<sup>(۴)</sup>

ایک اشکال کے دو جواب

یہ حدیث لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ... الخ واضح طور پر خوارج اور معتزلہ کی دلیل ہے۔ اس لئے اس کی شرح میں شارحین نے تاویل کی ہے۔ چنانچہ اس کے جواب میں تیرہ اقوال ہیں ان میں سے دو قول خاص ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ایک قول وہ ہے جو علامہ شعرانیؒ نے شیخ اکبرؒ سے ایک حدیث<sup>(۵)</sup> کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس حدیث میں وہو مومن کا مطلب یہ ہے کہ اُن گناہوں کے ارتکاب کے وقت واقعی ایمان دل سے نکل جاتا ہے لیکن ایمان دل سے نکل کر اُس پر سایہ فگن ہو جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ ہو لیکن جب

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملہم ج ۲ ص ۱۲۱۱۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۱۳۔

(۳) اکمال، کمال المعجم ج ۱ ص ۱۲۶۔

(۴) ج ۱ ص ۱۲۷۔

(۵) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”اذا زنى العبد عرج عنه الايمان حتى يصير عليه كالظلة فلما اقلع رجع اليه الايمان“ (فتح الملہم ج ۲ ص ۱۲)



یہ آدمی گناہ سے الگ ہو جاتا ہے تو ایمان واپس آ جاتا ہے اور یہ حدیث جس کے حوالے سے مذکورہ جواب نقل کیا گیا ہے مستدرک حاکم میں ہے اور علی شرط الشیخین ہے یعنی یہ حدیث صحیح ہے لہذا اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔<sup>(۱)</sup> لہذا اس سے خوارج و معتزلہ کا مذہب ثابت نہیں ہو سکتا۔

۲ ... دوسرا قول علامہ قرطبیؒ اور امام نوویؒ کا ہے انہوں نے فرمایا کہ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ... الخ کا مطلب یہ ہے کہ حالت زنا میں وہ کامل مومن نہیں ہوتا یعنی ایسا ایمان باقی نہیں رہتا جو دوزخ میں جانے سے بچا سکے خلاصہ یہ کہ لایزنی وغیرہ میں لایٰ کمال کے لئے ہے نفی ایمان کے لئے نہیں۔<sup>(۲)</sup>

۲۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ: اَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ، قَالَ: اَنَا مَعْمَرُ عَنْ هَمَامِ بْنِ

مَنْبِهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... (الْحِی قَوْلُهُ) وَزَادَ "وَلَا

يَغْلُ أَحَدُكُمْ حِينَ يَغْلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَإِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ." (ص: ۵۶، سطر: ۸۲۶)

### تشریح

قوله : لَا يَغْلُ أَحَدُكُمْ حِينَ يَغْلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، ... (ص: ۵۶، سطر: ۸۲۶)

غلول بھی اگرچہ چوری کی ایک قسم ہے کیونکہ غلول کہتے ہیں مال غنیمت میں سے چوری کرنے کو اور چوری کا ذکر پہلے آچکا ہے مگر اس کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا کہ مال غنیمت میں چوری کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ مال غنیمت میں تقسیم ہونے سے پہلے کوئی شخص انفرادی طور پر مالک نہیں ہوتا کہ وہ اس کی حفاظت کرے،

دوسری وجہ وہ ہے جو حضرت والاؒ<sup>(۳)</sup> نے اپنی وفات سے ایک دو روز پہلے بیان فرمائی کہ غنیمت میں سے اگر کوئی چوری کرے تو اس کی توبہ نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بہت سے مجاہدین کی مشترک ملکیت ہوتی ہے جب مجاہدین تقسیم غنیمت کے بعد اپنے اپنے وطن کو واپس چلے جائیں اب اُن سے فرداً فرداً معافی مانگنا یا وہ چوری کی ہوئی چیز یا اس کی قیمت سب میں تقسیم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ دینی مدارس کا چندہ بھی اسی حکم میں ہے اس میں بے شمار لوگوں کا چندہ ہے اور بے شمار

(۱) اکمال المعلم ج ۱، ص ۲۳۵ اور شرح النووی ج ۱، ص ۵۵ ووضوح الملہم ج ۲، ص ۱۱۳۔

(۲) اکمال المعلم ج ۱، ص ۲۳۵ اور شرح النووی ج ۱، ص ۵۵۔

(۳) یعنی حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب۔

لوگوں کا حق ہے۔ طلباء اساتذہ اور ملازمین کا۔ اسی لئے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ مدارس کا پیسہ بہت خطرناک ہے۔<sup>(۱)</sup> متعدد احادیث سے جو آگے آرہی ہیں یہی ثابت ہے۔

### باب خصال المنافق

۲۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قوله)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْ نِفَاقٍ حَتَّى يَدْعَهَا: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ“ (ص: ۵۶، سطر: ۱۳۴۱۱)

### تشریح

قوله: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، (ص: ۵۶، سطر: ۱۱)

اس جملے میں اربع موصوف اور من کن فیہ صفت ہے صفت اور موصوف مل کر مبتدا ہے اور اگلا جملہ کان منافقاً خالصاً اس کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ”من کن فیہ اربع خصال کان منافقاً خالصاً“

لفظ نفاق نفق سے بنا ہے اور نفق سرنگ کو کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup> اور شرعی اصطلاح میں اسکے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اسلام ظاہر کرے اور باطن میں کفر رکھتا ہو۔

نفاق کے لغوی اور شرعی معنی میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح سرنگ میں آدمی ایک طرف سے داخل ہوتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اندر ہے حالانکہ وہ دوسری طرف سے نکل چکا ہوتا ہے اسی طرح منافق ظاہراً اسلام میں داخل ہوتا ہے اور لوگ اس کو مسلمان سمجھتے ہیں حالانکہ وہ دل میں کفر چھپائے ہوئے ہوتا ہے اس طرح وہ اسلام سے نکل جاتا ہے<sup>(۲)</sup> — لیکن حدیث باب میں اگر یہ مشہور معنی مراد لئے جائیں تو زبردست اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تو یہ لازم آیا کہ ان چار گناہوں کی وجہ سے کافر ہو گیا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا حالانکہ یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب نہیں بلکہ

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۲۰۶۔

(۲) ح العروس ج ۷ ص ۷۹۔

(۳) اکمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۱۶۸۔

معتزلہ و خوارج کا مذہب ہے کہ ارتکاب کبیرہ سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس اشکال کے تین جواب ہیں:-

۱ ... نفاق کی دو قسمیں ہیں:- (۱) ... نفاق اعتقادی (یعنی ظاہراً مسلمان ہو اور باطن میں کافر ہو۔

(۲) ... نفاق عملی (یعنی یہ کہ ظاہراً میں تو وعدہ کر رہا ہے مگر دل میں یہ نیت ہے کہ اس وعدہ پر عمل

نہیں کرے گا اور نفاق عملی سے آدمی کافر نہیں ہوتا نفاق حق ہوتا ہے۔ اور یہاں حدیث باب میں

نفاق عملی مراد ہے نفاق اعتقادی مراد نہیں۔<sup>(۱)</sup>

۲ ... حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جہاں کہیں کسی گناہ کے مرتکب کے بارے میں

لاہومن یا فقد کفر جیسے صیغے آئے ہیں اُن میں کوئی تاویل نہ کی جائے بلکہ کہا جائے کہ واقعی

اس نے کفر کیا اس طور پر کہ کفر و شرک و نفاق اور فسق میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔

(۱) ... وہ کفر جو دین سے خارج کرنے والا ہو۔

(۲) ... وہ کفر جو دین سے خارج کرنے والا نہ ہو۔

یہاں حدیث میں کفر سے دوسرا کفر مراد ہے یعنی یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ جرم اتنا شدید ہے کہ

یہ کفر کے قریب ہے اور یہ الفاظ کسی حکمت کی بنیاد پر فرمائے گئے ہیں کہ جب کوئی آدمی یہ وعید سنے تو

اُس گناہ کے قریب جانے سے بھی ڈرے۔<sup>(۲)</sup>

۳ ... ان اعمال کو حلال سمجھتا ہو جبکہ اُسے ان کے بارے میں علم ضروری حاصل ہو چکا ہو کہ اسلام نے

ان کو حرام قرار دیا ہے اور وہ اس کے باوجود ان کو حلال سمجھتا ہو۔ تو وہ حقیقتہً کافر ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله: وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، (ص: ۵۶، مطر: ۱۴)

اگر وعدہ کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ اس کو پورا نہیں کرے گا تو یہ حرام و ناجائز ہے اور نفاق عملی

ہے اور اگر وعدہ کرتے وقت تو وعدہ پورا کرنے کا ارادہ تھا لیکن بعد میں کوئی عذر پیش آ گیا تو وعدہ پورا نہ

کرنے سے گناہگار نہ ہوگا لیکن بلا عذر وعدہ پورا نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) فتح المہم ج ۲ ص ۲۵۹۔

(۲) الصلاة و حکم ترکھا لابن قیمؒ ص ۷۴ و ملوک السلاکین ج ۱ ص ۳۳۶۔

(۳) درہ مسلم ج ۱ ص ۳۱۱، ۳۱۲۔

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدة القاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۳۳۹۔

قوله : وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (ص: ۵۶، سطر: ۱۲)

اس کے معنی ہیں کہ جب جھگڑا کرے تو حد سے تجاوز کرے کیونکہ فجور کے لغوی معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا اور حق سے اعراض کرنا۔<sup>(۱)</sup>

۲۰۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا أُؤْتِيَ خَانَ. (ص: ۵۶، سطر: ۱۳ تا ۱۵)

### تشریح

قوله : آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ (ص: ۵۶، سطر: ۱۳)

پہلی حدیث میں اربع کا ذکر ہے یہاں تین کا۔ مگر اس میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ کم کا عدد اکثر نفی نہیں کرتا۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے تین کا علم دیا گیا تھا بعد میں چار کا علم دے دیا گیا تھا لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَإِذَا أُؤْتِيَ خَانَ (ص: ۵۶، سطر: ۱۳)

امانت کا تعلق صرف روپے پیسے ہی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی متعدد صورتیں ہیں مثلاً مشورہ امانت ہے۔ مروجہ الیکشن (انتخابات) میں ووٹ امانت ہے۔ دوسرے کا راز آپ کے پاس امانت ہے۔ کوئی عہدہ یا منصب آپ نے لیا ہے وہ بھی امانت ہے اسی طرح اور بھی امانت کی متعدد قسمیں ہیں۔<sup>(۳)</sup>

### باب بیان حال ایمان من قال لأخيه المسلم یا کافر

۲۱۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَفَرَ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا. (ص: ۵۷، سطر: ۲۰)

### تشریح

قوله : إِذَا كَفَرَ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا (ص: ۵۷، سطر: ۱۰)

(۱) فتح المنہم ج ۲ ص ۱۶۔

(۲) اکمال المعلم ج ۱ ص ۳۶ و شرح النووی ج ۱ ص ۵۶۔

(۳) درر مسلم ج ۱ ص ۳۳۔

اس حدیث میں بہا کی ضمیر مؤنث کا مرجع اکفر کا مصدر اکفاراً ہے جو بمعنی تکفیر ہے۔ یعنی کفر نہیں لوٹا بلکہ تکفیر لوٹی ہے۔<sup>(۱)</sup> لہذا جس کی تکفیر کی گئی ہے اگر وہ واقعی کافر ہے تو یہ تکفیر اس کی طرف لوٹی ہے اور اُس کا کفر ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر وہ واقعی کافر نہیں ہے تو تکفیر کا یہ گناہ قائل کی طرف لوٹتا ہے۔ جو کبھی فسق کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی کفر کی صورت میں مثلاً اگر کسی نے دوسرے کے بارے میں کہا کہ وہ کافر ہے اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ ہے حالانکہ وہ گستاخ نہیں تو یہ تکفیر قائل کی طرف ایک مسلمان پر تہمت لگانے کی وجہ سے لوٹے گی جو کہ فسق ہے یعنی تکفیر کرنے والا فاسق ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے دوسرے کو مثلاً اس لئے کافر کہا کہ وہ نماز پڑھتا ہے تو اس صورت میں وہ تکفیر قائل کی طرف کفر کی صورت میں لوٹے گی یعنی وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اُس نے نماز کو کفر قرار دے دیا۔

رہی یہ بات کہ کب تکفیر قائل کے فسق کی صورت میں اور کب کفر کی صورت میں لوٹے گی اس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ اگر تکفیر ضروریات دین کے انکار کو شامل ہو تو یہ قائل کی طرف کفر کی صورت میں لوٹے گی جیسے اوپر نماز کی مثال میں ہے ورنہ فسق کی صورت میں لوٹے گی جیسے اوپر کافر کہنے کی مثال میں ہے۔<sup>(۲)</sup>

۲۱۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى النَّصَبِيُّ، وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ" (مس: ۵۷، سطر: ۳، ۴)

### تشریح

قوله: إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، (مس: ۵۷، سطر: ۳)

یعنی جس کے بارے میں کافر کہا گیا ہے اگر واقعہ وہ کافر ہے تو کافر کہنا درست ہے۔

قوله: وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ (مس: ۵۷، سطر: ۳)

(۱) المعجم ج ۱ ص ۲۵۳۔

(۲) درج مسلم ج ۱ ص ۴۱۳۔

اور اگر وہ کافر نہیں ہے تو کہنے والے کی طرف کافر کہنے لوٹے گا اور اس پر اس کا وبال پڑے گا جو کبھی کفر کی صورت میں اور کبھی فسق کی صورت میں جس کا ضابطہ اوپر مذکور ہوا۔

۲۱۴۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الْحِمْصِيُّ) عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لغيرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ، وَمَنْ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، وَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوُّ اللَّهِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ. (مس: ۵۷، طر: ۵۴، ۵۳)

### تشریح

قولہ: لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لغيرِ أَبِيهِ (مس: ۵۷، طر: ۵۴، ۵۳)  
اس حدیث میں من تاکید نفی کے لئے ہے اور یہاں بھی وہی تفصیل ہے جو پیچھے گزری یعنی کفر سے کفر کے قریب ہونا مراد ہے یا کفر سے کفر ان نعمت مراد ہے۔

قولہ: ادَّعَى لغيرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ، (مس: ۵۷، طر: ۵۴، ۵۳)  
حدیث کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص غیر باپ کی طرف باپ ہونے کی جھوٹی نسبت دانستہ کرے تو اس نے کفرانہ عمل کیا اس حکم میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آدمی اپنے نسب کو دوسرے قبیلہ یا کسی دوسری قوم کی طرف منسوب کرے۔<sup>(۱)</sup>

سوال: غیر باپ کی طرف اپنے کو منسوب کرنا گناہِ عملی ہے جو ضروریاتِ دین میں سے نہیں پھر اس پر کفر کا حکم کیوں لگایا گیا ہے؟

اس کے متعدد جواب ہیں:-

۱ ... یہاں غیر باپ کی طرف نسبت کرنے کو حلال سمجھنا مراد ہے۔<sup>(۲)</sup> اس صورت میں واقعہ وہ کافر ہو جائے گا۔

۲ ... جس طرح نفاق کی دو قسمیں ہیں اسی طرح کفر کی بھی دو قسمیں ہیں:-

(۱) کفرِ اعتقادی۔ (۲) کفرِ عملی۔ یہاں حدیث میں کفرِ عملی مراد ہے۔

۳ ... کفر سے کفر ان نعمت مراد ہے۔ یعنی اس نے باپ جیسی عظیم نعمت کا انکار کیا۔<sup>(۳)</sup>

۴ ... اس حدیث میں کفر سے یہ مراد ہے کہ وہ کفر کے قریب ہو گیا اور عربی میں ایسا بکثرت ہوتا ہے جیسے قریب الموت کو مردہ کہہ دیا جاتا ہے۔

قوله : وَمَنْ ادَّعى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، (ص: ۵۷، سطر: ۵)

مثلاً کسی کی تصنیف یا شعر کو یا کسی کے مال کو اپنی طرف منسوب کرنا۔ غرض کہ کسی بھی ایسی چیز کا دعویٰ کرنا اس وعید میں داخل ہے بعض لوگ غلط بیانی سے کام لے کر کسی نسب کو اپنی طرف لگا لیتے ہیں حالانکہ وہ نسب اُن کا نہیں ہوتا جیسے ہمارے زمانے کے جو لاء عموماً عربوں کی اولاد نہیں انہوں نے اپنے آپ کو انصاری کہلانا شروع کر دیا اسی طرح قصائیوں نے قریشی کہلانا شروع کر دیا حالانکہ وہ قریش کی اولاد سے نہیں یہ حرام ہے، البتہ ہم جو اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں وہ نسب کے طور پر نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم امام اعظم ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں اس لئے حنفی کہلاتے ہیں لہذا یہ درست ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ... الخ

حَدَّثَنِي عَمْرُو النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بِشِيرٍ، أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، قَالَ: لَمَّا ادَّعى زَيْدٌ لِقَيْثُ أبا بَكْرَةَ، فَقُلْتُ لَهُ: مَا هَذَا الَّذِي صَنَعْتُمْ؟ إِنِّي سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، يَقُولُ: سَمِعَ أُذُنَايَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ: مَنْ ادَّعى أبا فِي الْإِسْلَامِ غَيْرَ أَبِيهِ، يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ. فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ: أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ص: ۵۷، سطر: ۵)

### تشریح

قوله : لَمَّا ادَّعى زَيْدٌ لِقَيْثُ أبا بَكْرَةَ، (ص: ۵۷، سطر: ۷)

اس حدیث کے سمجھنے کے لئے اس کا پس منظر سمجھنا ضروری ہے وہ یہ کہ حضرت ابو بکرؓ اور زیاد دونوں ماں شریک بھائی ہیں۔ دونوں سمیہ نامی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے اور سمیہ حارث بن کلدہ طیب کی باندی تھی۔ اُسی کے پاس سمیہ کے بطن سے حضرت ابو بکرؓ پیدا ہوئے جو کہ صحابی ہیں۔



زیاد صحابی نہیں ہیں۔ اور زیاد کے باپ کا شروع میں لوگوں کو علم نہ تھا کہ کون ہے؟ اس لئے کوئی اُسے زیاد بن عبید ثقفی کہتا اور کوئی زیاد بن ابیہ کہتا اور کوئی زیاد بن امہ کہتا۔<sup>(۱)</sup> وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں مختلف قسم کے نکاح ہوتے تھے۔ بعض کچھ دن کے لئے ہوتا۔ پھر کسی اور سے کچھ دن کے لئے نکاح ہو جاتا اسلام نے ان نکاحوں کو باطل قرار دیا لیکن ان نکاحوں سے زمانہ جاہلیت میں جو بچے پیدا ہو چکے تھے وہ ثابت النسب کہلاتے تھے۔ اسلام نے بھی دور جاہلیت کے ایسے نکاحوں سے پیدا ہونے والے بچوں کو ثابت النسب قرار دیا۔

زمانہ جاہلیت میں ایک نکاح اس طرح بھی ہوتا تھا کہ کسی باندی سے اس کا مالک بھی مباشرت کرتا اور نکاح کی بناء پر دوسرے لوگ بھی اس سے رجوع کرتے اور ایسی باندی کے بچوں کے ثبوت نسب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ باندی مباشرت کرنے والے جس مرد کو متعین کر دیتی تھی وہی اُس بچہ کا باپ مانا جاتا تھا۔ اور بچہ اُسی کی طرف منسوب ہوتا تھا جب اسلام آیا تو اسلام نے ایسے بچوں کو ثابت النسب قرار دیا لیکن آئندہ کے لئے ثبوت النسب کے قوانین وضع کر دیئے اور قاعدہ یہ مقرر کر دیا کہ ”الولد للفراش وللعاهر الحجر“<sup>(۲)</sup> یعنی جس کے نکاح میں بچہ پیدا ہوگا وہ اُسی سے ثابت النسب ہوگا۔ اور زانی سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

حضرت ابوسفیانؓ نے سمیہ سے نکاح جاہلیت کیا تھا جب سمیہ کے بطن سے زیاد پیدا ہوا تو سمیہ نے اس کو ابوسفیان کی طرف منسوب کیا اور ابوسفیان نے بھی مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے زمانہ جاہلیت ہی میں اقرار کیا تھا کہ یہ اُن کا بچہ ہے اور کچھ لوگوں کو خفیہ طور پر اس کا گواہ بھی بنایا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

حضرت ابوسفیانؓ حضرت معاویہؓ کے والد ہیں جب حضرت معاویہؓ کا دور حکومت آیا اُس وقت تک زیاد کے ابوسفیان کا بیٹا ہونے کی بات مخفی تھی زیاد بڑا ذہین، مدبر، منتظم اور شجاع تھا حضرت علیؓ کا ساتھی تھا ان کے دور خلافت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا۔

جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا تو اس نے گواہوں کو بھیجا کہ حضرت معاویہؓ کو بتاؤ کہ زیاد تمہارا باپ شریک بھائی ہے اور گواہوں کی تعداد اسی جن میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت مالک بن ربیعہ

(۱) شرح النوری ج ۱ ص ۵۷۔

(۲) صحیح البخاری کتاب الحدود باب للعاهر الحجر رقم الحديث: ۲۲۶۹۔

سلوی بھی تھے جو بیعت رضوان میں شریک رہ چکے تھے۔

اب حضرت معاویہؓ کے لئے یہ اہم مسئلہ بن گیا ظاہر ہے بھائی بنانے میں عار بھی تھی۔ اور بدنامی بھی ہو سکتی تھی لیکن جب یہ مسئلہ دس گواہوں کے ذریعہ مدلل ہو کر سامنے آیا تو حضرت معاویہؓ نے انہیں اپنا بھائی بنالیا اور اپنے والد حضرت ابوسفیان سے اس کا نسب لاحق کر دیا جن لوگوں کو یہ صورتحال معلوم نہ تھی ان کو حیرانی ہوئی اور انہوں نے اعتراض کیا چنانچہ ان معترضین میں یہ ابو عثمان بھی تھے جن کا ذکر یہاں حدیث باب میں ہے۔

یاد رہے کہ زیاد ابو بکرؓ کے ماں شریک بھائی ہیں اور حضرت معاویہؓ کے باپ شریک بھائی ہیں۔ چنانچہ ابوسفیان ابو بکرؓ سے ملے وہ سمجھتے تھے کہ شاید ابو بکرؓ خود بھی اس نسب کے لاحق کرنے پر راضی ہیں اسی لئے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے بطور اعتراض کے یہ سوال کیا۔ اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں یہ ابو بکرؓ بھی نسب لاحق کرنے پر ناراض تھے اور ناراضی کی وجہ یہ بتاتے تھے ”والله ما علمت سمیۃ رات اباسفیان قط“<sup>(۱)</sup> خدا کی قسم میں نہیں جانتا سمیہ کو کہ اُس نے ابو سفیان کو دیکھا بھی ہو۔

خلاصہ یہ کہ جو حضرات شروع میں اس نسب کے لاحق کرنے پر اعتراض فرما رہے تھے ان کا اعتراض یہ نہیں تھا کہ زیاد حرامی ہے لہذا اس کا ابوسفیان سے نسب ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ ابوسفیان نے کبھی سمیہ سے مباشرت یا نکاح جاہلی کیا ہی نہیں تھا۔

ہمارے زمانے سے کچھ پہلے جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم گزرے ہیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب خلافت و ملوکیت میں تاریخی واقعات سے یہ ثابت کر نیکی کوشش کی ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ نے سمیہ سے نکاح جاہلی نہیں بلکہ زنا کیا تھا لہذا زیاد حضرت ابوسفیانؓ کا ولد الحرام ہے۔ کیونکہ شریعت میں زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا حدیث مرفوع ہے:

”الولد للفراش وللعاهر الحجر“ (الحديث)

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ”حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق“ میں اس کا سنجیدہ اور مدلل جواب دیا ہے اور اُسی زمانے میں بانی ”جامعہ دارالعلوم کراچی“ نے ”مقام صحابہ“ نامی کتاب لکھی اور اُس میں واضح کیا کہ تاریخی حقائق سے کوئی عقیدہ ثابت نہیں

ہو سکتا اس کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ہو سکتا ہے اور تمام صحابہ کا عادل ہونا ایک اجماعی عقیدہ ہے لہذا جو تاریخی روایات قرآن کریم یا سنت متواترہ کے خلاف ہیں۔ وہ یقیناً جھوٹی ہیں (۱)  
لہذا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم نے ان تاریخی روایات کی بنیاد پر زیادہ کو ولد الحرام لکھا ہے یہ درست نہیں۔ جیسے کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ (۲)

### باب قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله کفر

۲۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ بْنُ الرَّيَّانِ، (الی قوله) ... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ. (ص: ۵۸، سطر: )

### تشریح

قوله: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ (ص: ۵۸، سطر: ۲)

سب سب کا مصدر سباً و سباً آتا ہے اس کے معنی ہیں گالی گلوچ کرنا۔ (۳)  
پہلے ایمان کے شعبوں کا بیان ہوا تھا اور پچھلے کئی باب سے کفر کے شعبوں کا بیان چل رہا ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے۔

فسوق کے لغوی معنی ہیں خروج یعنی نکلنا (۴) اور اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نکلنے کو کہا جاتا ہے۔ (۵) یہاں حدیث میں مسلمان کے ساتھ متقی اور صالح کی قید نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان سے گالی گلوچ کرنا جائز نہیں۔

### باب بیان معنی قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفاراً... الخ

۲۲۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، جَمِيعًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، ح وَحَدَّثَنَا عُيَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ

(۱) مقام صحابہ ص ۱۳، ۱۴۔

(۲) خلاصہ درس مسلم ج ۱، ص ۲۰۹۔

(۳) لسان العرب ج ۶ ص ۹۳۷۔

(۴) المعجم الوسيط ج ۲ ص ۶۸۸۔

(۵) فتح المنہم ج ۲ ص ۲۱۔

حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُثَرِّكِ، سَمِعَ أَبَا زُرْعَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّهِ  
جَرِيرٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: اسْتَنْصِتِ  
النَّاسَ ثُمَّ قَالَ: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (ص: ۵۸،  
سطر: ۲)

### تشریح

قوله: اسْتَنْصِتِ النَّاسَ (ص: ۵۸، سطر: ۵)

اس کے معنی ہیں لوگوں کو خاموش کرو۔<sup>(۱)</sup>

قوله: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا (ص: ۵۸، سطر: ۵)

میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں یعنی ایک  
دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔

قوله: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (ص: ۵۸، سطر: ۵)

سوال: اگر یہ پچھلے لفظ کفار کی تفسیر ہو تو پھر سوال ہوگا کہ قتال گناہِ عملی ہے اعتقادی نہیں اس  
سے لوگ کیسے کافر ہو جائیں گے؟

جواب: اس حدیث میں کفر سے مراد کفر کے قریب ہونا یا کفرانِ نعمت ہے۔ یا یہ مستحل پر محمول  
ہے۔<sup>(۲)</sup>

### ایک تنبیہ

ایمان کا مدار اگرچہ تصدیقِ قلبی پر ہے لیکن بعض اعمال، اقوال اور افعال ایسے ہو سکتے ہیں  
جن کی بنیاد پر انہیں کافر کہا جائے مثلاً کوئی شخص زبان سے لا الہ الا اللہ کا صاف صاف انکار کرے  
اگرچہ تصدیقِ قلبی موجود ہو۔ لیکن چونکہ دل کا حال معلوم نہیں اس لئے اُسے بھی کافر کہیں گے کیونکہ اس  
کا یہ عمل کفر کی صراحت کرتا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تارکِ نماز کو کافر کہا ہے

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ (احل حق) علماء کی بات کو غور سے سنا اور ان کی عزت کرنا۔ محکمین کے لئے لازم ہے اس لئے کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث  
ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کی قرآن کے وقت خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح المسہم ج ۲  
ص ۲۳۔

(۲) اکمال اکمال المعظم ج ۱ ص ۱۷۸۔

اگرچہ دوسرے ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے کیونکہ عہد رسالت میں تاركِ صلاة کو کافر سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں تاركِ صلاة صرف کافر ہی کرتا تھا۔<sup>(۱)</sup>

۲۲۲۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: وَيَحْكُمُ (أَوْ قَالَ: وَيُلْكُمُ) لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (ص: ۵۸، سطر: ۷۰۶)

### تشریح

قوله : وَيَحْكُمُ (أَوْ قَالَ: وَيُلْكُمُ) (ص: ۵۸، سطر: ۷۰۶)  
یہ کبھی ہلاکت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو ہلاکت کے قریب ہو چکا ہو اور اُسے بچانے کے لئے خبردار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور کبھی کسی کی حالت پر رحم اور تعجب کا اظہار مقصود ہوتا ہے یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### باب اطلاق اسم الکفر علی الطعن فی النسب والنیاحة

۲۲۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الى قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اثْنَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: الطُّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ. (ص: ۵۸، سطر: ۱۰۴۸)

### تشریح

قوله : اثْنَانِ فِي النَّاسِ (ص: ۵۸، سطر: ۹)

ای محصلتان اثنتان یعنی دو عادتیں۔<sup>(۳)</sup>

کسی کے نسب پر طعن و تشنیع حرام ہے اور کفر کا شعبہ ہے۔ جس طرح اپنا جھوٹا نسب بیان کرنا حرام ہے اسی طرح دوسرے کے نسب پر طعن زنی حرام ہے۔

قوله : وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ (ص: ۵۸، سطر: ۱۰)

(۱) درکب مسلم ج ۱ ص ۳۲۱۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۳۔

(۳) اکمال المعلم ج ۱ ص ۳۲۶۔

یعنی اور میت پر نوحہ خوانی۔

یہاں بھی بہم کفر میں وہی تاویلات ہونگی جو پیچھے بار بار بیان ہو چکی ہیں یعنی کفر سے کفر کے قرب ہونا یا کفرانِ نعمت مراد ہے۔ یا یہ حدیث حرمت کا علم ہونے کے باوجود اس کو حلال سمجھنے والے پر محمول ہے۔

### باب تسمیۃ العبد الابق کافراً

۲۲۵۔ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السُّعْدِيُّ، قَالَ: نَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنِي ابْنَ عَلِيَّةَ)، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ حَرِيرٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتَّى يَرْجَعَ إِلَيْهِمْ. قَالَ مَنْصُورٌ: قَدْ وَاللَّهِ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُرَوَى عَنِّي هَاهُنَا بِالْبَصْرَةِ. (ص: ۵۸، سطر: ۱۱، ۱۰)

### تشریح

قولہ : أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ... (ص: ۵۸، سطر: ۱۱)

ابق میں باء کا فتح بھی جائز ہے اور کسرہ بھی لیکن فتح زیادہ فصیح ہے<sup>(۱)</sup> اور کفر میں یہاں بھی وہی تفصیل ہے جو پیچھے بار بار بیان ہوئی۔ یعنی کفرانِ نعمت یا کفر کے قریب ہونا یا حرام ہونے کے باوجود حلال سمجھنا۔

قولہ : قَالَ مَنْصُورٌ: قَدْ وَاللَّهِ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُرَوَى عَنِّي هَاهُنَا بِالْبَصْرَةِ. (ص: ۵۸، سطر: ۱۱)

منصور کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ حدیث عام لوگوں کے سامنے تو مرفوعاً نہیں سنائی بلکہ موقوفاً علی جریر روایت کی ہے مگر درحقیقت یہ حدیث مرفوع ہے یعنی حضرت جریرؓ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے ظاہر سے اپنے باطل مذہب کی تائید کا دعویٰ کر سکتے تھے حالانکہ اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں اس لئے منصور نے اس کو بصرہ میں مرفوعاً بیان کرنا پسند نہیں کیا کیونکہ بصرہ خوارج کا گھر تھا وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے حق

میں استعمال کر سکتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

اس سے معلوم ہوا کہ جب اور جہاں صحیح روایت کا بیان کرنا دینی مصلحت کے خلاف ہو مثلاً یہ اندیشہ ہو کہ بعض سامعین اس حدیث کا مطلب غلط سمجھ بیٹھیں گے یا دوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے غلط مطلب بتائیں گے وہاں ایسی حدیث بیان نہ کرنا چاہئے کیونکہ ہر حدیث صحیح کو ہر جگہ بیان کرنا مناسب نہیں ہوتا لہذا موقع محل دیکھ کر بیان کرنا چاہئے۔

۲۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ دَاوُدَ، عَنْ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ. (ص: ۵۸، سطر: ۱۲)

### تشریح

قوله: فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ (ص: ۵۸، سطر: ۱۲)

اس حدیث میں ذمہ سے مراد ضمانت، حمایت، حفاظت اور امان ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلام فرار ہونے سے پہلے اپنے مالک کی قید اور سزا سے شرعاً محفوظ تھا مگر اب بھگڑا ہونے کی وجہ سے محفوظ اور مامون نہ رہا۔<sup>(۲)</sup>

۲۲۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: كَانَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ. (ص: ۵۸، سطر: ۱۲، ۱۳)

### تشریح

قوله: لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ (ص: ۵۸، سطر: ۱۳)

یہاں صحت اسلام کی نفی مراد نہیں۔ قبولیت کی نفی مراد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز تو ہو جائیگی یعنی ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا مگر ثواب نہ ملے گا۔<sup>(۳)</sup>

(۱) اکمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۳۲۸۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۵۔

(۳) فتح الملہم ج ۱ ص ۲۹۔



## باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء

۲۲۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ فِي إِثْرِ السَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطَرْنَا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكُوفَةِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطَرْنَا بِنَوءٍ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكُوفَةِ (ص: ۵۹، طر: ۲)

## تشریح

قوله: فِي إِثْرِ السَّمَاءِ (ص: ۵۹، طر: ۲)

اس میں لفظ اثر اور آئرونیوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ اور بعد کے معنی میں ہیں اور سماء ہر اوپر والی چیز کو کہتے ہیں چنانچہ بادل کو بھی کہتے ہیں مگر یہاں بارش مراد ہے<sup>(۱)</sup> اور فی اثر السماء کا مطلب یہ ہے ”بارش کے بعد“۔

قوله: مُطَرْنَا بِنَوءٍ كَذَا وَكَذَا (ص: ۵۹، طر: ۳)

ناء بنوء نوء آ طلوع وغروب دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ تضاد میں سے ہے<sup>(۲)</sup> اور کذا و کذا سے ستارے مراد ہیں اور یہ کل اٹھائیس ستارے ہیں جو منازلِ قمر کہلاتے ہیں جب ان میں سے ایک ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو اسی وقت ایک ستارہ مغرب میں غروب ہوتا ہے یہاں تک کہ سال بھر میں ان کا یہ عمل پورا ہو جاتا ہے اور ہر ستارے کے حصہ میں تقریباً تیرہ دن آتے ہیں جن کو باہم ضرب دینے سے ۳۶۴ دن ہو جاتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بارش ان ستاروں کے طلوع وغروب سے ہوتی ہے اور اسے وہ بارش کے لئے علت اور موثر حقیقی مانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ کفر ہے کیونکہ ضروریات

(۱) صیانة صحيح مسلم ص ۲۵۶۔

(۲) مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۸۱۵۔

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۵۔

دین کے خلاف ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص علت اور موثر حقیقی اللہ ہی کو ماننا ہو مگر بطور علامت یا سبب کے اس کو کسی ظاہری علامت یا سبب کی طرف نسبت کر دے تو یہ کفر نہیں مثلاً آج کل محکمہ موسمیات والے کہتے ہیں کہ فلاں علاقے میں ہوا کے دباؤ کی کمی کی وجہ سے بارش ہوگی یا بارش ہونے کا امکان ہے یہ اسی میں داخل ہے اور کفر نہیں کیونکہ یہ سبب کی طرف نسبت ہے یہی حکم دواؤں کے بارے میں ہے کہ ان کو شفا کے لئے علت اور موثر حقیقی ماننا کفر ہے اور سبب کے درجہ میں ماننا کفر نہیں۔<sup>(۱)</sup>

۲۳۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِينَ، يُتَزَلُّ اللَّهُ الْغَيْثَ فَيَقُولُونَ: الْكُوكَبُ كَذَا وَكَذَا "وَفِي حَدِيثِ الْمُرَادِيِّ: يَكُوكِبُ كَذَا وَكَذَا. (ص: ۵۸، سطر: ۶، ۵)

### تشریح

قوله: مِنْ بَرَكَةٍ (ص: ۵۸، سطر: ۶)

یعنی بارش۔

۲۳۱۔ حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ،... (الِی قَوْلِهِ) ... حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: مُطِرَ النَّاسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ، قَالُوا: هَذِهِ رَحْمَةُ اللَّهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَقَدْ صَدَقَ نَوْءٌ كَذَا وَكَذَا" قَالَ: فَتَزَلَّتْ هَذِهِ الْآيَةُ: (فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ) حَتَّى بَلَغَ: (وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ). (ص: ۵۹، سطر: ۹۵)

### تشریح

قوله: لَقَدْ صَدَقَ (ص: ۵۹، سطر: ۹)

اس کے معنی ہیں سچ کر دکھایا یعنی اثر کیا۔

قوله: "أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ، (ص: ۵۹، سطر: ۹)

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۳۲۵، علم نجوم کے بارے میں تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتح المسلم ج ۲ ص ۳۰۵ تا ۳۰۶۔

قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں ”شاکر“ کے معاملے میں ”کافر“ کا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفر سے مراد کفرانِ نعمت اور انکارِ نعمت ہے حقیقی کفر یعنی اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا مراد نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ... الخ (ص: ۵۹، سطر: ۹)

یعنی تم نعمت کا یہ شکر ادا کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے لگے ہو۔ (۱)

باب الدلیل علی أن حب الانصار وعلی من الایمان... الخ

۲۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قوله)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ

جَبْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آيَةُ

الْمُنَافِقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ الْمُؤْمِنِ حُبُّ الْأَنْصَارِ (ص: ۵۹، سطر: ۱۰، ۹)

### تشریح

قوله : آيَةُ الْمُنَافِقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ، وَآيَةُ الْمُؤْمِنِ حُبُّ الْأَنْصَارِ (ص: ۵۹، سطر: ۳)

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی دل میں ایمان نہ رکھتا ہو لیکن انصار سے محبت رکھتا ہو تو کیا وہ شخص مؤمن ہو جائے گا، اسی طرح اگر ایک شخص مؤمن ہے مگر کسی انصار سے جھگڑا ہو گیا اور دشمنی ہو گئی تو کیا وہ شخص کافر ہو جائے گا؟

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہاں آیت بمعنی علامت فرمایا ہے کہ انصار سے بغض منافق ہونے کی علامت ہے اور انصار سے محبت مؤمن ہونے کی علامت ہے اور محبت اور بغض ایمان یا نفاق کی علت نہیں فرمایا اور آپ کو معلوم ہے کہ کبھی علامت علامت والے سے جدا بھی ہو جاتی ہے لہذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔<sup>(۳)</sup>

۲۳۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِي،

عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا

يُبْغِضُ الْأَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (ص: ۶۰، سطر: ۳، ۴)

(۱) اکمال المعجم ج ۱ ص ۳۳۲۔

(۲) تفسیر معارف القرآن ج ۸ ص ۲۸۲، تفسیر سورة الواقعة۔

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۳۱، ۳۰۔

## تشریح

قوله : الْقَارِئُ (ص: ۶۰، طر: ۴)

اس میں یا پر تشدید ہے قاری جو قبیلہ قارہ کی طرف منسوب ہے۔ (نووی<sup>(۱)</sup>) اردو میں قاری جس معنی میں استعمال ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں۔

۲۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ،  
ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَاللَّفْظُ لَهُ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ  
عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ زُرٍّ، قَالَ قَالَ عَلِيٌّ: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، إِنَّهُ  
لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ: أَنْ لَا يُجَنَّبِي إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا  
يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ. (ص: ۶۰، طر: ۷۵)

## تشریح

قوله : وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ، (ص: ۶۰، طر: ۶)

الحبّ بیج اور دانہ کو کہتے ہیں۔ یعنی قسم ہے اُس ذات کی جس نے بیج کو پھاڑ کر اس سے کوئیل اور پودے اُگائے۔ اس قسم میں ایسے افعال ذکر کئے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے بنانے سے انسان عاجز ہے۔

قوله : وَبَرَأَ (ص: ۶۰، طر: ۶)

یعنی پیدا کیا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : النَّسَمَةَ، (ص: ۶۰، طر: ۶)

یعنی جاندار۔<sup>(۳)</sup>

سوال: بظاہر یہ حدیث مشکل ہے اور شیعہ اس کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ ہم حضرت علیؑ سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے ہیں۔

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۶۰۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۸۳۔

(۳) الدبیاج ج ۱ ص ۱۸۸۔

اولاً تو انکا محبت کا دعویٰ ہی ناقابل تسلیم ہے کیونکہ یہ لوگ بہت سی ایسی باتوں کے قائل ہیں اور ایسے اعمال کو اپنے مذہب کا حصہ بنائے ہوئے ہیں جو حضرت علیؑ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں اور جو اپنے محبوب کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہو وہ ان کا محبت کیسے ہو سکتا ہے اور ثانیاً اصل جواب یہ ہے کہ ان کو حضرت علیؑ سے اگر محبت ہے تو وہ ایسی طبعی محبت ہے جو شریعت کے مطابق نہیں مثلاً ایسی محبت کرنا کہ حضرت علیؑ کے خدا ہونے کا دعویٰ کرنے لگیں یا شریعت کے خلاف کوئی اور عمل یا قول اختیار کرنے لگیں۔ خلاصہ یہ کہ یہاں محبت سے مراد ایسی محبت ہے جو شرعی حدود میں ہو اور جو محبت شرعی حدود سے باہر ہو وہ شریعت کی اصطلاح میں محبت نہیں اور شیعہ کی محبت ایسی ہی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَلَا يُبْغِضُنِي إِلَّا مُنَافِقٌ (ص: ۶۰، سطر: ۷)

سوال: اس سے شیعہ حضرت معاویہؓ کے نفاق پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ ان کی حضرت علیؑ سے جنگ ہوئی تھی۔ جس کو جنگ صفین کہتے ہیں۔

جواب: جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کی آپس میں جو جنگ صفین ہوئی وہ بغض کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک شرعی مسئلے میں اجتہادی اختلاف کی بنیاد پر تھی۔<sup>(۲)</sup> جس کے متعدد دلائل اور قرائن ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؑ سے پوچھا گیا کہ کل ہمارا حضرت معاویہؓ سے مقابلہ ہے۔ اگر ہمارا کوئی آدمی مارا گیا تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟ فرمایا وہ شہید ہوگا پھر پوچھا کہ اگر حضرت معاویہؓ کے آدمی مارے گئے؟ فرمایا تو وہ بھی شہید ہونگے۔ یہی سوال حضرت معاویہؓ سے بھی کیا گیا انہوں نے بھی اس کا وہی جواب دیا جو حضرت علیؑ نے دیا تھا<sup>(۳)</sup> اور اسی قسم کے سوال و جواب جنگ جمل میں بھی ہوئے تھے۔ جس میں حضرت عائشہؓ سے جنگ ہوئی تھی۔

### باب نقصان الایمان بنقص الطاعات... الخ

۲۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ بْنُ الْمُتَهَاجِرِ الْمِصْرِيُّ،... (الی قولہ)... عَنْ عَبْدِ

اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ،

تَصَدَّقْنَ وَأَكْثِرْنَ الْإِسْتِغْفَارَ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ

(۱) درم مسہم، ج ۱ ص ۴۲۷۔

(۲) فتح المسہم ج ۲ ص ۵۲۔

(۳) مقدمہ ابن عابدون ص ۲۸۵ فصل ۳۰۔

جَزَلَةٌ: وَمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ: تُكْثِرُونَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرُونَ الْعَشِيرَ، وَمَا رَأَيْتُمْ مِنْ نَاقِصَاتٍ عَقْلٍ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِيذَى لُبٍّ مِنْكُمْ؟ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالَّذِينَ؟ قَالَ: "أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ: فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ فَهَذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ، وَتَمَكُّثُ اللَّيَالِي مَا تُصَلِّي، وَتُقَطِّرُ فِي رَمَضَانَ فَهَذَا نُقْصَانُ الدِّينِ." (مس: ۶۰، بطر: ۱۰۷۷)

### تشریح

قوله: رَأَيْتُمْ مِنْ نَاقِصَاتٍ عَقْلٍ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِيذَى لُبٍّ مِنْكُمْ؟ (مس: ۶۰، بطر: ۸)

یہ دیکھنا معراج میں یا نماز کسوف شمس کے وقت تھا۔ (۱)

قوله: جَزَلَةٌ (مس: ۶۰، بطر: ۸)

عقل مند عورت۔ (۲)

قوله: وَمَا لَنَا (مس: ۶۰، بطر: ۸)

اس کے معنی ہیں کیا سبب پیش آیا؟

قوله: تُكْثِرُونَ اللَّعْنَ، (مس: ۶۰، بطر: ۸)

معلوم ہوا کہ عورتوں کی عادت کثرت سے لعن و طعن کرنے کی بہت پرانی ہے۔

قوله: الْعَشِيرَ، (مس: ۶۰، بطر: ۹)

عشرت کا یعنی زندگی کا ساتھی یعنی شوہر مراد ہے۔ (۳)

قوله: لِيذَى لُبٍّ (مس: ۶۰، بطر: ۹)

خالص عقل والا لب خالص عقل کو کہتے ہیں (۴) معنی یہ ہیں کہ خالص عقل والے پر تم سے

زیادہ غالب آنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ عقل و دین میں ناقص ہونے کے باوجود بڑے بڑے عقل مند آدمی عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مشاہدہ اور واقعات اس پر گواہ ہیں۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل برحق ہے۔

(۱) درس مسموع ج ۱ ص ۳۲۸۔

(۲) فتح المعجم ج ۲ ص ۳۳۔

(۳) اکمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۱۸۶۔

(۴) مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۴۷۶۔

## ایک سوال اور جواب

سوال: یہ تو مردوں کا قصور ہے کہ وہ عورتوں کے فتنہ میں آ جاتے ہیں اس کی وجہ سے عورت کیوں جہنم میں جاتی ہے؟

جواب: جہنم میں جانے کی وجہ دین و عقل میں ناقص ہونا یا مردوں کا ان کے فتنہ میں مبتلا ہو جانا نہیں کیونکہ یہ وصف عورتوں کا اختیاری نہیں بلکہ اس کی وجہ وہ ہے جو اسی حدیث میں پہلے بتائی گئی ہے یعنی کثرت سے لعنت کرنا اور شوہر کی ناشکری کرنا۔ رہی یہ بات کہ عقل مند مردوں پر غالب آنا تو یہ بات دو وجہ سے ارشاد فرمائی۔ ایک تو یہ کہ مردوں کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ دیکھو عورتوں کے معاملہ میں احتیاط کرنا ان کے فتنہ میں مبتلا نہ ہونا۔ دوسرے عورتوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ تم ایسے کام اختیار نہ کرو جس کی وجہ سے مرد فتنے میں مبتلا ہو جائیں خلاصہ یہ ہے کہ مرد بھی احتیاط سے کام لیں اور عورتیں بھی۔<sup>(۱)</sup>

قوله: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا نَقَصَانُ الْعَقْلِ وَالْدِّينِ؟ (ص: ۶۰، سطر: ۹)

یہ سوال بھی خود کم عقلی کی دلیل ہے کیونکہ بکثرت لعنت کرنا اور شوہر کی ناشکری کرنا بھی عقل و دین کی کمی کی وجہ سے ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اس کا جواب میرے پہلے جملہ میں آچکا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آسانی کے لئے ازراہ شفقت و رحمت زیادہ واضح دلیل ارشاد فرمائی۔ کہ عقل کی کمی کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دی گئی ہے<sup>(۲)</sup> اور دین کی کمی یہ ہے کہ عورتیں بہت سے رات و دن اس طرح گزارتی ہیں کہ نفاس اور ماہواری کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتیں اور رمضان میں روزہ نہیں رکھتیں اور یہ کمی اس وجہ سے ہے کہ نماز کی تو قضا نہیں لہذا ان دنوں کی نماز کے ثواب سے محروم رہی اور رمضان کے روزوں کی قضا اگر چہ کرتی ہیں مگر رمضان کی فضیلت سے محروم ہیں۔

## تنبیہ

بعض مردوں کی عادت ہو گئی ہے کہ وہ عورتوں کو ناقصات العقل والدین کہتے رہتے ہیں مقصود ان کو ملامت کرنا اور ان کو نیچے دکھانا اور ان کا مذاق اڑانا ہوتا ہے اس نیت سے عورتوں کو ایسا کہنا

(۱) فتح المبلغ (بالاختصار) ج ۲ ص ۲۸۰، ۲۸۱۔

(۲) سورة البقرة: آیت ۲۸۲۔



نا جائز اور حرام ہے اور ایذاءِ مسلم میں داخل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملامت کے طور پر نہیں بلکہ اس لئے فرمایا تھا کہ وہ اپنی عقل کی کمی کی تلافی اس طرح کریں کہ اپنی عقلوں پر زیادہ بھروسہ نہ کریں بلکہ اپنے خیر خواہ مردوں سے بھی مشورہ کر لیا کریں اور دین کے جو اعمال ان کے کم ہو گئے ہیں ان کی تلافی دوسرے اعمال سے کریں مثلاً صدقہ، خیرات اور کثرتِ استغفار وغیرہ سے کرنے چنانچہ اسی حدیث کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ اور کثرتِ استغفار کی نصیحت فرمائی اور یہ مقصود تھا کہ وہ لعن و طعن اور شوہر کی ناشکری کے گناہ سے بچنے کی کوشش کریں اور مردوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے سے اجتناب کریں اور دوسری طرف مردوں کو تنبیہ کرنا بھی مقصود تھا۔ کہ وہ اپنی عقلوں کا استعمال کریں اور فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ عورتوں کا عقل و دین میں ناقص ہونا ان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے اور ملامت غیر اختیاری امور میں نہیں ہوتی۔<sup>(۱)</sup>

### باب اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاة

۲۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا : حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السُّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ : يَا وَيْلَهُ (وَفِي رِوَايَةٍ أَبِي كُرَيْبٍ : يَا وَيْلِي) أَمَرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ. (ص: ۶۱، طر: ۳۲۱)

### تشریح

قوله : إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السُّجْدَةَ (ص: ۶۱، طر: ۲۴)

ای ایة السجدة<sup>(۲)</sup> یعنی سجدہ کی آیت پڑھتا ہے۔

قوله : يَا وَيْلِي (ص: ۶۱، طر: ۲)

یہ لام کے فتح کے ساتھ ہے آخر میں الف، الف ندبہ کا ہے۔ اور اُسے لام کے کسرہ کے

ساتھ بھی پڑھا گیا ہے<sup>(۳)</sup> یعنی ہائے میری ہلاکت، ہائے میری بربادی۔

(۱) درسِ مسلم ج ۱ ص ۳۳۲، ۳۳۱۔

(۲) الدیباغ ج ۱ ص ۱۹۰۔

(۳) شرح النووی ج ۱ ص ۶۱۔

۲۴۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، كِلَاهُمَا عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشُّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ (ص: ۶۱، سطر: ۵۴۳)

### تشریح

قوله: إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشُّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ (ص: ۶۱، سطر: ۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی اور کفر و شرک کے درمیان ہے یعنی نماز چھوڑنے کا گناہ آدمی اور کفر و شرک کے درمیان واسطہ اور ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس واسطہ کے ذریعے اور اس کے وبال کی وجہ سے کسی بھی وقت وہ کفر میں داخل ہو سکتا ہے<sup>(۱)</sup> کیونکہ اس خطرناک عادت کی وجہ سے اس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور وہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

### باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال

۲۴۴۔ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ح، وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ بْنُ زَيْدٍ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ، بِعَنِي ابْنُ سَعْدٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيْمَانٌ بِاللَّهِ، قَالَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مَبْرُورٌ، وَفِي رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ: إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (ص: ۶۲، سطر: ۲۰۱)

### تشریح

قوله: إِيْمَانٌ بِاللَّهِ (ص: ۶۲، سطر: ۲۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان ہر اعتبار سے سب سے افضل ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی حدیث کے تحت بیان ہوگی۔

۲۴۶۔ حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزُّهْرَانِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ

عُرْوَةَ، ح وَحَدَّثَنَا خَلْفُ بْنُ هِشَامٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مُرَاوِحٍ اللَّيْثِيُّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَالْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَنْفُسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا وَأَكْثَرُهَا ثَمَنًا قَالَ: قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: تُعِينُ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقٍ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ ضَعُفْتُ عَنْ بَعْضِ الْعَمَلِ؟ قَالَ: تَكْفُفُ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ (ص: ۶۲، طر: ۵)

### تشریح

قوله: أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ (ص: ۶۲، طر: ۵)

یعنی جو مالکوں کے نزدیک زیادہ عمدہ ہو۔ دلیل اللہ کا ارشاد ہے:-

”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“ (۱)

قوله: تُعِينُ صَانِعًا (ص: ۶۲، طر: ۵)

صانع کہتے ہیں ہنرمند کو۔ یعنی ہنرمندوں کی مدد کرو۔ مدد کرنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں بعضوں کو جسمانی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعضوں کو مال کی اور بعضوں کو سفارش یا مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے اس حدیث سے صنعت و ہنر کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے، اور اس کے لئے کسی ہنرمند کی مدد کرنے کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔ (۲)

قوله: تَصْنَعُ لِأَخْرَقٍ (ص: ۶۲، طر: ۵)

اخرق غیر ہنرمند کو کہتے ہیں اس کا مؤنث عرقاء ہے۔ (۳)

قوله: تَكْفُفُ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ (ص: ۶۲، طر: ۵)

اس میں الناس عام ہے لہذا ذمی اور مستامن کو بھی شامل ہے کہ ان کو بھی تکلیف دینا جائز نہیں البتہ حربی جب حالت جنگ میں ہو وہ اس میں شامل نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شر اور برائی سے رکنا اور بچنا ہی انسان کے فعل اور کسب میں داخل ہے چنانچہ اس پر ثواب بھی ملتا ہے مگر اس کا ثواب نیت کے بغیر نہیں ملتا جیسا کہ امام قرطبیؒ نے

(۱) آل عمران ۹۲۔

(۲) فتح المہم ج ۲ ص ۴۳۔

(۳) بحوالہ بار۔

۲۴۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعِزَّارِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِيَّاسٍ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ لَوْ قُتِلَ قَالَ: قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: بِرُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ: قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمَا تَرَكْتَ أُسْتَرِيدَهُ إِلَّا إِرْعَاءَ عَلَيْهِ (ص: ۶۲، سطر: ۹۵۷)

### تشریح

قوله: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ لَوْ قُتِلَ قَالَ: قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: بِرُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ: قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (ص: ۶۲، سطر: ۹۵۸)

سوال: احادیث میں ای اعمال افضل کے جواب میں مختلف اعمال ذکر کئے گئے ہیں۔ اور پیچھے ایک حدیث میں اطعام الطعام و قراءۃ السلام کو افضل الاعمال قرار دیا گیا تھا اس کے بعد ایک حدیث میں المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کو افضل المسلمین فرمایا گیا اور یہاں ایمان کو افضل فرمایا گیا ہے اور اسی باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں الصلاۃ لوقتہا کو افضل الاعمال فرمایا گیا ہے بظاہر یہ تعارض ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں:-

- ۱ ... مختلف اعمال کو افضل فرمانا دریافت کرنے والوں کے حالات کے اعتبار سے ہے۔ یا وقت کے تقاضوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اس لئے ان میں کوئی تعارض نہیں۔
- ۲ ... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے فرمایا کہ مختلف حیثیتوں سے مختلف اعمال کو افضل الاعمال قرار دیا گیا ہے مثلاً کھانا کھلانے اور سلام کرنے کی افضلیت اس اعتبار سے ہے کہ اس سے لوگوں میں بھائی چارہ اور محبت پیدا ہوتی ہے اور کھانا کھلانے کو تمام مذاہب میں پسند کیا جاتا ہے جو بالآخر باہمی محبت کا سبب بنتا ہے اور من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کے عمل کو اس حیثیت سے افضل قرار دیا گیا ہے کہ یہ معاشرہ میں امن و امان پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ (۲)

### باب بیان کون الشرک اقبح الذنوب و بیان اعظمہا بعدہ

۲۵۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۴۔

(۲) کذا فی فتح الملہم ج ۲ ص ۴۴، ۴۳۵، ۴۳۶۔ حریہ تصیل کے لئے دیکھئے: فتح الملہم ج ۲ ص ۴۴، ۴۴۵۔

جَرِيرٌ، وَقَالَ عُثْمَانُ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شَرْحَبِيلَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الذُّنُبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ؟ قَالَ : أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ : قُلْتُ لَهُ : إِنْ ذَلِكَ لَعَظِيمٌ، قَالَ : قُلْتُ : ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ : ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ : قُلْتُ : ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ : ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ. (ص: ۶۳، سطر: ۲۱)

### تشریح

قوله : أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا (ص: ۶۳، سطر: ۲۱)

یہ نوں کے کسرہ کے ساتھ ہے نداء۔ مثل کو کہتے ہیں <sup>(۱)</sup> مراد شریک ہے۔

قوله : ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ (ص: ۶۳، سطر: ۳۳)

ولد کا لفظ لڑکا اور لڑکی دونوں پر بولا جاتا ہے لہذا اردو میں اس کا صحیح ترجمہ ”بچہ“ ہے ولد کے قتل کو اعظم الکبائر میں اس لئے شمار فرمایا ہے کہ یہ متعدد گناہوں کا مجموعہ ہے: مثلاً:

- ۱ ... معصوم جان کا قتل جو بذاتِ خود گناہِ کبیرہ ہے۔

- ۲ ... یہ ایسی معصوم جان پر ظلم ہے جو اپنی اولاد میں سے ہے جو شفقت اور توجہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

- ۳ ... قتل کی بنیاد بخل اور خود غرضی ہے کہ اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ وہ باپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہو۔

- ۴ ... اللہ رب العزت کی صفتِ رزاقیت پر بھروسہ نہ کرنا جس نے ہر جاندار کو روزی دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ <sup>(۲)</sup>

### ضبطِ ولادت کی شرعی حیثیت

آج کل ضبطِ ولادت کی جو صلہ افزائی کی جاتی ہے اور اس مقصد کے لئے ایک بڑا سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے اہل حق اور علماء کرام اس مہم کی حوصلہ شکنی کرتے آئے ہیں اس لئے کہ ضبطِ ولادت کی مہم کی

(۱) شرح بروجی، ج ۱، ص ۶۳

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۳۶۔

بنیادی وجہ یہ ہے کہ اہل مغرب اور دشمنان اسلام نے مسلمانوں کو ڈرایا ہے کہ اگر آبادی بڑھ گئی تو ان کے لئے اسباب معاش مہیا کرنا تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا اور دراصل وہ اس مہم کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف سازش کر رہے ہیں کہ کسی طرح دنیا کے اندر مسلمانوں کی تعداد کم سے کم ہو مسلمانوں کی افرادی قوت ختم ہو جائے اور وہ اہل مغرب سے ٹکرانے کے بجائے اس کی غلامی کا ہار گروں میں ڈالنے پر مجبور ہو جائیں۔ ضبط ولادت کی تحریک میں متعدد نقصانات ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:-

۱ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اِنّی مکاتّر بکم الامم<sup>(۱)</sup> یعنی میں دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا، کے خلاف ہے۔

۲ ... توکل علی اللہ کے خلاف ہے۔

۳ ... اس سے زنا کاری اور بدکاری کا دروازہ کھلتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس عمل کی نظیر عزل ہے جس کا شرعی حکم یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے جائز اور بغیر عذر کے مکروہ تنزیہی ہے یہی حکم ضبط ولادت کی دوسری تدابیر کا ہے بشرطیکہ عقیدہ اللہ تعالیٰ صفت کی رزاقیت کے خلاف نہ ہو۔ البتہ آپریشن کے ذریعہ بچہ دانی کو نکلوا دینا شدید عذر کے بغیر جائز نہیں۔<sup>(۲)</sup> اس مسئلے کی پوری تفصیل ہمارے حضرت والا کی کتاب ”ضبط ولادت کی شرعی حیثیت“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

قوله : اَنْ تُزَايِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ (مس: ۶۳، طر: ۴)

یہ تزانی باب مفاعله سے ہے زانی یزانی مزاناۃ۔ مزاناۃ کا مطلب یہ ہے کہ زنا کے لئے دوستی اور تعلق قائم کرنا حلیۃ کہتے ہیں بیوی کو اور جار پڑوسی کو، اسکو بھی اعظم الکبائر میں اس لئے شمار فرمایا کہ یہ بھی متعدد گناہوں کا مجموعہ ہے۔

۱ ... زنا خود گناہ کبیرہ۔

۲ ... منکوحہ عورت سے زنا میں شوہر کی شدید حق تلفی ہے۔

۳ ... شوہر بھی وہ جو خود تمہارا پڑوسی ہے تمہارے حسن سلوک اور خیر خواہی کا زیادہ مستحق ہے۔

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحديث: ۵۱۱۴۔

(۲) درج مسلم ج ۱ ص ۳۳۸۔

۴ ... پڑوسی کی عورت کو اپنی طرف راغب کیا اور اس سے دوستی قائم کی جس کے نتیجے میں عورت کی توجہ خاوند سے ہٹ گئی جس کی وجہ سے ان کی ازدواجی زندگی برباد ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup>

### باب الکبائر و اکبرها

۲۵۵۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ بُكَيْرٍ بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِذُ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عَلِيٍّ، عَنْ سَعِيدِ الْجُرَيْرِيِّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَلَا أَنْبِئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكِبَائِرِ؟ ثَلَاثًا الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ (أَوْ قَوْلُ الزُّورِ) وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَكِنًا، فَجَلَسَ فَمَا زَالَ يُكْرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ. (ص: ۶۳، مطر: ۲۱)

### تشریح

قوله : وَشَهَادَةُ الزُّورِ (ص: ۶۳، مطر: ۲)

یعنی جھوٹی گواہی۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے عدلیہ کا سارا نظام بیکار ہو جاتا ہے اور انصاف کے بجائے ظلم اور نا انصافی عوام کا مقدر بن جاتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

۲۵۸۔ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ ثَوْرٍ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: الشُّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسَّحَرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَأَكْلُ الرِّبَا، وَالتَّوَلَّى يَوْمَ الزُّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ. (ص: ۶۳، مطر: ۸۴۶)

### تشریح

قوله : السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ (ص: ۶۳، مطر: ۷)

(۱) فتح المہم ج ۲ ص ۴۶۔  
(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے العلم ج ۱ ص ۲۸۲۔



یہ موبقہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ہلاک کرنے والی۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَالتَّوَلَّى يَوْمَ الزُّحْفِ، (ص: ۶۳، سطر: ۷)

زحف کولہوں کے بل چلنا۔ پھر اُسے لشکر کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا کیونکہ جس طرح کولہوں کے بل چلنے والا آہستہ چلتا ہے اسی طرح بڑا لشکر بھی آہستہ چلتا ہے اور لشکر ذریعہ ہوتا ہے جنگ کا اس لئے زحف جنگ کو بھی کہتے ہیں اور یہاں زحف سے جنگ ہی مراد ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : الْغَافِلَاتِ (ص: ۶۳، سطر: ۸)

اس کے معنی ہیں بھولی بھالی۔<sup>(۳)</sup>

۲۵۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ يَشْتِمُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ. (ص: ۶۳، سطر: ۹)

### تشریح

قوله : هَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ (ص: ۶۳، سطر: ۹)

شتم اور سب کے دونوں کے معنی ہیں گالی دینا<sup>(۴)</sup> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ عام طور پر آدمی خود تو اپنے والدین کو گالی نہیں دیتا لیکن دوسرے کے والدین کو دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اس کے والدین کو گالی دینے لگتا ہے اس طرح سے یہ سبب بنتا ہے اپنے والدین کو گالی دینے کا۔ گویا اس نے اپنے والدین کو گالی دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح گناہ حرام ہے اسی طرح گناہ کا جان بوجھ کر سبب بننا بھی حرام ہے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اہل باطل کے بڑوں کو گالی دینا درست نہیں۔ قرآن

(۱) المعجم ج ۲ ص ۲۸۲۔

(۲) مجمع بحار الأموال ج ۲ ص ۴۲۲۔

(۳) علامہ عثمانی نے فرمایا: الغافلات ای عن الاهتمام بالفاحشة، کتابا عن البریات، فان البری غافل عما بہت بہ۔ (فتح المعجم ج ۲ ص ۵۴)

(۴) فتح المعجم عن العربی ج ۲ ص ۵۴۔

کریم میں ہے:

”وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ“ (۱)

اس میں مشرکین کے بتوں کو بھی گالی دینے سے اسی لئے منع فرمایا گیا ہے۔ (۲)

### باب تحریم الکبر و بیانہ

۲۶۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ، جَمِيعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ حَمَّادٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَهَانَ بْنِ تَغْلِبٍ، عَنْ فَضِيلِ الْفُقَيْمِيِّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ قَالَ رَجُلٌ: إِنْ الرَّجُلُ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً، قَالَ: إِنْ اللَّهَ حَبِيبٌ يُحِبُّ الْحَمَالَ، الْكِبَرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمَطُ النَّاسِ. (مس: ۶۵، طر: ۳۲۱)

### تشریح

قوله: مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ (مس: ۶۵، طر: ۳)

اگر یہ شخص مؤمن ہے جس کے دل میں ذرا سا بھی کبر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اسے جنت میں دخولِ اولیٰ نصیب نہ ہوگا۔ (۳)

قوله: بَطَرُ الْحَقِّ، (مس: ۶۵، طر: ۳)

اس میں باء اور طاء دونوں پر فتح ہے اور بطر اسے کہتے ہیں کہ حق کو جاننے کے بعد حق بات کو ٹھکراتا۔ (۳) یہ تکبر کی علامت ہے اور اس کا نتیجہ ہے۔

قوله: وَغَمَطُ النَّاسِ. (مس: ۶۵، طر: ۳)

(۱) سورة الانعام ۱۰۸۔

(۲) اکمال المعلم ج ۱ ص ۳۵۸، ۵۳۷۔

(۳) فتح المنہم ج ۵۵۲۔

(۴) الہایة ج ۱ ص ۱۳۵۔

اس کے معنی ہیں لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

حقیقت تکبر کی یہی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے۔ چنانچہ کسی کافر و مشرک اور کتے کو بھی اپنے سے حقیر سمجھنا کبر میں داخل ہے۔

### ایک سوال اور جواب

سوال: قرآن مجید میں ہے:-

”وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ“ (۱)

حالانکہ ابھی کہا گیا ہے کہ کسی مشرک کو بھی اپنے سے حقیر سمجھنا کبر میں داخل ہے۔

### جواب

کسی مشرک کو حقیر سمجھنا کبر میں اس وقت داخل ہے کہ جب مومن یہ سمجھے کہ میں مال اور انجام کے اعتبار سے بھی کافر و مشرک سے افضل ہوں حالانکہ مال اور انجام کا کسی کو بھی علم نہیں، ممکن ہے کہ معاملہ الٹ ہو جائے کہ مشرک کا خاتمہ ایمان پر ہو اور مومن کا خاتمہ شرک پر۔ اور قرآن کریم میں جو فرمایا گیا ہے کہ عبد مومن بہتر ہے عبد مشرک سے۔ یہ مال اور انجام کے اعتبار سے ہے البتہ نفس کفر و شرک کو ہر حال میں نفس ایمان سے حقیر ہی سمجھنا ضروری ہے نہ کہ کافر و مشرک کی ذات کو اپنے سے حقیر سمجھنا۔ (۲)

۲۶۲۔ حَدَّثَنَا مِنْحَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ،... (الی قوله)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ، وَلَا يَدْخُلُ الْحَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ مِنْ كِبَرِيَاءَةٍ. (ص: ۶۵، طر: ۴، ۳)

### تشریح

قوله: لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ (ص: ۶۵، طر: ۴)

اگر مومن گناہگار ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل نہ ہوگا جو کفار کے ساتھ خاص ہے خلاصہ یہ کہ یہاں النار میں الف لام عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد

(۱) سورة البقرة ۲۲۱

(۲) درج مسلم ج ۱ ص ۴۳۶۔

ہمیشہ کی آگ ہے۔ (۱)

۲۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ. (ص: ۶۵، سطر: ۵۴)

### تشریح

قولہ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ (ص: ۶۵، سطر: ۵) یعنی کبر اتنا بڑا اور سنگین گناہ ہے اگر تھوڑا سا بھی کبر کسی کے دل میں ہوا تو جنت میں داخل نہ ہوگا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ مرض اس قدر مخفی ہے کہ اکثر صاحبِ مرض کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ تکبر میں مبتلا ہے۔ اسلام نے تواضع اور عزت نفس دونوں کا اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے ان دونوں کو حد اعتدال کے ساتھ جمع کرنا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً: تواضع حد سے بڑھ جائے تو نفس کو ذلیل کرنا ہے جو ممنوع ہے اور اگر عزت نفس حد سے بڑھ جائے تو وہ عجب یا تکبر بن جاتا ہے اس لئے اپنے آپ سے غافل نہ رہنا چاہئے اور اس مرض سے بچنے کے لئے شیخِ کامل سے رجوع کرنا چاہئے۔

### باب الدلیل علی أن من مات لا یشرک باللہ

۲۶۹۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قولہ)... أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدَّيْلِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا ذَرٍّ حَدَّثَهُ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ عَلَيْهِ ثَوْبٌ أَمِيسٌ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَإِذَا هُوَ نَائِمٌ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ" قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ: عَلَى رَغَمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: فَخَرَجَ أَبُو ذَرٍّ وَهُوَ يَقُولُ: وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي ذَرٍّ.

(ص: ۶۶، سطر: ۱۰۷۷)

### تشریح

(ص: ۶۶، سطر: ۹)

قولہ: ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ مرتے وقت بھی اس نے کلمہ کو پڑھا اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس حدیث سے اُس مومن شخص کے حق میں جنت کی یہ بشارت ثابت نہ ہوگی جس کو مرتے وقت کلمہ پڑھنا نصیب نہ ہوا۔ جبکہ ایک حدیث جو پیچھے گزر چکی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ ”من قال لا اله الا الله دخل الجنة“ اس سے یہ بشارت مذکورہ مومن کے لئے بھی ثابت ہے لہذا حدیث باب کا دوسرا مطلب جو دوسری احادیث کے زیادہ موافق ہے یہ ہے کہ اس کلمہ پر ایمان کیساتھ اس کا انتقال ہو اور اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور قول اختیار نہ کیا ہو اگرچہ مرتے وقت اس کی زبان پر یہ کلمہ نہ ہو۔<sup>(۱)</sup>

قوله : عَلَى رَغْمِ أَلْفِ أَبِي ذَرٍّ (ص: ۶۶، سطر: ۹)

یعنی ”باوجود ابو ذر کی ناک کے خاک آلود ہونے کے“ اس جملہ سے رسوا ہونا مراد ہے کہ اگرچہ ابو ذر اس میں اپنی رسوائی سمجھیں کہ ایسا شخص جنت میں کیوں داخل ہو گیا پھر بھی وہ جنت میں جائے گا<sup>(۲)</sup> اور یہاں علی بمعنی مع ہے۔

### باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا الله

۲۷۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ،... (الی قوله)... عَنِ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِي، فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا، ثُمَّ لَازِمَنِي بِشَجَرَةٍ، فَقَالَ : أَسَلَمْتُ لِلَّهِ، أَفَأَقْتُلُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ قَالَ : رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَقْتُلُهُ قَالَ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدَيَّ، ثُمَّ قَالَ ذَلِكَ بَعْدَ أَنْ قَطَعَهَا، أَفَأَقْتُلُهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَقْتُلُهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ. (ص: ۶۷، سطر: ۳۵۱)

(۱) درسی منہج ج ۱ ص ۳۳۳۔

(۲) صیانة صحیح منہج ص ۲۷۸۔

## تشریح

قوله : ثُمَّ لَا ذِمِّي (ص: ۶۷، سطر: ۲)

لا ذم، یلوذ، لوذا کے معنی میں ہیں پناہ لینا ترجمہ یہ ہوگا کہ پھر اس نے مجھ سے بچنے کے لئے درخت کی پناہ لی۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَفَأَقْتُلُهُ؟ (ص: ۶۷، سطر: ۲)

اس لئے کہ ظاہر سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ وہ محض اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے دل میں ایمان نہیں یعنی تہیہ کر رہا ہے۔

قوله : لَا تَقْتُلُهُ (ص: ۶۷، سطر: ۳)

کیونکہ دل کا حال تمہیں معلوم نہیں تم کسی کے باطن کی جستجو کرنے کے مکلف نہیں بلکہ ظاہر کے مکلف ہو۔<sup>(۲)</sup>

قوله : فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، (ص: ۶۷، سطر: ۳)

یعنی وہ تیرے اس درجہ پر پہنچ جائے گا جہاں تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے یعنی بے گناہ تھے تو اب وہ بے گناہ ہو جائے گا کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے اب اُسے قتل کرنا ناحق ہوگا۔<sup>(۳)</sup>

قوله : وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِي قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ ... (ص: ۶۷، سطر: ۴)

اور تو اُس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں وہ اسلام سے پہلے تھا اور وہ مقام کفر ہے۔ پچھلے جملہ میں تو کوئی اشکال نہیں تھا البتہ اس دوسرے جملہ میں اشکال ہے کہ وہ قتل کے جرم کی وجہ سے کافر ہو جائے گا حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہوتا بخلاف خوارج کے ان کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے۔

لہذا اہل سنت والجماعت نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس میں مکمل مشابہت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے مقتول میں دو خرابیاں تھیں ایک کفر دوسرے

(۱) المعجم ج ۱ ص ۲۹۳ وفتح المعجم ج ۲ ص ۶۹۔

(۲) درر مسلم ج ۱ ص ۲۴۴۔

(۳) المعجم ج ۱ ص ۲۹۴۔

مسلمان سے لڑنا۔ یہاں دوسری خرابی بیان کرنا مقصود ہے یعنی تو مسلمانوں سے لڑانے والا ہو جائے گا۔ (۱)

اس تاویل کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قرآن و حدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہے کہ ارتکاب کبیرہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

### سوال

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری احادیث اور بعض قرآنی آیات میں قاتل کے متعلق ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے ہیں جن کا ظاہر مراد نہیں۔ اگر ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جاتے تو کسی تاویل کی ضرورت ہی نہ ہوتی؟

### جواب

جواب یہ ہے کہ ایسے الفاظ قصداً اس مصلحت سے استعمال کئے گئے ہیں کہ ان کو سن کر شروع ہی میں لوگ ڈر جائیں اور اس گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔ (۲)

۲۷۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح، وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ح، وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ جَمِيعًا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ. أَمَّا الْأَوْزَاعِيُّ، وَابْنُ جُرَيْجٍ فَفِي حَدِيثِهِمَا قَالَ: أَسْلَمْتُ لِلَّهِ كَمَا قَالَ الْبَيْهَقِيُّ. وَأَمَّا مَعْمَرٌ فَفِي حَدِيثِهِ: فَلَمَّا أَهْوَيْتُ لِأَقْتُلَهُ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (ص: ۶۷، ط: ۶۳۳)

### تشریح

قوله: فَلَمَّا أَهْوَيْتُ لِأَقْتُلَهُ (ص: ۶۷، ط: ۶۳۳)  
یعنی جب میں اس کی طرف قتل کرنے کے لئے مائل ہوا۔ (۳)

۲۷۲۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ

(۱) کذا فی اكمال المعجم ج ۱ ص ۳۶۸۔

(۲) فتح المعجم ج ۱ ص ۶۶ بالاحتصار۔

(۳) النهاية ج ۵ ص ۲۸۵۔



ابن شہاب، قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ ثُمَّ الْحُنْدَعِيُّ، أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَدِيٍّ بْنِ الْخِيَارِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْعُقَدَّادَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْأَسْوَدِ الْكِنْدِيَّ، وَكَانَ حَلِيفًا لِبَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ. (ص: ۶۷، سطر: ۹۷۷)

### تشریح

قوله: أَنَّ الْعُقَدَّادَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْأَسْوَدِ الْكِنْدِيَّ، (ص: ۶۷، سطر: ۸)

ابن کا حمزہ جب دو ناموں کے درمیان آجائے تو لکھنے اور بولنے دونوں میں ساقط ہو جاتا ہے البتہ چند مواقع مستثنیٰ ہیں جن میں سے چند یہ ہیں کہ ابن جب ماقبل کی صفت نہ ہو تو ایسی صورت میں ابن کا حمزہ لکھنے سے ساقط نہ ہوگا یہاں یہی صورت ہے کیونکہ مقدار عمرو کے بیٹے ہیں اور اسود کندی کے معنی ہیں اس لئے بعض مرتبہ ان کو مقدار بن عمرو اور بعض مرتبہ مقدار بن اسود کہا جاتا ہے اور کبھی دونوں کو ذکر کر دیا جاتا ہے جیسے یہاں عمرو اور اسود دونوں کا ذکر ہے چنانچہ یہاں ابن الاسود میں ابن کو منصوب پڑھا جائے گا کیونکہ یہ مقدار کی صفت ہے نہ کہ عمرو کی اور اسی وجہ سے ابن کے حمزہ کو کتابت میں ساقط نہیں کیا گیا۔<sup>(۱)</sup>

۲۷۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ ح، وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ،... (الی قولہ)... عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ (وَهَذَا حَدِيثُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ) قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ، فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ، فَأَذْرَكْتُ رَجُلًا فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَطَعَنَتْهُ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ، فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتْلَتْهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ، قَالَ: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟ فَمَا زَالَ يُكْرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمْنَيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ، قَالَ: فَقَالَ سَعْدٌ: وَأَنَا وَاللَّهِ لَا أَقْتُلُ مُسْلِمًا حَتَّى يَقْتُلَهُ ذُو

الْبَطِّينِ يَعْنِي أُسَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ: (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ)؟ فَقَالَ سَعْدٌ: قَدْ قَاتَلْنَا حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً، وَأَنْتَ وَأَصْحَابُكَ تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا حَتَّى تَكُونَ فِتْنَةً. (ص: ۶۷، سطر ۹، ۱۰ تا ص: ۶۸، سطر: ۴)

### تشریح

قوله: فَصَبَحْنَا (ص: ۶۸، سطر: ۱)

یعنی حضرت اُسامہ نے صبح کے وقت حملہ کیا<sup>(۱)</sup> اور شب خون مارا اور رات میں حملہ عموماً رات کے آخری حصہ میں کیا جاتا ہے جس کے فوراً بعد صبح ہو جاتی ہے۔

قوله: الْحُرَقَاتِ مِنْ جُھینۃ، (ص: ۶۸، سطر: ۱)

الحرقات یہ قبیلہ جھینہ کی ایک شاخ ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: لَوْ قَعَّ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ، (ص: ۶۸، سطر: ۱)

یعنی میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ میں نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔

قوله: أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتْلَتُهُ؟ (ص: ۶۸، سطر: ۲)

یہ استفہام توبیخ ہے۔ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کے لئے سوال ہے۔

قوله: إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ (ص: ۶۸، سطر: ۲)

حضرت اُسامہ کا یہ عذر آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا<sup>(۳)</sup> جیسے کہ اگلے جملہ سے ظاہر ہے۔

قوله: أَفَلَا شَقَقْتُ عَنْ قَلْبِي (ص: ۶۸، سطر: ۱)

یعنی اگر مسلمان ہونے کا مدار دل ہی پر ہے تو تم نے اس کے سینہ کو چیر کر دل کیوں نہیں دیکھا

اصل عبارت یہ ہے ”أَفَلَا شَقَقْتُ صَدْرَهُ عَنْ قَلْبِهِ“ یہ استفہام تعجیز ہے کہ تم اس کے دل کا حال سینہ چیر کر بھی معلوم نہیں کر سکتے تھے کہ اس میں ایمان تھا یا نہیں لہذا تم صرف ظاہر کے مکلف تھے باطن کے نہیں۔<sup>(۴)</sup>

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۶۱۔

(۲) المعہم میں علامہ قرطبی نے فرمایا: هو موضع معروف من بلاد جھینہ یسمى بجمع الحرقات المسلم كحرقات وأدراج (۲۹۶/۱)

(۳) المعہم ج ۱ ص ۲۹۶۔

(۴) المعہم ج ۱ ص ۲۹۶۔

قوله : اَنِّي اَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ، (ص: ۶۸، سطر: ۳)

کیونکہ اگر آج مسلمان ہوتا تو الاسلام یہدم ما کان قبلہ کے قانون کے تحت یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَقَالَ سَعْدٌ (ص: ۶۸، سطر: ۳)

معلوم ہوا کہ جس مجلس میں یہ حدیث بیان ہوئی اُس میں حضرت سعد بن وقاصؓ بھی موجود تھے۔

قوله : حَتَّى يَقْتُلَهُ ذُو الْبَطَيْنِ (ص: ۶۸، سطر: ۳)

البطین، بطن کی تصغیر ہے اور ذو البطین چھوٹے سے پیٹ والا۔ اس سے حضرت اُسامہ مراد ہیں۔<sup>(۲)</sup> حاصل یہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاصؓ نے فرمایا کہ جب تک اُسامہ کسی مسلمان کو قتل نہ کریں گے۔ اس وقت تک میں بھی کسی مسلمان کو قتل نہ کروں گا اور ظاہر ہے کہ مذکورہ واقعہ کے بعد حضرت اُسامہؓ کسی مسلمان کو کیسے قتل کر سکتے تھے؟ جس کا حاصل یہ ہے کہ میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کروں گا۔ حضرت سعدؓ نے یہ بات اُس وقت فرمائی جب چند جوشیلے لوگ مشاجراتِ صحابہ جیسے جنگ جمل اور صفین کے زمانہ میں قتال کی تبلیغ کر رہے تھے۔

حضرت سعدؓ مشاجراتِ صحابہ کے وقت اُن صحابہ کرام میں شامل تھے جو قتال سے بالکل الگ رہے مشاجرات کے زمانہ میں حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عملاتین جماعتیں ہو گئی تھیں۔

۱ ... کچھ حضرات علیؓ کے ساتھ تھے۔

۲ ... کچھ حضرات معاویہؓ کے ساتھ تھے۔

۳ ... کچھ ان دونوں سے الگ تھے۔

یعنی انہوں نے صحابہ کرام کی باہمی جنگوں میں باہم بالکل حصہ نہیں لیا حضرت سعد بن وقاصؓ اس تیسری جماعت میں شامل تھے۔

اللہ تعالیٰ کے عجیب و غریب مکنونی امور ہوتے ہیں مشاجراتِ صحابہ سے پہلے بہت زیادہ

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۴۲۸۔

(۲) اکمال اکمال المعجم ج ۱ ص ۴۷۳۔

فتوحات ہوئیں خصوصاً حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں تو فتوحات کا نہ تھمنے والا سیلاب تھا۔ صحابہ کرام جہاد، اور انتظامی امور میں مصروف تھے اس وجہ سے علمی مشاغل کم ہونے لگے تھے۔ مشاجرات صحابہ کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرام دونوں طرف سے یکسو ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اس زمانہ میں علمی کام بہت ہوئے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً (ص: ۶۸، سطر: ۳)

قاتلوہم کی ضمیر مفعول کا مرجع مشرکین عرب ہیں جن کے بارے میں حکم یہ تھا کہ یا تو وہ مقررہ مدت پر سرزمین عرب چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں یا اسلام قبول کر لیں یا پھر ان سے قتال کیا جائے گا لیکن مجلس میں کسی جو شیلے شخص نے اس ضمیر کو مسلمانوں کی طرف لوٹا دیا جو کہ درست نہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : لَقَدْ قَاتَلْنَا حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً، (ص: ۶۸، سطر: ۳)

ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا یعنی جزیرہ عرب سے شرک ختم ہو گیا لیکن تم اور تمہارے ساتھی مسلمانوں سے قتال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تاکہ فتنہ ہو یعنی کفار و مشرکین جو دشمنانِ اسلام ہیں ان کو فائدہ ہو۔

یہاں فتنہ کی تفسیر میں دو قول ہیں:-

۱ ... یہاں فتنے سے مراد عقیدہ کی خرابی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین سے قتال کرو۔ یہاں تک کہ شرک کا خاتمہ ہو جائے۔<sup>(۳)</sup>

۲ ... فتنے سے مراد عذاب اور تکلیف ہو۔ مشرکین عرب نو مسلموں کو ایذا دیتے تھے۔ تو حکم دیا کہ ان سے قتال کرو اور اتنا قتال کرو کہ یہ مشرکین نو مسلموں کو تکلیف نہ پہنچا سکیں۔<sup>(۴)</sup>

حضرت سعد کا قول تریدون ان تقاتلوا حتی تكون فتنۃ (ص: ۶۸، سطر: ۳) میں فتنہ سے مراد عقیدہ کی خرابی اور عذاب دونوں ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آپس کی لڑائی سے کفار کو فائدہ اور غلبہ ہوگا لہذا وہ دوبارہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا شروع کر دیں گے یا یہ کہ کافروں کے غلبہ سے کفر کا فتنہ پھر پھیلتا چلا جائے گا۔<sup>(۵)</sup>

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۲۳۸، ۲۳۹۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۶۲۔

(۳) بیان القرآن ج ۹ ص ۶۱۔

(۴) تفسیر الطبری ج ۹ ص ۲۳۸ و تفسیر بنو ج ۲ ص ۲۳۸۔

(۵) درج مسلم ج ۱ ص ۴۵۰۔

۲۷۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ... (الی قولہ)... عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحَرَّرٍ، أَنَّهُ حَدَّثَ أَنَّ جُنْدَبَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيَّ بَعَثَ إِلَى عَسْعَسِ بْنِ سَلَامَةَ زَمَنَ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقَالَ: اجْمَعْ لِي نَفَرًا مِنْ إِخْوَانِكَ حَتَّى أُحَدِّثَهُمْ، فَبَعَثَ رَسُولًا إِلَيْهِمْ، فَلَمَّا اجْتَمَعُوا جَاءَ جُنْدَبٌ وَعَلَيْهِ بُرْنُسٌ أَصْفَرُ، فَقَالَ: تَحَدَّثُوا بِمَا كُنْتُمْ تَحَدِّثُونَ بِهِ حَتَّى دَارَ الْحَدِيثُ، فَلَمَّا دَارَ الْحَدِيثُ إِلَيْهِ حَسَرَ الْبُرْنُسَ عَنْ رَأْسِهِ، فَقَالَ: إِنِّي أَتَيْتُكُمْ وَلَا أُرِيدُ أَنْ أُخْبِرْكُمْ عَنْ نَبِيِّكُمْ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، وَإِنَّهُمْ اتَّقَوْا فَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِذَا شَاءَ أَنْ يَقْصِدَ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَصَدَ لَهُ فَقَتَلَهُ، وَإِنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَصَدَ غَفْلَتَهُ، قَالَ: وَكُنَّا تُحَدِّثُ أَنَّهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، فَلَمَّا رَجَعَ عَلَيْهِ السَّيْفُ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَتَلَهُ، فَجَاءَ الْبَشِيرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ، حَتَّى أَخْبَرَهُ عَنِ الرَّجُلِ كَيْفَ صَنَعَ، فَدَعَاهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: لِمَ قَتَلْتَهُ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَوْجَعَ فِي الْمُسْلِمِينَ، وَقَتَلَ قُلَانًا وَقُلَانًا، وَسَمَى لَهُ نَفَرًا، وَإِنِّي حَمَلْتُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى السَّيْفُ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَقَتَلْتَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اسْتَغْفِرُ لِي، قَالَ: وَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: فَجَعَلَ لَا يَزِيدُهُ عَلَى أَنْ يَقُولَ: كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟

(ص: ۶۸، سطر: ۱۳۷۷)

### تشریح

قولہ: أَنَّ جُنْدَبَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيَّ بَعَثَ إِلَى عَسْعَسِ بْنِ سَلَامَةَ زَمَنَ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، (ص: ۶۸، سطر: ۸)

فتنہ ابن الزبیرؓ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد پیش آیا۔ یزید نے اہل شام سے اپنی خلافت کی بیعت لینے کے بعد اہل مدینہ سے بیعت لینے کے لئے اپنا آدمی مقرر کیا لیکن کچھ حضرات

راتوں رات مکہ مکرمہ چلے گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی مکہ مکرمہ چلے گئے پھر یزید نے ملک شام سے لشکر بھیجا تا کہ جبراً بیعت لی جائے لیکن اہل مدینہ نے بجائے بیعت کے یزید کے لشکر سے جنگ کی تیاری کر لی، اسی زمانہ میں حضرت جندب بن عبد اللہ البعلیؓ نے عسعر کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں اور عسعر اس وقت اہل مدینہ کے جنگی قائدین میں سے تھے چنانچہ حضرت جندب بن عبد اللہ البعلیؓ نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو حضرت اسامہ بن زیدؓ کا واقعہ سنایا۔ اور سنانے کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمانوں کے باہمی قتال سے باز آجائیں اور اہل شام سے قتال نہ کریں۔

قوله : وَعَلَيْهِ بُرْنُسٌ أَصْفَرُ، (ص: ۶۸، سطر: ۸)

برنس وہ جبہ کہلاتا ہے جس پر ٹوپی سلی ہوئی ہوتی ہے اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے <sup>(۱)</sup> کہ اس سے ٹوپی کو اتار کر ہاتھ میں لینا نہیں پڑتا بلکہ وہ پیچھے لٹک جاتی ہے آج کل اس قسم کا جبہ مراکش میں زیادہ رائج ہے سعودی عرب اور ہمارے ہاں بھی کم کم پایا جاتا ہے۔

قوله : وَلَا أُرِيدُ أَنْ أَخْبِرَكُمْ عَنْ نَبِيِّكُمْ، (ص: ۶۸، سطر: ۹)

اس جملہ کا ظاہری مقصد یہ ہے کہ میرا مقصد حدیث سنانے کا نہ تھا یعنی جب میں یہاں آیا تھا اس وقت تو میرا حدیث مرفوع سنانے کا ارادہ نہ تھا بلکہ اپنی طرف سے نصیحت کرنے کا ارادہ تھا لیکن اب یہ حدیث سنانے کا بھی ارادہ کر لیا اس لئے یہ حدیث سنارہا ہوں۔ <sup>(۲)</sup>

قوله : فَلَمَّا رَجَعَ عَلَيْهِ السَّيْفُ (ص: ۶۸، سطر: ۱۱)

ہو سکتا ہے کہ اس نے پہلے حضرت اسامہ پر حملہ کیا ہو اور اس کے جواب میں حضرت اسامہ نے تلوار چلائی اس لئے رجع کا لفظ استعمال کیا یا یہ مطلب ہے کہ حضرت اسامہ کی تلوار اس شخص کی طرف ان مسلمانوں کی طرف سے لوٹی جو اس کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔ <sup>(۳)</sup>

قوله : أَوْجَعَ فِي الْمُسْلِمِينَ، (ص: ۶۸، سطر: ۱۲)

یعنی اس نے مسلمانوں میں درد کی لہر دوڑادی تھی <sup>(۴)</sup> مطلب یہ کہ اس نے مسلمانوں کے

(۱) مجمع بحار، لاوار ج ۱ ص ۱۷۸۔

(۲) اکمال، اکمال المعجم ج ۱ ص ۲۱۰۔

(۳) دروس مسلم ج ۱ ص ۳۵۲۔

(۴) حاشیہ شیخ الدہنی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۔

خلاف سختی لڑائی کی اور ان کو سخت جانی نقصان پہنچایا۔

قولہ : اَسْتَغْفِرُ لِي، (ص: ۶۸، سطر: ۱۳)

درخواست کرنے والے حضرت اسامہؓ پوتے کی طرح ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ اور خود حضور رحمة للعالمین ہیں لیکن ان سب کے باوجود حضور نے حضرت اسامہؓ کا عذر قبول نہیں فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ تم ظاہر کے مکلف تھے پھر تم نے اس کا اسلام قبول کیوں نہیں کیا۔ اور اس کو کیوں قتل کیا؟

### باب قول النبی ﷺ من حمل علينا السلاح

۲۸۶۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) ... عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (وَاللَّفْظُ لَهُ) قَالَ : قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. (ص: ۶۹، سطر: ۳۵۱)

### تشریح

قولہ : مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ (ص: ۶۹، سطر: ۳)

اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسلمانوں سے قتال کرے وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے اس کے ظاہر سے معتزلہ اور خوارج اپنے مذہب پر استدلال کر سکتے ہیں۔ اس کے دو جواب ہیں:-

- ۱ ... اس سے مراد ایسا شخص ہے جو مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کو حرام جاننے کے باوجود حلال سمجھے۔
- ۲ ... فلیس منا کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارے طریقہ پر نہیں<sup>(۱)</sup> ہم اس سے بری ہیں یہ ایسا ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو نے چوری کی تو تو میرا بیٹا نہیں ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ تیرا نسب مجھ سے باقی نہیں رہے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو اس لائق نہیں کہ تجھے میرا بیٹا کہا جائے۔ تیرا طریقہ الگ ہے میرا طریقہ الگ ہے۔

جن آیات اور احادیث کے ظاہر سے گناہ کبیرہ کے مرتکب کا کافر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اُن



سے خوارج استدلال کرتے ہیں اور اہل سنت والجماعت ان میں تاویل کرتے ہیں۔ وہ تاویلات پیچھے بھی بار بار بیان ہو چکی ہیں۔

### باب قول النبی ﷺ من غش فلیس منا

۲۸۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ،... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَدَلًا فَقَالَ: مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَمَا يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي. (ص: ۷۰، سطر: ۴۲۲)

### تشریح

قولہ: فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا

(ص: ۷۰، سطر: ۳)

سوال: سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی ملکیت میں یہ تصرف کیوں فرمایا نیز یہ تفتیش اور تجسس ہے جو کہ ممنوع ہے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے حکام کو عام مسلمانوں کے مفاد میں بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ایسا تصرف کرنے کی اجازت ہے اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب تحريم ضرب الخدود... الخ

۲۸۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،... (الی قولہ)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، أَوْ شَقَّ الْجُيُوبَ، أَوْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. (ص: ۷۰، سطر: ۶۴۳)

### تشریح

قولہ: شَقَّ الْجُيُوبَ،

(ص: ۷۰، سطر: ۶)

اس کے معنی ہیں گریبانوں کو پھاڑے جیوب جیب کی جمع ہے اس کے معنی ہیں گریبان۔<sup>(۲)</sup>

(۱) درمیں مسلم ج ۱ ص ۳۵۴۔

(۲) فتح المہم ج ۲ ص ۶۶

قوله : دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

(ص: ۷۰، سطر: ۳)

یعنی نوحہ کرے۔<sup>(۱)</sup>

۲۸۳۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى الْقَنْطَرِيُّ،... (الی قوله) ... حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ  
بْنُ أَبِي مُوسَى، قَالَ: وَجَعَ أَبُو مُوسَى وَجَعًا فَفُشِيَ عَلَيْهِ، وَرَأْسُهُ فِي جِحْرِ  
امْرَأَةٍ مِنْ أَهْبِهِ فَصَاحَتْ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهَا شَيْئًا، فَلَمَّا  
أَفَاقَ قَالَ: أَنَا بَرِيءٌ مِمَّا بَرِءَ مِنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرِءَ مِنَ الصَّالِقَةِ، وَالْحَالِقَةِ، وَالشَّاقَّةِ. (ص: ۷۰، سطر: ۷ تا ۱۰)

### تشریح

(ص: ۷۰، سطر: ۹)

قوله : الصَّالِقَةُ،

یہ صادم سے بھی آیا ہے اور سمن سے بھی صالقة چیخنے چلانے والی عورت کو کہتے ہیں<sup>(۲)</sup> اور  
یہاں عورتوں کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عام طور سے عورتیں نوحہ کرتی تھیں۔

(ص: ۷۰، سطر: ۹)

قوله : وَالْحَالِقَةُ،

اپنے بال موٹنے والی۔<sup>(۳)</sup>

(ص: ۷۰، سطر: ۱۰)

قوله : وَالشَّاقَّةُ

یعنی اپنے کپڑے یا گریبان پھاڑنے والی۔<sup>(۴)</sup>

### باب بیان غلط تحریم النمیمۃ

۲۸۶۔ حَدَّثَنِي شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ أَسْمَاءَ الضُّبُعِيُّ،  
قَالَا: حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ وَهُوَ ابْنُ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا وَاصِلُ الْأَحْذَبِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ،

(۱) حریدہ تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الملہم ج ۲ ص ۶۶۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۶۷۔

(۳) یعنی مصیبت کے وقت اپنے بال موٹنے والی (فتح الملہم ج ۲ ص ۶۷)۔

(۴) بحوالہ بالا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا يَنْتُمُ الْحَدِيثَ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَامٌ. (ص: ۷۰، سطر: ۱۵، ۱۶)

### تشریح

قوله: يَنْتُمُ الْحَدِيثَ (ص: ۷۰، سطر: ۳)

نم ینم نما یہ باب نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے۔ اور قت یقت قتایہ باب نصر سے آتا ہے دونوں کے معنی ہیں چغلی کرنا یعنی فساد ڈالنے یا دوسرے کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے اس کی ایسی بات یا حال دوسروں پر ظاہر کرنا ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتا۔<sup>(۱)</sup>

۲۸۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يَنْقُلُ الْحَدِيثَ إِلَى الْأَمِيرِ، فَكُنَّا جُلُوسًا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: الْقَوْمُ هَذَا مِمَّنْ يَنْقُلُ الْحَدِيثَ إِلَى الْأَمِيرِ، قَالَ: فَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ إِلَيْنَا فَقَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ. (ص: ۷۰، سطر: ۱۶، ۱۷)

(۱۸۲)

### تشریح

قوله: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ (ص: ۷۰، سطر: ۱۸)

نمات اور قتات کے ایک ہی معنی ہیں یعنی چغلی کرنا لیکن بعض نے فرق بھی کیا ہے کہ نمات وہ ہے جس نے کسی کا اتفاقی طور پر مخفی قول سنایا مخفی فعل دیکھا اور پھر آگے نقل کر دیا اور قتات وہ شخص ہے جو قصد دوسروں کی خفیہ باتیں یا کام معلوم کرنے کی جستجو کرے۔ اور پھر آگے نقل کرے۔ خلاصہ یہ کہ نمات میں تجسس نہیں ہوتا جبکہ قتات میں تجسس بھی ہوتا ہے دونوں میں مشترک چیز چغلی خوری کرنا ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۷۰

(۲) فتح المصنوع ج ۲ ص ۶۸۔

## غیبت اور چغل خوری میں فرق

غیبت کسی دوسرے کی عدم موجودگی میں صرف اس کی برائی کرنے کا نام ہے اور چغلی دوسری کی عدم موجودگی میں فساد پھیلانے کی نیت سے برائی پھیلانے کا نام ہے۔ تاکہ ان میں جھگڑا ہو۔<sup>(۱)</sup>

۲۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكَيْعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ،  
ح، وَحَدَّثَنَا مِنْحَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ  
الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا مَعَ حُدَيْفَةَ فِي  
الْمَسْجِدِ، فَجَاءَ رَجُلٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَيْنَا فَقِيلَ لِحُدَيْفَةَ: إِنَّ هَذَا يَرْفَعُ إِلَى  
السُّلْطَانِ أَشْيَاءَ فَقَالَ حُدَيْفَةُ إِرَادَةَ أَنْ يُسْمِعَهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَدْخُلُ الْحَنَّةَ قَتَاتٌ.

(ص: ۷۰، مطر: ۲۰۵۱۸)

## تشریح

قوله: إِلَى السُّلْطَانِ أَشْيَاءَ (ص: ۷۰، مطر: ۲۰)

یہاں سلطان سے مراد حضرت عثمان غنیؓ ہیں۔<sup>(۲)</sup>

## باب بیان غلط تحریم اسباب الازار... الخ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا  
مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ عَرَشَةَ بْنِ  
الْحُرِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ: فَقَرَأَهَا رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ أَبُو ذَرٍّ: خَابُوا وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَا  
رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَانُ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتُهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ

(ص: ۷۱، مطر: ۳۲۱۱)

(۱) فتح الباری ج ۱ ص ۴۷۳ کتاب الادب باب ما یکرہ من النمیمۃ۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۶۹۔

## تشریح

قوله : ثَلَاثَةٌ (ص: ۷۱، سطر: ۲)

ثَلَاثَةٌ سے مراد تین قسم کے افراد ہیں۔ آگے کی روایات میں بھی ثَلَاثَةٌ کا لفظ آیا ہے لیکن اُن میں کچھ اور قسم کے لوگوں کو شمار کیا گیا ہے جس کے باعث یہ اقسام تین سے زائد ہو جاتی ہیں لیکن ان میں کوئی منافات نہیں کیونکہ کم کا عدوا کثر کی نفی نہیں کرتا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ... (ص: ۷۱، سطر: ۲)

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے شفقت و رحمت والا کلام نہیں فرمائیں گے اسی طرح لا ینظر کا مطلب یہ ہے کہ ان پر نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے اور ان کو گناہوں سے پاک و صاف نہیں فرمائیں گے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : الْمُسْبِلُ، (ص: ۷۱، سطر: ۳)

اس کے معنی ہیں لباس کو لٹکانے والا اور اسبال کے معنی ہیں لٹکانا خواہ یہ لٹکانا تہہ بند کا ہو یا شلوار کا یا جامہ کا ہو یا پتلون کا، جبہ کا ہو یا عمامہ کا سب اس میں شامل ہیں کیونکہ اس حدیث میں لفظ مطلق ہے جو سب کو شامل ہے نیز یہاں تکبر کی بھی قید نہیں ہے چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہی ہے کہ اسبال بغیر تکبر کے بھی ناجائز ہے<sup>(۳)</sup> اور تکبر کے ساتھ ہو تو اور بھی بڑا گناہ ہے۔ البتہ اس وعید سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جس سے بے دھیانی میں کبھی کبھار تہہ بند وغیرہ ٹخنوں سے نیچے ہو جاتا ہو جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استثناء فرمایا تھا۔<sup>(۴)</sup>

قوله : وَالْمَنَانُ، (ص: ۷۱، سطر: ۳)

اس کے معنی ہیں احسان جتلانے والا اور عام طور سے احسان جتلانے والا بخیل ہوتا ہے کیونکہ اس کی نظر میں چھوٹا سا احسان بھی بہت بڑا ہوتا ہے<sup>(۵)</sup> اس موقع پر استاذ محترم نے فرمایا کہ شریف آدمی کی علامت یہ ہے کہ احسان کر کے بھول جائے اور دوسرے کا احسان نہ بھولے اور رذیل

(۱) درمیں مسلم ج ۱ ص ۲۵۷۔

(۲) فتح المصنوع ج ۲ ص ۶۹۔

(۳) صاوی الشامی ج ۱ ص ۲۳۹ و فتح المصنوع ج ۲ ص ۹۹۔

(۴) شرح لبودی ج ۱ ص ۷۱۔

(۵) فتح المصنوع ج ۲ ص ۶۹۔

اور کہنے آدمی کی علامت یہ ہے کہ دوسرے کا احسان بھول جائے اور اپنا کیا ہوا احسان یاد رکھے۔

قوله : **وَالْمُنْفِقُ سُلْعَتُهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ** (ص: ۷۱، سطر: ۳)

یعنی جو چھوٹی قسم کے ذریعے اپنے سامان تجارت کو شہرت دینے اور فروخت کرنے والا ہو۔

۲۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ،

عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ (قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: وَلَا يَنْظُرُ

إِلَيْهِمْ) وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخُ زَانَ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ. (ص: ۷۱،

سطر: ۷)

## تشریح

قوله : **شَيْخُ زَانَ**، (ص: ۷۱، سطر: ۷)

یعنی بڑھا زانی اول تو زانی ہونا بڑی قباحت ہے پھر دوسری قباحت یہ ہے کہ وہ بڑھا بھی ہے۔ حالانکہ بڑھا پے میں ایسے گناہ کے تھاغے کمزور ہو جاتے ہیں تیسری یہ کہ بڑھا پے میں عقل کامل ہو جاتی ہے اس کے باوجود زنا کر رہا ہے چوتھی خرابی یہ ہے کہ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اب مرنے والا ہے ان سب کے باوجود وہ زنا کرتا ہے تو یہ ایمان کے کمزور ہونے کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے لاپرواہی کی علامت ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : **مَلِكٌ كَذَّابٌ**، (ص: ۷۱، سطر: ۷)

جھوٹ کی ضرورت کسی کمزور کو ہوتی ہے اور بادشاہ جس کے اوپر کسی انسان کی حکومت نہیں اس کے باوجود جھوٹ بولے تو یہ جرم زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اسے شریعت کے احکام کی پروا اور اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : **عَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ**، (ص: ۷۱، سطر: ۷)

اس کے معنی ہیں فقیر اور متکبر یعنی فقیر ہے اور متکبر ہے حالانکہ تکبر کسی مالدار کو ہو تو اس کا سبب کثرت مال موجود ہے بخلاف فقیر کے کہ اس میں یہ سبب موجود نہیں اس کے باوجود تکبر کرتا ہے یہ بھی

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۷۱۔

(۲) حوالہ پار۔

اس کے دین کے پرواہ اور اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہونے کی علامت ہے۔<sup>(۱)</sup>

ان تینوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ان میں مذکورہ گناہوں کی طرف بلانے والے اسباب موجود نہیں یا کمزور ہیں اس کے باوجود وہ گناہ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا یہ جرم بہت سخت ہے اور بظاہر یہ اصول ہر جگہ جاری ہوگا جہاں دوائی گناہ کمزور یا معدوم ہونے کے باوجود جو گناہ کیا جائے گا وہ زیادہ سخت ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

۲۹۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَهَذَا حَدِيثٌ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاةِ يَحْنَعُهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهُ بِاللَّهِ لَا سَخَطَهَا بِكَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ وَهُوَ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ أُعْطَاهُ مِنْهَا وَفَى، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ. (مس: ۷۱، سطر: ۱۰۴)

### تشریح

قوله: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ (مس: ۷۱، سطر: ۹، ۸)

فضل یہ فاضل یعنی زائد کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت سے زائد پانی اس کے پاس موجود ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله: بِالْفَلَاةِ (مس: ۷۱، سطر: ۹)

صحراء وغیرہ غیر آباد اور بیابان جگہ کو کہتے ہیں۔<sup>(۴)</sup> یعنی اول تو صحراء ہے کہ دوسری جگہ سے بیچارے مسافر کو پانی ملنا آسان نہیں اور پھر یہ ضرورت سے زائد بھی ہے اس کے باوجود نہ دینا یہ نہایت سنگ دلی اور بخل کی بات ہے اور اس کی علامت ہے کہ اس کے نزدیک دین کی کوئی اہمیت نہیں خوف

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۷۱۔

(۲) اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۳۸۳، ۳۸۴۔

(۳) دریں مسلم ج ۱ ص ۳۶۱۔

(۴) شرح النووی ج ۱ ص ۱۷۷۔



خدا نہیں اور رحم دلی نہیں۔

قوله : بَعْدَ الْعَصْرِ (ص: ۷۱، سطر: ۹)

عصر کی قید اس لئے لگائی کہ عصر کا وقت بڑی فضیلت والا ہے اس وقت میں رات اور دن کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے<sup>(۱)</sup> اس وقت میں عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے معصیت کا گناہ بھی زیادہ ہوتا ہے اب اول تو بیچ میں جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا ایک مستقل گناہ ہے پھر اس پر قسم کھانا یہ مستقل گناہ ہے پھر یہ دونوں گناہ عصر کے وقت کئے تو اس میں اور شدت آگئی۔

قوله : لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا (ص: ۷۱، سطر: ۹)

یعنی حاکم سے اور امیر المؤمنین سے بیعت صرف دنیاوی مفاد کے لئے کرتا ہے۔<sup>(۲)</sup> آج کل بیعت تو نہیں ہوتی البتہ دو طریقے ہوتے ہیں۔

۱ ... اراکین اسمبلی اپنے میں سے کسی کو کثرت ووٹ سے صدر یا وزیراعظم منتخب کرتے ہیں۔

۲ ... عوام اراکین اسمبلی کو ووٹ دے کر اپنا منتخب نمائندہ بناتے ہیں۔

دونوں کا حکم ایک ہے۔ دونوں میں ملک و ملت کے مفاد کو پیش نظر رکھنا امانت داری ہے اور پیش نظر نہ رکھنا خیانت ہے اور اگر قومیت یا علاقائیت کی بنیاد پر صلاحیت سے قطع نظر کر کے کسی کو ووٹ دیا جائے تو یہ جاہلیت والی عصیت ہے جو حرام ہے۔ اور معاوضہ لے کر یہ گناہ کیا جائے تو یہ معاوضہ رشوت ہے اور حرام ہے۔<sup>(۳)</sup>

### باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسه... الخ

۲۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ

يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ شَرِبَ سُمًّا فَقَتَلَ

نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ حَبَلٍ

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۷۱۔

(۲) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے فرمایا ہر وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد نہ کیا جائے اور اس سے صرف دنیاوی مفاد کا قصد کیا جائے وہ فاسد ہے

اور اس کے کرنے والا گناہ گار ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۷۱)

(۳) دریں مسم ج ۱ ص ۳۶۱۔

فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُعَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا. (ص: ۷۲، سطر: ۱۱ تا ۳)

### تشریح

قوله : بِحَدِيدَةٍ (ص: ۷۲، سطر: ۱)

لوہا یا تیز و حار دار چیز جیسے چاقو، چھری یا خنجر وغیرہ۔

قوله : يَتَوَجَّأُ (ص: ۷۲، سطر: ۱)

گھونپنے کا یعنی مار رہا ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : سُمًّا (ص: ۷۲، سطر: ۲)

زہر کو کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : يَتَحَسَّأُ (ص: ۷۲، سطر: ۱)

یعنی اس کو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا کر کے پئے گا<sup>(۳)</sup> جیسے کسی تکلیف دہ چیز کو بمشکل پیا جاتا ہے ان سب میں مشترک چیز یہ ہے کہ خودکشی کے لئے جو عمل کیا آخرت میں سزا بھی اسی عمل کے ذریعے دی جائے گی۔

قوله : خَالِدًا مُعَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، (ص: ۷۲، سطر: ۲، ۳)

یہاں خودکشی کرنے والے کے لئے ہمیشہ جہنم میں ہونے کی وعید سے بظاہر خوارج و معتزلہ کی تائید ہوتی ہے محدثین کرام نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں ان میں سے تین یہ ہیں۔

۱ ... طریقہ ترجیح وہ یہ ہے کہ ترمذی کی روایت میں خَالِدًا مُعَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، نہیں ہے اور وہی اصح ہے۔<sup>(۴)</sup> کیونکہ یہ دوسری حدیث ان روایات کے موافق ہے جس میں صراحت ہے کہ کوئی مومن ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں ہوگا بالآخر ہر صاحب ایمان جنت میں داخل ہو جائے گا۔

۲ ... یہ حدیث خودکشی کو حلال سمجھنے والے پر محمول ہے۔

۳ ... اس سے طویل عرصہ جہنم میں رہنا مراد ہے۔<sup>(۵)</sup>

(۱) فتح المصنوع ج ۲ ص ۷۲۔

(۲) حقیقہ ج ۲ ص ۳۳۱۔

(۳) فتح المصنوع ج ۲ ص ۷۲۔

(۴) جامع الترمذی کتاب الطہ باب ما جاء من قتل نفسه بسم لو غیرہ ج ۲ ص ۲۵۔

(۵) المصنوع ج ۲ ص ۷۲ و ۷۳۔

۲۹۷۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قوله) ... نَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ بِهَذَا الْإِسْنَادِ  
مِثْلَهُ. وَفِي رِوَايَةِ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ ذُكْوَانَ. (ص: ۷۲، سطر: ۴۳)

### تشریح

قوله: وَفِي رِوَايَةِ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ ذُكْوَانَ. (ص: ۷۲، سطر: ۴۳)  
سليمان سے مراد سليمان اعمش اور ذکوان سے مراد ابو صالح ہے دراصل یہ ایک سوال  
مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اعمش تو مدلس ہیں حالانکہ پیچھے تین اسانید میں اعمش نے بصیغہ  
عن حدیث روایت کی ہے پھر امام مسلم نے مدلس کا عنعنہ کیسے قبول کر لیا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں شعبہ کی روایت میں سليمان اعمش نے ابو صالح  
ذکوان سے سماعت کی صراحت کر دی ہے۔ لہذا اس روایت میں تدلیس کا احتمال ختم ہو گیا۔<sup>(۱)</sup>

۲۹۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَامٍ بْنُ أَبِي سَلَامٍ  
الدَّمَشَقِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، أَنَّ أَبَا قِلَابَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضُّحَّاكِ،  
أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ  
كَمَا قَالَ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُدَّ بِه يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَيْسَ عَلَى رَجُلٍ نَذْرٌ  
فِي شَيْءٍ لَا يَمْلِكُهُ. (ص: ۷۲، سطر: ۶۴۳)

### تشریح

قوله: تَحْتَ الشَّجَرَةِ (ص: ۷۲، سطر: ۵)

اس سے بیعت رضوان مراد ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ، (ص: ۷۲،  
سطر: ۵)

یعنی دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کہا۔

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۷۲، ۷۳۔

(۲) المعجم ج ۱ ص ۳۱۱۔

ایسی قسم کی دو قسمیں ہیں:-

۱ ... ایک صورت یہ ہے کہ یوں قسم کھائے کہ میں دین یہودی کی قسم کھاتا ہوں کہ میں چور نہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دل سے معاذ اللہ دین یہودی کو محترم اور معظم سمجھتا ہے اس لئے قسم کھائی تو اس صورت میں قسم کھانے والا کافر ہو جائے گا اور اگر دین یہودی کو اچھا نہیں سمجھتا مگر غفلت کی وجہ سے قسم کھائی تو کافر نہ ہوگا، لیکن کلمہ کفر بولنے کی وجہ سے سخت گناہگار ہوگا اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فہو کما قال پہلی شق پر محمول ہے۔

۲ ... دوسری صورت یہ ہے کہ یوں قسم کھائے اگر میں نے چوری کی تو میں یہودی ہوں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس طرح قسم کھاتے وقت یہودی بننے کا ارادہ تھا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ ارادہ کفر بھی کفر ہے اور اگر دین یہودی سے بچنے کے لئے یہ قسم کھائی تھی تو کافر نہ ہوگا لیکن ایسی قسم کھانا بھی ایک قول میں حرام اور قول مشہور میں مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فہو کما قال کفر کا ارادہ کرنے کی صورت میں محمول ہے۔

قوله : كَاذِبًا (ص: ۷۳، بطر: ۵)

اور جب قسم تعلیق کی صورت میں ہو تو کاذباً قید احترازی ہوگی کیونکہ جب جھوٹی قسم کھائے اور یہودی ہونے کا ارادہ ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر قسم جھوٹی نہ ہو یا جھوٹی ہو مگر کافر ہونے کا ارادہ نہ ہو۔ تو قسم کھانے والا کافر نہیں ہوتا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : لَيْسَ عَلَى رَجُلٍ نَذْرٌ فِي شَيْءٍ (ص: ۷۳، بطر: ۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کی چیز کو صدقہ کرنے کی نذر منعقد نہیں ہوتی۔ اور اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا البتہ اگر ملک یا سبب ملک کی طرف نسبت کر کے نذر مانی مثلاً یوں کہا کہ اگر میں اس کا مالک ہوں یا اگر میں اس غلام کو خریدوں تو مجھ پر اس غلام کا آزاد کرنا واجب ہے یا صدقہ کرنا واجب ہے تو نذر منعقد ہو جائے گی۔ اگرچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) فتح الباری ج ۱، ص ۵۳۹۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے۔ فہر المعتمد مع الشامیۃ کتاب الحدود ج ۳ ص ۱۷۰۔

(۳) کمال المعتمد ج ۱ ص ۳۸۹۔

۲۹۹۔ حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمُسَمَعِيُّ، حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ، قَالَ :  
 حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ  
 الضُّحَاكِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَيْسَ عَلَى رَجُلٍ نَذْرٌ فِيمَا لَا  
 يَمْلِكُ، وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عَذَبَ بِهِ يَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ، وَمَنْ ادَّعَى دَعْوَى كَاذِبَةٍ لِيَتَكَثَّرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللَّهُ إِلَّا قَلَّةً، وَمَنْ حَلَفَ  
 عَلَى يَمِينٍ صَبْرٍ فَاجِرَةٍ.

(ص: ۷۴، سطر: ۸۵۶)

### تشریح

قوله : لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ، (ص: ۷۴، سطر: ۲)

لعنت قتل کرنے کے مشابہ ہے<sup>(۱)</sup> اگرچہ دونوں کی سزا مختلف ہے لیکن حرام ہونے میں دونوں  
 مشترک ہیں۔

قوله : لَمْ يَزِدْهُ اللَّهُ إِلَّا قَلَّةً (ص: ۷۴، سطر: ۸)

یعنی قلت میں اضافہ ہوگا کثرت میں اضافہ نہیں ہوگا۔

سوال : سوال یہ ہے کہ بعض مرتبہ آدمی جھوٹے دعوے سے زمین وغیرہ حاصل کر لیتا ہے  
 اس سے تو کثرت حاصل ہوگئی۔

جواب : جواب یہ ہے کہ کثرت سے مراد برکت ہے۔ لہذا دنیا میں بھی برکت نہ ہوگی اور  
 آخرت میں تو عذاب ہی عذاب ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ صَبْرٍ فَاجِرَةٍ. (ص: ۷۴، سطر: ۸)

اس سے مراد جھوٹی قسم ہے۔ جس کے ذریعے دوسرے کا مال اپنے پاس روک لیا جائے مثلاً  
 ایک شخص مجھ سے میرا قلم مستعار لے کچھ دن کے بعد میں نے اس سے واپسی کا مطالبہ کیا۔ تو اس نے  
 کہہ دیا کہ یہ قلم تو میرا ہے اگر تم کہتے ہو کہ تمہارا ہے تو گواہ لاؤ لیکن میرے پاس گواہ نہیں تو ظاہر ہے کہ  
 اس پر قسم آئے گی مگر وہ جھوٹی قسم کھا لیتا ہے کہ وہ قلم اس کا ہے اور وہ جھوٹی قسم کے ذریعے وہ میرا قلم لے  
 لے۔ تو اس قسم کو حدیث میں یمن صبر فاجرة فرمایا گیا ہے۔

صبر کے معنی ہیں روکنا اور یحییٰ صبر فاجرة ”روکنے والی جھوٹی قسم“ یعنی منکر کی وہ جھوٹی قسم کہ مدعی کا بینہ نہ ہونے کی صورت میں وہ مدعی کے مال کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور یہاں بھی اس جملہ کی جزا محذوف ہے اور اس کی جزا وہی ہے جو پہلے جملہ میں بیان ہوئی یعنی ”لم یزده الله الا قلة“۔ (۱)

۳۰۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا، فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يُدْعَى بِالْإِسْلَامِ : هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، فَلَمَّا حَضَرْنَا الْقِتَالَ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيدًا، فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ، فَقِيلَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، الرَّجُلُ الَّذِي قُلْتَ لَهُ آتِنَا : إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالًا شَدِيدًا، وَقَدْ مَاتَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِلَى النَّارِ، فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَرْتَابَ، فَبَيَّنَا لَهُمْ عَلَى ذَلِكَ إِذْ قِيلَ : إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ، وَلَكِنْ بِهِ جِرَاحٌ شَدِيدٌ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ، فَقَالَ : اللَّهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ ، ثُمَّ أَمَرَ بِأَنَّا نَقَادِي فِي النَّاسِ : أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَأَنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. (مس: ۷۴، سطر: ۱۶۳۱۱)

### تشریح

قوله : حُنَيْنًا (مس: ۷۴، سطر: ۱۱۳)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ امام ذہبیؒ نے روایت کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر کا ہے۔ (۲)

قوله : مِمَّنْ يُدْعَى بِالْإِسْلَامِ (مس: ۷۴، سطر: ۱۱۳)

یعنی ان لوگوں میں سے تھا جن کو مسلمان کہا جاتا تھا۔

قوله : إِلَى النَّارِ (مس: ۷۴، سطر: ۱۱۳)

یعنی جہنم میں چلا گیا۔

قوله : فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَرْتَابَ، (ص: ۷۲، سطر: ۱۳)

یعنی یہ سن کر بعض مسلمانوں کو دوسوہ آنے لگا کہ شاید اسلامی تعلیمات میں تعارض ہے کیونکہ متعدد روایات میں شہید کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور یہاں اس کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ الی النار کہ جہنم میں گیا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَقَتَلَ نَفْسَهُ (ص: ۷۲، سطر: ۱۵)

یعنی اس نے خودکشی کر لی۔

قوله : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ (ص: ۷۲، سطر: ۱۵-۱۶)

حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص منافق تھا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (ص: ۷۲، سطر: ۱۶)

الفاجر عام ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر۔<sup>(۳)</sup>

۳۰۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ،... (الی قوله)... عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّقَى هُوَ وَالْمُشْرِكُونَ، فَأَقْتَتَلُوا، فَلَمَّا مَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَسْكَرِهِ، وَمَالَ الْآخَرُونَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ، وَفِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ لَا يَدْعُ لَهُمْ شَاذَةً إِلَّا اتَّبَعَهَا بِصُرْبِهَا بِسَيْفِهِ، فَقَاتَلُوا، مَا أَجْزَأَ مِنْهُ الْيَوْمَ أَحَدٌ كَمَا أَجْزَأَ فُلَانٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَنَا صَاحِبُهُ أَبَدًا، قَالَ: فَخَرَجَ مَعَهُ، كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهُ، وَإِذَا أُسْرِعَ أُسْرِعَ مَعَهُ، قَالَ: فَخَرَجَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِيدًا، فَاسْتَعَجَلَ الْمَوْتُ، فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابُهُ بَيْنَ تَدْيِيهِ، ثُمَّ نَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ، قَالَ: وَمَا

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۳۶۷۔

(۲) المعجم ج ۱ ص ۳۲۰۔

(۳) بحوالہ بالا۔



ذَٰكَ؟ قَالَ :الرَّجُلُ الَّذِي ذَكَرْتَ آتِفًا :أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، فَأَعْظَمَ النَّاسُ ذَٰلِكَ ، فَقُلْتُ :أَنَا لَكُمْ بِهِ ، فَخَرَجْتُ فِي طَلَبِهِ حَتَّى جُرِحَ جُرْحًا شَدِيدًا ، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتُ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابُهُ بَيْنَ نَدْيَيْهِ ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَٰلِكَ :إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَتَدَوَّلُونَ لِلنَّاسِ ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَتَدَوَّلُونَ لِلنَّاسِ ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ . (مس: ۷۲، سطر: ۲۲ تا ۲۶)

### تشریح

قوله : وَمَا الْآخِرُونَ (مس: ۷۲، سطر: ۱۷)

اس سے مشرکین مراد ہیں۔

قوله : نَصْلَ سَيْفِهِ (مس: ۷۲، سطر: ۱۹)

تلواری کی دھار والا حصہ۔ (۱)

قوله : ذُبَابُهُ (مس: ۷۲، سطر: ۱۹)

ذبابہ تلواری کی نوک۔ (۲)

قوله : تَحَامَلَ (مس: ۷۲، سطر: ۱۹)

اپنا بوجھ اس پر ڈال دیا۔

قوله : وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ (مس: ۷۲، سطر: ۱۹)

نتیجہ کے اعتبار سے وہ جہنمی ہے۔

۳۰۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، ... (الی قوله)... قال: نَا شَيْبَانُ، قَالَ سَمِعْتُ

الْحَسَنَ، يَقُولُ: "إِنَّ رَجُلًا مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خَرَجَتْ بِهِ قُرْحَةٌ، فَلَمَّا آذَتْهُ انْتَرَعَ

سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ فَنَكَاهَا، فَلَمْ يَرُقَّا الدَّمُ حَتَّى مَاتَ، قَالَ رَبُّكُمْ: قَدْ حَرَّمْتُ

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ، ثُمَّ مَدَّ يَدَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَقَالَ :إِي وَاللَّهِ، لَقَدْ حَدَّثَنِي بِهَذَا

الْحَدِيثُ جُنْدَبٌ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ.  
(ص: ۷۲، سطر: ۲۲۲-۲۲۳)

قوله: قُرْحَةٌ (ص: ۷۲، سطر: ۲۲۳)

یہ خاء کے فتح اور راء کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی ہیں دانہ، پھوڑا، پھنسی۔<sup>(۱)</sup>

قوله: مِنْ كِنَانَتِهِ (ص: ۷۲، سطر: ۲۲۳)

اپنے ترکش سے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: فَنَكَّاهَا (ص: ۷۲، سطر: ۲۲۳)

پس اس نے اس پھوڑے یا دانہ کو چیر لیا۔<sup>(۳)</sup>

قوله: فِي هَذَا الْمَسْجِدِ (ص: ۷۲، سطر: ۲۲۳)

یہ مسجد بصرہ میں تھی۔<sup>(۴)</sup>

۳۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ حَرِيرٍ، حَدَّثَنَا  
أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ، يَقُولُ: حَدَّثَنَا جُنْدَبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيُّ فِي هَذَا  
الْمَسْجِدِ، فَمَا نَسِينَا، وَمَا نَخْشَى أَنْ يَكُونَ كَذَبَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَرَّحَ بِرَجُلٍ فَيَمْنُ كَانَ  
قَبْلَكُمْ خُرَاجٌ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ. (ص: ۷۲، سطر: ۲۲۳-۲۲۴)

تشریح

قوله: خُرَاجٌ (ص: ۷۲، سطر: ۱۹)

زخم کو کہتے ہیں۔<sup>(۵)</sup>

### باب تحريم الغلول... الخ

۳۰۵۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الى قوله)... عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ:

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۷۶۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) فتح الملہم ج ۲ ص ۷۷۔

(۵) حوالہ بالا۔

حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمَ خَيْبَرَ، أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فُلَانٌ شَهِيدٌ، حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلَّا، إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غُلَّهَا (أَوْ عَبَاءَةٍ) ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ، أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْحَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ، قَالَ: فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ: إِلَّا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْحَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ. (مس: ۷۴، سطر: ۴۲۱)

### تشریح

قوله: فِي بُرْدَةٍ (مس: ۷۴، سطر: ۳)

اس میں فی سیمیہ ہے۔ یعنی چادر کی وجہ سے۔<sup>(۱)</sup>

۳۰۶۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ نُورِ بْنِ زَيْدٍ الدُّوَلِيِّ، عَنْ سَالِمِ أَبِي الْغَيْثِ، مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَهَذَا حَدِيثُهُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ نُورٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ، فَفَتَحَ اللَّهُ عَلَيْنَا فَلَمْ نَعْنَمْ ذَهَبًا وَلَا وَرِقًا، غَنِمْنَا الْمَتَاعَ وَالطَّعَامَ وَالثِّيَابَ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا إِلَى الْوَادِي، وَمَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُ لَهُ، وَهَبُهُ لَهُ رَجُلٌ مِنْ جُدَامٍ يُدْعَى رِفَاعَةَ بْنُ زَيْدٍ مِنْ بَنِي الضَّبِّ، فَلَمَّا نَزَلْنَا الْوَادِي، قَامَ عَبْدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُلُّ رَحْلَهُ، فَرُمِيَ بِسَهْمٍ، فَكَانَ فِيهِ حَتْفُهُ، فَقُلْنَا: هَنِيئًا لَهُ الشَّهَادَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلَّا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنَّ الشُّمْلَةَ لَتَلْتَهَبُ عَلَيْهِ نَارًا أَخَذَهَا مِنَ الْغَنَائِمِ يَوْمَ خَيْبَرَ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ، قَالَ: فَفَزِعَ النَّاسُ، فَجَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكِ أَوْ شِرَاكَيْنِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَصَبْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: شِرَاكَ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ. (مس: ۷۴، سطر: ۴)

## تشریح

قوله : هَبْنَا لَهُ الشَّهَادَةَ (ص: ۷۳، سطر: ۴)

کیونکہ سفر میں موت شہادت ہے اور یہ تو سفرِ جہاد تھا اور موت دشمن کے تیرے ہوئی تھی اس لئے ان کے لئے شہادت کو مبارک کہا۔

قوله : الشَّمْلَةُ (ص: ۷۳، سطر: ۷)

اس کے معنی ہیں شال، چادر۔<sup>(۱)</sup>

قوله : لَتَلْتَهَبُ عَلَيْهِ نَارًا (ص: ۷۳، سطر: ۷)

اس کے معنی ہیں آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔

قوله : بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ (ص: ۷۳، سطر: ۸)

یہ راوی کو شک ہے کہ وہ چپل کی ایک پٹی لایا تھا یا دو پٹیاں۔

## باب الدلیل علی أن قاتل نفسه لا یکفر... الخ

۳۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قوله)... عَنْ جَابِرٍ أَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ لَكَ فِي حِصْنٍ حَصِينٍ وَمَنْعَةٍ؟ (قَالَ: حِصْنٌ كَانَ لِلدَّوْسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ) فَأَبَى ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِي ذَخَرَ اللَّهُ لِلْإِنصَارِ، فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ، هَاجَرَ إِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ، فَاجْتَوَوْا الْمَدِينَةَ، فَمَرَضَ، فَحَزَّعَ، فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ، فَقَطَعَ بِهَا بَرَأجَمَهُ، فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتَّى مَاتَ، فَرَأَاهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِي مَنَامِهِ، فَرَأَاهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةً، وَرَأَاهُ مُغَطِّيًّا يَدَيْهِ، فَقَالَ لَهُ: مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ؟ فَقَالَ: غَفَرَ لِي بِهَاجَرَتِي إِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا لِي أُرَاكَ مُغَطِّيًّا يَدَيْكَ؟ قَالَ: قِيلَ لِي: لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَ، فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاعْفِرْ (ص: ۷۳، سطر: ۹: ۱۳۲)

## تشریح

قوله : اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،  
(ص: ۷۴، سطر: ۱۰)  
یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

قوله : هَلْ لَكَ فِي حِصْنٍ حَصِينٍ (ص: ۷۴، سطر: ۱۰)  
حصن بمعنی قلعہ اور حصین بمعنی محفوظ یعنی کیا محفوظ قلعہ کی طرف آپ کو رغبت ہے؟

قوله : وَمَنْعَةٍ (ص: ۷۴، سطر: ۱۰)  
یہ مانع کی جمع ہے اس کے معنی ہیں حفاظت کرنے والی جماعت۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَاجْتَوُوا الْمَدِينَةَ (ص: ۷۴، سطر: ۴)  
دوسرے واؤ پر ضمہ ہے۔ اور جمع کا صیغہ ہے<sup>(۲)</sup> ترجمہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مدینہ کی آب و ہوا کو نا موافق پایا۔ اجتواء کے معنی آتے ہیں آب و ہوا کا نا موافق ہونا۔

قوله : مَشَاقِصَ (ص: ۷۴، سطر: ۱۱)  
یہ مشفص کی جمع ہے<sup>(۳)</sup> بمعنی قینچی چونکہ قینچی کے ایک سے زیادہ پھلکے ہوتے ہیں اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔<sup>(۴)</sup>

قوله : بُرَاجِمَةٍ (ص: ۷۴، سطر: ۱۱)  
اس کا واحد ہے بُرْجَمَةٌ یعنی انگلیوں کے پوروں کے جوڑ۔<sup>(۵)</sup>

قوله : فَشَخَبَتْ (ص: ۷۴، سطر: ۱۲)  
ای سال دمھا۔<sup>(۶)</sup>

قوله : اللَّهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاعْفِرْ (ص: ۷۴، سطر: ۱۳)  
اس میں واؤ عاطفہ ہے مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! آپ نے اس کے باقی جسم کی مغفرت تو

(۱) شرح النووی ج ۱، ص ۷۴۔

(۲) فتح المصنوع ج ۱، ص ۷۸، ۷۹۔

(۳) فتح المصنوع ج ۱، ص ۷۹۔

(۴) درس مسلم ج ۱، ص ۴۷۲۔

(۵) فتح المصنوع ج ۱، ص ۷۹۔

(۶) فتح المصنوع ج ۲، ص ۷۹۔

فرمادی اور اب اس کے ہاتھ کی بھی مغفرت فرمادیجئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہ ہوگا۔ اس میں معتزلہ اور خوارج کی تردید ہے۔ جو گناہ کبیرہ کرنے والے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی کہتے ہیں اور یہ واقعہ مرجیہ پر بھی حجت ہے۔ جو کہتے ہیں کہ گناہ مومن کے لئے مضر نہیں کیونکہ اس حدیث میں اس شخص کے ہاتھوں پر عذاب ہونے کی صراحت ہے۔<sup>(۱)</sup>

سوال: خواب تو شرعی حجت نہیں پھر اس کو کیسے معتبر قرار دیا گیا؟

جواب: ویسے تو خواب حجت شرعیہ نہیں لیکن یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کی وجہ سے حجت بن گیا۔<sup>(۲)</sup>

### باب الريح التي تكون في قرب القيامة... الخ

۳۰۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الصَّبِيِّ، قَالَ: نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَأَبُو عَلْقَمَةَ الْفَرَوِيُّ،... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ رِيحًا مِنَ الْيَمَنِ الْيَمَنِ مِنَ الْحَرِيرِ، فَلَا تَدْعُ أَحَدًا فِي قَلْبِهِ (قَالَ أَبُو عَلْقَمَةَ مَثْقَالَ حَبَّةٍ، وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: مِثْقَالُ ذَرَّةٍ) مِنْ إِيْمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ.

### تشریح

قوله: إِلَّا قَبَضَتْهُ (ص: ۷۵، ط: ۲)

یہ اللہ رب العزت کا اہل ایمان پر خصوصی انعام ہوگا کہ ریشم جیسی نرم لطیف ہوا کے ذریعے اہل ایمان کی روئیں قبض فرمائیں گے۔ تاکہ یہ قیامت کی ہولناکیوں سے بچ جائیں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے موفوفا مروی ہے کہ اس واقعہ اور قیامت کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہوگا۔<sup>(۳)</sup>

### باب الحث على المبادرة بالأعمال قبل تظاهر الفتن

۳۰۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ،... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَبَادَرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتْنًا كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ

(۱) شرح النووي ج ۱، ص ۷۴۔

(۲) درم مسند ج ۱، ص ۴۷۳، ۴۷۴۔

(۳) صمیحه التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ص ۲۹۶۔

الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُؤْمِسِي كَافِرًا، أَوْ يُؤْمِسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ  
مِنَ الدُّنْيَا. (ص: ۷۳، سطر: ۳۲۲)

### تشریح

قوله : كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، (ص: ۷۳، سطر: ۳۲۳)

یعنی فتنے ایسے آئیں گے جس طرح اندھیری رات کا ٹکڑا۔ جس طرح اندھیری رات میں اچھی اور بری اور نافع اور مضر چیزوں کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس طرح ان فتنوں میں بھی پتہ لگانا دشوار ہوگا کہ حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف۔ اور فتنوں کے زمانہ میں اول تو بہت سے اعمال کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اور اگر مل بھی جائے تو بعض اعمال کے بارے میں تردد ہوتا ہے کہ صحیح کر رہا ہوں یا غلط۔<sup>(۱)</sup>

قوله : يُؤْمِسِي كَافِرًا، أَوْ يُؤْمِسِي مُؤْمِنًا (ص: ۷۳، سطر: ۱۳)  
یہ راوی کو شک ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا (ص: ۷۳، سطر: ۳)  
دین فروشی کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:-

- ۱ ... مال وغیرہ لے کر اپنے دین کو چھوڑ دے اور باطل مذہب قبول کر لے۔ اس صورت میں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جیسے کوئی مسلمان عیسائی ہو جائے۔ یا قادیانی ہو جائے وغیرہ۔
- ۲ ... ایمان کو باقی رکھ کر اعمال دین فروخت کر دے۔ مثلاً رشوت لے کر کوئی ناجائز کام کر دے اس صورت میں کافر تو نہ ہوگا مگر حرام کام مرتکب اور سخت گناہگار ہوگا۔<sup>(۳)</sup>

### باب مخافة المومن أن يحبط عمله... الخ

۳۱۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قوله)... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ آيَةُ: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ إِلَى آخِرِ آيَةِ، جَلَسَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ فِي بَيْتِهِ، وَقَالَ: أَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ،

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۷۵ (بالا مختصراً)

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۸۰۔

(۳) درس مسلم ج ۱ ص ۴۷۴۔



وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَمْرٍو، مَا شَأْنُ ثَابِتٍ؟ اِشْتَكَيْ؟ قَالَ سَعْدٌ: إِنَّهُ لَجَارِي، وَمَا عَلِمْتُ لَهُ بِشِكْوَى، قَالَ: فَأَتَاهُ سَعْدٌ، فَذَكَرَ لَهُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ ثَابِتٌ: أَنْزِلَتْ هَذِهِ آيَةٌ، وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَذَكَرَ ذَلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. (ص: ۷۳، سطر: ۸۵۳)

### تشریح

قوله: وَقَالَ: أَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، (ص: ۷۳، سطر: ۸۵۳)

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:-

۱ ... سابقہ آواز کی بلندی کی وجہ سے میں اہل جہنم میں سے ہو گیا ہوں کیونکہ میرے اعمال کا عدم ہو گئے ہیں۔

۲ ... اگر میں آئندہ بلند آواز سے بولا تو میرے اعمال حبط ہو جائیں گے اور میں اہل جہنم میں سے ہو جاؤں گا۔<sup>(۱)</sup>

قوله: اِشْتَكَيْ؟ (ص: ۷۳، سطر: ۶)

یہ اصل میں اشتکی تھا باب افتعال کا حمزہ وصل ساقط ہو گیا اور حمزہ استفہام باقی رہا اس کا مطلب یہ کہ کیا وہ بیمار ہو گیا ہے؟<sup>(۲)</sup>

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کی جستجو فرماتے تھے کہ کون کس حال میں ہے یہ محبت کا تقاضا بھی ہے اور انتظام کا بھی۔ اس حدیث سے طلبہ کی حاضری جو درس میں لی جاتی ہے اس کی اصل بھی معلوم ہوئی۔

قوله: بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ (ص: ۷۵، سطر: ۸)

(۱) حریدہ تفصیل کے لئے دیکھیے: فتح الملہم ج ۲ ص ۸۱۔

(۲) حاشیۃ الشیخ محمد المنہج ج ۱ ص ۵۰۔

دیکھیں! خشیت کی وجہ سے کتنی بڑی دولت ملی کہ دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مواخذہ امور اختیار یہ پر ہوتا ہے غیر اختیار یہ پر نہیں۔

### باب هل یؤخذ بأعمال الجاہلیۃ؟

۳۱۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) ... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ أَنَسٌ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتُؤَاخَذُ بِمَا عَمَلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: أَمَّا مَنْ أَحْسَنَ مِنْكُمْ فِي الْإِسْلَامِ، فَلَا يُؤَاخَذُ بِهَا، وَمَنْ أَسَاءَ، أُخِذَ بِعَمَلِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ. (مس: ۷۵، سطر: ۱۳، ۱۴)

### تشریح

قولہ: وَمَنْ أَسَاءَ، أُخِذَ بِعَمَلِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ (مس: ۷۵، سطر: ۱۳، ۱۴)  
اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد اعمال اچھے نہ ہوئے تو اسلام قبول کرنے کے زمانے سے پہلے کے گناہوں کی سزا بھی ملے گی۔ حالانکہ دوسری روایت میں ہے (جو اگلے صفحہ پر آرہی ہے) ان الاسلام یهدم ما کان قبلہ (بظاہر ان دونوں میں تعارض ہے۔  
اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں احسن یعنی احسان سے اخلاص اور آساء میں آساءة سے نفاق مراد ہے یعنی اگر دل سے اسلام قبول کیا تھا تو پچھلے اعمال کا مواخذہ نہ ہوگا اور اگر دل سے اسلام قبول نہ کیا اور دل میں ایمان نہ ہوا اور منافقانہ طور پر ایمان ظاہر کیا تو دونوں زمانوں کے اعمال کا مواخذہ ہوگا لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اس تعارض کے اور بھی جوابات ہیں لیکن یہ جواب سب سے زیادہ رائج اور اسلم معلوم ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب کون الاسلام یهدم ما کان قبلہ... الخ

۳۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ،... (الی قولہ) ... عَنْ ابْنِ شِمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ، قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ، وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ، يَتَكَبَّرُ طَوِيلًا، وَحَوْلَ وَجْهِهِ إِلَى الْجِدَارِ، فَحَعَلَ ابْنُهُ يَقُولُ: يَا أَبَتَاهُ، أَمَا بِشَرِّكَ رَسُولُ

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، فتح الباری، کتاب استبابة المرتدین، باب اثم من اشرك بالله الخ رقم الحديث: ۶۹۴۱۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یگذا؟ اَمَّا بَشْرَكَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ  
 یگذا؟ قَالَ :فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ :إِنْ أَفْضَلَ مَا نَعِدُ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ،  
 وَأَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، إِنِّي قَدْ كُنْتُ عَلَى أَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَمَا أَحَدٌ  
 أَشَدَّ بُغْضًا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنِّي، وَلَا أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ قَدْ  
 اسْتَمَكَنْتُ مِنْهُ، فَقَتَلْتُهُ، فَلَوْ مِتُّ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ لَكُنْتُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَلَمَّا  
 جَعَلَ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ فِي قَلْبِي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ :ابْسُطْ  
 يَمِينَكَ فَلَا بَايِعَكَ، فَبَسَطَ يَمِينَهُ، قَالَ :فَقَبَضْتُ يَدِي، قَالَ :مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟  
 قَالَ :قُلْتُ :أَرَدْتُ أَنْ أُشْتَرِطَ، قَالَ :تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟ قُلْتُ :أَنْ يُغْفَرَ لِي، قَالَ :  
 أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟  
 وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی  
 اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَجَلَ فِي عَيْنِي مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ أُطِيقُ أَنْ أُمْلَأَ عَيْنِي مِنْهُ  
 إِجْلَالًا لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ، لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أُمْلَأُ عَيْنِي مِنْهُ، وَلَوْ  
 مِتُّ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ وَلِينَا أَشْيَاءَ مَا أَدْرِي  
 مَا حَالِي فِيهَا، فَإِذَا أَنَا مِتُّ فَلَا تَصْحَبُنِي نَائِحَةٌ، وَلَا نَارٌ، فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَشْنُوا  
 عَلَى التُّرَابِ شَنًّا، ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا تُنَحَرُ جَزُورٌ وَيُقَسَّمُ لِحْمُهَا،  
 حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَأَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي. (ص: ۷۶، سطر: ۹۵۱)

### تشریح

قوله: وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ (ص: ۷۶، سطر: ۲)

یہ سین کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں موت کے آنے کا وقت۔<sup>(۱)</sup>

قوله: يَبْكِي طَوِيلًا، (ص: ۷۶، سطر: ۲)

ای بیکسی زمانا طویلا یعنی دیر تک روتے رہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۸۲۔

(۲) درسی مسلم ج ۱ ص ۲۷۸، ۲۷۹۔

قولہ : یا ابتاہ

(ص: ۷۶، سطر: ۲)

یہ اصل میں یا ابت تھا آخر میں الف ندبہ کا ہے اور ”ہ“ برائے وقف کا اضافہ کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>  
اس روایت میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کم از کم دو بشارتوں کا ذکر ہے ہو سکتا ہے کہ صاحب زادہ نے اور بشارتیں بھی بیان کی ہوں بعد کے راوی نے ان کو ذکر نہ کیا ہو۔

### حضرت عمرو بن العاصؓ کا تعارف اور مقام

حضرت عمرو بن العاصؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں ہے یہ انتہائی ذہین بہادر صاحب الرائی اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک اور بڑے فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ مصر کی فتح کا اعزاز بھی ان کو حاصل ہے حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں مصر کے عامل (گورنر) رہے۔<sup>(۲)</sup> لیکن بہت سے لوگوں نے ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ کے زمانہ میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا تھا۔ روافض نے اپنی کتابوں میں ان پر بہت کچھڑا چھالا ہے لیکن صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب، قرآن حکیم کی نصوص اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے لہذا ان کی عظمت و عقیدت اور ان کے عادل ہونے کا نظریہ ہمارے عقیدہ کا جزء ہے اور یہ ضابطہ ہے کہ عقائد کے اندر نصوص قرآنیہ اور احادیث متواترہ ہی کا اعتبار ہے۔ خبر واحد پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی تو جب عقائد کے مسئلہ میں خبر واحد کا حکم یہ ہے تو تاریخی روایات جن کی بناء پر ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا حالانکہ ان میں احادیث کی طرح اسناد کی بڑی شرائط کا کوئی وجود نہیں تو ان پر عقائد کی بنیاد کیسے رکھی جاسکتی ہے؟<sup>(۳)</sup>

قولہ : اَطْبَاقُ ثَلَاثٍ

(ص: ۷۶، سطر: ۳)

یعنی میری زندگی تین دور یا تین احوال پر مشتمل تھی۔

قولہ : اَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِي مَا كَانَ قَبْلَهُ ؟ (ص: ۷۶، سطر: ۶)

قبول اسلام کی وجہ سے تمام چھوٹے، بڑے گناہوں کے معاف ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لہذا اگر کسی شخص نے اسلام قبول کرنے سے پہلے مثلاً کسی سے قرضہ

(۱) درس مسلم ج ۱ ص ۴۷۷۔

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۴۔

(۳) درس مسلم ج ۱ ص ۴۷۸، ۴۷۷۔

لیا یا اسی طرح کے دیگر مالی حقوق اس کے ذمہ تھے تو مسلمان ہونیکے بعد ان کی ادائیگی بھی ضروری ہوگی اور یہاں ماء سے مراد معاصی و گناہ ہیں نہ کہ حقوق العباد کیونکہ حقوق العباد میں کچھ تفصیل ہے۔<sup>(۱)</sup>

شارحین کے قول کے مطابق ہجرت یا حج سے صرف گناہ و صغیرہ کی معافی کا وعدہ ہے۔ لیکن ان اعمال کی تاثیر یہ ہے کہ عموماً انکی وجہ سے کبائر سے بھی توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور توبہ سے کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہاں یہدم ماکان قبلہ کو علی الاطلاق ذکر فرمایا۔<sup>(۲)</sup>

سوال: ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج سے مظالم بھی معاف ہو جاتے ہیں حالانکہ ظلم تو گناہ کبیرہ ہے۔ اور حقوق العباد سے متعلق ہے۔

جواب ۱ ... اس کی سند ضعیف ہے۔ لہذا قابل استدلال نہیں۔

۲ ... اس روایت میں تاویل کا احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھے یا وہ مغفرت کی بشارت توبہ کے ساتھ مشروط تھی۔ یا مظالم سے ایسے مظالم مراد ہیں کہ جس کا تدارک ممکن نہیں۔<sup>(۳)</sup>

قوله: مَا أَذْرِي مَا خَالِي فِيهَا، (ص: ۷۶، سطر: ۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہوئی تھی تو وہ اجتہادی تھی دانستہ نہیں تھی۔

قوله: فَشَنُّوا عَلَى الثَّرَابِ (ص: ۷۶، سطر: ۷)

یہ سن، سبن کے ساتھ بھی ہے اس کے معنی ہیں آہستہ آہستہ اور شن بالشین اس کے معنی ہیں ایسے زور سے مٹی ڈالنا کہ وہ مٹی بکھر جائے۔

حضرت عمرو بن العاص قبر پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنے کا حکم فرما رہے ہیں معلوم ہوا کہ صاحب قبر کو زور سے مٹی ڈالنے سے ناگواری یا تکلیف ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے جسم کے ساتھ اس کی روح کا تعلق باقی رہتا ہے آگے کے جملوں سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔<sup>(۴)</sup>

قوله: ثُمَّ أَقِيمُوا خَوْلَ قَبْرِی (ص: ۷۶، سطر: ۱۰)

یعنی پھر میری قبر کے ارد گرد قرآن کریم پڑھنے کے لئے ٹھہر جانا تاکہ قرآن کریم کی برکت

(۱) فتح الملہم ج ۲، ص ۸۵۔

(۲) درم مسلم ج ۱، ص ۴۷۸۔

(۳) المعجم ج ۱، ص ۳۳۱، ۳۳۲۔

(۴) کدافی حل المعجم ج ۱، ص ۳۵۔

سے میری قبر منور ہو جائے اور میں اس وحشت کے مقام میں مانوس ہو جاؤں۔ اور منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دینا میرے لئے آسان ہو جائے۔ اس قیام سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں دیکھوں اور تمہاری بات سنوں۔<sup>(۱)</sup>

۳۱۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ بْنُ مَيْمُونٍ، (الی قولہ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الشَّرْكِ قَتَلُوا فَأَكْثَرُوا، وَزَنَوْا فَأَكْثَرُوا، ثُمَّ اتَّوَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: إِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو لِحَسَنٍ، وَلَوْ تُخْبِرُنَا أَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً، فَنَزَلَ: "وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا" وَنَزَلَ "يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ". (ص: ۷۶، سطر: ۱۱۵۹)

### تشریح

قولہ: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ (ص: ۷۶، سطر: ۶)

سائلین کا سوال یہ تھا کہ آپ ایسا عمل ارشاد فرمائیں جو زمانہ ماضی کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو اس کے جواب میں راوی نے جس آیت کا ذکر کیا ہے اس سے بظاہر یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ والذین لا یدعون.... (الی قولہ) یلقی اثمًا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص شرک، قتل اور زنا کے گناہ کا ارتکاب کرے گا اس کو عذاب ہوگا اس میں تو گناہ کے کفارہ کا ذکر نہیں۔

اس آیت سے اگلی آیت یہ ہے: "إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا..."<sup>(۲)</sup> اس میں کفارہ یعنی گناہوں کی معافی کا ذکر ہے تو گویا راوی نے آیت کا ابتدائی حصہ ذکر کر کے پوری آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔<sup>(۳)</sup>

### باب بیان حکم عمل الکافر اذا أسلم بعده... الخ

۳۱۹۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى،... (الی قولہ)... أَنَّ حَكِيمَ بْنَ جِزَامٍ، أَخْبَرَهُ،

(۱) کذا فی حل المعجم ج ۱ ص ۳۵۔

(۲) سورة الفرقان آیت: ۷۰۔

(۳) درمست مسلم ج ۱ ص ۲۸۰، ۲۸۱۔

أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنُّتُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ هَلْ لِي فِيهَا مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَسَلَّمْتَ عَلَى مَا أَسَلَّمْتَ مِنْ خَيْرٍ وَالتَّحَنُّتُ: التَّعَبُّدُ. (ص: ۷۶، سطر: ۱۳ تا ۱۱)

### تشریح

قوله: أَسَلَّمْتَ عَلَى مَا أَسَلَّمْتَ مِنْ خَيْرٍ (ص: ۷۶، سطر: ۶)

علی کے اندر دو احتمال ہیں۔

۱ ... علی سپیہ ہو۔<sup>(۱)</sup>  
۲ ... مع کے معنی میں ہو۔

پہلی صورت میں معنی یہ ہونگے کہ تم نے ان اعمالِ خیر ہی کے سبب سے اسلام قبول کیا۔ جو زمانہ جاہلیت میں کئے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار کے اعمالِ خیر بالکل بیکار نہیں جاتے۔ بلکہ ان سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی کو ایمان کی توفیق ہوتی ہے جو دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے اور کسی کو دنیا میں فائدہ مل جاتا ہے۔

اور اگر علی بمعنی مع ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ زمانہ جاہلیت میں کئے ہوئے اعمالِ خیر کا بدلہ اور ثوابِ آخرت میں بھی تمہیں دیا جائے گا چنانچہ علامہ نووی نے محققین سے نقل کیا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد حالتِ کفر کی نیکیوں پر بھی ثواب ملتا ہے۔ دلیل حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب کافر مسلمان ہوتا ہے اور اس کا اسلام لانا اچھا ہوتا ہے یعنی اخلاص سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر نیکی کا بدلہ دیتے ہیں اور اس کی ہر برائی کو مٹا دیتے ہیں اس کے بعد اس کے ہر نیکی عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا کر لکھا جاتا ہے اور گناہ ایک ہی لکھا جاتا ہے۔“<sup>(۲)</sup>

اور صحیح مسلم کی ایک حدیث مرفوعہ میں ہے کفار کو ان کے اعمالِ خیر کے نتیجہ میں اگر ایمان نصیب نہ ہو تب بھی دنیا کا فائدہ ضرور دیا جاتا ہے جیسا کہ آج کل اہل یورپ بعض اچھے اعمال بھی کر رہے ہیں تو ان کو ان کا فائدہ مل رہا ہے مثلاً صنعت و تجارت اور ملازمت و مزدوری میں دھوکہ بازی

(۱) اکمال الکمال المعجم ج ۱ ص ۷۷۔

(۲) رواہ الدار قطنی بحوالہ شرح النووی ص: ۷۷ س: ۱۔



اور کام چوری وغیرہ سے عموماً بچنے کی وجہ سے وہ ترقی کر رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کفار کے اعمال خیر بھی بالکل بیکار نہیں جاتے۔ بلکہ یا تو ان کے نتیجہ میں ان کو ایمان کی دولت نصیب ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو حالت کفر کے اعمال کا ثواب آخرت میں بھی ملتا ہے۔ اور دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اگر ایمان نصیب نہ ہو تب بھی دنیا میں اُن کا فائدہ اور بدلہ دے دیا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب صدق الایمان و اخلاصہ... الخ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكَيْعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: "الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا" إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالُوا: أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّونَ، إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِأَبِيهِ: (يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. (ص ۷۷ سطر: ۲۱)

### تشریح

قوله: أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ (ص ۷۷ سطر: ۲)

ظلم کے لغوی معنی ہیں "وضع الشيء في غير محله" یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا کر رکھنا اس لحاظ سے ہر گناہ خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ظلم ہے۔ کیونکہ اس میں اعضاء و جوارح کو غیر محل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی ان سے وہ عمل کیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے اس عموم کی وجہ سے یہ آیت مشقت والی محسوس ہوتی تو انہوں نے سوال کیا أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ تو جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ یہاں ظلم سے ایک خاص ظلم یعنی شرک کرنا مراد ہے۔<sup>(۲)</sup>

### تفسیر و تشریح کے لئے محض ترجمہ جاننا کافی نہیں

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام جن کی مادری زبان عربی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ

(۱) درج مسلم ج ۱ ص ۳۸۲۔

(۲) فتح المسلم ج ۲ ص ۸۹۔

علیہ وسلم کے زیر سایہ زندگی گزار رہے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے لئے محض ترجمہ ظاہری مفہوم قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے کافی نہ ہوا تو آج کل ہم لوگ جو خیر القرون سے بہت دور ہیں اور عربی زبان کی بھی پوری طرح مہارت نہیں رکھتے تو محض ترجمہ کی بنیاد پر قرآن کریم کی تشریح کیسے کر سکتے ہیں؟ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ قرآن کریم کو محض ترجمہ کے ساتھ شائع نہ کرنا چاہئے بلکہ ضروری تفسیر بھی جو معتبر اور مستند ہو اس کے ساتھ ہونی چاہئے۔<sup>(۱)</sup>

### باب بیان تجاوز اللہ عن حدیث النفس... الخ

۳۲۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبَدُّوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخَفُّوهُ يَحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ" وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، قَالَ: فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بَرَكُوا عَلَى الرَّكْبِ، فَقَالُوا: أَيُّ رَسُولَ اللَّهِ، كُفُّنَا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا نَطِيقُ، الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ وَالْجِهَادَ وَالصَّدَقَةَ، وَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيْكَ هَذِهِ الْآيَةُ وَلَا نَطِيقُهَا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَرِيدُونَ أَنْ تَقُولُوا كَمَا قَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا؟ بَلْ قُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ، فَلَمَّا اقْتَرَأَهَا الْقَوْمُ، ذَلَّتْ بِهَا أَلْسِنَتُهُمْ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِي إِثْرِهَا: آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ، فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ نَسَخَهَا اللَّهُ تَعَالَى، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا" قَالَ نَعَمْ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا" قَالَ: نَعَمْ رَبَّنَا

وَلَا تُحْمَلْنَ مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ“ قَالَ نَعَمْ ”وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ  
مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ“ قَالَ نَعَمْ۔ (ص: ۷۷، سطر ۸۴ و ص: ۷۸، سطر ۳۴۱)

### تشریح

قوله : ”وَإِنْ تُبْذُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ“ (ص: ۷۷، سطر ۵)

اس آیت میں ”ما“ کے اندر عموم ہے، اس میں تمام اختیاری اور غیر اختیاری خیالات  
ہا جس سے لے کر عزم تک شامل ہو گئے، اس عموم کی وجہ سے صحابہ کرامؓ پریشان ہوئے کہ غیر اختیاری  
وساوس و خطرات پر تو انسان کا کنٹرول نہیں، تو ان سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہیں اللہ رب العزت کے کسی حکم پر  
اعتراض کا کوئی حق نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے مالک حقیقی ہیں، انہیں اپنی مملوکات میں  
ہر طرح کے تصرف کا پورا حق ہے۔

قوله : ”فَقَالُوا : أَيُّ رَسُولَ اللَّهِ!“ (ص: ۷۷، سطر ۷)

یہ ”ای“ فتح اور سکون کے ساتھ ہے، اور یہ حرفِ نداء بھی ہے اور حرفِ تفسیر بھی<sup>(۱)</sup>۔ یہاں نداء  
کے طور پر آیا ہے۔ یعنی یہ یا رسول اللہ کے معنی میں ہے۔

قوله : ”غُفِرَ لَكَ“ (ص: ۷۷، سطر ۸)

یہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہے۔ ای نطلب غفرانک۔

قوله : ”ذَلْتُ بِهَا أَلْسِنَتَهُمْ“، یعنی ان کی زبانوں نے اس کو مان لیا۔ (ص: ۷۸، سطر ۱)  
یہ ما قبل کے جملے ”اقتراها القوم“ سے بدل ہے، یا جملہ حالیہ بھی ہو سکتا ہے (کما قال  
السندی) اور لما کا جواب انزل اللہ عزوجل فی اثرا : ”آمَنَ الرَّسُولُ“ الخ سے آیات  
کے ختم تک ہے۔ یعنی جب لوگوں نے ”سمعنا و اطعنا“ کہہ لیا اور ان کی زبانوں نے اس کو مان لیا  
اور تابعداری کر لی تو اللہ پاک نے اس کو منسوخ فرما کر یہ آیت ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا“ الخ نازل  
فرمادی۔

قوله : ”فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ نَسَحَهَا اللَّهُ تَعَالَى، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ : ”لَا

قوله : يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا... الخ (مس: ۷۸، سطر ۲)

یہاں ”نسخ“ سے کیا مراد ہے؟ شرح نووی اور فتح الملہم میں اس کے مختلف جوابات نقل کئے گئے ہیں، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ جس تفصیل و وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمائی ہے، وہ بہت اطمینان بخش ہے، حضرت تھانوی اور حضرت مفتی صاحبؒ نے بھی تفسیر معارف القرآن میں بنیادی طور پر اس کو اختیار کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی آیت سے اگر ایسے معنی کا وہم پیدا ہوتا ہو جو عند اللہ مراد نہیں تو اس وہم کو دور کرنا متقدمین کی اصطلاح میں نسخ کہلاتا تھا اور یہاں نسخ کے یہی معنی مراد ہیں یعنی دوسری آیت کے ذریعہ پہلی آیت سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنا نسخ سے مراد ہے۔ (الحل المفہم)

۳۳۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَامْكُتُبُوهَا سَيِّئَةً، وَإِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَامْكُتُبُوهَا حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَامْكُتُبُوهَا عَشْرًا. (مس: ۷۸، سطر ۱۱، ۱۲)

### تشریح

قوله : ”إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ“ (مس: ۷۸، سطر ۱۲)

ہم اور عزم دونوں اختیاری ہیں، ان میں فرق یہ ہے کہ ہم کچے ارادے کو، اور عزم پختہ ارادے کو کہتے ہیں۔ عزم گناہ کا ہو یا نیکی کا، اس پر جزاء سزا مرتب ہوگی، اس لئے کہ یہ دل کا عمل ہے، بخلاف ہم کے کہ اگر گناہ کا ہے تو معاف اور اگر نیکی کا ہے تو اس پر بھی ایک نیکی ملے گی، جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ (کذا فی الحل المفہم) (۱)

### ایک اشکال اور جواب

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم میں جو ہم کا لفظ استعمال ہوا ہے: ”وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا“ تو اگرچہ یہ ہم عام انسان کے اعتبار سے معاف ہے، لیکن شانِ نبوت سے کم تر ہونے کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ اس کا جواب یہ ہے

کہ اس آیت میں ”وہم بہا“ پر وقف نہیں ہے بلکہ ”لَوْ لَا اَنْ رَّآیْ بَرہَانَ رَبِّہٖ“ پر وقف ہے اور یہاں یہ جملہ مکمل ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو کچا ارادہ کر لیتے، لیکن چونکہ انھوں نے برہان الہی کا مشاہدہ کر لیا تھا، اس لئے وہ ”ہم“ کرنے سے بھی محفوظ رہے<sup>(۱)</sup>۔ اب کوئی اشکال نہیں۔

۳۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ : نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ : هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ : إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِي بِأَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً، (الی قولہ) وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " : قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ : رَبِّ، ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيدُ أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً، وَهُوَ أَبْصَرُ بِهِ، فَقَالَ : أَرْقُبُوهُ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاصْبِرُوا لَهَا بِمِثْلِهَا، وَإِنْ تَرَكَهَا فَاصْبِرُوا لَهَا حَسَنَةً، إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَاءِ ي... الحديث. " (مس: ۷۸، ۷۹، ۱۷، ۱۸)

### تشریح

قولہ : ”مِنْ جَرَاءِ ي“ (مس: ۷۸، ۷۹، ۱۷، ۱۸) ای من اجل یعنی میرے خاطر۔

### باب بیان الوسوسة فی الایمان... الخ

۳۳۸۔ ”حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلُوهُ : إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاطَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ : أَوْ قَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟ قَالُوا : نَعَمْ، قَالَ : ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ.“ (مس: ۷۹، ۸۰، ۱۷، ۱۸)

### تشریح

قولہ : ”أَوْ قَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟“ (مس: ۷۹، ۸۰، ۱۷، ۱۸)

وَجَدْتُمُوهُ کی ضمیر مفرد کا مرجع ”تعاظم“ ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی، ”اَلَا تَتَم“

تَسْتَلُونَ هَذَا وَقَدْ وَجَدْتُمْ ذَلِكَ التَّعَاضُفَ“، یعنی کیا تم اس حالت میں سوال کر رہے ہو کہ تم نے واقعی ان وساوس کا زبان پر لانا بھی بہت برا سمجھا؟

اور اگلے جیسے ”ذَلِكُمْ صَرِيحُ الْإِيمَانِ“ میں بھی ”ذَلِكُمْ“ کا اشارہ الیہ، تعاضف ہے۔<sup>(۱)</sup>  
مطلب یہ ہے کہ ان وساوس کو تمہارا برا سمجھنا دل میں ایمان ہونے کی علامت ہے، لہذا ان وساوس کا آنا کچھ مضربِ نہیں۔

۳۴۰۔ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَعْقُوبَ الصَّفَّارُ... (الی قولہ)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَسْوَاسَةِ، قَالَ: تِلْكَ مَحْضُ الْإِيمَانِ. (ص: ۷۹، سطر ۴۳)

### تشریح

قولہ: ”عَنِ الْوَسْوَاسَةِ، قَالَ: تِلْكَ مَحْضُ الْإِيمَانِ“ (ص: ۷۹، سطر ۴۳)  
ای الوسوسة علامۃ محض الایمان یعنی وسوسہ آنا ایمانِ خالص کی علامت ہے، کیونکہ مؤمن کے دل میں وساوس اس لئے آتے ہیں کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہے، اگر ایمان نہ ہوتا تو یہ وساوس نہ آتے، کیونکہ شیطان ایسے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتا ہے جو دولتِ ایمان سے مالا مال ہوں، اور جو اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہیں جیسے کافر و مشرک، تو ان کے دلوں میں وساوس ڈالنے کی شیطان کو کوئی ضرورت حاجت نہیں، کیونکہ ان کے دلوں میں تو وہ وساوس کے بجائے کفر و شرک اور گناہ ڈالتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ کا وسوسہ کی حد تک رہنا یعنی عقیدہ اور عمل کا اس کے مطابق نہ ہونا ایمان کی ایک علامت ہے۔<sup>(۲)</sup>

۳۴۳۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا وَكَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ لَهُ: مَنْ خَلَقَ رَبُّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَ ذَلِكَ، فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتِهِ. (ص: ۷۹، سطر ۸۷)

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۶۸ والحل المفہوم ج ۱ ص ۲۷۷ وشرح النووی ج ۱ ص ۷۹۔

## تشریح

قولہ: ”وَلَيْتَهُ“

(ص: ۷۹، سطر ۸)

یعنی اس خیال سے رک جائے اور ادھر ذہن ہٹالے اور دھیان ہٹانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے ذہن کو کسی اور کام میں لگا دے، ورنہ کسی بھی طرح بھی اس قسم کے خیالات سے چھٹکارا حاصل نہ ہوگا۔

## باب وعید من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار

۳۵۱۔ ”حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ، فَقَدْ أَوْحَبَ اللَّهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: وَإِنْ قَضِيًّا مِنْ أَرَاكَ.“

(ص: ۸۰، سطر ۳۲)

## تشریح

قولہ: ”مَنْ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ“

(ص: ۸۰، سطر ۲)

یہاں بيمين سے بظاہر ”منکر کی قسم مراد“ ہے کہ جب مدعی بیئہ سے اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے تو منکر سے قسم لے کر قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے۔ حضرات فقہاء کرام کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ قاضی اگر جھوٹے گواہوں پر اعتماد کر کے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے تو قاضی صرف ظاہر انافذ ہوتا ہے یا ظاہر اوباطن بھی؟ جمہور کے نزدیک ایسے فیصلے کا نفاذ صرف ظاہر اوباطن نہیں، جبکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظاہر اوباطن دونوں اعتبار سے اس کا نفاذ ہوتا ہے، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے چند شرائط ہیں۔ من جملہ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ فیصلہ جھوٹی قسم کی بنیاد پر نہ ہوا ہو، بلکہ جھوٹے گواہوں کی بنیاد پر ہوا ہو۔ لہذا امام صاحبؒ کا مسلک اس حدیث باب کے خلاف نہیں۔ (اس مسئلہ کی پوری تفصیل دلائل کے ساتھ صحیح مسلم کی جلد ثانی میں ملاحظہ فرمائیں۔)

قولہ: ”وَإِنْ قَضِيًّا مِنْ أَرَاكَ“

(ص: ۸۰، سطر ۳)



یعنی پیلو کے درخت کی لکڑی، یعنی مسواک۔ ہمارے نسخوں میں قضیب مرفوع ہے، اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ”وان اخذ قضیب“ اور بعض نسخوں میں منصوب ہے، اس کی تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ ”وان کان المأخوذ قضیباً“۔

۳۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ صَبْرٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانُ، قَالَ: فَدَخَلَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ، فَقَالَ: مَا يُحَدِّثُكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ قَالُوا: كَذًا وَكَذًا، قَالَ: صَدَقَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ، فِي نَزَلَتْ، كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ أَرْضٌ بِالْيَمَنِ، فَخَاصَمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلْ لَكَ بَيْنَهُ؟ فَقُلْتُ: لَا، قَالَ: فِيمِئْتَهُ، قُلْتُ: إِذَنْ يَحْلِفُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ صَبْرٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانُ فَنَزَلَتْ: (إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا) إِلَى آخِرِ آيَةِ.

(مس: ۸۰، طر: ۸۶۳)

### تشریح

قولہ: ”يَمِينٍ صَبْرٍ“ (مس: ۸۰، طر: ۵)

”یمن صبر“ وہ قسم ہے جس کے ذریعہ مال کو اپنے پاس روک لیا جائے، جیسا کہ پیچھے اس

کا بیان گزرا۔

۳۵۴۔ ”حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا، هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانُ، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ خُصُومَةٌ فِي بَثْرٍ، فَاخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ.“

(مس: ۸۰، طر: ۹۰۸)

## تشریح

قولہ : ”فِی بَئْرٍ“

(ص: ۸۰، طر: ۹)

ما قبل کی روایت میں ”أَرْضٍ“ کا لفظ تھا اور اس میں ”فِی بَئْرٍ“ ہے، ہو سکتا ہے کہ جس زمین میں جھگڑا ہو، اس میں کنواں بھی ہو، تو کبھی زمین کی طرف نسبت کی اور کبھی کنویں کی طرف، لہذا تعارض نہ رہا۔

۳۵۶۔ ”حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ هَذَا قَدْ غَلَبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي كَانَتْ لِأَبِي، فَقَالَ الْكِنْدِيُّ: هِيَ أَرْضِي فِي يَدَيَّ أَرْعُهَا لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ: أَلَيْكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَلَكَ بَيِّنَةٌ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ، فَقَالَ: لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَلِكَ، فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَدْبَرَ: أَمَّا لَيْنُ حَلَفَ عَلَى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا، لِيَلْقَيْنَ اللَّهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ.“

(ص: ۸۰، طر: ۱۱۵)

## تشریح

قولہ : ”فَانْطَلَقَ“ (ص: ۸۰، طر: ۱۳) یعنی قسم کھانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی

طرف چلا۔ کیونکہ اس زمانہ میں قسم کی تاکید و توثیق کے لئے منکر کو منبر نبوی کے پاس لا کر حلف لیا جاتا تھا، اور اگر مزید تاکید مقصود ہوتی تو عصر کے بعد قسم لی جاتی تھی، کیونکہ وہ وقت زیادہ فضیلت کا ہے۔

۳۵۷۔ ”حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قولہ) عَنْ وَائِلٍ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فِي أَرْضٍ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: إِنَّ هَذَا انْتَزَى عَلَى أَرْضِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ - وَهُوَ امْرُؤُ الْقَيْسِ بْنِ عَابِسٍ الْكِنْدِيُّ، وَخَصَمُهُ رِبِيعَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ

قَالَ: بَيِّنْتُكَ قَالَ: لَيْسَ لِي بَيِّنَةٌ، قَالَ: يَبِينُهُ قَالَ: إِذْ ذَاكَ يَذْهَبُ بِهَا، قَالَ: لَيْسَ لَكَ إِلَّا ذَاكَ، قَالَ: فَلَمَّا قَامَ لِيُحْلِفَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اقْتَطَعَ أَرْضًا ظَالِمًا، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانٌ، قَالَ إِسْحَاقُ فِي رِوَايَتِهِ: رَبِيعَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ. (مس: ۸۰، سطر ۱۵ تا ۱۸)

### تشریح

قولہ: ”بَيِّنْتُكَ“ (مس: ۸۰، سطر ۱۷) ای بینتک مطلوبہ۔ یعنی تمہارے گواہ چاہئیں۔  
 قولہ: ”يَبِينُهُ“ (مس: ۸۰، سطر ۱۷) یعنی تمہارے ذمہ قسم کھانا ہے۔

### باب الدلیل علی أن من قصد أخذ مال غیرہ.... الخ

۳۵۹۔ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلَوَانِيُّ، (الی قولہ) أَنَّ ثَابِتًا مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ لَمَّا كَانَ بَيْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَبَيْنَ عُنَيْسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَا كَانَ تَيَسَّرُوَالِلِقِتَالِ، فَكَرِبَ خَالِدُ بْنُ الْعَاصِ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَوَعَّظَهُ خَالِدٌ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو: أَمَا عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قُتِلَ ذُو مَالٍ فَهُوَ شَهِيدٌ. (مس: ۸۱، سطر ۵۲ تا ۵۳)

### تشریح

قولہ: ”لَمَّا كَانَ بَيْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَبَيْنَ عُنَيْسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَا كَانَ تَيَسَّرُوَالِلِقِتَالِ“ (مس: ۸۱، سطر ۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص اور حضرت عنبرہ بن ابی سفیان کے درمیان یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت عنبرہ بن ابی سفیان اپنے بھائی حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے طائف کے گورز تھے، طائف میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی بھی زمین تھی، حضرت عنبرہؓ نے طائف کے چشمہ سے ایک نالہ نکالا جس سے کسی زمین کو سیراب کرنا مقصود تھا، نالے کے راستے میں حضرت ابن عمروؓ کی زمین تھی، جب حضرت عنبرہؓ نے اس نالے کو حضرت ابن عمروؓ کی زمین میں کھود کر اس سے گزارنا چاہا تو انہوں نے منع کر دیا، وہ زبردستی نکالنا چاہتا تھے اور یہ راضی نہ تھے، جس کے نتیجہ میں

دونوں مسلسل لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ اور خالد بن العاص حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے چچا تھے، وہ ابن عمروؓ کو سمجھانے کے لئے ان کی طرف روانہ ہوئے۔<sup>(۱)</sup>

### باب استحقاق الوالی الغاش لرعية النار

۳۶۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى... (الی قولہ)... دَخَلَ عُيَيْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ، عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، وَهُوَ وَجِعٌ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا لَمْ أَكُنْ حَدِّثُكَهُ إِلَّا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَسْتَرْعِي اللَّهُ عَبْدًا رَعِيَّةً، يَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا، إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ، قَالَ: أَلَا كُنْتُ حَدِّثُكَ هَذَا قَبْلَ الْيَوْمِ؟ قَالَ: مَا حَدِّثُكَ، أَوْ لَمْ أَكُنْ لِأَحَدٍ ذَلِكَ. (مس: ۸۱، سطر ۷)

(۹۳)

### تشریح

قولہ: ”وَهُوَ وَجِعٌ“ (مس: ۸۱، سطر ۸) یعنی وہ بیمار تھے۔

۳۶۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ الْمُسَمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ أَنَّ عُيَيْدَ اللَّهِ بْنَ زِيَادٍ عَادَ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ فِي مَرَضِهِ، فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ: إِنِّي مُحَدِّثُكَ بِحَدِيثٍ لَوْلَا أَنِّي فِي الْمَوْتِ لَمْ أُحَدِّثْكَ بِهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ، وَيَنْصَحُ، إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ“ (مس: ۸۱، سطر ۱۰)

(۱۲۳)

### تشریح

قولہ: ”لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ“ (مس: ۸۱، سطر ۱۲)

”مَعَهُمُ“ کی قید سے معلوم ہوا کہ دھوکہ باز سلطان و خولِ اولی کے ساتھ جنت میں نہیں

جائے گا، لہذا یہاں مطلق دخول جنت کی نفی نہیں ہے، اور ما قبل کی روایت میں جملہ ”حَرَّمَ اللہُ عَلَیْہِ الْجَنَّةَ“ کے اندر بھی یہ قید ملحوظ ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ جنت میں دخولِ اولیٰ اس پر حرام کر دیں گے۔

### باب رفع الأمانة والایمان من بعض القلوب... الخ

۳۶۵۔ ”حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (الی قولہ) عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا، وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا : أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ، ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ، فَعَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ، وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْأَمَانَةِ قَالَ: يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتَقْبِضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيُظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتَقْبِضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيُظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَحَلِّ كَحَمْرِ دَحْرَجَتِهِ عَلَى رِجْلِكَ فَتَنْفِطُ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِهًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ“ - ثُمَّ أَخَذَ حَصَى فَدَحْرَجَهُ عَلَى رِجْلِهِ - فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَّبِعُونَ لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتَّى يُقَالَ : إِنْ فِي بَنِي فَلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، حَتَّى يُقَالَ لِلرَّجُلِ : مَا أَجَلَدَهُ مَا أَظْرَفَهُ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِنْ ثِقَالٍ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ وَلَقَدْ أَتَى عَلَى زَمَانٍ وَمَا أُبَالَى أَيْكُمْ بِأَيْعَتٍ، لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيُرَدَّنَّهُ عَلَى دِينِهِ، وَلَئِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا أَوْ يَهُودِيًّا لَيُرَدَّنَّهُ عَلَى سَاعِيهِ، وَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ لِأُبَايِعَ مِنْكُمْ إِلَّا فَلَانًا وَفُلَانًا.“ (ص: ۸۴، سطر ۵۲)

### تشریح

قولہ : ”عَنْ حُذَيْفَةَ“ (ص: ۸۴، سطر ۱)

یہ مشہور صحابی ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو ”مدائن“ کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا تھا، ”مدائن“ فتح عراق سے پہلے کسریٰ کا دار الحکومت تھا۔

قولہ : ”قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا، وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ“ (ص: ۸۴، سطر ۲)

یعنی میں نے ان میں سے ایک مصداق دیکھ لیا دوسری کا انتظار ہے۔

قولہ : ”جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ“ (ص: ۸۴، سطر ۲) یعنی لوگوں کے دلوں کی جڑ میں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : "فَتَقْبَضُ الْأَمَانَةَ" (ص: ۸۲، سطر ۲) یعنی امانت نکال لی جائے گی۔ (ص: ۸۲، سطر ۲)

سوال :- یہاں سوال ہوتا ہے کہ رفع امانت تو غیر اختیاری ہے، اس لئے کہ یہ من جانب اللہ ہوا، تو اس کی مذمت کیوں کی گئی ہے؟

جواب :- یہ رفع امانت گناہوں کی وجہ سے ہے، جیسے مال حرام سے نیک کاموں کی توفیق کم یا سلب ہو جاتی ہے، لہذا یہ امر غیر اختیاری نہ رہا، کیونکہ اس کا سبب اختیاری ہے۔

قوله : "الْوَكْتُ" (ص: ۸۲، سطر ۲)

یہ واؤ اور کاف کے سکون کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں نقطے کی طرح چھوٹا سا نشان<sup>(۱)</sup>۔

قوله : "الْمَجْلِي" (ص: ۸۲، سطر ۳) آبلہ اور چھالہ<sup>(۲)</sup>۔

قوله : "فَنَفِطَ" (ص: ۸۲، سطر ۳) پس پھول جاتا ہے۔

قوله : "مُنْتَبِرًا" (ص: ۸۲، سطر ۳) ابھرا ہوا، (فتح الملهم)<sup>(۳)</sup>۔

قوله : "لَا يَكَاذُ أَحَدٌ يُؤْذِي الْأَمَانَةَ" (ص: ۸۲، سطر ۴)

اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ کوئی بھی امانت ادا کرنے کے قریب نہیں ہوگا، یعنی اداۃ امانت کے قریب ہونے کی نفی ہے، مگر یہاں یہ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ لوگ امانت ادا کریں گے لیکن اتنی کم ادا کریں گے یا اتنے کم لوگ ادا کریں گے کہ وہ ادا نہ کرنے کے قریب ہوں گے۔

قوله : "مَا أَجْلَدُهُ مَا أَظْرَفُهُ مَا أَغْقَلُهُ" (ص: ۸۲، سطر ۴)

یہ تینوں تعجب کے صیغے ہیں جو بطور تحسین کے استعمال ہوئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اُس زمانہ میں اچھائی و برائی کے معیار بدل جائیں گے، اور ایسے لوگوں کی تعریفیں کی جائیں گی جن میں قوت و طاقت اور ذہانت و ظرافت جیسی صفات اگرچہ ہوں گی مگر امانت کا عدم ہوگی جس کے باعث مذکورہ بالا اچھی صفات کا استعمال غلط ہوگا۔

قوله : "مَسَاعِيه" (ص: ۸۲، سطر ۵)

(۱) العرب لابن سلام ج ۲ ص ۱۱۷ و فتح الملهم ج ۲ ص ۲۲۲۔

(۲) حوالہ اول۔

(۳) فتح الملهم ج ۲ ص ۲۲۲۔

اُس کا حاکم، یعنی میرا حق اس کا حاکم مجھے دلا دے گا۔

۳۶۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ، (الی قولہ) عَنْ رَبِيعٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْفِتَنَ؟ فَقَالَ قَوْمٌ: نَحْنُ سَمِعْنَاهُ، فَقَالَ: لَعَلَّكُمْ تَعْنُونَ فِتْنَةَ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَجَارِهِ؟ قَالُوا: أَجَلُ، قَالَ: تِلْكَ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّيَامُ وَالصَّدَقَةُ، وَلَكِنْ أَيُّكُمْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الَّتِي تَمُوجُ مَوْجَ الْبَحْرِ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ: فَاسْكَتَ الْقَوْمُ، فَقُلْتُ: أَنَا، قَالَ: أَنْتَ لِلَّهِ أَبُوكَ.

قَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُوْدًا عُوْدًا، فَأَيُّ قَلْبٍ أَشْرَبَهَا، نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءٌ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا، نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيَاضًا، حَتَّى تَصِيرَ عَلَى قَلْبَيْنِ، عَلَى الْبَيْضِ مِثْلُ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ، وَالْأَخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًا كَالْكُوزِ، مُجَحِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا، وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا، إِلَّا مَا أَشْرَبَ مِنْ هَوَاهُ.

قَالَ حُذَيْفَةُ: وَحَدَّثَنِي، أَنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابٌ مُغْلَقٌ يُوشِكُ أَنْ يُكْسَرَ، قَالَ عُمَرُ: أَكْسَرًا لَا أَبَا لَكَ؟ فَلَوْ أَنَّهُ فُتِحَ لَعَلَّهُ كَانَ بُعَادًا، قُلْتُ: لَا بَلْ يُكْسَرُ، وَحَدَّثَنِي أَنَّ ذَلِكَ الْبَابَ رَجُلٌ يُقْتَلُ أَوْ يَمُوتُ حَدِيثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ قَالَ أَبُو خَالِدٍ فَقُلْتُ لِسَعْدٍ: يَا أَبَا مَالِكٍ، مَا أَسْوَدُ مُرْبَادًا؟ قَالَ: شِدَّةُ الْبَيَاضِ فِي سَوَادِهِ، قَالَ: قُلْتُ: فَمَا الْكُوزُ مُجَحِّيًا؟ قَالَ: مُنْكَوَسًا. (ص: ۸۲، سطر ۱۳۵۶)

### تشریح

(ص: ۸۲، سطر ۷)

قولہ: ”عَنْ رَبِيعٍ (حراش)“

یہ مشہور تابعی ہیں، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مجھے اپنے جنتی ہونے کا علم نہ ہوگا اُس

وقت تک ہنسوں گا نہیں، چنانچہ عمر بھر نہیں ہنسے، پھر جب انتقال ہوا تو ہنسے۔<sup>(۱)</sup>

(ص: ۸۲، سطر ۷)

قولہ ”فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ“



یعنی انکی وجہ سے حقوق اللہ صحیح ادا نہ ہوں کہ محبت میں غلو سے کام لیا جائے، یا حقوق العباد ٹھیک طور پر ادا نہ ہوں گے۔

قوله : ”تَمُوجُ مَوْجَ الْبَحْرِ“ (ص: ۸۲، سطر: ۸)

اس میں دو وجہ سے تشبیہ دینا متصور ہے۔

۱ ... جس طرح سمندر کے کنارے نئی آنے والی موج پہلی موج کے مقابلہ میں سخت ہوتی ہے جس کے سامنے پہلی موج ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے، اسی طرح ہر آنے والا فتنہ پہلے سے بڑا ہوگا کہ لوگ اس بڑے فتنے کے سامنے پچھلے فتنے کو ہلکا سمجھیں گے۔

۲ ... جس طرح وسط سمندر میں مختلف سمتوں سے موجیں آتی ہیں، اسی طرح فتنے بھی مختلف اطراف سے آئیں گے۔

قوله : ”فَأَسْكَتَ الْقَوْمَ“ (ص: ۸۲، سطر: ۸)

اہل لغت نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں: ایک ”خاموش ہو گئے“ یعنی ”اسکت“ ”سکت“ کے معنی میں ہے، اور دوسرے معنی ہیں گردن جھکالی، یعنی یہ لفظ اطرق کے معنی میں ہے (نووی)۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ”كَأَلْ حَصِيرٍ غَوْدًا غَوْدًا“ (ص: ۸۲، سطر: ۹)

جس طرح چٹائی بننے وقت اس میں استعمال کی جانے والی چٹیاں پے در پے ایک دوسرے کے ساتھ جڑتی چلی جاتی ہیں، اسی طرح یہ فتنے بھی پے در پے آتے جائیں گے۔

قوله : ”عَلَى قَلْبَيْنِ“ (ص: ۸۲، سطر: ۱۰) یعنی قلوب کی دو قسمیں ہوں گی۔

قوله : ”مَادَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ“ (ص: ۸۲، سطر: ۱۰) یعنی موت تک۔<sup>(۲)</sup>

قوله : ”مُرَبَّادًا“ (ص: ۸۲، سطر: ۱۰)

اس کے معنی ہیں سیاہ رنگ جو سفیدی مائل ہو، اسے اردو میں سیلٹی رنگ اور انگریزی میں گرے کہتے ہیں۔

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۸۲۔

(۲) المحن المعہم ج ۱ ص ۳۸۔

قولہ : ”کالکوز مجنحیا“ کوز کے معنی لوٹا اور مجنحیا کے معنی اُلٹا۔ (ص: ۸۲، سطر: ۱۰)  
یعنی جب لوٹے کو اُلٹا کیا جائے تو اس میں جس طرح پانی باقی نہیں رہتا سوائے کچھ تری اور  
نی کے جو اُس کے اندر لگی رہ جاتی ہے، اسی طرح قلوب میں بھی امانت کا لہدم ہو جائے گی۔

قولہ : ”لا ابا لک“ (ص: ۸۲، سطر: ۱۱)

اس کے لفظی معنی ہیں ”تیرا باپ نہیں ہے۔“ مراد یہ ہے کہ ہوشیار ہو جاؤ، اس کے لفظی معنی  
سے مناسبت یہ ہے کہ جب تک باپ زندہ ہوتا ہے تو آدمی کو فکر نہیں ہوتی، اس لئے کہ مشکل امور میں  
باپ آگے ہوتا ہے اور اولاد کو پیچھے رکھتا ہے، یا کم از کم خصوصی معاونت کرتا ہے، اور جس کا باپ زندہ نہ  
ہو اُسے اپنی مشکلات کا خود مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے کہ آدمی مشکلات کا مقابلہ اُسی وقت کر سکتا  
ہے جب وہ ہوشیار ہو۔

قولہ : ”ان ذلک الباب رجل یقتل او یموت“ (ص: ۸۲، سطر: ۱۱)

امام نووی اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے: (۱) اس حدیث میں رجل سے مراد  
حضرت عمرؓ ہیں، اور حضرت حذیفہؓ نے ان کے قتل یا موت کے بارے میں جس شک کا ذکر کیا ہے۔ ممکن  
ہے حضرت حذیفہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح شک کے ساتھ سنا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے  
کہ حضرت حذیفہؓ کو معلوم ہو کہ حضرت عمرؓ قتل کئے جائیں گے، مگر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس کو صاف صاف بیان کرنا پسند نہ کیا ہو اور ادب کی خاطر یہ تعبیر اختیار فرمائی  
ہو، (کذا فی فتح الملہم) (۲)

قولہ : ”لیس بالا غالیط“ (ص: ۸۲، سطر: ۱۱)

یہ جمع ہے اغلوطة کی، اسکے معنی ہیں وہ معمر جس کے ذریعہ دوسرے کو غلط فہمی میں مبتلا کیا  
جائے، (۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد یہ تھی کہ جو بات میں نے امیر المؤمنینؓ کے سامنے بیان  
کی وہ ان کے لئے معمر نہیں تھی بلکہ وہ اس کو پوری طرح سمجھ رہے تھے۔

قولہ : ”شدة البیاض فی سواد“ (ص: ۸۲، سطر: ۱۲)

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۳۲ و شرح النووی ج ۱ ص ۸۲۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۳۲۔

(۳) عرب الحدیث بنعصابی ج ۱ ص ۳۵۲ و المائق ج ۳ ص ۷۲۔

یہ نسخہ کی غلطی ہے، صحیح لفظ ”شبه البياض في السواد“ ہے، یعنی سیاہی میں سفیدی یہ مرباد کا صحیح ترجمہ ہے۔

۳۶۸۔ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي عُمَرَ، (الی قوله) عَنْ رِيعِي، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ حَذِيفَةُ مِنْ عِنْدِ عُمَرَ جَلَسَ، فَحَدَّثَنَا، فَقَالَ: إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أُمِسَ لَمَّا جَلَسْتُ إِلَيْهِ سَأَلَ أَصْحَابَهُ، أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتَنِ؟ وَسَأَلَ الْحَدِيثَ. (ص: ۸۲، سطر: ۱۵ تا ۱۳)

### تشریح

قوله: ”إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أُمِسَ“ (ص: ۸۲، سطر: ۱۳)

اس سے مراد زمانہ ماضی ہے، یعنی پچھلے دنوں، کیونکہ امیر المؤمنینؑ کے ساتھ مجلس مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی، اور حضرت حذیفہؓ نے اس مجلس کا یہ حال عراق پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو سنایا۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مستقل رہائش عراق ہی میں تھی (فتح الملہم)۔

### باب بیان أن الاسلام بدأ غريباً وسيعود غريباً... الخ

۳۷۰۔ ”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ.“ (ص: ۸۳، سطر: ۲۱)

### تشریح

قوله: ”غريباً“ (ص: ۸۳، سطر: ۲۱)

”غريب“ عربی میں اجنبی کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں شرک کا دور دورہ تھا، توحید خالص کا عقیدہ اور اسلام کی تعلیمات پوری دنیا کے لئے اجنبی تھی، اور اسلام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے والے بھی دنیا کو اجنبی لگتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دنیا میں پھیلایا تو یہ اجنبیت دور ہو گئی، آخر زمانے میں پھر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ لوگ اسلام کی تعلیمات کو اجنبی سمجھنے لگیں گے اور ان تعلیمات پر عمل کرنے والوں کو بھی اجنبی سمجھا جائے گا۔

دورِ حاضر کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس اجنبیت کا آغاز ہو چکا ہے کہ اہل حق پر انتہا پسندی، رجعت پسندی، تنگ نظری اور اس طرح کے دیگر طعنے لگے جاتے ہیں۔

قوله : ”فَطُوبَى“ (ص: ۸۴، سطر: ۲)

طوبی اصل میں طیبی تھا، یا کو واؤ سے وجوہاً بدلا، طوبی ہو گیا۔ بروزنِ فعلیٰ، یہاں اس کا موصوف محذوف ہے، ای حیاة طوبی۔ قرآن کریم میں ہے: ”فَطُوبَى لَهُمْ وَحَسَنُ مَا بُدِئَ بِهِمُ الْحَيَاةُ“ (۱) طوبی کی ایک تفسیر خوشیوں کی زندگی سے کی گئی ہے اور ایک تفسیر جنت سے کی گئی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے جنت کا ایک درخت مراد ہے۔ (۲)

۳۷۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الی قوله) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ، وَهُوَ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ فِي جُحْرِهَا (ص: ۸۴، سطر: ۲، ۳)

### تشریح

قوله : ”وہو یأرز بین المسجدین“ (ص: ۸۴، سطر: ۳)

مسجدین سے مراد مسجد حرام اور مسجد نبوی ہیں، اور یأرز داء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی ہیں: سکڑنا، اور سمٹنا، اور یہاں سانپ کے ساتھ تشبیہ صرف سکڑنے میں ہے اور کسی اعتبار سے نہیں۔

(۳) فتح الملہم میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ یہ کیفیت دجال کے زمانہ میں ہوگی، یعنی اُس زمانے میں حرمین شریفین میں اہل اسلام فتنہ و جال اور اس کے رعب سے محفوظ ہوں گے، کیونکہ دجال حرمین شریفین میں داخل نہ ہو سکے گا۔

### باب ذهاب الایمان آخر الزمان

۳۷۳۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

(۱) الرعد آیت ۲۹

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۳۵۔

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۳۶۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ: اللَّهُ، اللَّهُ (ص: ۸۳، سطر ۶۵)

### تشریح

قوله: "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ: اللَّهُ، اللَّهُ" (ص: ۸۳، سطر ۶۰) یہاں لفظ "اللَّهُ، اللَّهُ" دونوں مرتبہ مرفوع ہے۔ اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی، یعنی کفار پر جن میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پیچھے "باب الريح التي تكون في قرب القيامة" میں حدیث آچکی ہے کہ "ان الله يبعث ريحا من اليمن ألين من الحرير، فلاتدع أحداً في قلبه مثقال حبة (وفى رواية) مثقال ذرة من إيمان إلا قبضته"۔

ان احادیث کے بارے میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ بظاہر یہ اس حدیث کے معارض ہیں جس میں ہے کہ: "لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق الى يوم القيامة" کیونکہ اسکا حاصل یہ ہے کہ مؤمنین قیامت تک باقی رہیں گے۔

جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں "الي يوم القيامة" سے مراد وہی نرم و لطیف ہوا ہے جو قرب قیامت میں تمام مؤمنین کی روئیں قبض کر لے گی۔ اس میں خاص قیامت کا برپا ہونا مراد نہیں۔  
قاله النووي<sup>(۱)</sup>۔

### باب جواز الاستسرار بالایمان للخائف

۳۷۵۔ "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَحْضُوا لِي كُمْ يَلْفِظُ الْإِسْلَامَ، قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اتَّخَفْنَا عَلَيْكَ وَنَحْنُ مَا بَيْنَ السَّتَمَةِ إِلَى السَّبْعِمِائَةِ؟ قَالَ: إِنَّكُمْ لَا تَذَرُونَ لَعَلَّكُمْ أَنْ تُبْتَلَوْا، قَالَ: فَابْتُلَيْنَا حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّي إِلَّا سِرًّا."

(ص: ۸۳، سطر: ۹۷)

## تشریح

قولہ : ”أَخْصُوا لِي كَمْ يَلْفِظُ الْإِسْلَامَ“ (ص: ۸۳، سطر: ۸)  
اسلام قبول کرنا عام ہے تو بظاہر اس میں منافقین بھی شامل ہوں گے۔

## ایک سوال اور دو جواب

سوال :- اس روایت میں چھ سو سے سات سو تک کی تعداد کا ذکر ہے، جبکہ بخاری شریف کی روایت میں پندرہ سو کی تعداد مذکور ہے<sup>(۱)</sup>۔ اس طرح دونوں میں تعارض ہے۔  
اس کے دو جواب ہیں :-

۱ ... یہاں مسلم کی روایت میں صرف لڑنے والوں کی تعداد مذکور ہے، جبکہ بخاری شریف میں لڑنے اور نہ لڑنے والوں کی تعداد کا بیان ہے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ لہذا کوئی تعارض نہیں۔

۲ ... ہو سکتا ہے کہ یہ مردم شماری دو مرتبہ ہوئی ہو، پہلی مرتبہ کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان ہو اور دوسری مرتبہ پندرہ سو تک پہنچ چکی ہو۔

## مردم شماری کی اصل

دور حاضر میں تقریباً تمام ممالک کے اندر مردم شماری کی جاتی ہے، اس حدیث میں اس کی اصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے ہوئی۔

قولہ : ”لَا يَصْلِي إِلَّا سَرًّا“ (ص: ۸۳، سطر: ۸)

یہ حضرت حذیفہؓ کا قول ہے، اور یہ ظاہر اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں بنو امیہ کے بعض امراء احیاناً اپنی تقریر اتنی لمبی کر دیتے تھے کہ نماز تاخیر سے پڑھاتے تھے، یا پوری طرح سنت کے مطابق نہ پڑھاتے تھے، تو بعض متقی حضرات نماز گھر میں خفیہ طور پر اصل وقت میں پڑھ لیتے تھے، پھر مسجد میں جا کر جماعت میں بھہ بہ نیت نفل شریک ہو جاتے تھے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو۔<sup>(۲)</sup>

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب کتابہ الامم الناس، رقم الحدیث ۳۰۶۰۔

(۲) فتح الباری ج ۶ ص ۱۷۸ و شرح ابن ماجہ للسيوطی ج ۶ ص ۲۹۱ و شرح المنوری ج ۱ ص ۸۲، والدیباچہ ج ۱ ص ۱۶۸۔

## باب تآلف قلب من يخاف على ايمانه لضعفه... الخ

۳۷۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ،... (الى قوله)... عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَمًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُعْطِ فَلَانًا فَإِنَّهُ مُؤْمِنٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوْ مُسْلِمٌ أَقُولُهَا ثَلَاثًا، وَيُرَدُّهَا عَلَى ثَلَاثًا أَوْ مُسْلِمٌ، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ، وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، مَخَافَةً أَنْ يَكُفَّهُ اللَّهُ فِي النَّارِ» (ص: ۸۵، ط: ۱)

قوله: "أَوْ مُسْلِمٌ" (ص: ۸۵، ط: ۱)

یہاں او واو کے سکون کے ساتھ ہے فتح کے ساتھ نہیں ہے اور علامہ ابن الاعرابی نے اپنی معجم میں اس حدیث کی روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ: "لا تقل مؤمن بل مسلم" (۱) اس سے معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ جس شخص کی باطنی حالت کی تحقیق نہ ہو اس کے لئے "مؤمن" کے بجائے "مسلم" کا لفظ استعمال کرنا بہتر ہے، کیونکہ ظاہر سے صرف اسلام ہی معلوم ہو سکتا ہے، (کذا فی فتح الملہم) (۲)۔

بندہ ناچیز کو اس کی ایک وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگلی روایت میں حضرت سعدؓ نے قسم بھی کھائی، ان بھی داخل کیا اور لام تاکید کو بھی ذکر کیا، اور ارادہ کا لفظ بھی استعمال کیا، ہمزہ کے فتح کے ساتھ، جو یقین کے معنی میں آتا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں فواللہ انی لأراہ مؤمنًا۔ تو آپ نے اس تاکید کی ممانعت فرمائی کیونکہ ایمان کوئی نظر آنے والی چیز نہیں کہ تم اتنے یقین سے دعویٰ کرو کہ فلاں شخص ضرور بالضرور مؤمن ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا دعویٰ کرنا اور بھی زیادہ نامناسب تھا۔

قوله: "وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ" (ص: ۸۵، ط: ۲)

اس حدیث میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ میرا کسی کو مال دینا یا محروم کرنا محبت اور عدم محبت کی بنیاد پر نہیں بلکہ کبھی تالیف قلب کی مصلحت سے بھی کسی کو مال دینا ہوں۔

(۱) فتح الباری ج ۸۰۱، فی المعجم الأوسط ج ۵ ص ۲۵۸، رقم الحدیث: ۵۲۵۲۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۵۲۔



قوله : ”مَخَافَةَ أَنْ يَكْبُتَهُ اللَّهُ فِي النَّارِ“ (ص: ۸۵، سطر: ۴)

کب یکب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجرد میں متعدی ہے جس کے معنی ہیں اوندھے منہ گرانا اور مزید فیہ کے باب افعال میں لازمی ہے جس کے معنی ہیں اوندھے منہ گرنا<sup>(۱)</sup>۔

۳۷۷۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ... (الِی قولہ) ... عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ سَعْدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ فِيهِمْ، قَالَ سَعْدٌ: فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُعْطِهِ، وَهُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْ مُسْلِمًا قَالَ فَسَكْتُ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْ مُسْلِمًا، قَالَ فَسَكْتُ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا عَلِمْتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْلِمًا، إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يُكْبِتَ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ. (ص: ۸۵، سطر: ۶۴۲)

### تشریح

قوله : ”مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟“ (ص: ۸۵، سطر: ۵)

یعنی آپ اس کو مال دینے سے کیوں اعراض فرما رہے ہیں؟

قوله : ”إِنِّي لَأَرَاهُ“ (ص: ۸۵، سطر: ۵)

اگر یہ حمزہ کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہیں: یقین کرنا، اور اگر حمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہیں گمان غالب کرنا، اور یہاں یہ حمزہ کے فتح کے ساتھ ہے۔

۳۷۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلَوَانِيُّ، ... (الِی قولہ) ... سَمِعْتُ مُحَمَّدَ

بْنَ سَعْدٍ يُحَدِّثُ هَذَا، فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: فَضْرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَدِهِ بَيْنَ عُنُقَيْ وَكَفَيْ، ثُمَّ قَالَ أَقْتَالَا؟ أَيْ سَعْدُ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ.  
(مس: ۸۵، سطر: ۶۴۴)

### تشریح

قوله : "أَقْتَالَا؟ أَيْ سَعْدُ" (مس: ۸۵، سطر: ۹)

یعنی اے سعد تم کیا مجھ سے لڑنا چاہتے ہو؟ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ سفارش میں اتنا اصرار نہیں کرنا چاہئے۔

### باب زیادة طمانينة القلب بتظاهر الأدلة

۳۸۰۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الى قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : "نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ قَالَ : "رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ : أَوَلَمْ تُؤْمِنُ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي"، قَالَ : وَبَرَاحِمُ اللَّهِ لَوْ طَأَلَقَدَّ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السَّحْنِ طُولَ لَبِثِ يُوسُفَ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ" (مس: ۸۵، سطر: ۱۴۴۱۰)

### تشریح

قوله : "نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ" (مس: ۸۵، سطر: ۱۰)

یعنی اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام شک کرتے تو ہم شک کرنے کے ان سے زیادہ حق دار تھے، لیکن جب ہم نے شک نہیں کیا تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی یقیناً شک نہیں کیا۔ لیکن اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوتی ہے جو موجب اشکال ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً ایسا فرمایا یا اس وقت تک آپ کو اس بات کا علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں<sup>(۱)</sup>۔

قوله : "لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ" (مس: ۸۵، سطر: ۱۱)

”رکن“ کے لغوی معنی ہیں عزت، حفاظت کرنے والی جماعت، اور قوت دینے والی چیز۔

اس حدیث کے دو مطلب ہیں:-

۱ ... پہلا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط علیہ السلام کے صبر اور سختیاں برداشت کرنے پر ان پر رحم کا اظہار فرمایا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام تو اپنی قوم میں مبعوث ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشکلات کے وقت قوم کے بعض افراد نے ان کا ساتھ بھی دیا، لیکن حضرت لوط علیہ السلام غیر قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے وہاں ان کا دفاع اور حفاظت کرنے والی کوئی جماعت اور اپنی قوم موجود نہیں تھی، جس کی وجہ سے ان پر احساس تنہائی کا اتنا سخت امتحان گزرا کہ وہ بے اختیار کہہ اُٹھے: ”لَوْ اَنْ لِّیْ بِکُمْ اَوْ اِیْ رُکْنٍ شَدِیدٍ“ (۱) یہاں رکن شدید سے مراد اپنی قوم ہے۔

مگر رحم کے اظہار کے ساتھ حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تو کی مدد کی تمنا کرنا حضرت لوط علیہ السلام کے رتبہ سے کم درجے کی بات تھی، اگرچہ غیر اختیاری تھی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے رحمت کی دعاء فرمائی، چنانچہ بعض روایات صحیح میں ”یَغْفِرُ اللّٰهُ لِلْوَطِیِّ“ کے الفاظ ہیں۔

۲ ... اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ شان کے مطابق اللہ رب العزت ہی کی طرف متوجہ تھے اور اپنی قوم اور قبیلے کی مدد کی تمنا دل سے نہیں کر رہے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کر رہے تھے اور یہ معنی ”لَقَدْ كَانَ يَأْوِي الْخ“ کے جملہ سے واضح ہیں۔ (۲) البتہ مہمانوں کے سامنے اپنا عذر کرنے کے لئے ایسا فرمایا کہ میں ان کا تحفظ نہیں کر سکتا اس لئے کہ میرا قبیلہ اور کنبہ یہاں آباد نہیں۔ (۳) لہذا حضرت لوط علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ”لَوْ كَانَ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ اَوْ اِیْ رُکْنٍ شَدِیدٍ“ ان کے مقام نبوت کے خلاف نہیں۔

قوله: وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السَّجْنِ طَوْلَ لَبِثِ يُوسُفَ (ص: ۸۵، سطر: ۱۲۱۱)

(۱) ہود آیت: ۸۰۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب ولوطا اذ قال لقومه... الخ، رقم الحديث: ۳۱۹۵ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابراهيم الخليل، رقم الحديث: ۶۱۰۰ وسنن سعيد بن منصور، ج ۵ ص ۲۵۶، تفسير سورة هود الآية قوله ”قال لو اَنْ بكم قوة او اوى الى ركن شديد“ رقم الحديث: ۱۰۹۷ ومسند احمد بن حنبل ج ۱۴ ص ۳۱، رقم الحديث: ۸۲۷۸ من مسند أبي هريرة۔

(۳) اكمال اكمال المعلم ج ۱ ص ۲۵۹۔

(۴) شرح البوری ج ۱ ص ۸۵۔

علامہ عینیؒ کے قول کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام سات سال، سات ماہ، سات دن اور سات گھنٹے جیل میں رہے۔<sup>(۱)</sup>

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بھی دو توجیہات ہو سکتی ہیں:-

۱ ... آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و استقامت کی تعریف کی کہ اتنا عرصہ جیل میں رہنے کے باوجود رہائی کے پیغام کو فوراً قبول نہیں کیا بلکہ پہلے اپنے اوپر لگائی گئی تہمت سے اپنی صفائی کا مسئلہ حل فرمایا پھر جیل سے باہر آئے، اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو فوراً باہر آ جاتا۔

اس توجیہ پر اشکال ہوتا ہے کہ اس صورت میں تو حضرت یوسف علیہ السلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت ظاہر ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ جزوی فضیلت ہے یا آپ نے یہ ارشاد اس زمانہ میں فرمایا جب آپ کو اس بات کا علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔<sup>(۱)</sup>

۲ ... دوسری توجیہ یہ ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ میں ہوتا تو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور تسلیم سے کام لیتا کہ غیر اختیاری طور پر جب من جانب اللہ رہائی کا انتظام ہوا تھا تو اپنی براءت کے اظہار کے بجائے اللہ رب العزت کا انعام سمجھ کر فوراً قبول کر لیتا، اور یہ بات تسلیم و تقویض اور مقام رضا و عبدیت کے زیادہ قریب ہے۔<sup>(۲)</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

## باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ الی جمیع

### الناس... الخ

۳۸۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيَتْ وَحْيًا أَوْحَى اللَّهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ

(۱) عمدة القاری ج ۱۵ ص ۳۶۹، کتاب الأنبياء، باب قوله عز وجل: ونبيهم عن ضيف ابراهيم... الخ وفتح الملهم ج ۲ ص ۲۶۳۔

(۲) فتح الباری ج ۶ ص ۴۲۳ تحت الحديث رقم: ۴۳۷۳۔

(۳) عمدة القاری ج ۱۵ ص ۳۶۹۔

(ص: ۸۶، سطر: ۴۱)

أَكُونُ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

## تشریح

(ص: ۸۶، سطر: ۴۲)

قوله: "اوتیت وحیا"

یعنی جو خاص معجزہ مجھے دیا گیا وہ وحی ہے اور وحی سے مراد قرآن حکیم ہے، اگرچہ وحی پچھلے انبیاء علیہم السلام پر بھی آئی لیکن اس کا مقصد صرف تعلیم دینا تھا، اس وحی کو معجزہ بنانا مقصود نہ تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم کو تعلیم اور معجزہ دونوں مقاصد کے لئے اتارا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ میرا خاص معجزہ قرآن حکیم ہے، اس کی وجہ سے میرے متبعین بھی سب سے زیادہ ہوں گے۔ وجہ ظاہر ہے کہ پچھلے انبیاء کے معجزات وقتی واقعات تھے جو بعد میں نہیں دیکھے جاسکے، کیونکہ باقی نہ رہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دائمی ہے کہ ہر زمانے کے لوگ اسے دیکھ کر اور سمجھ کر اسلام قبول کر سکتے ہیں۔ (کذا فی فتح الملہم ج ۲ ص ۲۲۲)

۳۸۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ... (الی قوله) ... عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ سَأَلَ الشَّعْبِيَّ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَمْرٍو، إِنْ مَنْ قَبَّلْنَا مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ يَقُولُونَ فِي الرَّجُلِ إِذَا أُعْتِقَ أَمَتُهُ، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا: فَهُوَ كَالرَّائِكِبِ بَدَنَتِهِ، فَقَالَ الشَّعْبِيُّ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ، وَأَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّنَ بِهِ وَاتَّبَعَهُ وَصَدَّقَهُ، فَهُوَ أَجْرَانِ، وَعَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ تَعَالَى وَحَقَّ سَيِّدِهِ، فَهُوَ أَجْرَانِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ لَهُ أُمَةٌ فَغَدَّاهَا، فَأَحْسَنَ غَدَاءَهَا، ثُمَّ أَذْبَهَا فَأَحْسَنَ أَذْبَهَا، ثُمَّ أُعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَهُوَ أَجْرَانِ"، ثُمَّ قَالَ الشَّعْبِيُّ لِلْخُرَاسَانِيِّ: تَحْذُ هَذَا الْحَدِيثَ بِغَيْرِ شَيْءٍ، فَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيمَا تُونَ هَذَا إِلَى الْمَدِينَةِ" (ص: ۸۶، سطر: ۴۳)

(ص: ۸۶، سطر: ۴۴)

قوله: "من اهل خراسان"

آج کل خراسان ایران کا ایک صوبہ ہے، لیکن اُس زمانہ میں اس میں ایران اُزبکستان،

تاجکستان اور بلوچستان کے کچھ علاقے بھی شامل تھے۔

قوله : ”کالزاکب بدنّته“

(ص: ۸۶، سطر: ۵)

ان کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح حرم مکہ میں ذبح کرنے کے لئے بھیجے گئے قربانی کے جانور پر سواری کرنا مکروہ ہے اسی طرح باندی کو آزاد کر کے نکاح کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ناپر ہو چکی ہیں اور اب ان کو ذاتی استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ حضرت امام شعبیؒ نے فرمایا کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں، اور دلیل میں انہوں نے یہ حدیث سنائی جس میں دو گئے ثواب کا ذکر ہے۔

قوله : ”یؤتون اجرہم مرتین“

(ص: ۸۶، سطر: ۵)

### ایک سوال اور دو جواب

سوال :- یہاں پر دو اعمال کی وجہ سے دو ثواب کی خوشخبری سنائی گئی ہے، حالانکہ جہاں بھی دو عمل پائے جائیں گے وہاں اجر بھی دو ہی ہوں گے، تو پھر اس حدیث میں بیان کئے گئے تین اعمال کی کیا خصوصیت ہوئی؟

اس کے درج ذیل دو جوابات ہیں :-

۱ ... یہاں دراصل ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے، شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ شاید ان کو ایک عمل کا ثواب ملے گا، دوسرے کا نہیں، مثلاً اہل کتاب کو صرف حضور کی شریعت پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا ثواب ملے لیکن اپنے سابق مذہب پر یقین و عمل کا کوئی ثواب نہ ملے، اس لئے کہ وہ منسوخ ہو چکا۔ اسی طرح غلام کو حق اللہ کی ادائیگی پر تو ثواب ملے لیکن موٹی کی اطاعت پر نہ ملے، اس لئے کہ یہ اطاعت اس کی مجبوری ہے۔ اسی طرح موٹی کو باندی سے حسن سلوک اور آزاد کرنے کا اجر تو ملے لیکن نکاح کرنے کا اسے خصوصی ثواب نہ ملے، اس لئے کہ نکاح کرنے میں یہ عام انسانوں کی طرح ہے۔ تو اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ نہیں، ان کو دونوں اعمال کا ثواب ملے گا۔

۲ ... ”مرتین“ سے مراد یہ ہے کہ ان کو ہر عمل کا دو گنا دو گنا ثواب ملے گا، اس لئے کہ ان کے لئے ان اعمال کی ادائیگی میں مشقت زیادہ ہے،<sup>(۱)</sup> مثلاً اہل کتاب کے لئے اپنا سابق مذہب چھوڑا اسلام قبول کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ پہلے جس نبی کی اتباع کر رہے تھے وہ بھی نبی برحق تھے، اور انسان کو اپنا

(۱) البغاری بشرح الکرمانی ج ۲ ص ۹۶، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأهلہ، رقم الحدیث: ۹۷ و عمدة القاری تحت هذا الحدیث

مذہب چھوڑنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح غلام کے لئے حقوق اللہ کی ادائیگی مشکل ہے، کیونکہ اُسے مولیٰ کی خدمت سے فرصت بہت کم ملتی ہے، اسی طرح باندی جس کے حقوق بیوی کی طرح پہلے واجب نہ تھے جو بہت زیادہ ہوتے ہیں، اب اُسے آزاد کر کے رفیقہ حیات بنانا اور اس کے حقوق کو اپنے اوپر لاگو کرنا بہت مشکل کام ہے، اس لئے ان کو دونوں اعمال میں سے ہر ایک پر دو دو ثواب ملیں گے، واللہ اعلم

## باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

### حاکماً بشریۃ نبینا... الخ

۳۸۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ،... (الی قولہ)... عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيُوشِكُنَّ أَنْ يَنْزَلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخَنَازِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ الْمَالَ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ“  
(ص: ۸۷، سطر: ۲۱)

### تشریح

قولہ: ”حَكَمًا مُقْسِطًا“ (ص: ۸۷، سطر: ۲)

یعنی انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاکم اور عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے، نئی شریعت لے کر نہیں آئیں گے۔

قولہ: ”فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخَنَازِيرَ“ (ص: ۸۷، سطر: ۲)

یعنی وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے تاکہ عملاً بھی عیسائی مذہب کی تردید ہو جائے۔ (فتح الملہم)۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: ”وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ“ (ص: ۸۷، سطر: ۲)

یعنی اس زمانہ میں صرف دو عمل ہوں گے، اسلام قبول کرنا اور قبول نہ کرنے کی صورت میں قتال اور لڑائی جزیہ قبول کر کے ذمی بنانے کا حکم باقی نہ رہے گا۔



سوال:- اس پر سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ایک حکم جزیہ قبول کرنے کا منسوخ ہونا لازم آئے گا، حالانکہ آپ کی شریعت تا قیامت ہے۔

جواب:- اس زمانہ میں حضور کی شریعت کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں جزیہ قبول نہ ہوگا صرف قتال کیا جائے اور اس کا شرعی حکم ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث سے ثابت ہے۔

۳۸۸۔ ”حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ... (الی قولہ)... وَفِي حَدِيثِهِ مِنَ الزِّيَادَةِ: وَحَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَقْرَأُ وَإِنْ شِئْتُمْ: ”وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ“  
الآيَةَ۔“ (ص: ۸۷، سطر: ۵۲۳)

### تشریح

قولہ: ”حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا“

(ص: ۸۷، سطر: ۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اب بھی ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے افضل اور بہتر ہے، لیکن فقر و فاقہ و افلاس اور دنیا کی محبت کی وجہ سے اس کا استحضار اکثر مسلمانوں کے دلوں میں نہیں، اُس زمانہ میں جب مال کی فراوانی عام ہو جائے گی اور لوگوں کے دلوں میں مال و دولت و زر کی کوئی اہمیت نہ رہے گی، اور آخرت کی فکر بڑھ جائے گی تو اُس اس حقیقت کا استحضار رہنے لگے گا، اور لوگوں میں عبادت کا شوق و ذوق مال و دولت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: ”وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ“

(ص: ۸۷، سطر: ۵)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:-

۱۔ پہلا قول اکثر علما سے منقول ہے کہ ”بیہ“ کی ضمیر مفرد کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ہیں، اور ”قبل موتہ“ میں ضمیر کا مرجع بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اس صورت کا مطلب یہ ہے کہ

اہل کتاب کا ہر فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موت سے پہلے پہلے ان پر ضرور ایمان لائے گا، اور ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مسلمان ہو جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی ہے اور وہ اُس وقت بھی کریں گے۔

۲ ... دوسرا قول محمد بن الحنفیہ کا ہے کہ ”بہ“ کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ”قبل موتہ“ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب کا ہر فرد اپنی موت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور ایمان لائے گا۔ اس تفسیر کی روشنی میں اس آیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

لیکن حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

۳۸۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ... (الی قولہ) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَاللَّهِ، لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا، فَلْيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلْيَقْتُلَنَّ الْخَنَازِيرَ، وَلْيَضَعَنَّ الْحِزْيَةَ، وَلْيَتَرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعَى عَلَيْهَا، وَلْيَذْهَبَنَّ الشُّحْنَاءُ، وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ، وَلْيَدْعُوْنَ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ“ (ص: ۸۷، سطر: ۷۵)

## تشریح

قولہ: ”وَلْيَتَرَكَنَّ الْقِلَاصُ“ (ص: ۸۷، سطر: ۶)

یہاں ”قلاص“ قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور قلاص بفتح القاف کی جمع ہے، نوجوان اونٹنی،<sup>(۳)</sup> کو کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں اونٹوں کا استعمال باقی نہ رہے گا حتیٰ کہ نوجوان اونٹنی جو سب سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے اس کا استعمال بھی متروک ہو جائے گا، اس لئے کہ ان کی ضرورت باقی نہ رہے گی، اور ضرورت نہ ہونے کے دو اسباب ہو سکتے ہیں:-

۱ ... اس زمانہ میں نئی ایجاد شدہ سواریاں اس قدر ہوں گی کہ لوگ اونٹنی کو استعمال نہ کریں

گے۔

(۱) تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۸ وما بعدها، وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۷، وفقر المثل ج ۲ ص ۷۳۳ واکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۲۶۷۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۲۸۹۔

(۳) مجمع بحار لأبواب ج ۳ ص ۳۱۸۔

۲ ... سواری کے دو اسباب زیادہ نمایاں ہوتے ہیں:-

(۱) تجارت کے لئے سفر۔ (۲) تبلیغ و جہاد کے لئے سفر۔

اُس زمانہ میں ان دونوں کی ضرورت نہ رہے گی، اس لئے کہ مال و دولت عام ہوگا اور پورے عالم میں صرف دین اسلام ہی ہوگا، لہذا نہ سفر تجارت کی ضرورت ہوگی، نہ سفر جہاد و تبلیغ کی، واللہ اعلم<sup>(۱)</sup>۔

قولہ: ”فلا يسعى عليها“ یعنی ان پر محنت نہیں کی جائے گی۔ (ص: ۷۸، سطر ۲)  
اس کے دو مطلب ہیں:-

۱ ... ان اونیوں کا استعمال اور ان کو پالنے کا رواج ختم ہو جائے گا، کیونکہ ان کی ضرورت نہ رہے گی جیسا کہ ابھی اُوپر بیان ہوا۔

۲ ... ان کی زکوٰۃ وصول نہ کی جائے گی، کیونکہ سعی کے معنی زکوٰۃ وصول کرنے کے بھی آتے ہیں، اسی مناسبت سے زکوٰۃ وصول کرنے والے کو سعی کہتے ہیں، لیکن علامہ نووی نے اس دوسری توجیہ کو مسترد کر دیا ہے<sup>(۲)</sup>۔

اور اس حدیث میں ”قلوص“ کا خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ عرب میں بہترین سال ہوتا تھا۔ جب ان کی زکوٰۃ وصول نہ کی جائے گی تو دوسری عمر کے جانوروں پر بدرجہ اولیٰ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے گی۔

قولہ: ”الشحناء“ (ص: ۸۷ سطر ۶) عداوت اور دشمنی<sup>(۱)</sup> (ص: ۷۸، سطر ۲)

### علاماتِ قیامت

یہاں مسلسل چند احادیث میں علاماتِ قیامت بیان ہوئی ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علاماتِ قیامت کو زمانہ کی ترتیب کے اعتبار سے مختصر بیان کر دیا جائے۔  
چنانچہ علاماتِ قیامت کی تین قسمیں ہیں:-

(۳) قریبہ

(۲) متوسطہ

(۱) بعیدہ

(۱) درس مسلم ص: ۵۰۱ ج: ۱۔

(۲) شرح النووی ج: ۱ ص: ۸۷۔

(۳) نووی ج: ۱ ص: ۸۷۔

## علاماتِ بعیدہ

علاماتِ بعیدہ وہ ہیں جن کا ظہور قیامت سے بہت پہلے ہو چکا ہے، ان کو علاماتِ بعیدہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اور قیامت کے درمیان زمانہ کا فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چند اہم علامات درج ذیل ہیں:-

(۱) ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا<sup>(۱)</sup>

(۲) ... چاند کے دو ٹکڑے ہونا<sup>(۲)</sup>

(۳) ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہونا<sup>(۳)</sup>

(۴) ... بیت المقدس کا فتح ہونا<sup>(۴)</sup>

(۵) ... جنگِ صفین۔

(۶) ... فتنہ تاتار کا ظاہر ہونا۔

(۷) ... حجاز سے آگ کا نکلنا۔ وغیرہ<sup>(۵)</sup>

## علاماتِ متوسطہ

قیامت کی علاماتِ متوسطہ وہ ہیں جن میں سے کچھ کا آغاز صدیوں پہلے ہو چکا ہے اور اب ان میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اور ہوتا جائے گا یہاں تک کہ تیسری قسم کی علامات ظاہر ہونے لگیں گی، ان کی فہرست بہت طویل ہے، بطور نمونہ ان میں سے چند یہ ہیں:-

۱ ... دین پر جمنا اس طرح مشکل ہو جائے گا جس طرح ہاتھ میں انگارہ رکھنا۔

۲ ... لیڈر، منافق، رذیل اور فاسق لوگ ہوں گے<sup>(۶)</sup>

۳ ... پولیس کی کثرت ہوگی<sup>(۷)</sup>

۴ ... لڑکے حکومت کرنے لگیں گے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم بخت أنا والساعة كهاتين، رقم الحديث: ۶۰۴۳۔

(۲) سورة القمر، آیت ۱۷۔

(۳) مس ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب أشراف الساعة رقم الحديث: ۴۰۴۳۔

(۴) صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى تخرج نار من أرض الحجاز۔

(۵) جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الفتن عن سب الرياح، رقم الحديث: ۲۱۸۶۔

(۷) جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی علامة حلول المسخ والخسف۔

۵ ... تجارت بہت پھیل جائے گی۔<sup>(۱)</sup>

۶ ... ناپ تول میں کمی ہوگی۔

۷ ... قتل کی کثرت ہوگی۔<sup>(۲)</sup>

۸ ... بیوی کی اطاعت اور والدین کی نافرمانی ہوگی۔<sup>(۳)</sup>

۹ ... سود، جوا، گانے بجانے کے آلات اور زنا کی کثرت ہوگی۔<sup>(۴)</sup>

۱۰ ... ناگہانی اور اچانک اموات کی کثرت ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔

### علاماتِ قریبہ

علاماتِ قریبہ کا آغاز قیامت کے قریب حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور سے ہوگا، اور انہی کے زمانے میں دجال نکلے گا، اور فتنہ دجال انسانی تاریخ کا سخت ترین فتنہ ہوگا۔ پھر ایک دن صبح کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، اس وقت امام مہدیؑ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ چکے ہوں گے، نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی، امام مہدیؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھانے کے لئے دعوت دیں گے مگر وہ انکار کر دیں گے، لہذا اس وقت فجر کی نماز حضرت امام مہدیؑ پڑھائیں گے۔

نماز کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام لشکرِ اسلام کی قیادت فرمائیں گے، اور بعد کی نمازوں میں بھی امامت فرمائیں گے، دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی پتھلنے لگے گا جس طرح پانی میں نمک گھلتا ہے، جنگ ہوگی، دجال بھاگے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام باب ”لذہ“ پر اسے قتل کر دیں گے، واضح رہے کہ ”لذہ“ فلسطین کا ایک شہر ہے، اور وہاں اب بھی اسرائیل کا ایئر پورٹ ہے جو اسی نام سے موسوم ہے۔ دجال کے یہودی ساتھیوں کو مسلمان جن جن کر قتل کریں گے، اور باقی تمام اہل کتاب ایمان لے آئیں گے، پھر لوگ امن و سکون کی زندگی گزار رہے ہوں گے کہ یا جوج ما جوج نکل پڑیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے، یا جوج ما جوج شہروں کو پامال کر ڈالیں گے اور زمین میں تباہی مچائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محصور ہو جائیں گے اور غذا کی قلت سے سخت پریشان ہوں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا جوج ما جوج کے لئے بددعا کریں گے تو ان کی گردنوں

(۱) سنن النسائی، کتاب البیوع، باب التحلوق، رقم الحدیث: ۴۳۸۰۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب ظہور الفتن، رقم الحدیث: ۶۵۴۷۔

(۳ و ۴) جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب ما جاء فی علامة حلول المسخ والعصف۔

میں ایک پھوڑا نکل آئے گا جس سے وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔

پھر زمین ثمرات و برکات سے بھر جائے گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام امت کے امام ہوں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے، اُس وقت پوری دنیا میں ”دین“ صرف اسلام ہوگا۔

بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو جائے گا، پھر ان کے خلیفہ حکومت کریں گے۔ پھر آہستہ آہستہ فسق و فجور پھیلنا شروع ہوگا۔ پھر قیامت کی یہ علامت ظاہر ہوگی کہ ایک روز آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا اُس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، جو لوگ اُس وقت یا اس کے بعد ایمان لائیں گے ان کا ایمان معتبر نہ ہوگا، اور جو پہلے سے مؤمن تھے، مگر گناہوں سے توبہ نہ کی تھی اب ان کی توبہ قبول نہ ہوگی، اس واقعہ کے ایک روز پہلے یا ایک روز بعد ایک جانور (دابة الارض) زمین سے نکلے گا۔

آخری علامت قیامت یہ ہوگی کہ ایک لطیف ہوا یمن سے آئے گی جو تمام مؤمنین کی روح قبض کر لے گی، پھر دنیا میں کوئی ”اللہ، اللہ“ کہنے والا باقی نہ رہے گا، (جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے) اور بالآخر انہی بدترین لوگوں پر قیامت قائم ہوگی جو ایمان نہیں رکھتے ہوں گے۔

۳۹۳۔ ”حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ شُحَّاحٍ، (الْحَقْلُ) جَاهِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ: فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ: تَعَالَى صَلِّ لَنَا، فَيَقُولُ: لَا، إِنْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ أَمْرَاءُ تُكْرِمُهُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةُ“ (ص: ۸۷، سطر: ۱۳۵۱)

### تشریح

قولہ: ”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي“ (ص: ۸۷، سطر: ۲)

اس حدیث میں حضور کی امت کے ایک طائفہ کا ذکر ہے اس طائفہ سے کون سی جماعت مراد ہے؟ اس میں متعدد اقوال ہیں، رائج قول وہ ہے جس کو علامہ نوویؒ نے بیان فرمایا ہے<sup>(۱)</sup> کہ اس سے ایسا

کوئی خاص طبقہ یا ایسی کوئی جماعت مراد نہیں جیسی آج کل کی جماعتیں اور تنظیمیں ہوتی ہیں، بلکہ اس سے دین پر عمل کرنے والے لوگ مراد ہیں خواہ وہ الگ الگ ہوں یا اکٹھے یہ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے لوگ ہوں گے، مثلاً: کچھ علماء، کچھ مبلغین، کچھ مجاہدین، کچھ بزرگان دین وغیرہ وغیرہ کہ ان سب کا مجموعہ ایک جماعت ہے، اور ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کی تعداد اتنی ہوگی کہ دشمنان اسلام ان کو اور دین حق کو مٹانے میں ناکام رہیں گے۔

قولہ: ”یقاتلون علی الحق“ (ص: ۷۸، سطر ۲)

یعنی وہ حق کے خاطر لڑتے ہوں گے، حق کے خاطر لڑنا۔

### ایک سوال دو جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق کی خاطر لڑنا ہر زمانہ میں نہیں ہوتا، کبھی کبھی کچھ عرصہ کے لئے اس میں وقفہ بھی آجاتا ہے۔ تو اس کے دو جواب ہیں:-

(۱) ... پہلا جواب یہ ہے کہ یہ درمیان میں کبھی کبھی آنے والا معمولی وقفہ معتبر نہیں ہے مثلاً: کوئی بڑی جنگ جو ایک ماہ تک جاری رہی۔

(۲) ... دوسرا جواب یہ ہے کہ قتال سے عام معنی مراد ہیں، یعنی وہ قتال جو جنگ کی صورت میں ہو یا معنوی قتال مراد ہو جو جنگ کے علاوہ دوسری جدوجہد کی صورت میں ہوتا ہے چنانچہ اس میں دین کی سر بلندی کے لئے کی جانے والی ہر کوشش داخل ہے، مثلاً تصنیف و تالیف، وعظ و تقریر، اور موجودہ زمانے میں اس مقصد کے لئے سیاسی جدوجہد بھی شامل ہے<sup>(۱)</sup>۔

قولہ: ”ظاہرین“ یعنی جو ظالم ہوں گے مغلوب نہیں۔ (ص: ۸۷، سطر ۱۳)

قولہ: ”الی یوم القیامۃ“ (ص: ۷۸، سطر ۲)

یعنی قیامت کے قریب ہو سکتا ہے کہ یہاں ”یوم القیامۃ“ سے مراد وہ لطیف ہوا ہو جو تمام مومنین کی روح قبض کر لے گی، جس کا ذکر پیچھے مستقل باب میں آچکا ہے۔ (فتح الملہم)۔

### باب بیان الزمن الذی لایقبل فیہ الایمان

۳۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ



رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْتَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ، أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا: طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَالذَّجَالُ، وَدَابَّةُ الْأَرْضِ“ (مس: ۷۸، ۲)

### تشریح

قوله : ”ثَلَاثُ“ (مس: ۷۸، ۲)

”ای امارات ثلاث“ یعنی تین علامات کے ظاہر ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔

(۱) دجال کا نکلنا۔ (۲) جانور کا زمین سے نکلنا۔ (۳) سورج کا مغرب سے نکلنا۔

۳۹۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، ... (الی قوله) ... عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمًا: أَتَذَرُونَ أَيْنَ تَلَحَّبُ هَذِهِ الشَّمْسُ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: إِنَّ هَذِهِ تَجْرِي حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَجِرُ سَاجِدَةً، فَلَا تَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّى يُقَالَ لَهَا: ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَجِرُ سَاجِدَةً، وَلَا تَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّى يُقَالَ لَهَا: ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي لَا يَسْتَكْبِرُ النَّاسُ مِنْهَا شَيْئًا حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا ذَاكَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَيُقَالَ لَهَا: ارْتَفِعِي أَصْبِحِي طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِكَ، فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَذَرُونَ مَتَى ذَاكُمْ؟ ذَاكَ حِينَ ”لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا“.

### تشریح

قوله : ”قَالَ يَوْمًا: أَتَذَرُونَ أَيْنَ تَلَحَّبُ هَذِهِ الشَّمْسُ؟“ (مس: ۷۸، ۲)

اس حدیث میں ہے، سورج چلتے چلتے عرش کے نیچے اپنے ٹھکانہ پر جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے

اور پھر اجازت ملنے پر دوبارہ بلند اور طلوع ہوتا ہے، لیکن قیامت کے قریب ایک دن ایسا ہوگا کہ جب

وہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچ کر سجدہ کر کے طلوع ہونے کی اجازت مانگے گا تو اس کو اجازت نہ ملے گی بلکہ حکم ہوگا کہ جہاں سے آئے ہو اُدھر واپس لوٹ جاؤ چنانچہ وہ مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

جدید اور قدیم علمِ فلکیات کے نظریات اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہیں، جس کی وجہ سے یہاں متعدد اعتراضات وارد ہوتے ہیں:-

سوال:- ان میں سے سب سے بڑا اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے سورج اپنے مدار سے ہٹ کر عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا میں ہر ۲۴ گھنٹے کے بعد ایک طویل مدت تک اندھیرا رہنا چاہئے، کیونکہ عرش ساتویں آسمان کے اوپر ہے تو سورج سات آسمانوں کو عبور کر کے جب عرش کے نیچے پہنچے گا، اور وہاں مسجد میں پڑا رہے گا اور اجازت ملنے پر پھر سات آسمانوں کو عبور کرتا ہوا واپس آئے گا تو سورج کو طویل مدت تک دنیا میں غائب رہنا چاہئے حالانکہ یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔

جواب:- اس کا مختصر اور جامع جواب یہ ہے کہ سورج کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے جس طرح کہ خود سورج اور دیگر تمام اجرامِ فلکیہ عرش کے نیچے ہیں، اور ان سب کا مدار جس پر یہ گردش کرتے ہیں وہ بھی عرش کے نیچے ہے، لہذا سورج کو سجدہ کرنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، وہ اپنے مدار پر رہتے ہوئے بھی سجدہ کر سکتا ہے۔ اور سجدہ کرنے کے لئے سورج کا رکنا کوئی ضروری نہیں۔

(۲) ... ہر مخلوق کا سجدہ اور عبادت اس کی شان اور ہیئت کے مطابق ہوتی ہے۔ اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے:- ”وَانْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یَسْبُحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيْحَهُمْ“<sup>(۱)</sup> البتہ ان کا طریقہ ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں۔ اور اس طریقہ کے معلوم ہونے پر ہمارا کوئی عقیدہ یا عمل موقوف بھی نہیں۔ اس لئے جب حدیث صحیح میں سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا ذکر ہے اور قرآن و حدیث میں سورج کے سجدہ کرنے کی کیفیت مذکور نہیں تو ہمیں بھی اس کی حقیقت جاننے کی اور فنی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورج کے سجدہ کرنے کی جو بھی صورت ہو ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کو درست سمجھتے ہیں۔ تو سجدہ کرنے کے لئے اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے اور ملنے میں بھی کچھ وقت لگے گا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ سورج کی حرکت ایک سیکنڈ

کے لئے بھی بند نہیں ہوتی۔

### باب بدء الوحي الى رسول الله ﷺ

۴۰۱۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ ... (الى قوله) ... عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ : حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَالَتْ : كَانَ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا الصَّادِقَةَ فِي النَّوْمِ، ... (الى قوله) ... قَالَ وَرَقَّةُ بْنُ نَوْفَلٍ : يَا ابْنَ أَخِي، مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَاهُ، فَقَالَ لَهُ وَرَقَّةُ : هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَا لَيْتَنِي فِيهَا حَذَعًا، يَا لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا حِينَ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَوْ مُخْرِجِيْ هُمْ؟ قَالَ وَرَقَّةُ : نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ، وَإِنْ يُدْرِكُنِي يَوْمُكَ أَنْصُرَكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا۔ (مس: ۸۸، سطر: ۲۳، ۱۶)

### تشریح

قوله : ”يَا لَيْتَنِي فِيهَا“ (مس: ۸۸، سطر: ۲۳)

ای لی اہام نہوتک، یعنی نبوت ملنے کے زمانہ میں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ”جَذَعًا“ (مس: ۸۸، سطر: ۲۳)

یہ جیم اور ذال کے فتح کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں جوان۔<sup>(۲)</sup>

۴۰۴۔ حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، ... (الى قوله) ... أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحَدِّثُ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ قِطْرَةِ الْوَحْيِ - قَالَ فِي حَدِيثِهِ فَبَيْنَا أَنَا أُمَشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسًا عَلَى كُرْسِيِّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

(۱) ج ۱ ص ۳۸۹۔

(۲) اكمال المعجم بموافاة مسلم ج ۱ ص ۳۸۸۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَجِئْتُ مِنْهُ فَرَقًا، فَرَجَعْتُ، فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَذَنَّبُونِي،  
فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ وَثِيَابُكَ فَطَهِّرْ  
وَالرُّجُزَ" فَاهْجُرْ وَهِيَ الْأَوْتَانُ قَالَ: ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ. (ص: ۹۰، سطر ۷۲۳)

### تشریح

قوله: "فَجِئْتُ" (ص: ۹۰، سطر ۶)

اس روایت میں جیم کے بعد حمزہ مکسورہ ہے مگر اگلی سے اگلی روایت میں جیم کے بعد  
حمزہ کے بجائے بھی ثاء ہے، اور اس کے بعد بھی ثاء ہے، یعنی جیم کے بعد دو ثاء ہیں، دونوں  
صورتوں میں اس کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی "فزعت ورعبت" یعنی میں گھبرا گیا، اور مرعوب  
ہو گیا۔ (نووی)۔<sup>(۱)</sup>

قوله: "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ" (ص: ۹۰، سطر ۷)

غار حرا میں نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی "اقرا باسم ربك الخ" میں تعلیم و تعلم کا  
حکم تھا تبلیغ کا حکم نہیں تھا، سورہ مدثر کی ان آیات میں تبلیغ کا حکم بھی آگیا تعلیم و تعلم کے حکم سے تقریباً  
تین سال بعد دعوت دینے کا اور اس کام کا آغاز ہوا۔

۳۰۷۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ... (الی قوله) ... يَحْيَى، يَقُولُ: سَأَلْتُ أَبَا  
سَلَمَةَ أَيْ الْقُرْآنِ أَنْزَلَ قَبْلُ؟ قَالَ: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، فَقُلْتُ: أَوْ اقْرَأْ؟ فَقَالَ: سَأَلْتُ  
جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَيْ الْقُرْآنِ أَنْزَلَ قَبْلُ؟ قَالَ: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، فَقُلْتُ: أَوْ اقْرَأْ؟  
قَالَ جَابِرٌ: أَعَدْتُكُمْ مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،  
..... الحديث۔" (ص: ۹۰، سطر ۱۵۲۱)

قوله: "أَيْ الْقُرْآنِ أَنْزَلَ قَبْلُ؟ قَالَ: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ" (ص: ۹۰، سطر ۱۲)

یہ کسی راوی کا وہم ہے، اور باطل ہے کیونکہ اس باب کی پچھلی روایات سے واضح طور پر ثابت  
ہے کہ سب سے پہلے سورہ اقرأ کی ابتدائی آیات نازل ہوئی ہیں، اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
پچھلی روایات میں صراحت ہے کہ سورہ المدثر کا نزول "فترة الوحی" کے بعد ہوا ہے۔

۳۰۹۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، ... (الی قولہ) ... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَيْتُ بِالْبُرَاقِ، وَهُوَ ذَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ، وَدُونَ الْبَغْلِ، يَضَعُ حَافِرُهُ عِنْدَ مُنْتَهَى طَرَفِهِ، قَالَ: فَرَكِبْتُهُ حَتَّى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ، قَالَ: فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلَقَةِ الَّتِي يَرِبُطُ بِهَا الْأَنْبِيَاءُ... (الی قولہ) ... ثُمَّ عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِيُوسُفَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسَيْنِ، (الی قولہ) ثُمَّ ذَهَبَ بِي إِلَى السُّدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَإِذَا وَرَقُهَا كَأَذَانِ الْفَيْلَةِ، وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقَلَالِ، قَالَ فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللَّهِ مَا غَشِيَ... الحديث.

(ص: ۹۱، سطر ۱۱۲)

### تشریح

قولہ: ”يَضَعُ حَافِرُهُ عِنْدَ مُنْتَهَى طَرَفِهِ“ (ص: ۹۱، سطر ۱)

یعنی براق اتنی تیز رفتار تھا کہ اپنی نظر کی رفتار سے اڑ رہا تھا، سائنسی تحقیقات سے تیز رفتاری کی ابھی تک کوئی حد مقرر نہیں ہو سکی، لیکن اتنی بات ثابت ہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے، لہذا یہ بات قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ براق کی رفتار روشنی کی رفتار سے بہت زیادہ تھی، کیونکہ زمین سے آسمانوں تک کا فاصلہ نہایت طویل ہے اور آسمان تک پہنچنے میں ان کو عبور کرنے کے لئے بہت ہی طویل عرصہ چاہئے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں آنے جانے کا یہ سارا سفر مکمل کر کے واپس تشریف لائے، تو معلوم ہوا کہ آپ کی رفتار روشنی کی رفتار سے اتنی زیادہ تھی کہ اُس کا حساب کرنا ممکن نہیں بہر حال حدیث باب میں براق کی رفتار اُس کی نظر کی رفتار کے برابر بتائی گئی ہے، مگر اُس کی نظر کی رفتار کیا تھی؟ وہ اس حدیث میں بیان نہیں کی گئی، لیکن ماننا پڑے گا کہ اُس کی نظر کی رفتار روشنی کی رفتار سے بہت زیادہ تھی جس کا حساب لگانا بھی ہمارے لئے اب تک ممکن نہیں۔

قوله : ”فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ“

(ص: ۹۱، سطر: ۲)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ براق تو آیا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لئے تھا اور اُسے آپ کے لئے تاج کر دیا گیا تھا، پھر اسے باندھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟  
جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کو باندھنے کا یہ عمل امت کو اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دینے کے لئے کیا۔

قوله : ”وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟“ (ص: ۹۱، سطر: ۲) اس میں واو عطف کا عطف ہے اور حرف

استفہام مقدر ہے، یعنی کیا اُن (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف پیغام (یہاں آنے کا) بھیجا گیا ہے۔ (فتح الملہم)۔

قوله : ”فَإِذَا أَنَا بِأَدَمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

(ص: ۹۱، سطر: ۳)

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ تو زمین میں ہیں، پھر یہ آسمانوں میں کیسے چلے گئے؟ جواب یہ ہے کہ یا تو ان کی ارداح ہی کو وہاں جسم کی شکل دے دی گئی تھی، یا ان کے جسموں کو بھی زمین سے وہاں پہنچا دیا گیا تھا، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزید اعزاز و اکرام ہو۔ اس دوسرے احتمال کی تائید حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حافظؒ نے فتح الباری میں نقل کی ہے کہ ”وَبُعِثَ لَهُ آدَمَ لَمَنْ دُونَهُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ“ فافہم، کذا فی الفتح (فتح الملہم ج ۲ ص ۳۳۹، ص: ۳۷۳)۔

قوله : ”وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسَيْنِ“

(ص: ۹۱، سطر: ۶)

شطر کے کئی معانی ہیں، یہاں ”نصف“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بیہقی کی روایت میں حضرت ابوسعیدؓ سے اور طبرانی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً یہ منقول ہے کہ: ”فَإِذَا أَنَا بِرَجُلٍ أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ، قَدْ فَضَّلَ النَّاسَ بِالْحُسْنِ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ“ اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سب انسانوں سے زیادہ حسین تھے، لیکن ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ: ”مَا بُعِثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ، وَكَانَ نَبِيَّكُمْ أَحْسَنَهُمْ وَجْهًا وَأَحْسَنَهُمْ صَوْتًا“ لہذا ترمذی کی اس روایت کی بناء پر بیہقی اور طبرانی کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اُس میں ”الناس“ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی انسان ہیں۔



اور حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ اس میں ”خطر الحسن“ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حسن دیا گیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس کا نصف دیا گیا<sup>(۱)</sup>۔ ہمارے حضرت والا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے شمائل ترمذی کے درس میں ایک قول یہ بیان فرمایا تھا کہ ”حسن“ تو یوسف علیہ السلام کا زیادہ تھا اور ”جمال“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تھا<sup>(۲)</sup>۔

### حسن اور جمال میں فرق

”حسن“ اور جمال“ میں فرق یہ ہے کہ اگر حسن کامل ہو تو نظر پڑتے ہی آدمی اسپر قربان اور حیران ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں عورتوں پر یہ کیفیت طاری ہوئی تھی اور جمال سے آدمی شروع میں مرعوب ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ جب صاحب جمال سے قرب اور تعلق بڑھتا ہے تو رعب کی جگہ محبت لے لیتی ہے<sup>(۳)</sup>۔ جیسا کہ شمائل نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی صفت بیان کی گئی ہے<sup>(۴)</sup>۔

قوله : ”ثُمَّ ذَهَبَ بِى إِلَى السَّلْوَۃِ الْمُنتَهَى“ (ص: ۹۱، سطر: ۱۰)

سورة المنتہیٰ ایک بیری کا درخت ہے، جس کی حیثیت ایک درمیانی چوکی کی طرح ہے کہ اس سے نیچے والے فرشتے زمین کے احوال و واقعات وہاں تک پہنچاتے ہیں اور وہاں سے دوسرے فرشتے اوپر لے جاتے ہیں، اسی طرح اوپر کے فرشتے اس مقام پر احکام لا کر پہنچا دیتے ہیں، اور پچھوالے فرشتے ان احکامات کو یہاں سے وصول کر کے زمین پر نافذ کرتے ہیں، تو یہ بیری کا درخت دونوں طرح کے فرشتوں کا منتہیٰ ہے، اسی لئے اس کو ”سورة المنتہیٰ“ کہتے ہیں، اور دیگر روایات کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان میں ہیں<sup>(۵)</sup>۔

قوله : ”فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللَّهِ مَا غَشَى“ (ص: ۹۱، سطر: ۱۱)

سورة المنتہیٰ کو ڈھلپنے والی کیا چیز تھی؟ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتے تھے جو

(۱) کذا فی فتح الملہم ج ۲ ص ۳۵۰۔

(۲) فیص القدیر ج ۵ ص ۷۰۔

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۳۵۱۔

(۴) شمائل ترمذی مع اردو شرح حصائل نبوی ص ۱۲، باب ملجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) مجمع بحار الأنوار ج ۳ ص ۵۵ و اکمال اکمال المعظم ج ۱ ص ۳۰۹۔



چھوٹے چھوٹے پروانوں کی شکل میں اس کے اوپر جمع ہو گئے تھے، اور ان سب کا آنا اس لئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر سکیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے پروانوں کی شکل میں اس لئے تبدیل کیا گیا تاکہ وہ سب اس جگہ پر سما سکیں<sup>(۱)</sup>۔ کیونکہ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اگر اپنی اصل شکل میں آتے تو اس پر سما نہیں سکتے تھے۔

۴۱۰۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هَاشِمٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا بِهِزُ بْنُ أُسَيْدٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَيْتُ فَأَنْطَلَقُوا بِي إِلَى زُمَرَمَ، فَشَرَحَ عَن صَدْرِي، ثُمَّ غَسَلَ بِحَاءِ زُمَرَمَ، ثُمَّ أُنْزِلْتُ“  
(ص: ۹۳، سطر: ۱)

### تشریح

قوله : ”ثُمَّ أُنْزِلْتُ“ (ص: ۹۳، سطر: ۱) یہاں ”أُنْزِلْتُ“ سے کیا مراد ہے؟ اس میں درج ذیل چند احتمالات ہیں۔

۱ ... انزلت بمعنی ترک ہے۔ یعنی دل کو دھونے کے بعد مجھ کو چھوڑ دیا گیا، (و كَذَا فِي فَتْحِ الْمَلْهَمِ عَنِ الْقَاضِي عِيَّاضٍ)۔

۲ ... انزلت اپنے مشہور معنی میں ہے یعنی مجھے اتار دیا گیا، یعنی جہاں سے مجھے اٹھایا گیا تھا دھونے کے بعد وہیں اتارا گیا۔ (فَتْحِ الْمَلْهَمِ عَنِ الْقَاضِي عِيَّاضٍ)<sup>(۲)</sup>۔

۳ ... صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ ”انزلت“ ہے۔ اور یہاں روایتِ مسلم ناقص ہے، اصل روایت میں جیسے فَتْحِ الْمَلْهَمِ<sup>(۳)</sup> میں ہے، پورا جملہ یوں ہے: ”ثُمَّ أُنْزِلْتُ عَلَى طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوءَةٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا“ یعنی پھر سونے کی ایک تشری میرے پاس لائی گئی جو ایمان و حکمت سے بھری ہوئی تھی۔

۴۱۱۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، ... (الِی قَوْلِهِ) ... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ جِبْرِيلُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ

(۱) تفسیر معارف القرآن ج ۸ ص ۱۹۲، بحوالہ الدر المنثور۔ رفیع

(۲) فَتْحِ الْمَلْهَمِ ج ۲ ص ۳۶۲۔

(۳) فَتْحِ الْمَلْهَمِ ج ۲ ص ۳۶۳۔

الْغُلَمَانِ، فَأَخَذَهُ فَصَرَعَهُ، فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ، فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ  
عَلَقَةً، فَقَالَ: هَذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ، ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ  
زَمْزَمَ، ثُمَّ لَأَمَهُ، ثُمَّ أَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ، وَجَاءَ الْغُلَمَانُ يَسْعَوْنَ إِلَى أُمِّهِ - يَعْنِي  
ظَنُّهُ - فَقَالُوا: إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ، فَاسْتَقْبَلُوهُ وَهُوَ مُتَتِّعُ اللَّوْنِ، قَالَ أَنَسٌ:  
وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَنَّ ذَلِكَ الْمَحِيطَ فِي صَدْرِهِ (ص: ۹۲، سطر: ۳۲۲)

### تشریح

قوله: "فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ"، (ص: ۹۲، سطر: ۲)

فتح الملہم میں ہیکہ شق صدر کا واقعہ معتبر روایات کے مطابق تین مرتبہ پیش آیا۔  
۱ ... پہلی مرتبہ بچپن کے زمانہ میں حضرت علیہ سعدیہ کے یہاں زمانہ قیام میں، جیسا کہ صحیح  
مسلم کی عنقریب آنے والی روایت میں صراحت کے ساتھ آرہا ہے۔

۲ ... دوسری مرتبہ شق صدر کا واقعہ غار حراء میں پہلی وحی کے وقت پیش آیا۔

۳ ... تیسری بار معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں  
حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اور اس بارے میں روایات متواتر اور مشہور ہیں۔  
قوله: "ثُمَّ لَأَمَهُ"، یہ لام اور ہمزہ کے ساتھ ہے، ای اصلح موضع شقه، یعنی  
شکاف کو جوڑ دیا، پھر آگے جو جملہ ہے: "ثُمَّ أَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ" (ص: ۹۲، سطر: ۳) یعنی پھر دل کو اس کی  
جگہ رکھ دیا، اس میں لفظ "ثم" اپنے اصل معنی میں نہیں، کیونکہ ظاہر بات ہے کہ شکاف کو جوڑنا تو  
دل کو اس کی جگہ پر رکھنے کے بعد ہوا ہے، (کذا فی فتح الملہم) لہذا الاحوالہ ثم کو یہاں واو عاطفہ  
کے معنی میں یعنی "اور" کے معنی میں ہے۔

۱۲۴ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ،... (الی قولہ)... شَرِيكَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ

أَبِي نَعْمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يُحَدِّثُنَا عَنْ لَيْلَةِ أُسْرَى رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِ الْكُعْبَةِ، أَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةٌ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحَى إِلَيْهِ

وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ... الْحَدِيثُ. (ص: ۹۲،

## تشریح

قوله : ”قَبْلَ أَنْ يُوحَىٰ إِلَيْهِ“ (ص: ۹۲، سطر: ۵)

یہاں پر راوی شریک بن عبد اللہ کو وہم ہوا ہے اس لئے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اسراء کا واقعہ وحی نبوت کے آغاز کے بعد پیش آیا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ”وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“ (ص: ۹۲، سطر: ۵)

اس سلسلہ میں روایات متعدد اور ظاہر متعارض ہیں، ان سب کے درمیان تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پہلے آپ ﷺ حضرت ام ہانی کے گھر میں تھے۔ جسے اگلی روایت میں ”بیٹی“ فرمایا گیا ہے۔ آپ وہاں آرام فرما رہے تھے، وہاں پر چمت کھولی گئی اور آپ کو اٹھا کر حطیم کعبہ میں لا کر لٹا دیا گیا اور آپ سو گئے، پھر دوبارہ ملائے آئے اور زمزم کے کنویں پر لے گئے اور وہاں شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔

۴۱۳۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التَّحِيْبِيُّ... (الی قولہ)... عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ أَبُو ذَرٍّ، يُحَدِّثُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَرَجَ سَقْفُ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ... (الی قولہ)... فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَإِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِينِهِ أَسْوَدَةٌ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَسْوَدَةٌ... (الی قولہ)... وَلَمْ يُثَبِّتْ كَيْفَ مَنَازِلَهُمْ، غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ وَجَدَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا، وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ... (الی قولہ)... قَالَ ابْنُ شِهَابٍ، وَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ، يَقُولَانِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثُمَّ عَرَجَ بِي حَتَّى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوَى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ،

قَالَ ابْنُ حَزْمٍ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَفَرَضَ اللَّهُ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً، قَالَ: فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى أَمَرَ بِمُوسَى، فَقَالَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَاذَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِينَ صَلَاةً، قَالَ لِي مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: فَرَاغَ رَبُّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا

تُطِيقُ ذَلِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ رَبِّي، فَوَضَعَ شَطْرَهَا، قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَأَخْبَرْتُهُ قَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أَمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ رَبِّي، فَقَالَ: هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ لَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، ... الحديث.

(ص: ۹۳، سطر: ۸۵، ص: ۹۴ سطر: ۹۵)

قولہ: ”أسودة“ یہ سواد کی جمع ہے اس کے معنی لشکر اور جماعت کے ہیں۔ (ص: ۷۸،

سطر: ۲)

”سواد“ اصل میں سیاہی کو کہتے ہیں، اور جہاں بہت بڑی جماعت یا لشکر ہوا اگر اُسے دور سے دیکھا جائے تو وہاں سائے کی کثرت کی وجہ سے سیاہی، روشنی کے مقابلے میں زیادہ محسوس ہوتی ہے، اس لئے ایسی بڑی جماعت کو بھی ”سواد“ کہتے ہیں۔

قولہ: ”وإبراهيم في السماء السادسة“ (ص: ۹۳، سطر: ۴)

اس باب کی سب سے پہلی روایت میں گزرا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے، اور اس روایت میں چھٹے آسمان کا ذکر ہے ان میں پہلی روایت رائج ہے، کیونکہ اُس کے راوی نے جزم سے بیان کیا ہے اور کسی شک کا اظہار نہیں کیا، جبکہ اس روایت میں راوی نے خود صراحت کی ہے کہ اُسے ان انبیائے کرام کے منازل کی ترتیب یاد نہیں رہی، حیث قال: ”ولم يثبت كيف منازلهم“۔

قولہ: ”أسمع فيه صريف الأقلام“ (ص: ۹۳، سطر: ۶)

لکھتے وقت لکڑی کے قلم سے جو آواز نکلتی ہے اُسے صریف الأقلام کہتے ہیں، اس مقام پر ملائکہ امور الہیہ اور احکام خداوندی کو لوح محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔

قولہ: ”لا يبدل القوي لدى“ (ص: ۹۳، سطر: ۹)

سوال:- یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ بظاہر قول تو بدل گیا، اس لئے کہ شروع میں اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں مقرر فرمائیں اور پھر کرتے کرتے صرف پانچ نمازوں کا حکم باقی رکھا گیا؟

جواب:- دراصل لوح محفوظ میں اسی طرح لکھا تھا کہ شروع میں پچاس نمازوں کا حکم دیا جائے گا پھر کم کرتے کرتے آخر میں صرف پانچ نمازیں باقی رکھی جائیں گی<sup>(۱)</sup>۔ اس لئے قول نہیں بدلا۔

۴۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى... (الی قولہ) ... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، (لَعَلَّهُ قَالَ): عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعَصَعَةَ، (رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ) قَالَ: قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بَيْنَا أَنَا عِنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ، إِذْ سَمِعْتُ قَائِلًا يَقُولُ: أَحَدُ الثَّلَاثَةِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَأَتَيْتُ فَأَنْطَلِقَ بِى،... (الی قولہ) ... فَأَتَيْتُ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالْآخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، فَلَمَّا جَاوَزْتُهُ بَكِى، فَتَوَدَّى: مَا يُتِّكِيكَ؟ قَالَ رَبِّ، هَذَا غُلَامٌ بَعَثَهُ بَعْدَى يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِهِ الْحَنَّةَ أَكْثَرَ مِمَّا يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي، قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَأَتَيْتُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ: وَحَدَّثَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ رَأَى أَرْبَعَةَ أَنْهَارٍ يَخْرُجُ مِنْ أَصْلِهَا نَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، وَنَهْرَانِ بَاطِنَانِ، فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ، مَا هَذِهِ الْأَنْهَارُ؟ قَالَ: أَمَّا النَّهْرَانِ الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْحَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ: فَالنَّيْلُ وَالْفَرَاتُ، ثُمَّ رَفَعَ لِي الْبَيْتَ الْمَعْمُورُ، فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ مَا هَذَا؟ قَالَ: هَذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يَدْخُلُهُ كُلُّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا مِنْهُ لَمْ يَعُودُوا فِيهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِمْ،... الحديث

### تشریح

(مس: ۹۳، ص: ۱۱)

قولہ: "أحد الثلاثة بين الرجلين"

آپ دو آدمیوں کے درمیان لیٹے ہوئے تھے اور فتح الملہم میں صراحت ہے کہ وہ دو

حضرات، حضرت حمزہ اور حضرت جعفرؓ تھے۔<sup>(۲)</sup>

(مس: ۹۳، ص: ۱۵)

قولہ: "فلما جاوزته بكى"

یہ رونا حسد کی وجہ سے نہیں بلکہ رشک کی وجہ سے تھا۔

(مس: ۹۳، ص: ۱)

قولہ: "ما هذه الانهار؟"

عربی میں نہر کا لفظ عام ہے، دریا کو بھی کہتے ہیں اور اس سے نکلنے والی نہروں کو بھی، یہاں

(۱) ای مس قوم انس بن مالک، کما هو ثابت فی فتح الملہم۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹۔

دریا مراد ہے۔

قوله: ”فالنیل والفرات“ (ص: ۹۳، سطر: ۲)

سوال:۔ دریائے نیل اور دریائے فرات تو زمین پر ہیں، وہاں آسمانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کیسے دکھائے گئے؟

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں:۔

۱ ... وہاں بھی نیل اور فرات کے نام سے دو دریا ہوں گے۔

۲ ... دنیا کے نیل اور فرات کا پانی انہی دریاؤں سے آتا ہو، یعنی وہاں کے نیل اور فرات کا پانی برف بن کر دنیا کے ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر ڈال دیا جاتا ہو جن کی برف پگھل کر دریائے نیل اور فرات میں پہنچ جاتی ہے۔

قوله: ”آخر ما علیہم“ (ص: ۹۳، سطر: ۲) لفظ ”آخر“ کی روایت رفع کے ساتھ بھی ہے اور نصب کے ساتھ بھی، رفع کی صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی، ای ”ذالک آخر ما علیہم من دخول البیت“ اور نصب کی صورت میں یہ مفعول فیہ ہوگا، ای لی آخر زمان یأتی علیہم (فتح الملہم)۔

۴۱۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى... (الی قوله)... أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعَصَعَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وَزَادَ فِيهِ: فَأَتَيْتُ بِطُسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا، فَشَقُّ مِنَ النُّحْرِ إِلَى مَرَاقِ الْبَطْنِ، فَغُسِلَ بِمَاءٍ زَمْزَمَ، ثُمَّ مَلَأَ حِكْمَةً وَإِيمَانًا. (ص: ۹۳، سطر: ۳)

### تشریح

قوله: ”فشق من النحر الى مرق البطن“ (ص: ۹۳، سطر: ۳)

نحر ہنسی کی دو ہڈیوں کے درمیان گڑھا، اور ”مراق“ میم کے فتح اور قاف کی تشدید کے ساتھ ہے، اس کا واحد مرقی ہے، پیٹ کا وہ حصہ جس کی کھال نرم ہوتی ہے۔ یعنی حلق کے نیچے سے پیٹ کے نرم حصہ تک کا ٹا گیا۔ (فتح الملہم)<sup>(۱)</sup>

۴۱۷۔ ”حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى... (الی قوله) ...ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُسْرِيَ بِهِ، فَقَالَ: مُوسَى آدَمُ، طَوَّالٌ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنْوَاءَ.

وقال عيسى جعد مربع، وذكر مالكا حازن جهنم وذكر الدجال. (ص: ۹۳، ط: ۶۳۳)

### تشریح

قوله : ”آدَمُ“ (ص: ۹۳، ط: ۵) اس کے معنی ہیں گندگوں، یعنی گندمی رنگ والے اور طوال کے معنی ہیں طویل اور لمبے<sup>(۱)</sup>۔

قوله : ”شَنْوَاءَ“ (ص: ۹۳، ط: ۵)

یہ یمن کے مشہور قبیلے ”الازد“ کی ایک شاخ کا نام ہے، یہ لوگ لمبے قد والے ہونے میں مشہور تھے۔ (فتح الملہم)<sup>(۲)</sup>۔

قوله : ”عيسى جعد مربع“ (ص: ۹۳، ط: ۵)

جعد، گھٹکریا لے بال والا، اس کا مصدر جعودہ ہے، اور مضبوط جسم والے کو بھی جعد کہتے ہیں۔ مربع کے معنی ہیں معتدل قد والے اور دبعہ بھی اسی معنی میں آتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

۴۱۸۔ ”حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ... (الی قوله) ...عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ،

حَدَّثَنَا ابْنُ عَمٍّ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلَى مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ عَلَيْهِ

السَّلَامُ، رَجُلٌ آدَمُ طَوَّالٌ جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنْوَاءَ، وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ

مَرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، سَبَطَ الرَّأْسَ، وَأَرَى مَالِكًا حَازِنَ النَّارِ،

وَالدَّجَالَ فِي آيَاتِ آرَاهُنَّ اللَّهُ إِيَّاهُ، ”فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ“، قَالَ: كَانَ

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۸۳۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۳۸۳۔

(۳) مجمع بحار الأنوار ج ۱ ص ۳۶۰۔

(۴) مجمع بحار الأنوار ج ۲ ص ۱۸۴۔



قَتَادَةُ يَفْسِّرُهَا أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ لَقِيَ مُوسَى عَلَيْهِ  
السَّلَامُ. “(ص: ۹۳، سطر: ۸۵۶)

قولہ: ”مَرَرْتُ لَيْلَةً أُسْرِيَ بِي عَلَى مُوسَى“ (ص: ۹۳، سطر: ۷)

حیات النبی کی وجہ سے بعض دنیوی احکام کا جاری ہونا

قرآن کریم اور احادیث طیبہ سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور جناب رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی روح مبارک کا آپ کے جسم مبارک کے ساتھ نہایت  
مضبوط اور قوی تعلق ہے، جس کی وجہ سے بعض دنیوی احکام بھی اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر کوئی شخص سلام پڑھے تو آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم اسے خود سنتے ہیں، اور اگر کوئی درود و سلام پڑھے تو وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا  
ہے، روح مبارک کے جسم مبارک کے ساتھ اس خاص اور مضبوط تعلق کی وجہ سے اس میں سننے کی  
صلاحیت پائی جاتی ہے، اور ہر نبی کے مزار پر یہی بات ہے۔

○ ... اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر  
مبارک میں رکھا گیا تھا، ویسے ہی آج بھی صحیح سالم اور تردتازہ موجود ہے، قبر کی مٹی میں دفن ہونے کی  
وجہ سے اس جسم میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ اس روح کے جسم کے ساتھ قوی تعلق کی وجہ سے ہے، ورنہ عام  
طور پر انسانی جسم قبر میں گل سٹر کر مٹی ہو جاتا ہے۔

○ ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی کا نکاح  
نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہیں، یہ اس قوی حیات کا نتیجہ ہے جو اور لوگوں  
کو حاصل نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوئی،  
کیونکہ وراثت مردہ کی تقسیم ہوتی ہے نہ کہ زندہ کی۔

ان دلائل قطعیہ، صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم  
السلام اپنی اپنی قبروں میں حیات ہیں اور انکی حیات دنیوی حیات کے مشابہ ہے، اور اس حیات کے  
برزخی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ حیات عالم برزخ میں حاصل ہے، لہذا یہ وہ عام برزخی حیات

نہیں ہے جو تمام انسانوں کو حاصل ہے یہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے، اس کا انکار کرنے والا فاسق اور گمراہ ہے۔<sup>(۱)</sup> واللہ اعلم

### (۱) ... حیاتِ انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ کا جامع خلاصہ

شبہ معراج کے جو واقعات یہاں صحیح مسلم میں آئے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد پیغمبروں سے ملاقات کرنے کا ذکر ہے، ان سے اور دیگر صحیح احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا ثابت ہے اور ان کی یہ حیات دنیا کی حیات کے مشابہ ہے، بغیر مکلف ہونے کے، اور یہ حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ خاص ہے اور یہ وہ برزخی حیات نہیں ہے جو تمام مسلمانوں، بلکہ تمام انسانوں کو حاصل ہے، البتہ اس لحاظ سے اس کو برزخی کہہ سکتے ہیں کہ یہ زندگی انہیں عالم برزخ میں حاصل ہے یہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ (عقائد علماء اہل سنت دیوبند، صفحہ ۳۰)

اس عقیدے سے ہمارے زمانہ کے بعد لوگوں نے اختلاف کیا ہے جن کو ماتی اور پٹھری کہتے ہیں جو پاکستان کے صوبہ پنجاب میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور بعض غیر مقلد، سلفی اور توحید میں غلو کرنے والے بھی اس عقیدہ کو نہیں مانتے اور حیاتِ انبیاء کرام علیہ السلام کے صیغہ کا انکار کرتے ہیں جو درست نہیں، ذیل میں اہل سنت والجماعت کے مذکورہ عقیدے کے درست اور برحق ہونے کے چند دلائل بیان کئے جاتے ہیں، لیکن دلائل سے پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لیں کہ!

### (۲) ... قبر میں حضراتِ انبیاء کرام کی حیات کا مطلب

انبیاء کرام علیہم السلام کو قبر کے اندر جو دنیوی حیات کے مشابہ حیات حاصل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کی روح کا ان کے جسم کے ساتھ خاص، قوی اور گہرا تعلق ہے، روح اور جسم کا یہ گہرا تعلق انبیاء کرام کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں، انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ اوروں کی روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے لیکن اس کے درجات مختلف ہیں، جیسے شہداء کی ارواح کا ان کے جسموں سے تعلق بھی گہرا ہوتا ہے لیکن انبیاء کرام سے کمتر ہوتا ہے، جبکہ عام مسلمانوں کی ارواح کا تعلق ان کے جسم سے کسی نہ کسی درجے کا ہوتا ہے، اسی لئے قبرستان میں داخل ہوتے وقت مردوں کو سلام کرنے کا حکم ہے،

یہ حکم اسی لئے ہے کہ وہ سلام سنتے ہیں، اور سننا اسی بناء پر ہے کہ ان کی روحوں کا ان کے جسموں کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں تعلق ہے۔

اسی طرح عام انسانوں اور کفار وغیرہ کی روحوں کا تعلق بھی ان کے جسموں سے باقی رہتا ہے، لیکن وہ تعلق اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ قبر کے اندر کا جسم بھی گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے۔

پتھری اور مماتی لوگ روح کے جسم کے ساتھ اس تعلق کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں مرنے کے بعد روح مقامِ علین میں چلی گئی، اور جسم حزار میں رہ گیا، لہذا وہ پتھری کی طرح (العیاذ باللہ) بے حس اور بے جان ہے، اس میں کوئی شعور نہیں ہے لہذا حزار پر جا کر سلام پڑھیں تو وہ جسم سلام وغیرہ نہیں سنتا، یہی مماتیوں کی بنیادی غلطی ہے اور کھلی گمراہی ہے جو توحید میں غلو کرنے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔

### (۳) ... حیاتِ انبیاء کے دلائل

حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے بہت سے دلائل ہیں اور علماء امت نے انہیں تفصیل سے لکھا ہے اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے حضرت امام بیہقیؒ کا رسالہ ”حیاتِ انبیاء“ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ کا رسالہ انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء، شیخ بارزی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ جو علامہ سیوطیؒ نے مذکورہ رسالہ میں نقل کیا ہے، اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ پر مشہور اور منفرد رسالہ ”آب حیات“ ہے ان میں سے چند دلائل یہ ہیں:- حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا ثبوت کتاب اللہ سے بھی ہے، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہے اور ائمہ اربعہ کے اتفاق و اجماع سے بھی ہے،

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا: ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ“<sup>(۱)</sup> جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جاتے ہیں، تم ان کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے، وہ شعور یہی ہے کہ ان کی روح کا ان کے جسم کے ساتھ کچھ ایسا قوی اور گہرا تعلق ہے کہ تم اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، اس آیت کی رو سے جب شہید اپنی قبر میں زندہ ہے تو نبی کا درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، لہذا نبی کو بدرجہ اولیٰ آل سے اعلیٰ درجہ کی حیات حاصل ہوگی، تو کتاب اللہ سے دلالتِ حیاتِ انبیاء کرام علیہم

السلام ثابت ہوئی۔

احادیث طیبہ سے بھی حیات انبیاء کرام علیہم السلام ثابت ہے: ان میں سے ایک حدیث یہ ہے

”عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ قال اتيت وعن رواية هذاب مررت على موسى ليلة اسرى بي عن كتيب الأحمه وهو قائم يصلي في قبره. (صحيح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲)

## ترجمہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہب معراج میں لال ریت کے ٹیلے کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، اگر روح کا جسم کے ساتھ بالکل بھی تعلق نہ ہو تو پھر جسم بالکل بے جان ہوگا وہ کیسے نماز پڑھ سکتا ہے؟ اور بغیر جسم کے صرف روح بھی نماز نہیں پڑھ سکتی۔ معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح جسم کے ساتھ تھی اس لئے حضور نے انہیں قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

۲ ... دوسری حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون...“<sup>(۱)</sup> یہ حدیث صحیح اور مرفوع ہے، کیونکہ علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں علامہ بیہقیؒ نے اپنے رسالہ خاص حیات انبیاء میں اور علامہ مناویؒ نے فیض القدير میں اس کو صحیح کہا ہے۔ اور یہ حدیث انبیاء کرام علیہ السلام کے اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونے پر نہایت صاف اور صریح ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم چاہتی ہے ورنہ بغیر زندہ جسم کے نماز نہیں ہو سکتی۔

۳ ... تیسری حدیث بھی مشہور و معروف ہے، جو حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ وان احدا لن يصلي على الا عرضت على صلاته حتى يفرغ منها: قال (ای قال ابوالدرداء) قلت وبعد الموت؟ قال وبعد الموت، ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبى الله حي يرزق۔

## ترجمہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی امتی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اس کے فارغ

(۱) مسند أبی ہعلی: رقم الحديث ۳۴۲۵ بحوالہ تکملة فتح الملهم ۲۸/۵۔

ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا حضور! آپ کی وفات کے بعد بھی آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو روزی دی جاتی ہے۔ قبر کی مٹی انکے جسم کو خراب کرے۔

اس حدیث کے آخری الفاظ ہیں: فَنَبِيُّ اللَّهِ حَيٌّ يَرْزُقُ، اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے<sup>(۱)</sup>۔ تو رزق دیا جانا انکے حیات کی دلیل ہے، کیونکہ بغیر روح کے جسم کو اور بغیر جسم کے روح کو رزق کی کوئی ضرورت نہیں یہ حدیث بھی حیات انبیاء پر بالکل واضح ہے۔

۴ ... چوتھی حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص میرے روئے پر سلام پڑھتا ہے تو اسے میں خود سنتا ہوں اور اگر دور سے پڑھتا ہے تو اسے میرے پاس پہنچایا جاتا ہے<sup>(۲)</sup>۔ اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک میں حیات ثابت ہوئی، کیونکہ سماع کا تعلق جسم سے ہے۔ اور آپ پر جو درود و سلام پیش کیا جاتا ہے وہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر پیش ہوتا ہے۔

قوله: "سَبَطَ الرَّأْسَ" (ص: ۹۳، سطر: ۷)

اس کی باء پر فتح اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ اس کے معنی ہیں، سیدھے بالوں والا، اس کا مصدر سبوط ہے۔ (فتح الملمہ)۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ پیچھے حدیث میں جعد (بمعنی گھٹکھریا لے بال) فرمایا گیا تھا اور یہاں ہے کہ بال سیدھے تھے۔

جواب یہ ہے کہ بال من وجہ سیدھے تھے اور من وجہ گھٹکھریا لے تھے اور بالوں کے اندر دونوں چیزوں کا جمع ہونا بالوں کی خوبی ہے، اس سے بال زیادہ حسین معلوم ہوتے ہیں۔

۴۱۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، (الی قولہ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِوَادِي الْأَزْرَقِ، فَقَالَ: أَيُّ وَادٍ هَذَا؟ فَقَالُوا: هَذَا وَادِي

(۱) سس ابن ماجہ کتاب ماجاء فی الحناظر، باب ذکر وفاته ودفنه صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۱۶۲۷۔

(۲) کثر العمال رقم الحدیث: ۲۱۹۷، حرف الهمزة، اس حدیث مبارک میں یہ بھی ہے کہ وہ اس کے دنیا و آخرت کے کاموں کے لئے کافی ہو جائے

گا اور میں اس کے لئے سفارشی ہوں گا۔

الْأَزْرَقِ، قَالَ : كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ هَابِطًا مِنَ السَّمَاءِ، وَلَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللَّهِ بِالتَّلْبِيَةِ ، ثُمَّ أَتَى عَلَى ثَنِيَّةٍ هَرُشَى، فَقَالَ : أَيُّ ثَنِيَّةٍ هَذِهِ؟ قَالُوا : ثَنِيَّةُ هَرُشَى، قَالَ : كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ بْنِ مَتَّى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ جَعْدَةٍ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ، خِطَامٌ نَاقَتِهِ خُلْبَةٌ وَهُوَ يُلْبَى ، (الى قوله) قَالَ هُشَيْمٌ : يَعْنِي لَيْفًا“ (ص: ۹۳، سطر: ۱۰۲۸)

### تشریح

قوله : ”مَرَّ بِوَادِي الْأَزْرَقِ“ (ص: ۹۳، سطر: ۹)

یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

قوله : ”كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ هَابِطًا مِنَ السَّمَاءِ، وَلَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللَّهِ“ (ص: ۹۳، سطر: ۹)

یعنی گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ثنیۃ یعنی بلندی سے اتر رہے تھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرتے ہوئے۔

اس جملہ کی تشریح تین طرح سے ہو سکتی ہے:-

۱ ... لیلۃ الاسراء میں بیت المقدس کی طرف جاتے یا آتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مقام پر دیکھا تھا اور وہ دیکھنا مجھے اس طرح یاد ہے گویا کہ میں اب دیکھ رہا ہوں۔

۲ ... خواب کے اندر اس مقام پر یہ منظر کبھی دیکھا تھا، اور اب وادی ازرق کو دیکھ کر ایسے لگ رہا ہے جیسے میں موسیٰ علیہ السلام کو اب ثنیۃ سے اترتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

۳۔ ان انبیاء کرام کا جو واقعہ ان کی زندگی میں پیش آچکا تھا، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کی صورتِ مثالیہ بیداری میں دکھائی گئی، اسی لئے آپ نے ”کَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى“ اور ”كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ“ فرمایا، (فتح الملہم) (۱)

قوله : ”عَلَى ثَنِيَّةٍ هَرُشَا“ (ص: ۹۳، سطر: ۹، ۱۰) ثَنِيَّةٌ پہاڑ میں بلند راستہ کو کہتے ہیں یا دو



پھاڑوں کے درمیانی راستہ کا نام ہے جسے گھائی بھی کہتے ہیں اور هُرْشِي الْف مقصورہ کے ساتھ جُخْفَة کے پاس ایک گھائی کا نام ہے۔ (فتح الملہم ص: ۳۸۶)

قولہ: ”علیہ جبۃ من صوف خطام ناقتہ خلبۃ، وهو یلبی“ (ص ۹۳، سطر: ۱۰)  
خِطَامٌ اور زِمَامٌ اُونٹ کی مہار اور ٹکیل کو کہتے ہیں اور ”خُلْبَة“ جس کو ”لُیْف“ بھی کہا جاتا ہے، کھجور کے درخت کی چھال کو کہتے ہیں جس سے مہار بنائی جاتی ہے۔

سوال :- یہ کیسے جائز ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام جب پہنے ہوئے بھی ہیں اور تلبیہ بھی پڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ تلبیہ سے تو احرام شروع ہوتا ہے، اور احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہے؟  
جواب :- وہ اپنی شریعت پر عمل کر رہے ہوں گے، اور ان کی شریعت میں یہ جائز ہوگا۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے انہوں نے اُس جُتہ کو پہنا ہوا نہ ہو بلکہ کندھوں پر ڈال رکھا ہو، اور یہ پہنے بغیر بدن پر ڈالنا ہماری شریعت میں بھی احرام کے منافی نہیں، (فتح الملہم)۔

۴۲۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ مَعْبُدٍ، (الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عُرِضَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ، فَإِذَا مُوسَى ضَرَبَ مِنَ الرِّجَالِ  
.... الحديث. (ص ۹۳، سطر: ۵۴)

### تشریح

قولہ: ”ضَرَبَ مِنَ الرِّجَالِ“ (ص ۹۳، سطر: ۵)

ضَرَبَ ایسا شخص جو درمیانے جسم والا ہو، نہ موٹا، نہ ڈبلا۔

۴۲۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جِئَنَ أُسْرَى بِي لَقِيْتُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ - فَنَعَتُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَجُلٌ حَسْبَتُهُ قَالَ مُضْطَرِبٌ، رَجُلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنْوَاءَ، قَالَ: وَلَقِيْتُ عِيسَى فَنَعَتُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَإِذَا رُبْعَةٌ أَحْمَرٌ، كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْعَاسٍ يَعْنِي حَمَامًا. (ص ۹۵، سطر: ۹۲)

قولہ: ”مُضْطَرِبٌ“ (ص ۹۵، سطر: ۸) لمبے قد والے (نوروی)۔ (ص ۹۵، سطر: ۹)



قولہ: ”رَبْعَةٌ“ (مس: ۹۵: ۹) ربعة اور مربع دونوں ہم معنی ہیں، یعنی درمیانے قد والے۔

قولہ: ”كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ يَعْنِي حَمَامًا“ (مس: ۹۵: ۹)

اگلی حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بالوں سے اُس وقت پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

نیز ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا تو اُس وقت آپ غسل کر کے تشریف لائے تھے اور پانی کے قطرے آپ کے بالوں سے گر رہے تھے، تو اسی کیفیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا، اور روایات میں آتا ہے کہ جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو اس وقت بھی آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے۔<sup>(۱)</sup>

۴۲۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرَانِي لَيْلَةً عِنْدَ الْكُعْبَةِ، فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَأَى مِنْ أَدَمِ الرِّجَالِ، لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَأَى مِنَ اللَّمَمِ، قَدْ رَجَّلَهَا فِيهِ تَقَطَّرُ مَاءٌ، (الی قولہ) فَقِيلَ: هَذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، ثُمَّ إِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ، أُغَوِّرُ الْعَيْنَ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عَيْنَةٌ طَافِيَةٌ، فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا؟ فَقِيلَ: هَذَا الْمَسِيحُ الدَّجَالُ. (مس: ۹۵: ۱۰: ۱۲۴)

### تشریح

قولہ: ”أَرَانِي لَيْلَةً عِنْدَ الْكُعْبَةِ“ (مس: ۹۵: ۱۰)

یہ رؤیت خواب میں ہوئی ہے، کیونکہ اگلی روایت میں تصریح ہے کہ ”أَرَانِي اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ“، (مس: ۹۶: ۳)۔ رات میں نے خواب میں دیکھا۔

قولہ: ”رَجُلًا آدَمَ“ (مس: ۹۵: ۱۱) یعنی مرد۔

قولہ: ”مِنْ أَدَمِ الرِّجَالِ“ (مس: ۹۵: ۱۱)

اُذْم: اکمیں حمزہ پہ ضمہ اور دال ساکن ہے۔ جو، آدم کی جمع ہے، جیسے اُحْمَر کی جمع حُمُر<sup>(۱)</sup> آتی ہے۔

قوله: "لِئْمَة" (ص: ۹۵: سطر: ۱۱)

اکمیں لام ہے کسرہ اور میم پر تشدید ہے، سر کے وہ بال جو کان کی لو سے گزر کر کندھوں تک پہنچ گئے ہوں، اور اگر کندھوں سے بھی نیچے پہنچ جائیں تو اُن کو "جُمَة" کہا جاتا ہے، اور جو بال "لِئْمَة" سے کم ہوں وہ "وَفْرَة" کہلاتے ہیں<sup>(۲)</sup>۔

قوله: "بعد ققط" (ص: ۹۵: سطر: ۱۱)

اس میں قاف اور پہلی طاء فتح ہے، اور کبھی پہلی طاء کو مکسور بھی پڑھا جاتا ہے، یہ بعد کی تاکید ہے یعنی اس کے بال سخت گھنگھریالے اور گول مول تھے۔

۴۲۹۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحَجَرِ وَقَرَيْشٍ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلْتَنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُبَيِّتْهَا، فَكُرِبَتْ<sup>(۳)</sup> كُرْبَةً مَا كُرِبَتْ مِثْلَهُ قَطُّ، قَالَ: فَرَفَعَهُ اللَّهُ لِي أَنْظُرَ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ، وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِذَا مُوسَى قَائِمٌ يُصَلِّي، (الی قوله) وَإِذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي، (الی قوله) وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي، أَشَبَّهُ النَّاسَ بِهِ صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ فَحَانَتْ الصَّلَاةُ فَأَمَّتُهُمْ، (ص: ۹۴: سطر: ۱۰: ۱۳۵)

### تشریح

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب لیلۃ الاسراء کے اگلے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے اسراء اور معراج کے واقعات بیان فرمائے۔

(۱) فتح المہم ج: ۲ ص: ۳۹۶۔

(۲) فتح المہم ج: ۲ ص: ۳۹۷۔

(۳) قولہ "کرِبَتْ" ای اُحمرت، وقولہ: "کُرْبَةً" بالضم الغم الذی یأخذ النفس لشدته۔ (فتح المہم ج: ۲ ص: ۴۰۴) یعنی میں بہت غمگین ہوں۔

قولہ: ”رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ“ (ص: ۹۶: سطر: ۱۱) یعنی حطیم میں اور حطیم کا پرانا نام حِجْر ہے۔  
اللہ رب العزت نے مسجد اقصیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیسے ظاہر فرمایا؟ اس میں  
دو احتمال ہیں:-

۱ ... مسجد اقصیٰ کی تصویر دکھائی ہو۔

۲ ... مسجد اقصیٰ کے اور آپ کے درمیان کے سارے پردے ہٹا دیئے ہوں، جس کی وجہ  
سے آپ براہ راست اس کو دیکھ رہے ہوں۔

قولہ: ”وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ“ (ص: ۹۶: سطر: ۱۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء علیہم السلام کو یہ دیکھنا بالاتفاق اُس دیکھنے کے علاوہ ہے جو  
آسمانوں میں ہوا<sup>(۱)</sup>۔

قولہ: ”فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمْتَهُمْ“ (ص: ۹۶: سطر: ۱۳)

فتح الملہم میں ہے کہ نماز کا وقت داخل ہوا اور اس نماز سے کون سی نماز مراد ہے؟ انہیں  
تین احتمال ہیں:-

۱۔ ایک یہ کہ شاید اس نماز سے شکرانہ کی نماز مراد ہو۔

۲۔ یا بطور خاص معراج والی نماز مراد ہو۔

۳۔ یا یہ کہ بیت المقدس میں جو نماز ادا کی تھی وہ مراد ہو جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
آسمانوں پر تشریف لے گئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آسمانوں سے واپسی پر آپ نے یہ نماز ادا فرمائی ہو  
جس میں شرکت کے لئے انبیاء اکرام علیہم السلام یہاں تشریف لائے ہوں۔ واللہ اعلم

۴۳۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: لَمَّا أُسْرِيَ

بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، انْتَهَى بِهِ إِلَى سِنْدَرَةِ الْمُتَنَهَى، وَهِيَ فِي

السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، إِلَيْهَا يَنْتَهِي مَا يُعْرَجُ بِهِ مِنَ الْأَرْضِ فَيُقْبَضُ مِنْهَا، وَإِلَيْهَا

يَنْتَهِي مَا يُهْبَطُ بِهِ مِنْ فَوْقِهَا فَيُقْبَضُ مِنْهَا، قَالَ: (إِذْ يَغْشَى) السُّدْرَةَ مَا يَغْشَى،

قَالَ: فَرَأَشَ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: فَأُعْطِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا:

أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ  
بِاللَّهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْئًا، الْمُقْحِمَاتُ۔“ (ص: ۹۷ سطر: ۳۵۱)

### تشریح

قولہ: ”فراش من ذهب“ (ص: ۹۷ سطر: ۳)

فراش فا کے فتح کے ساتھ ہے اسکے معنی ہیں پروانے۔

قولہ: ”أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ“ (ص: ۹۷ سطر: ۳)

یعنی پانچ نمازیں فرض کی گئیں<sup>(۱)</sup>۔

قولہ: ”خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ“ (ص: ۹۷ سطر: ۳) یعنی سورۃ البقرۃ کی آخری آیت جس

میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لئے کمال رحمت، آسانی، مغفرت اور کفار پر مدد فرمانے کو بیان فرمایا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: ”الْمُقْحِمَاتُ“ (ص: ۹۷ سطر: ۳)

یہ مقحمة کی جمع ہے جسکے معنی ہیں، انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والے کبیرہ گناہ۔

حلاک کرنے والے گناہ کبیرہ کی مغفرت سے مراد یا تو یہ ہے کہ ان کے مرتکب ہمیشہ ہمیشہ

دوزخ میں نہ رہیں گے (کمال قال ابن حجب) یا یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں

سے اکثر گناہ کبیرہ کرنے والوں کی مغفرت ہو جائے گی، فانہا اُمة مرحومة، (کذا فی فتح الملہم

عن المرقاة)۔<sup>(۳)</sup>

باب معنی قول اللہ عز و جل :

”وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى... الْخ“

۴۳۱۔ حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزُّهْرَانِيُّ، (الِی قولہ) قَالَ اَنَا الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ:

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۰۸۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

سُئِلَ عَنْ رُبِّهِ خَبِيرٌ. عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ : ”فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى“،  
 ذَرِّبْ : أَحْمَدُ بْنُ مَسْعُودٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ  
 مِثْقَالَةَ جَنَاحٍ.“ (ص: ۹۷، ط: ۵۴)

### تشریح

قرآن: ”سَأَلْتُ زُرَّ بْنَ حَبِيشٍ، عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ : ”فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ  
 أَوْ أَدْنَى“ (ص: ۹۷، ط: ۵۴)

### اللہ تعالیٰ کی زیارت کا مسئلہ

یہاں سے حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق سورۃ نجم کی  
 شروع کی آیات سے ہے، اور ان احادیث میں بنیادی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ شبِ معراج میں  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں خاصا اختلاف ہے،  
 چنانچہ اس مسئلے میں چار قول ہیں:-

۱۔ پہلا قول حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے<sup>(۱)</sup>۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ  
 شبِ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا، اور فتح الملہم میں مسند  
 احمد کی روایت سند قوی کے ساتھ یہ منقول ہے کہ: ”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 : رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ. يَعْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ فِي رُبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ  
 اس لئے اس حدیث مرفوع کی بنا پر حضرت کا موقف یہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت  
 ہوئی ہے۔ (فتح الملہم: ج ۲، ص ۴۱۲ تا ۴۱۸)۔

یہ حضرات سورۃ نجم کی آیات: ”عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ○ ذُرِّ مِرَّةٍ فَاسْتَوَى ○ وَهُوَ  
 بِالْأَفْقِ الْأَعْلَى ○ لَمَّا دَنَا فَتَدَلَّى ○ لَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ○ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا  
 أَوْحَى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ○ أَفَتَعْمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يُرَىٰ أَوْ لَقَدْ رَأَاهُ لَزْلَةً  
 أُخْرَىٰ“ کی ضمیروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوثاتے ہیں، اور ان آیات میں جو قریب ہونے دیکھنے اور بلا  
 واسطہ تعلیم دینے کا ذکر ہے وہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس قول کو صاحبِ تفسیر

مظہری نے اختیار کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

۲ ... دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ شبہ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوئی اور وہ ان آیات کی تمام ضمیروں کو حضرت جبریل امین علیہ السلام کی طرف لوٹاتے ہیں (کذا فی المعارف القرآن ج: ۸ ص: ۱۹۶، بحوالہ تفسیر ابن کثیر)<sup>(۲)</sup>۔ البتہ ”فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ“ کی ضمیریں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹاتے ہیں۔

اس قول کو علامہ قرطبی<sup>(۳)</sup>، امام رازی<sup>(۴)</sup>، اور علامہ ابن کثیر<sup>(۵)</sup> نے اپنی اپنی تفاسیر میں اختیار فرمایا ہے اور امام نووی<sup>(۶)</sup> اور حافظ ابن حجر<sup>(۷)</sup> نے بھی اس قول کو رائج قرار دیا ہے۔ اور ہمارے اکابر میں سے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے بھی اسی قول رائج قرار دیا ہے۔

۳ ... سورة النجم کی آیت ”مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ“ سے آیت ”لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ“ تک جن میں واقعہ معراج کا بیان ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بارے میں جتنے الفاظ عام صیغوں کے ساتھ آئے ہیں ان سب میں حضرت جبریلؑ اور اللہ تعالیٰ دونوں کے دیکھنے کا احتمال ہے، کیونکہ ان میں عموم ہے، اور اس عموم کی نفی کسی حدیث مرفوعہ سے ثابت نہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا امکان از روئے عقل اور نقل موجود ہے اس کو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے فتح الملہم میں اختیار فرمایا ہے۔

۴ ... چوتھا قول جس کو جمہور کا مسلک قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کرنا چاہیے، اس لئے کہ آیات میں کوئی ایک معنی واضح طور پر متعین نہیں ہیں اور اخبار آحاد جن میں سے

(۱) تفسیر مظہری ج ۹ ص ۱۰۹۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۳۔

(۳) تفسیر القرطبی ج ۱۷ ص ۸۲ وما بعد۔

(۴) تفسیر الکبیر ج ۲۷ ص ۲۹۰۔

(۵) تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۲۳ وما بعد۔

(۶) شرح النووی ج ۱ ص ۹۷۔

(۷) فتح الباری کتاب التفسیر تفسیر سورة النجم رقم الحديث: ۴۵۵ ج ۸ ص ۶۰۸ وما بعد۔

بعض سے رُؤیت کا ثبوت ہے اور دیگر بعض سے ثابت نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اور ان پر اس مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، کیونکہ عقائد میں اخبارِ آحاد معتبر نہیں، بلکہ عقائد کا ثبوت تو اتر سے ہوتا ہے جو یہاں موجود نہیں، نیز اس کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کے عقیدے پر ہمارا کوئی عمل بھی موقوف نہیں، اس لئے اس مسئلہ میں توقف کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معارف القرآن میں اسی کو ”اسلم اور احوط“ قرار دیا ہے<sup>(۱)</sup>۔

### آیت: ”فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ“ کی تشریح

زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب دو آدمی آپس میں کوئی عہد و پیمان کرتے تو دونوں اپنی اپنی کمانوں کو لے کر ان کے چلوں کو باہم ملا دیتے تھے، اور اس کمان میں کامل اتفاق کا اظہار سمجھا جاتا تھا کہ اب ان کمانوں کا رخ ایک دوسرے کی طرف نہ ہوگا۔

قَاب اس فاصلے کو کہتے ہیں جو کمان کی ڈور کے درمیانی حصے اور کمان کے دستے کے درمیان ہوتا ہے جو بہت تھوڑا سا ہوتا ہے، تو اس عہد کے وقت یہ دونوں شخص ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہوتے تھے، اسی تعبیر کو قرآن کریم میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امین کے درمیان، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ”قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ“ کا فاصلہ تھا، یعنی دونوں ایک دوسرے کے انتہائی قریب تھے۔

۴۳۵۔ ”حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ... (الی قولہ) ... عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: رَأَىٰ

بِقَلْبِهِ“ (ص: ۹۸، سطر: ۴، ۳)

اس میں دل سے دیکھنا مراد ہے، نہ کہ دل سے پہچاننا، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی، اور ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے دل میں دیکھنے کی صفت پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

۴۳۸۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ... (الی قولہ) ... عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: كُنْتُ

مُتَكِنًا عِنْدَ عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: يَا أَبَا عَائِشَةَ، ثَلَاثُ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ

(۱) تفسیر معارف القرآن ج ۸ ص ۲۸۵۔ رفیع

(۲) ”هو ابن الأحناف سمى مسروقاً لأنه سرقه انسان في صفره ثم وجد. وكتبه ”أبو عائشة“ فتح الملهم۔ (رفیع)



أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ، قُلْتُ مَا هُنَّ؟ قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ، قَالَ: وَكُنْتُ مُتَكِنًا فَجَلَسْتُ، فَقُلْتُ: يَا أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنْظِرِينِي، وَلَا تُعَجِّلِينِي، أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَلَقَدْ رَأَاهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ"، "وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَى"؟ فَقَالَتْ: أَنَا أَوَّلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ، لَمْ أَرَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ، فَقَالَتْ أَوْ لَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ: "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ"، أَوْ لَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ: "وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَى حَكِيمٍ"؟ قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ، وَاللَّهُ يَقُولُ: "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ"، قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِمَا يَكُونُ فِي غَيْبٍ، فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ، وَاللَّهُ يَقُولُ: "قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ". (مس: ۹۸: ۹۴۴)

### تشریح

قرولہ: "فَقَالَتْ أَوْ لَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ:" (مس: ۹۸: ۷)

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (جنت میں پہنچنے سے پہلے) اللہ تعالیٰ کی

زیارت نہ ہونے پر تین دلائل بیان کئے ہیں:-

۱ ... پہلی دلیل یہ ہے کہ: "وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْأَعْلَى" اور "وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَى" میں ضمیر کا مرجع

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو قرار دیا ہے۔

۲ ... دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ"

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ“ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صراحت نفی ہے۔

۳ ... تیسری دلیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَا كَانَ لَيْشَرَ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيُّ حَكِيمٌ“ (سورۃ الشوریٰ ۷۱) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ سے کلام کرنے کی صرف تین صورتیں ممکن ہیں:-

۱ ... وَحْيًا، اس میں نہ آواز سنائی دیتی ہے نہ رؤیت ہوتی ہے، بلکہ دل میں مضمون القاء ہوتا ہے۔

۲ ... ”مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ“ اس میں آواز تو سنائی دیتی ہے، لیکن رؤیت نہیں ہوتی۔

۳ ... ”أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا“ جبریل امین آکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں، اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوتی۔

لہذا معلوم ہوا کہ اس دنیا میں کوئی نبی اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتا۔

جن حضرات کا موقف یہ ہے کہ معراج میں باری تعالیٰ کی رویت ہوئی تھی ان کی طرف سے ان دلائل کے درج ذیل جوابات دیئے جاتے ہیں:-

۱ ... پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ آیات ”وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ“ اور ”وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى“ میں ضمیر کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جبریل امین کو قرار دیا ہے، لیکن آیت: ”مَا تَكْذِبُ الْفُؤَادُ مَا رَأَى“ میں ”مَا“ عام ہے، لہذا اس سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا امکان معلوم ہوتا ہے۔

۲ ... دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں نہ دیکھنے کا تعلق عالم دنیا سے ہے، جبکہ یہاں بحث عالم بالا میں دیکھنے کی ہو رہی ہے کہ شب معراج میں زیارت ہوئی یا نہیں۔

۳ ... تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وحی اور دیدار جمع نہیں ہو سکتے، تو یہ بات دیدار ہونے کے مسلک کے خلاف نہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ دیدار کے وقت وحی نہ ہوئی ہو، اور وحی کے ساتھ دیدار نہ ہوا ہو لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں<sup>(۱)</sup>۔

(۱) ان سوالات و جوابات کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے: (فتح المسلم ج ۲ ص ۴۲۰-۴۲۳) وضع البیروتی ج ۸ ص ۶۰۸ وما بعده والبحر المحیط ج ۲ ص ۲۹۰۔

قوله: "وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ" (مس ۹۸۰: ۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو تین باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے پہلی بات یعنی اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھنے کی تفصیل اوپر آچکی، دوسری بات کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ میں سے کچھ چھپایا ہے، تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان لگایا، اس لئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی کسی آیت کو چھپاتے تو سورۃ احزاب کی اس آیت کو چھپاتے: "وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ" (۱) اور جب حضور نے اس آیت کو بھی نہ چھپایا تو یقیناً کسی اور آیت کو بھی نہیں چھپایا۔ اور اس آیت کو چھپانے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک راز کو بیان کیا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "تَلْفُ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ" کے حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے اس آیت کو بھی چھپانا گوارا نہیں کیا۔

وہ راز یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی غیر متلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ حضرت زید بن حارثہؓ اپنی زوجہ زینبؓ بخت جمش کو طلاق دیں گے اور وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا، اس لئے کہ عرب کے معاشرہ میں متبہی کی زوجہ سے نکاح کرنا ایسا ہی بُرا سمجھا جاتا تھا جیسے حقیقی بیٹے کی اہلیہ سے، لیکن اللہ تعالیٰ اس غلط رسم کا خاتمہ عملی طور پر بھی فرمانا چاہتے تھے، اس لئے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہم آئندہ ایسا کرنے والے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی ملامت کے خوف سے اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسکو ظاہر فرما دیا۔

تیسری بات یہ کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ کل کی بات جانتے تھے یعنی عالم الغیب تھے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان لگایا کیونکہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

۴۴۲۔ "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ

قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ“ (ص: ۹۹: سطر: ۱)

### تشریح

قوله: ”نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ“ (ص: ۹۹: سطر: ۱)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ ”نور من این اراہ“ یعنی انی من این کے معنی میں ہے، یعنی وہ نور تھا جہاں سے بھی میں دیکھتا تھا۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسکی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ: ”ومعناه حجابہ نورٌ فكيف اراہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کا پردہ سراپا نور تھا تو میں کیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھتا۔ (کذا فی فتح الملہم) (۱) اور اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ ”انی“، ”کیف“ کے معنی میں ہے۔ بہر حال یہ دونوں تفسیریں درست ہو سکتی ہیں، لیکن دونوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی زیارت ہونے کی بظاہر نفی معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

۴۴۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّورُ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ: النَّارُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ شُبَحَاتٍ وَجْهَهُ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ. (ص: ۹۹: سطر: ۵۲۳)

### تشریح

قوله: ”يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ“ (ص: ۹۹: سطر: ۴) قِسْطُ کے اصل معنی ہیں عدل وانصاف، لیکن یہاں قسط سے مراد میزان ہے کیونکہ میزان عدل وانصاف کا ذریعہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال جو اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا وزن کرتے ہیں۔ اور جو روزیاں بندوں کے لئے نازل کی جاتی ہیں ان کا وزن کرتے ہیں، کسی کو زیادہ دیتے ہیں یہ بخفض کے معنی ہیں اور کسی کو کم دیتے ہیں یہ یرفع کے معنی ہیں (کذا فی فتح الملہم وشرح النووی بزيادة ایضاح منی)۔

قوله: "حِجَابُهُ النُّورُ" (ص: ۹۹: ۵)

حجاب تو در حقیقت محدود جسم کے لئے ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے بھی منزہ ہے اور حد سے بھی، لہذا یہاں اس سے دیکھنے میں رکاوٹ مراد ہے جسے یہاں نور یا نار کہا گیا ہے اور آنے والے باب کی پہلی روایت میں اسکو رداء الکبریاء کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں یہی حائل ہے (فتح الملہم)۔<sup>(۱)</sup>

قوله: "لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ"

(ص: ۹۹: ۵)

یہاں من خلقہ میں "من" بیان یہ ہے، جمع کا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمام مخلوقات تک پہنچی ہوئی ہے (فتح الملہم)۔<sup>(۲)</sup>

"سُبُحَاتُ" میں سین اور ہا پر ضمہ اور تا پر رفع ہے یہ سُبُحَاتُ کی جمع ہے۔ اسکے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا نور اسکی ہیبت اور جلال۔

یعنی ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نور کا پردہ حائل ہے، اگر وہ بھی ہٹ جائے تو تاحد نگاہ ہر چیز جل جائے۔ اس کی ایک ادنیٰ سی نظیر ہم اپنی دنیاوی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں، وہ یہ کہ سائنسی تحقیق کے مطابق سورج اور زمین کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس کا نام "اُوزون کا غلاف" (Layer of Ozone) ہے، یہ سورج کی گرمی کو اپنے اندر جذب کرتا ہے جس کے نتیجہ میں حرارت میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور اس کے بعد یہ حرارت قابل برداشت اور مفید ہو کر زمین پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اب کچھ عرصہ اس پردہ میں شکاف پڑ گیا ہے، جس کی وجہ سے اب ہر سال پہلے کے مقابلہ میں زیادہ گرمی پڑتی ہے، حتیٰ کہ برطانیہ اور جرمنی وغیرہ جیسے ٹھنڈے ممالک میں بھی گرمی نسبتاً زیادہ ہونے لگی ہے۔

قوله: "وَجْهِهِ" (ص: ۹۹: ۵) ای ذالہ۔

## باب اثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة

### ربہم سبحانہ وتعالیٰ

۴۴۷۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْحَضْرَمِيُّ... (الی قوله)... عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ

(۱) فتح الملہم ج ۲۰ ص: ۴۲۹۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص: ۴۳۰۔

اللہ بن قیس، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: جَنَّتانِ مِنْ فِضَّةٍ  
أَنْتَهُمَا، وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتانِ مِنْ ذَهَبٍ أَنْتَهُمَا، وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ  
أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِذَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ. (مس: ۹۹: ۸۰، ۹،  
مس: ۱۰۰: ۲۱)

قولہ: ”إِلَّا رِذَاءُ الْكِبْرِيَاءِ“

(مس: ۱۰۰: ۱)

رِذَاءُ الْكِبْرِيَاءِ سے ”حجابِ نوری“ مراد ہے، جسے پچھلی حدیث میں ”حجابُ النور“  
فرمایا گیا ہے۔ اس وقت دنیا میں تو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کے درمیان اس قدر پردے حائل  
ہیں کہ ہم نے حجابِ نوری بھی نہیں دیکھا، لیکن جنت میں پہنچنے کے بعد صرف حجابِ نوری باقی رہ جائے گا  
باقی پردے اور روکاؤں ختم ہو جائیں گی، اور پھر ”میدانِ مزید“ میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کے وقت وہ  
بھی ہٹا دیا جائے گا، جیسا کہ آگے احادیث سے معلوم ہوگا۔

(۱) فتح الملہم ج: ۲، ص: ۴۳۵۔

قولہ: ”عَلَى وَجْهِهِ“ (مس: ۱۰۰: ۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجاب اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوگا، لیکن دراصل یہ حجاب ہم پر ہے،  
نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر، لیکن آسانی سے سمجھنے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

قولہ: ”فِي جَنَّةِ عَدْنٍ“ (مس: ۱۰۰: ۲) ای جنة الخلود۔ یعنی ہمیشہ کی جنت۔

۴۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، (الِی قولہ) عَنْ صُهَيْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ  
وَتَعَالَى: تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وَجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا  
الْجَنَّةَ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ  
إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ۔ (مس: ۱۰۰: ۲، ۳)

تشریح

قولہ: ”تُرِيدُونَ شَيْئًا“ (مس: ۱۰۰: ۲) کیا تم کچھ اور چاہتے ہو کہ تمہیں ملے؟

یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے، ای اتریدون شینا۔ کیا تم کچھ اور چاہتے ہو کہ تمہیں ملے؟



(ص: ۱۰۰ سطر: ۳)

قوله: "تَنْجِينًا"

اسمیں بعض نسخوں میں جیم کے بعد یاء نہیں ہے، اور نحوی قاعدے کا تقاضا بھی یہی ہے، اس صورت میں اس کا عطف تدخّلنا پر ہوگا اور یاء کو عاملِ جازم "لم" کی وجہ سے محذوف قرار دیا جائیگا، لیکن ہمارے اس نسخہ میں یاء موجود ہے تو اس جملہ کو ماقبل کے دو استفہامیہ جملوں "أَلَمْ تَبْيُضْ وَجُوهَنَا، أَلَمْ تَدْخُلْنَا الْجَنَّةَ" پر معطوف قرار دیا جائے گا۔ (کذا فی العاشیة فی نسختنا) بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ یاء کی موجودگی کی صورت میں "تنجینا" جملہ استفہامیہ کے بجائے خبریہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

۴۴۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ

سَلَمَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ: "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ" (ص: ۱۰۰ سطر: ۳)

قوله: "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ" (ص: ۱۰۰ سطر: ۳)

یہاں "الحُسْنَىٰ" سے مراد جنت میں پاکیزہ زندگی ہے اور "وَزِيَادَةٌ" سے اللہ تعالیٰ کا

دیدار مراد ہے۔

۴۵۰۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، أَنَّ أَبَا

هُرَيْرَةَ، أَخْبَرَهُ أَنَّ نَاسًا قَالُوا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ،

هَلْ نَرَىٰ رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تُضَارُونَ

فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: هَلْ تُضَارُونَ فِي

الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ؟ قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ،

كَذَلِكَ يَجْمَعُ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ، فَيَتَّبِعُ

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ الشَّمْسَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ

كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاعِغَ الطَّوَاعِغَ، وَتَبْقَىٰ هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُتَافِقُونَ، فَيَأْتِيهِمُ اللَّهُ

تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ فِي صُورَةٍ غَيْرِ صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ، فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ:

نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ، هَذَا مَكَانُنَا حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ، فَيَأْتِيهِمُ اللَّهُ

تَعَالَىٰ فِي صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ، فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتَّبِعُونَهُ



وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ، فَأَكُونُ أَنَا وَأُمَّتِي أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ، وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ، وَدَعَا الرُّسُلُ يَوْمَئِذٍ: اللَّهُمَّ سَلِّمْ، سَلِّمْ، وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيْبٌ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، هَلْ رَأَيْتُمُ السَّعْدَانِ؟ قَالُوا: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا قَدَّرَ عِظَمُهَا إِلَّا اللَّهُ، تَخْطِفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمْ الْمُؤْمِنُ بَقِيَ بِعَمَلِهِ، وَمِنْهُمْ الْمُجَازِي حَتَّى يُنْحَى، حَتَّى إِذَا فَرَّغَ اللَّهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ، وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ بِرَحْمَتِهِ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا مِمَّنْ أَرَادَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ يَرْحَمَهُ مِمَّنْ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَيَعْرِفُونَهُمْ فِي النَّارِ، يَعْرِفُونَهُمْ بِأَثَرِ السُّجُودِ، تَأْكُلُ النَّارُ مِنْ ابْنِ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ، حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ، فَيُخْرِجُونَ مِنَ النَّارِ وَقَدْ امْتَحَشُوا، فَيَصْبُ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُونَ مِنْهُ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي حِمْلِ السَّيْلِ، ثُمَّ يَفْرُغُ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ، وَيَبْقَى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ: أَيُّ رَبِّ، أَصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ، فَإِنَّهُ قَدْ قَسَبَنِي رِيحُهَا، وَأَحْرَقَنِي ذُكَاؤُهَا، فَيَدْعُو اللَّهَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدْعُوهُ، (الى قوله) فَيَقْدُمُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا قَامَ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ انْفَهَقَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، فَرَأَى مَا فِيهَا مِنَ الْخَيْرِ وَالسُّرُورِ، (الى قوله) فَيَقُولُ: أَيُّ رَبِّ، لَا أَكُونُ أَشْقَى خَلْقِكَ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو اللَّهَ حَتَّى يَضْحَكَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مِنْهُ، فَإِذَا ضَحِكَ اللَّهُ مِنْهُ قَالَ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِذَا دَخَلَهَا قَالَ اللَّهُ لَهُ: تَمَنَّهُ، فَيَسْأَلُ رَبَّهُ وَيَتَمَنَّى حَتَّى إِنَّ اللَّهَ لَيَذْكُرُهُ مِنْ كَذَا وَكَذَا، حَتَّى إِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ذَلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ، (الى قوله) قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: وَعَشْرَةُ أَمْثَالِهِ مَعَهُ، يَا أَبَا هُرَيْرَةَ... الحديث.

### تشریح

قوله: "الطَّوَاعِيَتُ" (ص: ۱۰۰ اسطر: ۷)

یہ طاغوت کی جمع ہے جسکے معنی ہیں بت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بتوں کے اندر

بھی چلنے کی صلاحیت پیدا کر دی جائے گی۔

قولہ: ”وَبَقِيَ هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا“ (مس: ۱۰۰: ۸)

یہاں اُمت سے اُمتِ اجابت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں منافقین بھی شامل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا اپنی پنڈلی کھولنے کے وقت سجدہ نہ کر سکنے کی وجہ سے ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ آگے ایک روایت میں آئے گا۔

قولہ: ”فَيَأْتِيهِمُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي صُورَةٍ غَيْرِ صُورَتِهِ“ (مس: ۱۰۰: ۸)  
یہ الفاظ متشابہات کی قسم سے ہیں، متشابہات کے بارے میں علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کے دو مذہب ہیں:-

۱ ... متقدمین کا مذہب: متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ ہمیں ان متشابہات کی مراد کا کوئی علم یقینی حاصل نہیں، ان کے جو بھی معنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مراد ہیں وہ حق ہیں، ہم اُن پر ایمان لاتے ہیں اور کوئی تاویل نہیں کرتے۔ یہ مذہب احوط اور قرآن کریم کے زیادہ قریب ہے، جیسے اللہ کا ارشاد ہے۔ ”وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا“۔

۲ ... متاخرین کا مذہب: متاخرین نے تاویل کا راستہ اختیار فرمایا ہے، لیکن اس میں بھی وہ کوئی قطعی اور یقینی حکم نہیں لگاتے، بلکہ یہ طور احتمال کے یوں فرماتے ہیں کہ: اس کے فلاں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

متاخرین کو یہ تاویل کا راستہ اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ جب یونانی فلسفہ، اسلامی معاشرہ میں متعارف ہوا تو بہت سے مسلمان اس سے متاثر ہوئے اور ان کے عقائد پر بھی اس فلسفہ کا اثر پڑا، یہاں تک کہ بہت سے گمراہ فرقے وجود میں آ گئے، انہی میں سے ایک فرقہ ”مجسمہ“ کہلاتا ہے جس کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھتے ہیں، جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم و صورت سے پاک ہیں۔ لہذا وہ الفاظ جن سے اللہ تعالیٰ کا جسم والا ہونا اور اُسی کے مطابق افعال کے صادر ہونے کا شبہ ہوتا تھا، متاخرین نے اُن میں تاویل کی تاکہ یہ بتایا جاسکے کہ اس کے جو معنی فرقہ ”مجسمہ“ نے لئے ہیں وہ درست نہیں، انہیں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے اور قاعدہ ہے: واذا جاء الا احتمال بطل الا سند لال۔ مثلاً مذکورہ جملہ میں ”يَأْتِيهِمْ“ کے معنی ”يُظْهِرُ لَهُمْ“ کے

ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ ان پر ظاہر ہوں گے اور صورۃ کو صفۃ کے معنی میں لیا۔

اگرچہ زیادہ احتیاط متقدمین کے مذہب میں ہے اسی لئے وہ رائج ہے، لیکن چونکہ متاخرین کا مذہب بھی صحیح غرض پر مبنی ہے، نیز متاخرین اپنی تاویل کو قطعی نہیں بتاتے بلکہ محض احتمال کے طور پر ذکر کرتے ہیں، تو اس اعتبار سے یہ مذہب بھی قابل اعتراض نہیں، بلکہ بہت سے واقع میں مفید ثابت ہوتا ہے۔

قولہ: ”بَيْنَ ظَهْرَيَّ جَهَنَّمَ“ (ص: ۱۰۰: ۹)

ای بین طرفیہا، یعنی جہنم کے دونوں جانب (کذا فی فتح الملہم)۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: ”کَلَالِب“ (ص: ۱۰۰: ۹)

یہ کَلُوب کاف کے فتح اور لام پر تشدید کے ساتھ جمع ہے اسکے معنی ہیں آنکڑا۔<sup>(۲)</sup> یعنی لوہے کا وہ لبا سر یا کہلاتا ہے جس کی نوک مڑی ہوئی ہوتی ہے جس میں گوشت وغیرہ کو لٹکا کر تنور میں چھوڑا جاتا ہے یا روٹی کو تنور سے نکالا جاتا ہے۔ (فتح الملہم بلیادۃ)۔<sup>(۳)</sup>

قولہ: ”مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ“ (ص: ۱۰۱: ۹)

سعدان ایک خاص پودے کا نام ہے جس کے کانٹے کی نوک بہت باریک ہوتی ہے، جہنم کے آنکڑے کو سعدان کے کانٹے کے ساتھ صرف نوک کے باریک ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے، جسامت کے اعتبار سے نہیں، اس لئے کہ جہنم کا آنکڑا تو اس سے بہت بڑا اور خوفناک ہوگا۔<sup>(۴)</sup>

قولہ: ”لَمِنْهُمْ الْمَوْبِقُ“ (ص: ۱۰۱: ۲) انہیں با پر فتح ہے یعنی ہلاک کیا ہوا۔ یہ باب

افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، (فتح الملہم)۔<sup>(۵)</sup>

قولہ: ”الْمُجَازِي“ (ص: ۱۰۱: ۲) ”المجازاة“، یہ (باب مفاعله) سے اسم مفعول کا

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۵۴: ۱: ۱ ص ۵۵۰: ”علیٰ ظہرائی جہنم“ و ”مروزی“ ”ظہری جہنم“ و ”معالنخان قالہ الأصمعی“ و فی کتاب العین للبحر ج ۴ ص ۲۸: و ”ظہران من قولک: ”لنا بین ظہر آتہم و ظہرہم و کذا لک الشیء فی وسط الشیء“ ہو بین ظہریہ و ظہرائیہ

(۲) العرب لابن سلام ج ۲ ص ۲۵۰۔

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۵۵۔

(۴) مجمع بحار الأیوار ج ۳ ص ۷۳۔

(۵) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۵۶۔

صیغہ ہے۔ اسکے معنی ہیں چھوڑا ہوا۔

قولہ: ”لَقَدْ اِمْتَحَحْتُمْ“ (ص: ۱۰۱: ۴) یہ (باب افعال) سے ماضی معروف کا صیغہ ہے۔

ای یعنی ہر طرح جل بھن گئے ہوں گے۔ (فتح الملہم بزيادة ايضاح)<sup>(۱)</sup>

قولہ: ”كَمَا تَنْبُثُ الْحَبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ“ (ص: ۱۰۱: ۴)

”الحبّة“ حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے وہ بیج جو اُگانے کے لئے زمین میں بویا جاتا ہے، اور

با کے فتح کے ساتھ وہ دانہ جو کھیتی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں حاء پر کسرہ ہے، یعنی بیج (فتح الملہم)<sup>(۲)</sup>۔

جس طرح سیلابی بیج بہت تیزی سے اُگتا ہے، اسی طرح اُن کے جسم پر بھی گوشت پوست بہت تیزی سے اُگ آئے گا۔

قولہ: ”أَيُّ رَبِّ“ (ص: ۱۰۱: ۴) لفظ ”ای“ کے ہمزہ پر فتح اور یاء پر سکون ہے یہ حرف

نداء ہے۔

قولہ: ”لَقَدْ قَشَبْنِي رِيحُهَا، وَأَخْرَقْنِي ذُكَاؤُهَا“ (ص: ۱۰۱: ۴)

یعنی زہر آلود کرویا ہے مجھ کو اُس کی ہوا یا بد بو نے اور جلا ڈالا ہے مجھے اس کے شعلوں کی

شدت نے۔

قولہ: ”إِنْفَهَقْتُ“ (ص: ۱۰۱: ۴) یعنی جنت کھل کر سامنے آجائے گی۔

قولہ: ”فَإِذَا ضَعِجَ اللَّهُ مِنْهُ“ (ص: ۱۰۱: ۴)

یہ بھی مشابہات میں سے ہے، متاخرین اس کی تاویل ”راضی ہونے“ سے کرتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

قولہ: ”فَيَسْأَلُ رَبُّهُ وَيَتَمَنَّى“ (ص: ۱۰۱: ۴) مسند احمد میں حضرت ابوسعیدؓ سے روایت

ہے کہ: یہ بندہ دنیا کے تین دن کے برابر مانگے گا اور تمنا کرے گا ”فیسال ویتمنی مقدار ثلاثة

ایام من ایام الدنيا“ (فتح الملہم)<sup>(۴)</sup>۔

۴۵۳۔ حَدَّثَنِي سُؤَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۵۸۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۵۸ ولسان العرب ج ۳ ص ۱۰۔

(۳) اکمال المعتم ج ۱ ص ۵۵۸۔

(۴) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۵۷۔

نَاسًا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ قَالَ: هَلْ تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظُّهْرِ صَحُورًا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ؟ وَهَلْ تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةً الْبَدْرِ صَحُورًا لَيْسَ فِيهَا سَحَابٌ؟ قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: "مَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا كَمَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا، إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَذِنَ مُؤَدِّنٌ لِيَتَّبِعَ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ، فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ إِلَّا يَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَغَيْرِ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَيَدْعَى الْيَهُودُ، (إِلَى قَوْلِهِ) قَالُوا: عَطِشْنَا يَا رَبَّنَا، فَاسْقِنَا، فَيُشَارُ إِلَيْهِمْ (إِلَى قَوْلِهِ) حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ تَعَالَى مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ أَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي أَدْنَى صُورَةٍ مِنَ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا قَالَ: فَمَا تَنْتَظِرُونَ؟ تَتَّبِعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ، قَالُوا: يَا رَبَّنَا، فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْيَا أَفْقَرَ مَا كُنَّا إِلَيْهِمْ، وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ، فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: نَعُودُ بِاللَّهِ مِنْكَ لَا نُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، حَتَّى إِنْ بَعْضَهُمْ لَيَكَاذُ أَنْ يَنْقَلِبَ، فَيَقُولُ: هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ آيَةٌ فَتَعْرِفُونَهُ بِهَا؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا يَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلَّهِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ إِلَّا أَذِنَ اللَّهُ لَهُ بِالسُّجُودِ، (إِلَى قَوْلِهِ) ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلَى جَهَنَّمَ، وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ، وَيَقُولُونَ: اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا الْجِسْرُ؟ قَالَ: دَحْضُ مَزَلَّةٍ، فِيهِ خَطَاطِيفُ وَكَالَالِيبُ وَحَسَكٌ تَكُونُ يَنْحَدِرُ فِيهَا شُوبِكَةٌ يُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ، فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُونَ كَطَرَفِ الْعَيْنِ، وَكَالْبَرْقِ، وَكَالرَّيْحِ، وَكَالطَّيْرِ، وَكَأَجَاوِيدِ الْحَيْلِ وَالرَّكَابِ، فَنَاجٍ مُسَلِّمٌ، وَمَخْلُوشٌ مُرْسَلٌ، وَمَكْدُوسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، حَتَّى إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ، قَوْلَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ بِأَشَدَّ

مُنَاشِدَةً لِلَّهِ فِي اسْتِقْصَاءِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِلَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ فِي النَّارِ، يَقُولُونَ رَبَّنَا كَانُوا يَعُومُونَ مَعَنَا وَيُصَلُّونَ وَيَحْجُونَ، فَيَقَالُ لَهُمْ: أَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُمْ، فَتَحَرَّمُ صُورُهُمْ عَلَى النَّارِ، فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا (الی قوله) فَيَقُولُ: ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِينَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ، فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا، (الی قوله) فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ، وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ، وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ، فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ، فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوا حُمَمًا، فَيُلْقِيهِمْ فِي نَهَرٍ فِي أَقْوَاهِ الْحَنَةِ (الی قوله) قَالَ: فَيُخْرِجُونَ كَاللُّؤْلُؤِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمَ، يَعْرِفُهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ هَؤُلَاءِ عَتَقَاءُ اللَّهِ الَّذِينَ أَدْخَلَهُمُ اللَّهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ، وَلَا خَيْرٍ قَدْ مُوَهُ،... الحديث. (ص: ۱۰۲ سطر: ۱۱ تا ۱۰۳ سطر: ۸ تا ۸۵)

### تشریح

قوله: "صَحَّوْا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ" (ص: ۱۰۲ سطر: ۲)

"صَحَّوْا" قضاء کی حالت کو کہتے ہیں جس میں بادل نہ ہوں، اگلا جملہ "لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ" اس کی تفسیر ہے۔

قوله: "غَيْرِ أَهْلِ الْكِتَابِ" (ص: ۱۰۲ سطر: ۴) انہیں غین پر ضمہ اور باء پر فتح مع تشدید ہے جسکے معنی اہل کتاب کے ہیں یہ غابری کی جمع ہیں جسکے معنی باقی کے آتے ہیں۔

قوله: "عَطَشْنَا" (ص: ۱۰۲ سطر: ۵)

ای یعنی ان میں سے ہر ایک کہے گا اے رب ہم پیاسے ہیں۔

قوله: "فِي أَدْنَى صُورَةٍ مِنَ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا" (ص: ۱۰۲ سطر: ۷)

یہاں صُورَةٍ سے مراد صفت ہے اور رَأَوْهُ فیہا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہوگی، حالانکہ دنیا میں کسی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت ممکن نہیں، لہذا اس جملہ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:-

۱۔ عہدِ اُلت کے وقت ہمیں اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوئی تھی، جس کا استحضار دنیاوی زندگی میں تو نہیں رہا لیکن میدانِ حشر میں وہ رؤیت یاد آ جائے گی۔

۲۔ رؤیت سے مراد اعتقاد ہے، ای الصفة التي اعتقدوها<sup>(۱)</sup>۔

قولہ: ”أفقر ما كنا اليهم“ (مس: ۱۰۲: ۸)۔

ای فی حالۃ کنا الیہم أفقر، یعنی دنیا میں فقر و تنگدستی کی حالت میں ہم نے ان سے جدائی اختیار کی جبکہ ہم ان کے زیادہ محتاج تھے، تو اب جب ان کے پیچھے چلنے میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے تو ہم ان سے جدائی کیوں اختیار نہ کریں گے۔

قولہ: ”لیکاد أن ینقلب“ (مس: ۱۰۲: ۸)۔

ای یعنی سخت امتحان کی بناء پر قریب ہوگا کہ وہ صحیح بات سے پلٹ جائے، (نووی)۔

قولہ: ”لیکشف عن ساق“ (مس: ۱۰۲: ۸)۔

متاخرین کے نزدیک پنڈلی کھولنے سے شدید اور ہولناک منظر کی طرف سے اشارہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: ”أذن الله له بالسجود“ (مس: ۱۰۲: ۹)۔

یعنی اللہ تعالیٰ سجدہ کرنے کی قدرت عطا فرمائیں گے۔

قولہ: ”وتحل الشفاعة“ (مس: ۱۰۲: ۱۰) اکمیل حاکم پر ضمہ اور کسرہ دونوں پڑھنا درست

ہے (نووی)۔<sup>(۳)</sup>

قولہ: ”ذخض مزلۃ“ (مس: ۱۰۲: ۱۰) ذخض میں ضاد پر تنوین ہے۔ دال مفتوح اور

حاء ساکن ہے، اور مزلۃ میں میم پر فتح ہے اور زا پر فتح اور کرہ دونوں میں ضاد ہیں اور ذخض اور مزلۃ دونوں ہم معنی ہیں، یعنی وہ جگہ جس پر پاؤں پھسلتے ہوں۔<sup>(۴)</sup>

قولہ: ”خطاطیف“ (مس: ۱۰۲: ۱۰) خطاب بضم الخاء کی جمع ہے، جسکے معنی

اُنکڑے کے ہیں۔ (فتح الملہم)۔<sup>(۵)</sup>

(۱) علامہ مازنی نے اسی جواب کو رائج قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: المعجم ج: ۱ ص: ۲۲۶۔

(۲) مختار الصحاح ج: ۱ ص: ۱۲۵، ملحقہ: سوق ولسان العرب ج: ۱ ص: ۱۶۸۔

(۳) شرح النووی عنی صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۱۰۲۔

(۴) بحوالہ بالا۔

(۵) ج ۲ ص ۴۷۰۔



قولہ: ”وَحَسَكُ“ (ص: ۱۰۲ سطر: ۱۰) لوہے کے سخت کانٹے۔

قولہ: ”كَأَجَاوِيدِ الْخَيْلِ“ (ص: ۱۰۲ سطر: ۱۱) یہ اجواد کی جمع ہے، اور وہ خواد کی جمع ہے اسکے معنی ہیں اچھا اور تیز رفتار گھوڑا، (فتح الملہم) (۱)۔

قولہ: ”فَنَاجِ مُسْلِمٍ، وَمَخْدُوشٍ مُرْسَلٍ، وَمَكْدُوشٍ فِي نَارِ جَهَنَّمَ“ (ص: ۱۰۳ سطر: ۱۱)

یعنی پل صراط سے گزرنے والے لوگوں کی تین قسمیں ہوں گی:-

۱۔ نَاجِ مُسْلِمٍ: جو سلامتی کے ساتھ بغیر کسی تکلیف کے گزر جائیں گے۔

۲۔ مَخْدُوشٍ مُرْسَلٍ: وہ لوگ جن کو تکلیف یا زخموں کا سامنا کرنا پڑے گا، مگر انہیں چھوڑ

دیا جائے گا اور وہ بھی پل صراط پار کر لیں گے۔

۳۔ مَكْدُوشٍ فِي نَارِ جَهَنَّمَ: وہ لوگ جو پل صراط کو پار نہ کر سکیں گے، اُوپر تلے جہنم میں

گریں گے۔

قولہ: ”مَنَاشِدَةٌ لِلَّهِ“ (ص: ۱۰۳ سطر: ۱۱) اسکے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرنا۔ اور ”مَامِنْ

أَحَدٍ مِنْكُمْ بِأَشَدَّ مَنَاشِدَةً لِلَّهِ فِي اسْتِيفَاءِ الْحَقِّ... إلخ“ کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی

بھی حقوق وصول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرنے میں اُن مؤمنین سے زیادہ سخت نہیں جو

قیامت کے دن اپنے اُن بھائیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے ان کی نجات کا مطالبہ کریں گے جو آگ میں

داخل ہو گئے ہوں گے۔

قولہ: ”يَقُولُونَ: رَبَّنَا كَانُوا يَصُومُونَ مَعَنَا وَيُصَلُّونَ وَيَحُجُّونَ، فَيُقَالُ لَهُمْ:

أَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُ“ (ص: ۱۰۳ سطر: ۱)

یہ حدیث بیک وقت معتزلہ و خوارج اور مرجئہ کی تردید کرتی ہے، یقولون رہنا کانوا یصومون

معنا... إلخ، سے مرجئہ کی تردید ہوئی کہ کچھ مؤمنین باوجود رزہ دار اور نمازی ہونے کے بعض گناہوں

کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے، جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے کے باوجود اعمال صالحہ کا مکمل

اہتمام اور گناہوں سے اجتناب نجات کے لئے ضروری ہے، اور ”أَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُ“ کے جملہ سے معتزلہ

و خوارج کی تردید ہوئی کہ وہ مؤمنین باوجود گنہگار ہونے کے ہمیشہ کے لئے جہنمی نہ ہوئے، تو معلوم ہوا

کہ معصیت کا ارتکاب مسلمان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں کرتا۔

قوله: "من خیر"

(ص: ۱۰۳ سطر: ۳)

خیر سے ایمان کے سوا باقی اعمال قلب مراد ہیں (فتح الملہم)۔<sup>(۱)</sup>

قوله: "لم يعملوا خيراً قط" (ص: ۱۰۳ سطر: ۶)

یعنی ایمان کے علاوہ کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا، یا ایمان مع الاقرار کے علاوہ کوئی نیک کام دل سے بھی نہیں کیا تھا، (فتح الملہم)۔<sup>(۲)</sup>

قوله: "قد عادوا حمماً" (ص: ۱۰۳ سطر: ۳) ای صاروا حُمَمًا "یعنی وہ کوئلہ ہو گئے تھے حُمَمَہ کی جمع ہے بمعنی کوئلہ۔"

قوله: "فی افواه الجنة" (ص: ۱۰۳ سطر: ۶) یہ "فَوَہَۃٌ" فَا پر ضمہ اور و او پر تشدید اور فتح کی خلاف قیاس جمع ہے جس کے معنی ہیں مشکیزوں یا پروں کے کنارے۔ بظاہر یہاں مراد جنت کے قصور اور محلات کو جانے والے راستے ہیں (فتح الملہم)۔<sup>(۳)</sup>

قوله: "كاللؤلؤ فی رقابہم الخواتم. یعرفہم اهل الجنة" (ص: ۱۰۳ سطر: ۷)  
یہ تمغہ عیب کا نہیں بلکہ انعام الہی کے اظہار کا ہوگا۔

۴۵۴۔ (قَالَ مُسْلِمٌ): قَرَأْتُ عَلَى عِيسَى بْنِ حَمَادٍ زُغْبَةَ الْمِصْرِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ فِي الشَّفَاعَةِ، وَقُلْتُ لَهُ: أَخَذْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ عَنْكَ أَنَّكَ سَمِعْتَ مِنَ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، فَقَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ لِعِيسَى بْنِ حَمَادٍ: أَخْبَرَكَمُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَى رَبَّنَا؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ؟ (الی قولہ) قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: بَلَّغْنِي أَنَّ الْجِسْرَ أَدْقُ مِنَ الشَّعْرَةِ، وَأَخَذَ مِنَ السَّيْفِ،

وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ اللَّيْثِ، فَيَقُولُونَ: رَبَّنَا أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ وَمَا بَعْدَهُ، فَأَقْرَبِهِ عِيسَى بْنُ حَمَادٍ"  
(ص: ۱۰۳ سطر: ۱۲۵۹)

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۲۔

(۲) بظاہر قاضی عیاض کی مراد یہ ہے کہ افراد بالزمان بھی (کسی عذر سے) نہیں کیا تھا۔ رفیع

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۳۔

## تشریح

قوله : "قَرَأْتُ عَلَى عِيسَى بْنِ حَمَادٍ زُغْبَةَ الْمِصْرِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ"

(مس: ۱۰۳: سطر: ۹)

امام مسلمؒ یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شفاعت کے بارے میں یہ حدیث جو انہوں نے اپنے استاذ "سويد بن سعيد" قال حدیثی حفص بن میسرۃ کی سند سے تفصیلاً ذکر کی ہے اسے وہ تین فرق کے ساتھ اپنے ایک اور استاذ عیسیٰ بن حماد سے بھی روایت کرتے ہیں:-

۱ ... ایک فرق یہ ہے کہ سويد بن سعيد کی روایت حدیث کے طریقہ سے ہے، یعنی سويد بن سعيد نے یہ حدیث سنائی اور میں نے سنی، جبکہ عیسیٰ بن حماد کی روایت اجرنا کے طریقہ سے ہے کہ حدیث میں نے ان کو پڑھ کر سنائی اور انہوں نے توثیق کی، (فاقر بہ عیسیٰ بن حماد)۔

۲ ... دوسرا فرق یہ ہے کہ حضرت سويد بن سعيد نے یہ حدیث حفص بن میسرہ کے طریق سے روایت کی ہے جبکہ عیسیٰ بن حماد نے اسے لیف بن سعد کے طریق سے روایت کیا ہے۔

۳ ... تیسرا فرق یہ ہے کہ عیسیٰ بن حماد کی روایت عن الیث بن سعد میں ایک جملہ زیادہ ہے اور کچھ جملے کم ہیں، یعنی لیف بن سعد نے اپنی روایت میں "بغیر عمل عملوہ ولا قدم قدموہ لیقال لہم، لکم ما رایتہ ومثلہ معہ" کے بعد یہ جملہ زائد کیا ہے کہ: قال ابو سعید الخدری بلغنی ان الجسر اذی من الشعرة واحد من السیف" اور سويد بن سعيد کی روایت کا یہ جملہ کہ "فیقولون ربنا اعطینا ما لم تعط احداً من العالمین" اور اس کے بعد کی عبارت عیسیٰ بن حماد کی روایت میں نہیں ہے۔

## باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدين من النار

۴۵۶۔ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ،... (الی قولہ) ... حَدَّثَنَا عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُدْخِلُ اللَّهُ أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ بِرَحْمَتِهِ، وَيُدْخِلُ أَهْلَ النَّارِ النَّارَ، ثُمَّ يَقُولُ: انْظُرُوا مَنْ وَحَدَّثُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأُخْرِجُوهُ، فَيُخْرِجُونَ مِنْهَا حُمَمًا قَدْ امْتَحَشُوا، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرِ الْحَيَاةِ، أَوْ الْحَيَا، فَيَنْبُتُونَ

فِيهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ إِلَى جَانِبِ السَّيْلِ، أَلَمْ تَرَوْهَا كَيْفَ تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً؟ (مس: ۱۰۳: ۱۰۳۱)

### تشریح

قوله : "أَوِ الْحَيَا" (مس: ۱۰۳: ۱۰۳۱) یعنی بارش<sup>(۱)</sup>۔

قوله : "صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً" (مس: ۱۰۳: ۱۰۳۱) اس کے معنی ہیں پیلا، بل کھایا ہوا، لپٹا ہوا۔  
۴۵۷۔ "حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَا: فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرٍ يُقَالُ لَهُ: الْحَيَاءُ، وَلَمْ يَشْكَا، وَفِي حَدِيثِ عَالِدٍ: كَمَا تَنْبُتُ الْغُثَاءُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ، وَفِي حَدِيثِ وَهَبٍ: كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي حِمِيَّةٍ - أَوْ حِمِيلَةِ السَّيْلِ."

### تشریح

قوله : "الغثاءة" (مس: ۱۰۳: ۱۰۳۱) یعنی کوڑا کرکٹ (شرح النووی ص ۱۰۳ ج ۱)

قوله : "فِي حِمِيَّةٍ" (مس: ۱۰۳: ۱۰۳۱) یعنی کچھڑ، گار<sup>(۲)</sup>۔

۴۵۸۔ حَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا، فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ، وَلَكِنْ نَاسٌ أَصَابَتْهُمْ النَّارُ بِذُنُوبِهِمْ أَوْ قَالَ بِعُظُمَاتِهِمْ فَأَمَاتَتْهُمْ إِمَاتَةً حَتَّى إِذَا كَانُوا فَحْمًا، أُذِنَ بِالشَّفَاعَةِ، فَجِيءَ بِهِمْ ضَبَائِرُ ضَبَائِرٍ، فَبُشُوا عَلَى أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ قِيلَ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، أَفِيضُوا عَلَيْهِمْ، فَيَنْبِتُونَ نَبَاتَ الْحَبَّةِ تَكُونُ فِي حِمِيلِ السَّيْلِ، فَقَالَ: رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ، كَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ بِالْبَادِيَةِ."

(مس: ۱۰۳: ۱۰۳۱ ج ۲)

### تشریح

قوله : "الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا،" (مس: ۱۰۳: ۱۰۳۱ ج ۲)

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۸۹۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۸۰ والمنجد ص ۲۳۶۔

یعنی وہ لوگ جو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہوں گے۔

قوله: "لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يُحْيَوْنَ" (ص: ۱۰۴ سطر: ۷)

اگرچہ وہ لوگ زندہ ہوں گے لیکن چونکہ یہ زندگی راحت والی نہ ہوگی، بلکہ انتہائی مصائب اور مسلسل عذاب میں ہوگی اس لئے اس کی نفی کی گئی۔

قوله: "فَحَمًّا" یعنی کوئلہ۔ (ص: ۱۰۴ سطر: ۸)

قوله: "ضَبَائِرُ" (ص: ۱۰۴ سطر: ۸)

اس میں ضاد پر فتح ہے یعنی یہ ضبائرہ کی جمع ہے۔ متفرق جماعتیں، اور "ضبائر" تکرار ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ ہوگا، متفرق جماعتیں، متفرق جماعتیں۔ وهو جمع ضبائرہ بفتح الضاد وكسرها، لغتان. (فتح الملهم)۔<sup>(۲)</sup>

۴۶۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ... (الى قوله)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَا أَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا... الحديث. (ص: ۱۰۵ سطر: ۹۴۶)

### تشریح

قوله: "حَبْوًا" (ص: ۱۰۵ سطر: ۹۴۶) اس کے معنی ہیں ہاتھوں اور ٹانگوں پر چلنا اور گھٹنوں کے بل چلنا، (فتح الملهم)۔<sup>(۳)</sup>

۴۶۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ... (الى قوله)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَا أَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنَ النَّارِ، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا، فَيَقَالُ لَهُ: انْطَلِقْ فَأَدْخِلِ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَذْهَبُ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ، فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا الْمَنَازِلَ، فَيَقَالُ لَهُ: أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ، فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيَقَالُ لَهُ: تَمَنَّ، فَيَتَمَنَّى، فَيَقَالُ لَهُ: تِلْكَ الَّذِي تَمَنَيْتَ وَعَشْرَةٌ

(۱) العرب لابن قتيبة ج ۱ ص ۳۹۵ والمائق ج ۲ ص ۳۲۷ والنهاية لابن الأثير ج ۳ ص ۷۱ ولسان العرب ج ۴ ص ۴۸۰ مادة من بدر

(۲) فتح الملهم ج ۲ ص ۴۸۰۔

(۳) فتح الملهم ج ۲ ص ۴۸۲ وشرح صحيح مسلم للنووي ج ۲ ص ۱۰۵۔

أَضْعَافِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُ بِي وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ. (ص ۱۰۵)  
(سطر: ۷ تا ۵)

### تشریح

قولہ : ”زحفا“ (ص: ۱۰۵ سطر ۶) یعنی گھٹ گھٹ کر چلنا۔ اور پیچھے والی روایت میں  
”حبوا“ ہے مطلب یہ ہے کہ کبھی وہ حبوا چلے گا یعنی گھٹنوں کے بل اور کبھی زحفا چلے گا یعنی گھٹ گھٹ  
کر۔ (فتح الملہم) (۱)

قولہ : ”حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ“ (ص: ۱۰۵ سطر ۶)

نواجذ وہ داڑھیں ہیں جو جڑے کے بالکل آخری کنارے پر ہوتی ہیں، یہاں اشکال ہوتا  
ہے کہ ہنستے وقت آدمی کے نواجذ صرف اس وقت ظاہر ہو سکتے ہیں جب وہ بہت زیادہ منہ کھول کر  
قہقہہ لگائے، جبکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح قہقہہ  
لگا کر ہنسنا ثابت نہیں، تو پھر یہاں بدت نواجذہ کا کیا مطلب ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہاں نواجذ سے مراد بظاہر ”ضواحک“ ہیں کیونکہ علم تجوید کے مقرر  
کردہ اسماء بطور اصطلاح بعد میں وجود میں آئے ہیں لہذا اصلاح تجوید کے نواجذ مراد نہیں، بلکہ مراد  
یہ ہے کہ آپ کی عام عادت شریفہ تبسم فرمانے کی تھی، ضحک کم فرماتے تھے، لیکن اس موقع پر  
ضحک فرمایا حتیٰ کہ ضواحک ظاہر ہو گئے۔ (۲)

۴۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ  
سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ قَالَ: آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ، فَهُوَ يَمْشِي مَرَّةً، وَيَكْبُو مَرَّةً، وَتَسْفَعُهُ  
النَّارُ مَرَّةً، فَإِذَا مَا جَاوَزَهَا التَفَتَ إِلَيْهَا، فَقَالَ: تَبَارَكَ الَّذِي نَجَّانِي مِنْكَ، لَقَدْ  
أَعْطَانِي اللَّهُ شَيْئًا مَا أَعْطَاهُ أَحَدًا مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، فَتَرَفَّعَ لَهُ شَجَرَةٌ،  
فَيَقُولُ: أَيُّ رَبِّ، أَدْنَى مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا سِتْظِلَ بِظِلِّهَا (الی قولہ) فَيَقُولُ:

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۸۲۔

(۲) علامہ مازنی نے المعلم ج ۱ ص ۲۳۹ میں یہی جواب دیا ہے، اور قاضی عیاض اکمال العلم ج ۱ ص ۵۶۹ میں یہ جواب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ حد۔

يَا ابْنَ آدَمَ، أَلَمْ تُعَاهِدْنِي أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهَا، قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ، هَذِهِ لَا أَسْأَلُكَ  
غَيْرَهَا، وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ (الی قولہ) فَيَقُولُ يَا ابْنَ آدَمَ مَا يَصْرِيئِي مِنْكَ؟... الحديث.  
(ص: ۱۰۵ سطر ۱۴۳۷)

### تشریح

قولہ: "وَيَكْبُو مَرَّةً، وَتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً،" (ص: ۱۰۵ سطر ۸)  
"یکبو" کے معنی ہیں، "وہ چہرے کے بل گرے گا"، اور تسفع کے فاء پر فتح اور سین  
ساکن ہے، اس کے معنی ہیں کہ آگ اُس کے چہرے کو مارے گی اور اسے سیاہ کر دے گی (نووی)<sup>(۱)</sup>۔  
قولہ: "أَيُّ رَبِّ" (ص: ۱۰۵ سطر ۹)

ای اس میں حمزہ پر فتح اور یا ساکن ہے یہ حرف دو معنی میں آتا ہے، ایک نداء قریب کے  
لئے، یہاں اسی معنی میں آیا ہے، اور دوسرے تفسیر کے لئے جیسے جائنی زید ای ابو عبد اللہ اور  
"ای" حمزہ کے کسرہ اور یا ساکن ہو تو یہ حرف اثبات ہے، جو "نعم" کے معنی میں ہے لیکن یہ ہمیشہ  
استفہام کے جواب میں قسم کے ساتھ آتا ہے، پس مثلاً هل قام زيد؟ کے جواب میں کہا جائے گا: "ای  
واللہ" یا "ای وربی" یا "ای لعمری" (شرح الکافی للجامی)<sup>(۲)</sup>۔

قولہ: "يَعْذِرُهُ" (ص: ۱۰۵ سطر ۱۳)

اس میں ہا پر فتح اور ضمہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں یعنی اس کو اللہ تعالیٰ معذور قرار دیں گے۔

قولہ: "هَذِهِ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا" (ص: ۱۰۵ سطر ۱۴)

ای یعنی میں صرف یہی مانگوں گا اس کے علاوہ کچھ اور نہ مانگوں گا۔

قولہ: "مَا يَصْرِيئِي مِنْكَ" (ص: ۱۰۵ سطر ۱۵) اس میں صاد پر ضمہ اور سکون دونوں طرح

پڑھ سکتے ہیں اور یہ صری سے مشتق ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں، مطلب یہ ہے تجھے کیا چیز راضی  
کرے گی تو سوال کرنا چھوڑے گا۔

۴۶۴۔ "حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ، (الی قولہ) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ،

يُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ عَلَى الْمَنِيرِ قَالَ سُفْيَانُ: رَفَعَهُ أَحَدُهُمَا، أَرَاهُ ابْنَ أَبَحَرَ قَالَ: سَأَلَ



مُوسَى رَبِّهِ، مَا أَذْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةٌ، (الی قولہ) وَقَدْ نَزَلَ النَّاسُ مَنَازِلَهُمْ،  
وَأَخَذُوا أَخَذَاتِهِمْ، (الی قولہ) قَالَ: هُوَ رَجُلٌ يَجِيءُ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ  
الْجَنَّةَ، فَيُقَالُ لَهُ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ، (الی قولہ) رَبِّ، فَأَعْلَاهُمْ مَنْزِلَةٌ؟ قَالَ: أَوْلَئِكَ  
الَّذِينَ أَرَدْتُ غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ بِيَدِي، وَخَتَمْتُ عَلَيْهَا، فَلَمْ تَرَ عَيْنٌ، وَلَمْ تَسْمَعْ  
أُذُنٌ، وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى قَلْبٍ بَشِيرٌ قَالَ: يَوْمِصْدَاقُهُ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: "فَلَا  
تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ" (الایۃ). (ص: ۱۰۶ اسطر: ۱۰۴۳)

### تشریح

قولہ: "أَخَذُوا أَخَذَاتِهِمْ" (ص: ۱۰۶ اسطر: ۸، ۷) اس میں اخذات ماخوذ کے معنی میں  
ہے، یعنی ان کو جو لینا تھا وہ لے لیا۔

قولہ: "فَأَعْلَاهُمْ مَنْزِلَةٌ" (ص: ۱۰۶ اسطر: ۹) یعنی جو اس اعلیٰ درجہ میں ہوں گے۔  
قائدہ:- جو شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا مختلف احادیث میں اس کے مختلف  
حالات بیان کئے گئے ہیں، ان مختلف احوال کی تطبیق میں علمائے کرام کے دو قول ہیں:-  
۱ ... ممکن ہے یہ ایک ہی شخص ہو اور اس کے یہ سارے مختلف حالات، مختلف اوقات میں ہوں، کسی  
حدیث میں ایک وقت کا حال بیان کیا گیا، دوسری احادیث میں دوسرے اوقات کا۔  
۲ ... ہو سکتا ہے کہ آخر میں داخل ہونے والے کئی لوگ ہوں، جو جہنم کے مختلف اطراف و جوانب سے  
نکل کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اس بناء پر ہر ایک کے احوال دوسرے سے مختلف ہوں،  
کسی حدیث میں ایک شخص کا حال بیان کیا گیا اور کسی میں دوسرے کا، لہذا کوئی تعارض نہیں۔  
قولہ: "أَوْلَئِكَ الَّذِينَ أَرَدْتُ" (ص: ۱۰۶ اسطر: ۹)

یعنی میں نے اختصار کیا اور منتخب کیا، یہاں "أَرَدْتُ" کی ضمیر مفعول "ہم" محذوف ہے،  
اور "غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ..." الخ سے پہلے واو عطف بھی محذوف ہے۔<sup>(۱)</sup>

۴۶۸۔ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ  
جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يُسْأَلُ عَنِ الْوُرُودِ، فَقَالَ: نَجِيءٌ نَحْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنْ كَذَا  
وَكَذَا، انْظُرْ أَيُّ ذَلِكَ فَوْقَ النَّاسِ؟ قَالَ: فَتَدْعِي الْأُمَمَ بِأَوْتَانِهَا، وَمَا كَانَتْ

تَعْبُدُ، الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ، ثُمَّ يَأْتِينَا رَبُّنَا بَعْدَ ذَلِكَ (الی قولہ) وَيَذْهَبُ حُرَاقُهُ، ثُمَّ  
يَسْأَلُ حَتَّى تُجْعَلَ لَهُ الدُّنْيَا وَعَشْرَةُ أَمْثَالِهَا مَعَهَا“ (مس: ۱۰۶: سطر: ۱۵ تا ۱۷: سطر: ۴)

قولہ: ”يُسْأَلُ عَنِ الْوُرُودِ“ (مس: ۱۰۶: سطر: ۱۶)

### تشریح

یعنی حضرت جابرؓ سے اس ورود کے متعلق سوال کیا جا رہا تھا جو پہلی صراط کے ذریعہ جہنم پر ہر  
انسان کا ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا  
مَقْضِيًّا“<sup>(۱)</sup>

قولہ: ”عَنْ كَذَا وَكَذَا“ (مس: ۱۰۶: سطر: ۱۶)

راوی کو یاد نہیں رہا کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرمایا تھا، اس لئے اسے  
کذا وکذا سے تعبیر کیا، دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ یوں تھے: ”يَحْشُرُ النَّاسَ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى ثَلِ وَامْتَى عَلَى ثَل“ یعنی محشر میں دوسری امتوں کے لوگ ایک ٹیلے پر ہوں گے،  
اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوگی۔

قولہ: ”انظر أى ذلك فوق الناس“ (مس: ۱۰۶: سطر: ۱۶)

یہ جملہ مشکل سمجھا جاتا ہے، اس کی آسان توجیہ یہ ہے کہ راوی کو مروی عنہ کے بیان کردہ  
اصل الفاظ یاد نہ رہے تو اس نے ”عن كذا و كذا“ لکھ دیا، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اور بھولے  
ہوئے الفاظ کا اتنا اجمالی مفہوم اُسے یاد تھا کہ وہ جگہ دوسری امتوں کے لوگوں سے بلند ہوگی، اس لئے  
تفسیر کے طور پر اُس نے آگے ”أى ذلك فوق الناس“ لکھ دیا، اور (شاید بین السطور) اس جگہ پر  
”انظر“ کا لفظ بھی لکھ دیا تھا تا کہ بعد میں اس جگہ اپنی دوسری تحریری یادداشتوں میں تلاش کر کے صحیح  
الفاظ لکھ سکے، یا اگر کوئی دوسرا شخص اس جگہ کو دیکھے تو تحقیق کر کے اصل الفاظ روایت نقل کر دے، لیکن  
ہوا یہ کہ بعد کے کسی کاتب نے ”انظر“ کے اس لفظ کو متن کا جز بنا دیا۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: ”ويذهب حرقه“ (مس: ۱۰۶: سطر: ۱۳)

حاء پر ضمہ اور داء پر فتح ہے یعنی جلنے کا اثر جیسے جلن وغیرہ اور حرقہ کی ضمیر اُس شخص کی  
طرف راجع ہے جو جہنم سے نکالا جائے گا، اور ”يسأل“ کی ضمیر بھی اسی کی طرف راجع ہے۔

(۱) مریم آیت ۷۷۔

(۲) شرح البوی ج ۱ ص ۱۰۶ سطر ۱۶۔

قوله : ”الا دارات وجوههم“ (ص: ۱۰۷: ۷)

یہ داریہ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں چہرے کے اطراف، یعنی اطراف سمیت پورا چہرہ۔  
آگ اس کو نہیں کھائے گی کیونکہ وہ موضع بخود ہے۔ (فتح الملہم بزیدۃ ایضاح)۔

۳۷۲۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، (الی قوله) حَدَّثَنِي يَزِيدُ الْفَقِيرُ، قَالَ : كُنْتُ قَدْ شَغَفَنِي رَأْيٌ مِنْ رَأْيِ الْخَوَارِجِ، فَخَرَجْنَا فِي عَصَابَةِ ذَوِي عَدَدٍ نُرِيدُ أَنْ نَحُجَّ، ثُمَّ نَخْرُجَ عَلَى النَّاسِ، قَالَ : فَمَرَرْنَا عَلَى الْمَدِينَةِ، فَإِذَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ، جَالِسٌ إِلَى سَارِيَةٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : فَإِذَا هُوَ قَدْ ذَكَرَ الْجَهَنَّمِيِّينَ، قَالَ : فَقُلْتُ لَهُ : يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ، مَا هَذَا الَّذِي تُحَدِّثُونَ؟ وَاللَّهُ يَقُولُ : ”إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أُخْرِجَتْهُ“ وَ ”كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا“، فَمَا هَذَا الَّذِي تَقُولُونَ؟ قَالَ : فَقَالَ : أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ : فَهَلْ سَمِعْتَ بِمَقَامِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ - يَعْنِي الَّذِي يَبْعَثُهُ اللَّهُ فِيهِ -؟ قُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ : فَإِنَّهُ مَقَامُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَحْمُودُ الَّذِي يُخْرِجُ اللَّهُ بِهِ مَنْ يُخْرِجُ، قَالَ : ثُمَّ نَعَتْ وَضَعَ الصِّرَاطَ، وَمَرَّ النَّاسُ عَلَيْهِ، قَالَ : وَأَخَافُ أَنْ لَا أَكُونَ أَحْفَظُ ذَلِكَ - قَالَ : غَيْرَ أَنَّهُ قَدْ زَعَمَ أَنَّ قَوْمًا يَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ أَنْ يَكُونُوا فِيهَا، قَالَ : يَعْنِي فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمْ عِيدَانُ السَّمَاوَاتِ، قَالَ : فَيَدْخُلُونَ نَهْرًا مِنْ أَنْهَارِ الْحَنَةِ، فَيَفْتَسِلُونَ فِيهِ، فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمْ الْقَرَّاطِيسُ، فَرَجَعْنَا... الحديث“ (ص: ۱۰۷: ۱۳۷)

### تشریح

قوله : ”ثم نخرج على الناس“ (ص: ۱۰۷: ۸)

یعنی حج کے بعد ہم منہ بپ خوارج کی تبلیغ و اظہار کے لئے نکلیں (نووی و فتح الملہم)۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ”الجهنميين“ (ص: ۱۰۷: ۹)

یعنی وہ گنہگار مومنین جو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

قوله : ”كانهم عيدان السماسم“ (ص: ۱۰۷: ۹)

یعنی وہ تل کے پودوں کی لکڑیوں کی طرح ہوں گے۔<sup>(۱)</sup> تل کی لکڑیوں میں، سوکھنے کے بعد دو صفات نمایاں ہوتی ہیں:-

- ۱۔ وہ کالی ہوتی ہیں۔
- ۲۔ پتلی ہوتی ہیں۔

مراد یہ ہے کہ جہنم سے نکلنے والوں کی حالت یہ ہوگی کہ وہ انتہائی کالے اور کمزور ہوں گے، لیکن جب بھر الجحیم میں داخل کیا جائے گا تو صحت مند اور گورے ہو کر نکلیں گے، کأنہم قرواطیس۔ یہ قرواطیس کی جمع ہے، جسکے معنی ہیں کانڈ۔

۴۷۳۔ حَدَّثَنَا هَذَابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، وَثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ أَرْبَعَةٌ فَيُعْرَضُونَ عَلَى اللَّهِ، فَيُلْتَفِتُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُولُ: أَيُّ رَبِّ، إِذْ أَخْرَجْتَنِي مِنْهَا فَلَا تُعَذِّبْنِي فِيهَا، فَيُنْجِيهِ اللَّهُ مِنْهَا." (مس: ۱۰۸: ۲: ۱)

### تشریح

قولہ: "يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ أَرْبَعَةٌ" (مس: ۱۰۸: ۱: ۱)

غالباً ان کی آہ و بکاء کی وجہ سے جہنم سے نکالا جائے گا، فَيُعْرَضُونَ عَلَى اللَّهِ تعالیٰ، اس کے بعد عبارت محذوف ہے، یعنی ثم يقال لهم: انطلقوا، فالتقوا أنفسكم حديث كنتم من النار. اس مضمون کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے جامع ترمذی میں سید ضعیف کے ساتھ اس طرح مروی ہے: "ان رجُلین ممن دخلا النار اشتد صياحُهما، فقال الرب تبارک وتعالیٰ: اخرجوهما، فلما اخرججا قال لهما: لأی شيء اشتد صياحكما؟ قالا: فعلنا ذلک لِترحمنا. قال: رحمتی لکما ان تنطلقا فتلقيا أنفسكما حیث کنتما من النار، فینطلقان، فیلقی أحدهما نفسه فیجعلنا بردًا وسلماً، ویقوم الآخر فلا یلقى نفسه، فیقول لهما الرب تبارک وتعالیٰ: مامنک ان تلقی نفسك کما ألقى صاحبک؟ فیقول: یا رب! انی لأرجو أن لا تعیدنی فیها بعد ما أخرجتنی، فیقول له الرب تبارک وتعالیٰ: "لک رجائک" فیدخلان الجنة جميعاً برحمة الله.<sup>(۳)</sup>

(۱) البهائم فی غریب الحدیث ج: ۲ ص: ۴۰۰، مادة: سمن ولسان العرب ج: ۱۴ ص: ۳۹۶۔

(۲) فتح المسهم ج: ۲ ص: ۳۹۸۔

(۳) جامع الترمذی، أبواب صفة جہنم، باب ما جاء أن النار نفسین وما ذکر من یخرج من النار من أهل لتوحید، ح: ۲ ص: ۸۴ وکنز العمال، باب رؤیة الله ج: ۱۴ ص: ۵۰۴، رقم الحدیث: ۳۹۳۲۱، و ص: ۶۶۶ رقم الحدیث: ۳۹۷۹۶۔

۴۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ فَضِيلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْظَرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَجْمَعُ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَهْتَمُونَ لِذَلِكَ وَقَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ: فَيُلْهِمُونَ لَذَلِكَ فَيَقُولُونَ: لَوْ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا، قَالَ: فَيَأْتُونَ آدَمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُولُونَ: أَنْتَ آدَمُ، أَبُو الْخَلْقِ، خَلَقْتَ اللَّهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ (الی قولہ) وَلَكِنْ اتُّوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَيَأْتُونِي فَاسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي، فَيُؤْذَنُ لِي، فَإِذَا أَنَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا، فَيَدْعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ، فَيَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، ارْفَعْ رَأْسَكَ، قُلْ تَسْمَعُ، سَلْ تُعْطَى، اشْفَعْ تُشْفَعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي، فَأُحَمَّدُ رَبِّي بِتَحْمِيدِ يُعَلِّمُنِي رَبِّي، ثُمَّ اشْفَعْ فَيُحَدِّثُ لِي حَدًّا، فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ، وَأُدْخِلُهُمُ الْحَنَّةَ، ثُمَّ أَعُوذُ... الحديث. (ص: ۱۰۸ سطر: ۴ تا ص: ۱۰۹ سطر: ۴)

### تشریح

قوله: "فیهتمون" (ص: ۱۰۸ سطر: ۳)

یعنی لوگ اس فکر میں پڑ جائیں گے کہ اس دن کی سختیوں اور مصیبتوں سے نجات ملے۔

قوله: "فیلہمون لذلک" (ص: ۱۰۸ سطر: ۳)

یعنی ان کو الہام کیا جائے گا اس بات کا جو آگے آرہی ہے کہ کسی کی شفاعت طلب کرنی

چاہئے۔

قوله: "خلقک اللہ بیدہ" (ص: ۱۰۸ سطر: ۳)

مراد یہ کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو عام اسباب یعنی ماں باپ کی ملاپ کے بغیر پیدا فرمایا۔

قوله: "فاذا انا رأیتہ" (ص: ۱۰۹ سطر: ۳)

یہاں اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً دیکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے اور حجابِ نوری کا دیکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔

قوله: "ثم اشفع فیحد لی حدًا" (ص: ۱۰۹ سطر: ۴)

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ تمام اُمتوں کے انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس

لئے حاضر ہوں گے کہ آپ کی شفاعت سے روزِ محشر کے ہولناک مناظر اور مصیبتوں سے نجات مل جائے، لیکن آگے تین روایتوں کے بعد حضرت انسؓ کی روایت میں آرہا ہے کہ: ”اُمّتی اُمّتی“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی اُمت کے لئے سفارش کریں گے اور دوسرا اشکال اسی روایت میں بھی ہے کہ آپ کی سفارش یہ ہوگی کہ ان کو جہنم سے نکال لیا جائے، حالانکہ شفاعتِ کبریٰ کا واقعہ روزِ محشر کا ہے، اُس وقت تک تو کوئی بھی جہنم میں نہیں گیا ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ یہاں راوی نے اختصار سے کام لیا ہے، چنانچہ شفاعتِ کبریٰ، حساب و کتاب اور پلِ صراط پر گزر، اور حوضِ کوثر اور جنت میں داخلے کے ذکر کو حذف کر دیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

۴۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيرُ، قَالَ: نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ح وَحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْجَسَمِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً، ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً، ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً.

زَادَ ابْنُ مِنْهَالٍ فِي رَوَاتِهِ: قَالَ: يَزِيدُ، فَلَقِيتُ شُعْبَةَ فَحَدَّثْتُهُ بِالْحَدِيثِ، فَقَالَ شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا بِهِ قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَدِيثِ، إِلَّا أَنَّ شُعْبَةَ جَعَلَ مَكَانَ الذَّرَّةِ ذَرَّةً، قَالَ يَزِيدُ: صَحَّفَ فِيهَا أَبُو بَسْطَامٍ.

(مس: ۱۰۹: ۱۳۶۹)

### تشریح

قولہ: ”صحف فیہا أبو بستم“ (مس: ۱۰۹: ۱۳۶۹)

ابو بستم، شعبہ کی کنیت ہے، شعبہ کی روایت میں ذرّۃ کی بجائے ذرّۃ، بضم الدال ہے، امام مسلمؒ نے اپنے مقدمہ کے شروع میں وعدہ فرمایا تھا کہ علیٰ احادیث کو بھی بیان فرمائیں گے، یہاں



بھی اُس وعدہ کے مطابق یہ علت بیان فرمائی ہے۔

۴۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، (الی قولہ) انْطَلَقْنَا إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَتَشَفَّعْنَا بِثَابِتٍ فَأَنْتَهَيْنَا إِلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي الضُّحَى، فَاِسْتَأْذَنَ لَنَا ثَابِتٌ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ وَأَجْلَسَ ثَابِتًا مَعَهُ عَلَى سَرِيرِهِ، فَقَالَ: لَهْ يَا أَبَا حَمْزَةَ، إِنَّ إِخْوَانَكَ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ <sup>(۱)</sup> يَسْأَلُونَكَ أَنْ تُحَدِّثَهُمْ حَدِيثَ الشَّفَاعَةِ، (الی قولہ) قَدْ حَدَّثَنَا بِهِ مِنْذُ عِشْرِينَ سَنَةً وَهُوَ يَوْمَئِذٍ جَمِيعٌ، وَلَقَدْ تَرَكَ شَيْئًا مَا أَذْرِي أَنَسِيَ الشَّيْخُ، أَوْ كَرِهَ أَنْ يُحَدِّثَكُمْ، فَتَكَلَّمُوا، قُلْنَا لَهُ: حَدِّثْنَا، فَضَحِكَ وَقَالَ: "خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ"، مَا ذَكَرْتُ لَكُمْ هَذَا إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْوَهُ، ثُمَّ أَرْجِعْ إِلَى رَبِّي فِي الرَّابِعَةِ، فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرْ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالَ لِي: يَا مُحَمَّدُ، ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمِعُ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشْفَعْ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ، أَتَدُنْ لِي فِيمَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ لَكَ أَوْ قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ إِلَيْكَ وَلَكِنْ وَعِزَّتِي وَكِبْرِيَايَ وَعَظَمَتِي وَجَبْرِيَايَ، لَا أُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ... الحديث. (ص: ۱۱۰ سطر: ۱۵۴۱)

### تشریح

قولہ: "وہو یومئذ جمیع" (ص: ۱۱۰ سطر: ۱۳) ای یعنی حافظہ اور قوت جمع ہوگی (فتح الملہم) <sup>(۲)</sup>

قولہ: "وجبریاٹی" (ص: ۱۱۰ سطر: ۱۵)

اس میں جیم پر کسرہ ہے یعنی میری بڑائی اور میری بادشاہت (فتح الملہم) <sup>(۳)</sup>

۴۷۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بِلَحْمٍ، فَرَفَعَ إِلَيْهِ الذَّرَاعُ، وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهَسَةً فَقَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ... الحديث.

قولہ: "فَنَهَسَ مِنْهَا نَهَسَةً" (ص: ۱۱۱ سطر: ۲)

(۱) مصری نسخے میں جو علامہ ذہبی کے حاشیہ کے ساتھ چھاپے "عن" کے بجائے "ان" ہے اور یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ رفیع

(۲) ج: ۲ ص: ۵۱۵۔

(۳) ج: ۲ ص: ۵۱۶۔



نہس سین سے ہو تو معنی ہوتے ہیں: ہڈی پر لگے ہوئے گوشت کو سامنے کے دانتوں سے نوچنا، اور اگر نہس بالشین ہو تو معنی ہوں گے: ہڈی پر لگے ہوئے گوشت کو داڑھوں سے کاٹنا روایت<sup>(۱)</sup> دونوں طرح آئی ہے، (نووی)۔<sup>(۲)</sup>

۴۸۰۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: وَضِعَتْ بَيْنَ يَدَي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ مِنْ تَرِيدٍ وَلَحْمٍ، فَتَنَاولَ الذَّرَاعَ وَكَانَتْ أَحَبَّ الشَّاءِ إِلَيْهِ، فَنَهَسَ نَهْسَةً، فَقَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ نَهَسَ أُخْرَى، فَقَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَلَمَّا رَأَى أَصْحَابَهُ لَا يَسْأَلُونَهُ قَالَ: أَلَا تَقُولُونَ كَيْفَهُ؟ قَالُوا: كَيْفَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَسَاقِ الْحَدِيثِ بِمَعْنَى حَدِيثِ أَبِي حَبَّانٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، وَزَادَ فِي قِصَّةِ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ: وَذَكَرَ قَوْلَهُ فِي الْكُوكَبِ: "هَذَا رَبِّي" وَقَوْلَهُ لِأَلِيهِتِهِمْ: "بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا"، وَقَوْلَهُ: "إِنِّي سَقِيمٌ"، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيحِ الْحَنَةِ إِلَى عِضَادَتِي الْبَابِ لَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرَ، أَوْ هَجَرَ وَمَكَّةَ.

(مس: ۱۱۱: سطر: ۲۱۲-۲۱۳ و ۱۱۲: سطر: ۱)

قال: لا أدري أي ذلك قال.

### تشریح

(مس: ۱۱۱: سطر: ۲۰)

قوله: "ألا تقولون كيفه؟"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر سوال ضروری یا مفید ہو اور طلبہ/ طالبات سوال نہ کریں تو

استاذ کو چاہئے کہ ان کو اس طرف متوجہ کرے۔

(مس: ۱۱۲: سطر: ۱)

قوله: "عضادتي الباب"

عضادتی، تثنیہ ہے عَضَادَةٌ کا، اسکے معنی ہی چوکھٹ کی طبی لکڑی۔

۴۸۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ بْنُ خَلِيفَةَ الْبَحْلِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

وَأَبُو مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱) النهاية في غريب الحديث ج ۵، ص ۴۵، مادة: نهس، لسان العرب ج ۶، ص ۲۴۳۔

(۲) ج ۱: ص ۱۱۱۔ نیز نہس کی روایت کے لئے ملاحظہ فرمائیے تصنیف ابن ابی شیبہ ج ۱: ص ۵۱ والأحاد والمثنائ ج ۵ ص ۳۶۱، رقم الحديث

يَجْمَعُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى النَّاسَ، فَيَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ حَتَّى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ،  
 فَيَأْتُونَ آدَمَ، (الی قولہ) إِلَى ابْنِي إِِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللَّهِ، قَالَ: فَيَقُولُ إِِبْرَاهِيمُ:  
 لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ، إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيلًا مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ، اعْبُدُوا إِلَى مُوسَى  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي كَلَّمَهُ اللَّهُ تَكْلِيمًا، (الی قولہ) فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَقُومُ فَيُؤَذِّنُ لَهُ، وَتُرْسَلُ الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ، فَتَقُومَانِ جَنَّتِي  
 الصِّرَاطِ يَمِينًا وَشِمَالًا، فَيَمُرُّ أَوْلَئِكَ كَالْبَرْقِ "قَالَ: قُلْتُ: يَا بِي أَنْتَ وَأُمِّي أَيُّ  
 شَيْءٍ كَمَرُ الْبَرْقِ؟ قَالَ: أَلَمْ تَرَوْا إِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِي طَرْفَةِ عَيْنٍ؟ ثُمَّ  
 كَمَرُ الرِّيحِ، ثُمَّ كَمَرُ الطَّيْرِ، وَشَدُّ الرَّجَالِ، تَجْرِي بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ... الخ."

### تشریح

قولہ: "تُزْلَفُ لَهُمُ الْجَنَّةُ"، (مس: ۱۱۳: ۳)

اسمیں تا پر فتح زاسا کن ہے اور میں پر فتح ہے ای تقرب یعنی قریب کی جائے گی جیسے اللہ  
 تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْلِفَتْ" (فتح المہم)۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: "الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ، فَتَقُومَانِ جَنَّتِي الصِّرَاطِ" (مس: ۱۱۳: ۶)

یہ بات تقریباً توازن سے ثابت ہے کہ بہت سی اشیاء جو دنیا میں معنوی اور غیر جسمانی ہیں،  
 آخرت میں ان کو جسمانی وجود مل جائے گا، جیسے امانت، رشتہ داری، اور انسانوں کے اعمال وغیرہ۔

### امانت کا مفہوم

ہمارے عرف میں امانت کا جو مفہوم معروف ہے، وہ بہت ہی محدود ہے، اور شریعت میں  
 امانت کا مفہوم بہت عام ہے، جسکی وجہ سے ہر شخص کے پاس، ہر وقت بہت سی امانتیں رہتی ہیں، مثلاً  
 انسان کو اچھے بُرے اعمال کی جو قدرت دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اگر شادی شدہ ہے تو  
 اہل و عیال اس کے پاس امانت ہیں، ان کے حقوق ادا نہ کرنا اور ان کے متعلق جو احکام اللہ اور اس  
 کے رسول نے دیئے ہیں ان پر عمل نہ کرنا خیانت ہے۔ مجالس کی باتیں امانت ہیں، عہدہ اور ذمہ داری  
 امانت ہے، کسی نے اپنا راز آپ کو بتایا ہے تو وہ امانت ہے، کسی نے مشورہ طلب کیا ہے تو مشورہ امانت  
 ہے، حکومت و سلطنت امانت ہے۔ جس کا حق یہ ہے کہ انسان ان تمام چیزوں کو شرعی حدود و قیود کے

ساتھ استعمال کرے ورنہ خائن کہلائے گا۔

قوله: "تَجْرِي بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ" (ص: ۱۱۳ سطر: ۷)

مذکورہ جملہ ایک بہت بڑے اشکال کا جواب ہے۔

اشکال یہ ہوتا ہے کہ پل صراط کی جو صفت احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ تلوار سے زیادہ

تیز، بال سے زیادہ باریک، پھر اس پر پھسلن بھی ہے، اور آنکڑے بھی ہیں،

اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ پل صراط سے کسی ایک انسان کو بھی گزرنا ممکن نہیں، حیکہ اربوں،

کھربوں لوگ بیک وقت اس پر سے گزریں گے، اور پھر چونکہ مختلف لوگوں کی رفتار بھی مختلف ہوگی تو

اس سے مزید یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آگے والا شخص ست رفتاری سے سفر کر رہا ہو اور اس کے پیچھے

تیز رفتار آدمی آ رہا ہو تو پیچھے آنے والے کے لئے آگے والے کو عبور کر کے آگے نکلتا بھ ہر محال ہوگا۔

اس کا آسان اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

قادر ہے، اور صاحب قدرت کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ اسکو سائنس کی بنیاد پر اس طرح بھی سمجھ سکتے

ہیں جیسا کہ زمین کی قدرتی کشش ہے کہ وہ اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے یا جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی

طرف کھینچتی ہے اسی طرح آخرت میں جنت اور جہنم میں خاص قسم کی اور تیز قسم کی کشش ہوگئی چنانچہ

جنت ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچے گی جو دنیا میں اعمالِ صالحہ کرتے تھے، اور جہنم ایسے لوگوں کو کھینچے گی جو

دنیا میں برے اعمال کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ جنت یا جہنم میں سے کسی کی طرف کھینچ کر جانا اعمال کی

بنیاد پر ہوگا، جیسا کہ حدیث باب کے مذکورہ بالا جملے سے ظاہر ہے۔

قوله: "انما كنت خليلاً من وراء وراء" (ص: ۱۱۳ سطر: ۴)

ان دونوں میں بغیر تنوین کے فتح ہے، اسکے معنی اس میں اس بلند درجہ کے لائق نہیں<sup>(۱)</sup>۔

وقوله: "اعمدوا الى موسى" (ص: ۱۱۳ سطر: ۴)

بکسر المیم، اُی اِقصدوا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وقوله: "شد الرحال" (ص: ۱۱۳ سطر: ۷)

بالجیم یعنی لوگوں کے تیز دوڑ کی طرح، اور ایک روایت میں یہ حاء کے ساتھ ہے، یعنی

اوتوں کے دوڑ کی طرح (نوی)۔<sup>(۱)</sup>

۴۸۴۔ ”حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ“ (مس: ۱۱۳: ۱۰۹)

قولہ: ”تبعاً“ (مس: ۱۱۳: ۱۰)

آئیں تا اور با دونوں پر فتح ہے یہ تابع کی جمع ہے، (فتح الملہم)۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: ”وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ“ (مس: ۱۱۳: ۱۰)

### ایک سوال اور جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمِيقَ الْدِّينِ اتَّقُوا رَبَّ هُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زَمَرًا“ داؤد حالیہ ہے، یعنی اہل جنت جنت میں اس حال میں پہنچیں گے کہ اس کے دروازے کھلے ہوں گے، اور مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو وہ بند ہوں گے، اور آپ دستک دیں گے تو دروازہ کھولا جائے گا۔

اس کا جواب درس مسلم میں یہ ہے کہ قرآن حکیم میں حضور کی اہمٹیوں کا حال بیان ہوا ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق خبر دی ہے۔ ان دونوں واقعات کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازہ پر دستک دے کر دروازہ کھولیں گے، پھر جب مؤمنین جنت میں داخل ہونے کے لئے آئیں گے تو دروازوں کو کھلا ہوا پائیں گے۔

۴۸۶۔ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوهَا، فَأَرِيدُ أَنْ أُحْتَبَى دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ (مس: ۱۱۳: ۱۵۴)

قولہ: ”لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ“ (مس: ۱۱۳: ۱۵)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر نبی کو یہ پیشکش کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی ایک دُعا مانگ

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی ج: ۱ ص: ۱۱۳۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۵۲۵۔

لیں جو کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے، اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی دیگر دعائیں بھی اکثر قبول ہوتی ہیں، لیکن ان کا قبول ہونا وعدہ کے طور پر نہیں بلکہ ازراہ فضل و کرم تھا۔

قوله : ”اُخْتَبِی“ (ص: ۱۱۲ سطر: ۱۵) یہ اختباء سے ہے جسکے معنی ہیں میں بچا کر رکھوں۔  
 ۴۹۳۔ حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمُسَمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا،  
 وَاللَّفْظُ لِأَبِي غَسَّانَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا مُعَاذُ يَعْنُونَ ابْنَ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي،  
 عَنْ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِكُلِّ  
 نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَاَهَا لِأُمَّتِهِ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.  
 (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۰ تا ۸)

### تشریح

قوله : ”حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمُسَمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ  
 حَدَّثَنَا، وَاللَّفْظُ لِأَبِي غَسَّانَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا مُعَاذُ يَعْنُونَ ابْنَ هِشَامٍ،“  
 (ص: ۱۱۳ سطر: ۸، ۹)

یہاں ”محمد بن المثنیٰ وابن بشار“ کے بعد لفظ ”حدَّثَنَا“ زائد اور بے فائدہ نہیں، بلکہ حضرت امام مسلمؒ اپنی احتیاط اور تقویٰ کی بناء پر حسبِ عادت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کو میں نے جب ابو غسان سے سنا تو میرے ساتھ کوئی اور نہیں تھا، اور جب محمد بن المثنیٰ اور ابن بشار سے سنا تو اس وقت سننے میں دوسرے بھی ساتھ تھے، چنانچہ پہلے فرمایا کہ: ”حدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ“ یعنی میں نے ان سے تنہا سنا، پھر دوسرا جملہ فرمایا کہ: ”وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا“ یعنی میں نے ان دو سے دوسروں کی معیت میں سنا، لیکن ”محمد بن المثنیٰ وابن بشار“ یہاں معطوف و معطوف علیہ مل کر مبتداء ہیں، اور ”حدَّثَنَا“ خبر ہے، اور ”محمد بن المثنیٰ“ کا عطف ”ابو غسان“ پر نہیں ہے، (نووی)۔<sup>(۱)</sup>

### باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لأُمَّتِهِ الْخ

۳۹۸۔ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنَفِيُّ، (الِی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ  
 عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَلَا قَوْلَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي

إِبْرَاهِيمَ : ”رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي“ الآية، وَقَالَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ : ”إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبْدُكَ وَإِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ ، وَبَكَى ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ اِلَى مُحَمَّدٍ ، وَرَبِّكَ اَعْلَمْ ، فَسَلَّهُ مَا يُبْكِيكَ؟ فَاتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ، فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ ، وَهُوَ اَعْلَمْ ، فَقَالَ اللّٰهُ : يَا جِبْرِيلُ ، اذْهَبْ اِلَى مُحَمَّدٍ ، فَقُلْ : اِنَّا سَنَرْضِيْكَ فِى اُمَّتِكَ ، وَلَا نَسُوْءُكَ.“

### تشریح

قوله : ”رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۵)

ہن کی ضمیر احفام کی طرف پڑھتے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ گمراہی کا سبب بنے۔

قوله : ”فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۶)

یعنی جس نے دین میں میری تابع داری کی وہ میرے تابعداروں میں ہے۔ یعنی قول کے معنی میں، یعنی حضرت عیسیٰ کا قول۔ (کذا فی فتح الملہم)<sup>(۱)</sup>

قوله : ”وَقَالَ عِيسَى“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۶)

اس سے ثابت ہوا کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ (فتح الملہم)<sup>(۲)</sup>

قوله : ”وَلَا نَسُوْءُكَ.“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۸) یہ ”سنو ضیک“ کی تاکید ہے، یعنی آپ

کی امت کے بارے میں ہم آپ کو غمگین نہیں کریں گے، (کذا فی فتح الملہم)<sup>(۳)</sup>

### باب بیان أن من مات على الكفر فهو في النار الخ

۴۹۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ

ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيْنَ أَبِي؟ قَالَ : فِي النَّارِ ، فَلَمَّا

قَفَى دَعَاهُ، فَقَالَ : إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱)

(۲۰۱) فتح الملہم ج: ۲ ص: ۵۳۲۔

(۳) فتح الملہم ج: ۲ ص: ۵۳۳۔



## تشریح

قولہ: ”فَلَمَّا قَفَى“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱) اُی وَلِی، یعنی پیٹھ پھیری اور جانے لگا۔

قولہ: ”إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱)

یہ آپ نے اس کی تسلی کے لئے فرمایا کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ ”الہلیہ اذا عمت خفت“۔  
یعنی جب مصیبت عام ہو جاتی ہے تو ہلکی ہو جاتی ہے۔

فائدہ:- اگرچہ مذکورہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا ”فِي النَّارِ“ ہونا مذکور ہے، لیکن علامہ ابن حجرؒ نے ”الزواجر“ میں ایک روایت نقل فرمائی ہے جو کو امام قرطبی اور علامہ ناصر الدینؒ حافظ الشام نے صحیح قرار دیا ہے،<sup>(۱)</sup> اُس میں ہے کہ آپ کے والدین کو زندہ کیا گیا اور انہوں نے آپ کی رسالت کا اقرار کیا پھر دوبارہ ان پر موت طاری کی گئی۔<sup>(۲)</sup>

اس حدیث سے بظاہر حدیث باب کا تعارض ہے، حالانکہ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: ”ان ابی وَاَبَاکَ فِی النَّارِ“ حضور کے والدین کو زندہ کرنے کا واقعہ سے پہلے کا ہے۔ لہذا کوئی تعارض نہیں۔

۵۰۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“، دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا، فَاجْتَمَعُوا فَعَمَّ وَخَصَّ، فَقَالَ: يَا بَنِي كَعْبٍ بْنَ لُؤَيٍّ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي هَاشِمٍ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ، أَنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنِّي لَكُمْ رَجِيمًا سَابِلُهَا بِبَلَالِهَا.“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۴۲۱)

## تشریح

قولہ: ”لَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۲)

(۱) فی الرواجر لمہتمی ج ۱ ص ۳۰۰: اَلَا تَرَى اَنَّ نَبِیَّنَا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَدْ اَکْرَمَہُ اللہُ بِحَیَاةِ اَبَوِّہِ لَہٗ حَتّٰی اَمَّا یَہُ کَمَا جَاءَ فِی حَدِیثِ صَحِیْحِہِ الْقُرْطُبِیِّ وَابْنِ بَاصِرِ الدِّیْنِ حَافِظِ الشَّامِ وَغَیْرِہُمَا کَمَا فَتَعَّھُمَا اللہُ بِالْاِیْمَانِ بَعْدَ الْمَوْتِ عَلٰی خِلَافِ الْقَاعِدَةِ اَکْرَامًا لِّیَبِہُ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۵۲۵۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی میں ڈرانے کا حکم نہیں تھا، بلکہ پڑھنے اور علم کے متعلق آیات نازل ہوئی تھیں، فترۃ الوحی کے بعد سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس میں اگرچہ ڈرانے کا حکم تھا، تاہم ڈرانے کی جگہ تعین کی نہ تھی، مذکورہ آیات میں ڈرانے کی جگہ کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ (پہلے) اپنے خاندان اور رشتہ داروں کو خیر خواہی کے ساتھ ڈرائیے۔

قوله : "فَعَمَّ وَخَصَّ"، (ص: ۱۱۳ سطر: ۳)

یعنی آپ نے خطاب عام بھی فرمایا اور خطاب خاص بھی، چنانچہ آپ کے اس خطاب میں خطاب کے الفاظ عموم سے خصوص کی طرف منتقل ہوتے رہے، شروع میں آپ نے یا ہیکعب بنی لوئی فرمایا، کعب بن لوئی آپ کے اجداد میں کئی پشتوں پہلے گزرے ہیں۔ پھر مرہ بن کعب سے عبدالمطلب تک خاندان کے اعتبار سے تخصیص در تخصیص فرمائی، اور آخر میں بطور خاص اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو خطاب فرمایا۔

قوله : "لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا"، (ص: ۱۱۳ سطر: ۴)

یہاں سوال ہوتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم روزِ محشر میں شفاعت کے مالک ہوں گے، تو پھر آپ نے یہ نفی مطلقاً کیسے فرمائی؟  
اس کے دو جواب ہیں:-

۱ ... مالک ہونے سے مراد مستقل طور پر مالک ہونا ہے، اور آپ شفاعت کے مستقلاً مالک نہ ہوں گے، بلکہ وہ بھی اللہ جل شانہ کی عطا ہوگی۔

۲ ... یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے، ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک آپ کو اس بات کا علم نہ دیا گیا ہو کہ آپ آخرت میں شفاعت فرمائیں گے۔

قوله : "غَيْرَ أَنْ لَكُمْ رَحِمًا سَابِلَهَا بِبَلَالِهَا"، (ص: ۱۱۳ سطر: ۵)

یعنی تمہاری میرے ساتھ رشتہ داری ہے، میں اس کو تر رکھوں گا، اُس کی تری یعنی نمی کے ذریعے اور یہ بل بہل ہلا و بلا لا کے معنی ہیں تر کرنا اور نمی پہنچانا۔

رحم اصل میں بچہ دانی کو کہتے ہیں، پھر رشتہ داری پر بھی رحم کا لفظ بولا جانے لگا۔ کیونکہ بچہ دانی کے اندر چکناہٹ اور نمی ہوتی ہے، اگر اسے صحیح غذا ملے تو تری برقرار رہتی ہے، اسی طرح اگر رشتہ

داروں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو ان کے ساتھ تعلقات بھی درست رہتے ہیں، اور یہاں مراد یہی ہے کہ میں دنیا میں قرابت داری کے حقوق ادا کروں گا۔

۵۰۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتْ "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصُّفَا، فَقَالَ: يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، يَا صَفِيَّةُ بِنْتُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، يَا بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ. (مس: ۱۱۳: ۵: ۶)

### تشریح

قولہ: "يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، يَا صَفِيَّةُ بِنْتُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ،" (مس: ۱۱۳: ۵: ۶)  
یہاں فاطمہ اور صفیہ کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور مضموم بھی لیکن نصب پڑھنا زیادہ فصیح اور مشہور ہے، اور بنت کا نصب ہی متعین ہے، مضموم پڑھنا جائز نہیں، (نووی) کیونکہ منادی جب علم ہوا اور اس کی صفت "ابن" یا "بنت" ہو جو کسی اور علم کی طرف مضاف ہو جیسا کہ یہاں ہے، تو منادی کا فتح رائج اور مختار ہوتا ہے، اگرچہ ضمہ بھی جائز ہے اور صفت کا نصب پڑھنا ہی مضاف ہونے کی وجہ سے متعین ہے۔<sup>(۲)</sup>

۵۰۳۔ حَدَّثَنِي حَرَمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَنْزَلَ عَلَيْهِ: "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللَّهِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ، لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ، سَلِينِي بِمَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا. (مس: ۱۱۳: ۷: ۸)

### تشریح

قولہ: "يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ،" (مس: ۱۱۳: ۷: ۸)

یہاں عباسؓ اور بنؓ کا بھی اعراب وہی ہے جو پچھلی حدیث میں ”فاطمہؓ“ اور صفیہؓ اور ”بنتؓ“ کا بیان ہوا، (نروى) اور وجہ بھی وہی ہے جو وہاں بیان ہوئی۔<sup>(۱)</sup>

۵۰۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْحَضْرِيُّ، (الی قولہ) عَنْ قَبِيصَةَ بِنِ الْمُخَارِقِ، وَزُهَيْرِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَا: لَمَّا نَزَلَتْ ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“، قَالَ: انْطَلَقَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَضْمَةٍ مِنْ جَبَلٍ، فَعَلَا أُغْلَاهَا حَجَرًا، ثُمَّ نَادَى يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافَةَ إِنِّي نَذِيرٌ، إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ، فَانْطَلَقَ يَرِيًّا أَهْلَهُ، فَخَشِيَ أَنْ يَسْبِقُوهُ، فَجَعَلَ يَهْتِفُ، يَا صَبَاحَا. (ص: ۱۱۳ سطر: ۳۵۱)

### تشریح

قولہ: ”رَضْمَةٍ مِنْ جَبَلٍ“

(ص: ۱۱۳ سطر: ۱۱)

اس کے معنی ہیں تہ تہ بڑی چٹانوں کا مجموعہ (فتح الملہم)۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: ”یَرِيًّا“

(ص: ۱۱۳ سطر: ۱۲)

یہ ”یفرأ“ کے وزن پر ہے، یعنی حفاظت کرتا ہے اور نگہبانی کرتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

قولہ: ”فَجَعَلَ يَهْتِفُ، يَا صَبَاحَا“

(ص: ۱۱۳ سطر: ۱۲)

یعنی میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا رہا ہوں، جس طرح وہ شخص اپنی قوم کو ڈراتا ہے جس نے کسی دشمن کو اپنی قوم کی طرف آتے دیکھا اور اس نے پہاڑ پر چڑھ کر ”یا صباحا“ کہہ کر قوم کو ڈرایا۔

۵۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ وَرَهْطُكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ، خَرَجَ رَسُولُ

(۱) ج ۱ ص ۱۱۳

(۲) درس مسلم جلد اول ص ۵۷۴۔

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۵۴۱ و لسان العرب ج ۵ ص ۲۳۔

(۴) لسان العرب ج ۵ ص ۲۳۵۔

اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم... الخ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۳، ۱۴)

قوله: "وَرَهْطُكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ" (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۳)

آیت کا یہ حصہ منسوخ التلاوة ہے، اب یہ قرآن کریم کا حصہ نہیں<sup>(۱)</sup>۔

باب شفاعۃ النبی ﷺ لأبی طالب... الخ (ص ۱۱۵)

۵۰۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، (الی قولہ) عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ نَفَعَتْ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضِبُ لَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، هُوَ فِي ضَحَضَاحٍ مِنْ نَارٍ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۳)

قوله: "كَانَ يَحُوطُكَ" (ص: ۱۱۵ سطر: ۳۲، ۳۳)

اس میں طاء پر ضمہ ہے اور یہ باب نھر سے ہے اسکے معنی ہیں حاکم کرنا۔ یعنی ابو طالب آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ (نووی وفتح الملہم<sup>(۲)</sup>)

قوله: "ضَحَضَاحٍ" (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۳)

ضحضاح وہ پانی جو زمین پر ہو اور صرف ٹخنوں تک پہنچا ہوا ہو۔<sup>(۳)</sup>

قوله: "لَكَانَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۳)

"الدرك" اس میں راء پر فتح اور سکون دونوں درست ہیں، اور "الدرك اسفل" کے معنی ہیں جہنم کا سب سے گہرا طبقہ، یاد رہے جہنم کے بہت سے طبقات ہیں، ہر طبقے کو "درک" کہا جاتا ہے۔<sup>(۴)</sup>

۵۱۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ، يَقُولُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَبَا طَالِبٍ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَنْصُرُكَ فَهَلْ نَفَعَهُ ذَلِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَحَدَّثَنِي فِي غَمَرَاتٍ مِنَ النَّارِ، فَأَخْرَجْتُهُ

(۱) تفسیر القرطبی ج ۱۳ ص ۱۴۲ تحت الآیہ: "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" وفتح الباری ج ۸ ص ۵۰۴۔

(۲) فتح الملہم ج ۲ ص ۵۴۴ وشرح النووی ج ۱ ص ۲۵۔

(۳) لسان العرب ج ۸ ص ۲۵۔

(۴) فتح الملہم ج ۲ ص ۵۴۵ ولسان العرب ج ۲ ص ۳۳۶۔

إِلَى ضَحْضَاحٍ. (ص: ۱۱۵ سطر: ۴، ۵)

### تشریح

قوله : ”وَجَدْتُهُ فِي غَمْرَاتٍ مِنَ النَّارِ، فَأَخْرَجْتُهُ“ (ص: ۱۱۵ سطر: ۵)

”غمرات“ جمع ہے ”غمرة“ کی اس کے معنی ہیں، ہر وہ شئی جو بہت زیادہ ہو۔ یعنی میں نے ابوطالب کو جہنم کی زبردست آگ میں پایا اور پھر اس سے نکلا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ لوگوں کا جہنم یا جنت میں جانا تو قیامت کے بعد ہوگا، فی الحال تو تمام مرنے والے برزخ میں ہیں؟

اس لئے بظاہر اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ان کا میرے ساتھ حسن سلوک نہ ہوتا اور میری ان کے لئے شفاعت نہ ہوتی تو میں نے انہیں زبردست آگ میں جانے کا مستحق پایا تھا، مگر اس کے اس عمل اور میری شفاعت سے، اس کے لئے آخرت میں صرف ٹخنوں تک آگ کا عذاب ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

۵۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ التَّحَدْرِيِّ، أَنَّ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنْ أَدْنَى أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَنْتَعِلُ يَنْتَعِلُ مِنْ

نَارٍ، يَغْلِي دِمَاغُهُ مِنْ حَرَارَةِ نَعْلَيْهِ. (ص: ۱۱۵ سطر: ۹، ۱۰)

### تشریح

قوله : ”يَنْتَعِلُ يَنْتَعِلُ مِنْ نَارٍ“ (ص: ۱۱۵ سطر: ۱۰)

اس کے حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں، اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو آگ ٹخنوں تک پہنچی ہوئی ہوگی اُسی کو دوزخ کے نعل کے تعبیر کیا گیا ہے۔

۵۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قوله) سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَخْطُبُ

وَهُوَ يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : إِنْ أَهْوَنَ أَهْلِ

النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ تَوَضَّعُ فِي أَحْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ، يَغْلِي مِنْهُمَا

دِمَاغُهُ. (ص: ۱۱۵ سطر: ۱۱، ۱۲)

### تشریح

قوله : ”فِي أَحْمَصِ قَدَمَيْهِ“ (ص: ۱۱۵ سطر: ۱۳)

(۱) حاشیہ السدی علی صحیح مسلم تحت هذه الحديث ج ۱ ص ۱۱۵۔

پاؤں کا وہ حصہ جو پاؤں کو زمین پر رکھنے کی حالت میں زمین سے اوپر رہتا ہے، اُسے اُخْمَصُ القدم کہتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

فائدہ:- ابوطالب کے عذاب کی کیفیت کے متعلق یہاں تین قسم کی روایات آئی ہیں:-

۱ ... پہلی روایت میں ضحضاح من النار کا ذکر ہے۔

۲ ... دوسری روایت میں نعل من النار کا بیان ہے۔

۳ ... تیسری روایت میں ہے کہ آگ کے دو انگارے اُس کے اُخْمَصُ القدمین میں رکھے جائیں گے۔

غور کیا جائے تو تینوں روایات کا حاصل ایک ہی ہے، اگرچہ تعبیرات مختلف ہیں کیونکہ دو انگارے جو اُخْمَصُ القدمین میں رکھے جائیں گے ممکن ہے کہ اس کے شعلے ٹخنوں تک پہنچ رہے ہوں جو دیکھنے میں آگ کے جوتوں کی طرح ہوں گے، لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔

### دو اشکال اور دو جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوطالب کے حسن عمل کے باعث ان کے عذاب میں تخفیف سے معلوم ہوا کہ کافر کا عمل آخرت میں بھی کچھ نہ کچھ نافع ہے، حالانکہ قرآن کریم میں ہے کہ: ”وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً“<sup>(۲)</sup>۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابوطالب کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نافع ہوئی کہ اس کے عذاب میں کمی ہوگئی، حالانکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ”فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ“<sup>(۳)</sup>۔

ان دونوں اشکالات کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے صرف حضرت ابوطالب کی خصوصیت ہے، دوسرے کفار کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیہ میں ایک اور جواب یہ دیا ہے کہ ابوطالب کا عذاب کم ہونا دو اسباب کے مجموعے سے ہوا، ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن عمل، اور

(۱) مسان العرب ج ۳ ص ۲۱۹۔

(۲) سورة النور آیت ۳۹۔

(۳) سورة المدثر آیت ۲۸۔

دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، اور مذکورہ بالا آیات میں نفع کی نفی اُس صورت میں ہے جب سبب ان دو میں سے صرف ایک سبب ہو، اور جب دونوں سبب جمع ہو جائیں تو کافر کو نفع کی نفی ان آیات سے ثابت نہیں ہوتی۔ لہذا اس حدیث اور مذکورہ بالا آیات میں کوئی تعارض نہیں۔ واللہ اعلم

## باب الدلیل علی أن من مات علی الکفر

لا ینفعہ عملہ (ص: ۱۱۵)

۵۱۷۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّجِمَ، وَيُطْعِمُ الْمِسْكِينَ، فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ؟ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ“ (ص: ۱۱۵ سطر: ۱۷۲)

### تشریح

قوله: ”ابْنُ جُدْعَانَ“ (ص: ۱۱۵ سطر: ۱۶) اس میں جیم پر ضمہ اور دال ساکن ہے، یہ قریش کے سرداروں میں سے تھا۔

قوله: ”لَا يَنْفَعُهُ“ (ص: ۱۱۵ سطر: ۱۶)

یعنی ان اعمال کا اُسے کوئی فائدہ آخرت میں نہیں ملے گا، کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا تھا، اس پر ابوطالب کے متعلق پچھلی حدیث سے جو اشکال ہوتا ہے اُس کا جواب وہیں آچکا ہے۔

## باب موالاة المؤمنین ومقاطعة غیرہم... الخ

۵۱۸۔ ”حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، (الی قوله) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ، يَقُولُ إِلَّا إِنْ آلَ أَبِي، يَعْنِي فَلَانًا، لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ، إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللَّهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ.“ (ص: ۱۱۵ سطر: ۱۷، ۱۸)

### تشریح

قوله: ”جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ“ (ص: ۱۱۵ سطر: ۱۸) یعنی علی الاعلان بغیر کسی رازداری کے۔



قوله : ”آلِ أَبِي، يَعْنِي فَلَانًا“ (ص: ۱۱۵: ۱۸)

بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ”ابی“ کے بعد نام بھی بیان فرمایا تھا جو مضاف الیہ تھا لیکن راوی نے حدیث کے بیان کے وقت اس کو حذف کر دیا۔ اور ذکر نہ کرنے کی وجہ قتنہ کا اندیشہ تھا۔

## باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین

### الجنة بغير حساب ولا عذاب

۵۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَلَامٍ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الْجُمَحِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ، ثُمَّ قَامَ آخَرُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ“ (ص: ۱۱۶: ۱۰)

### تشریح

قوله : ”مِنْ أُمَّتِي الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا“ (ص: ۱۱۶: ۲)

”مِنْ أُمَّتِي“ کی قید سے ستر ہزار کے عدد سے احتراز کے لئے ہے، دوسری امتوں کے لوگوں کی نفی کے لئے نہیں، چنانچہ پچھلے انبیائے کرام اور صدیقین، شہداء اور صالحین کے جنت میں بغیر حساب جانے کی نفی اس حدیث سے نہیں ہوتی، ہاں پچھلی کسی امت میں چاند کی طرح روشن چہرے والے جنت میں بغیر حساب کے داخل ہونے والوں کی تعداد اتنی نہیں ہوگی۔ (فتح الملہم)

قوله : ”سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ“ (ص: ۱۱۶: ۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے والے اس امت کے مسلمانوں کی تعداد صرف ستر ہزار ہوگی، اور اس کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ اس فضیلت میں تمام صحابہ بھی شریک نہ ہوں گے، اس لئے کہ انکی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے، شاید اسی لئے آپ نے دوسرے

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۴۰۳، فی مسند ابی بکر الصدیق رقم الحدیث: ۱۲۷۱ و ج ۱ ص ۳۲۷ رقم الحدیث: ۸۷۰۷ فی مسند ابی ہریرہ۔

(۲) مسند ابی یحییٰ ج ۱ ص ۱۰۴ و سندہ جید کما فی فتح الباری ج ۱ ص ۴۱۰۔

شخص کو یہ کہہ کر چپ کرادیا کہ ”سَبَقَكَ بِهَا عَكَاشَةُ“۔ لیکن مسند احمد<sup>(۱)</sup> اور مسند ابی یعلیٰ<sup>(۲)</sup> میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ جید کے ساتھ یہ اضافہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”فاستزدتُ ربی فزادنی مع کل ألف سبعین ألفاً“ یعنی میں نے اپنے پروردگار سے زیادہ کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار افراد کا اضافہ فرمادیا۔<sup>(۳)</sup>

اور ترمذی میں حضرت ابوامامہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: ”وعدنی ربی أن یدخل الجنة من أمتی سبعین ألفاً مع کل ألف سبعین ألفاً لا حساب علیہم ولا عذاب، وثلاث حثیات من حثیات ربی“ ترمذی نے اسے ”حسن“ قرار دیا ہے۔<sup>(۴)</sup> وفی صحیح ابن حبان والطبرانی بسندِ جید من حدیث عتبة بن عبد نحرہ، وفیہ: ”ثم یحیی ربی ثلاث حثیات بکلفیہ“۔<sup>(۵)</sup>

اب ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابی کے حق میں دعا کیوں نہ فرمائی؟ تو اس کے دو جواب ہیں:-

۱ ... ایک جواب ہے کہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا اضافے کی درخواست نہ کی ہوگی۔

۲ ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اُس وقت صرف عکاشہؓ ہی کے بارے میں دعا کی قبولیت کی اطلاع دی گئی ہوگی، دوسرے صاحب کے بارے میں نہیں (نووی)<sup>(۶)</sup>۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سابقین سے اسلام لانے والوں اور مہاجرین میں سے تھے اور بہت خوبصورت تھے غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور سخت جنگ کی چنانچہ حضور نے انھیں عرب کے سواروں میں سب سے بہتر لقب دیا اور بھی ان کے مناقب ہیں۔ (فتح الملہم)

۵۲۴۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (أَبَى قَوْلَهُ) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَسُولَ

(۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۵۵۳۔

(۲) ترمذی، باب ما جاء فی الشفاعۃ رقم الحدیث: ۳۳۷۷ وسنن ابن ماجہ، باب صفۃ لمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم رقم الحدیث: ۳۲۸۶۔

(۳) فتح الملہم ج ۲ ص ۵۵۳۔

(۴) شرح النووی ج ۱ ص ۱۱۶۔

اللّٰهُ صَنَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ  
قَالُوا: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا  
يَكْتُمُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔“ (ص: ۱۱۶ سطر: ۱۲۴۱۰)

### تشریح

قوله: ”يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي“ (ص: ۱۱۶ سطر: ۱۱)

”اُمّتی“ کی قید سے یہ مراد ہے کہ بغیر حساب کے جنت میں جانے والوں کی جو تعداد یہاں بیان کی گئی ہے، وہ صرف حضور کی اُمت کی ہوگی، اتنی بڑی تعداد کسی اور اُمت کی نہیں ہوگی۔ یہ مراد نہیں ہے کہ کسی اور اُمت کے لوگ مثلاً انبیائے کرام علیہم السلام اور جن کو اللہ تعالیٰ چاہے وہ بغیر حساب کے داخل نہیں ہوں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے نہ ہوں گے، (مکدا)

فہمت من فتح المہم ج: ص: ۵۵۱۔

قوله: ”هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتُمُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ  
يَتَوَكَّلُونَ“ (ص: ۱۱۳ سطر: ۱۱)

یعنی بلا حساب و عذاب جنت میں جانے والے وہ لوگ ہوں گے جو نہ تو کسی سے دم کراتے ہوں گے، نہ بدشگونی کرتے ہوں گے، نہ داغنے کے ذریعہ علاج کراتے ہوں گے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوں گے۔

رُقیۃ اس سے مراد جھاڑ پھونک اور دم درود ہے اور اس حدیث میں اسکی مطلقاً نفی مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت والا دم نہ کراتے ہوں گے، اور زمانہ جاہلیت کا دم وغیرہ وہ ہے جس میں غیر اللہ سے مدد لینا اور دیگر کفر یا شرک کلمات اور سے اسمیں شامل ہوتے تھے، مثلاً: رُقیۃ کو موثر بالذات سمجھنا، لیکن وہ رُقیۃ جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، مثلاً: قرآن کریم کی آیات پڑھ کر دم کرنا یا اللہ تعالیٰ سے دُعاء کے کلمات سے رُقیۃ کرنا نہ صرف جائز بلکہ احادیث صحیحہ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے، لہذا ای نفی رُقیۃ جاہلیت کی ہے نہ کہ رُقیۃ مباحہ کی۔

”لا يتطيرون“ یعنی وہ کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے جیسے زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے پرندے کو اڑاتے تھے، اگر وہ دائیں طرف اڑتا تو اس کام میں خیر سمجھتے تھے اور وہ کام کر لیتے تھے، اور اگر وہ بائیں طرف چلا جاتا تو اس کو برا سمجھتے تھے اور اس کام کو مضر سمجھ کر اس سے

رُک جاتے تھے۔ ہر حال ہر قسم کی بد شکونی ممنوع ہے۔

”اکتواء“ یہ لوہا آگ میں گرم کر کے جسم کو داغنے کا نام ہے جو ایک قسم کا علاج ہے اس کی دو قسمیں ہیں:-

۱ ... ایک وہ جسے محض علاج یعنی سبب کے درجہ میں اختیار کی جائے ایسا اکتواء جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے، چنانچہ آپ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا داغنے سے علاج فرمایا تھا<sup>(۱)</sup>۔

۲ ... اور دوسرا دغنا وہ ہے جو غلط عقائد پر مبنی تھا کہ زمانہ جاہلیت میں اس کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا، یا یوں سمجھا جاتا تھا کہ اگر داغنے سے شفاء نہ ہوئی تو پھر کسی اور چیز سے بھی شفاء نہیں ہو سکتی، اسی لئے اکتواء کو ”آخر العلاج“ کہا جاتا تھا، لہذا مذکورہ حدیث میں زمانہ جاہلیت کے اکتواء کی نفی کی گئی ہے۔

### ایک سوال اور جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ تشریح کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد جنت میں بلا حساب و کتاب داخل ہو، اس لئے کہ اکثر مسلمان یعنی ان تین باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک چوتھی شرط بھی مذکور ہے اور وہ ہے ”علیٰ ربہم یتوکلون“ یعنی وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں“ اور یہی شرط اصل علت ہے جنت میں بلا حساب جانے کی کہ زندگی کے تمام حالات اور مواقع میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جائے، نا جائز تدابیر اور اسباب سے بچا جائے، اور جائز اسباب کو اگرچہ اختیار کیا جائے مگر ان کو مؤثر نہ سمجھا جائے بلکہ مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے کو سمجھا جائے، اور اس درجہ کا توکل ہر مسلمان کو حاصل نہیں ہوتا، صرف اللہ تعالیٰ کے خاص خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔

۵۲۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عن أبي حازم، عن سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا، أَوْ

سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ لَا يَدْرِي أَبُو حَازِمٍ أَيُّهَا قَالَ - مُتَمَاسِكُونَ أَخِذْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا،  
لَا يَدْخُلُ أُولَهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ، وَجُوهُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةً  
الْبَدْرِ (ص ۱۶۰ سطر ۱۳، ۱۴)

### تشریح

قوله : ”لَا يَدْخُلُ أُولَهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ“ (ص ۱۶۰ سطر ۱۳)

یعنی سب ایک ساتھ صف کی شکل میں داخل ہوں گے، تو اس طرح اول و آخر سب یک  
وقت داخل ہو جائیں گے۔

۵۲۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قوله) حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ :  
كُنْتُ عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، فَقَالَ : أَيُّكُمْ رَأَى الْكَوْكَبَ الَّذِي انْقَضَ الْبَارِحَةَ ؟  
قُلْتُ : أَنَا، ثُمَّ قُلْتُ : أَمَا إِنِّي لَمْ أَكُنْ فِي صَلَاةٍ، وَلَكِنِّي لِدُعْتٍ، قَالَ : فَمَاذَا  
صَنَعْتَ ؟ قُلْتُ : اسْتَرْقَيْتُ، قَالَ : فَمَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ ؟ قُلْتُ : حَدِيثُ  
حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ فَقَالَ : وَمَا حَدَّثَكُمْ الشَّعْبِيُّ ؟ قُلْتُ : حَدَّثَنَا عَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ  
حُصَيْبٍ الْأَسْلَمِيِّ، أَنَّهُ قَالَ : لَا رُقِيَّةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ، أَوْ حِمَةٍ، فَقَالَ : قَدْ أَحْسَنَ مَنْ  
انْتَهَى إِلَى مَا سَمِعَ، وَلَكِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ : عُرِضَتْ عَلَى الْأُمَمِ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ الرَّهْطُ،  
وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ، وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، إِذْ رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ،  
فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمْنَى، فَقِيلَ لِي : هَذَا مُوسَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْمُهُ، وَلَكِنْ  
انْظُرْ إِلَى الْأَفُقِ، فَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَقِيلَ لِي : انْظُرْ إِلَى الْأَفُقِ الْآخِرِ، فَإِذَا  
سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَقِيلَ لِي : هَذِهِ أُمَّتُكَ وَمَعَهُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ  
حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ، ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ فَخَاضَ النَّاسُ فِي أَوْلِيكَ الَّذِينَ  
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ... الحديث. (ص ۱۶۷ سطر ۶۴)

### تشریح

(ص ۱۶۷ سطر ۱)

قوله : ”انْقَضَ الْبَارِحَةَ؟“

”انقض“ باب افعال سے ہے، جس کے معنی ہیں گر گیا۔ (شرح النووی<sup>(۱)</sup>) اور البارحة کے معنی ہیں گزشتہ رات، اگر زوال آفتاب سے پہلے گزشتہ رات کا ذکر کیا جائے تو ”الليلة“ کہا جاتا ہے، اور بعد اگر زوال کے بعد ذکر کیا جائے تو البارحة، کہا جاتا ہے لیکن اب یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہونے لگے ہیں۔

قوله : ”وَلَكِنِّي لِدَغْتُ“ (ص: ۱۱۷ سطر: ۳)

لیکن مجھے ڈنک مار دیا گیا، یعنی کسی زہریلے جانور پھو وغیرہ نے مجھے ڈنک مار دیا تھا، یہ جملہ اس لیے کہہیں کہ ان کارات کو جاگنا نماز تہجد کے لئے تھا، اور اس طرح ”لَمْ تَقُولُون (أَي تَدْعُونَ) مَا لَا تَفْعَلُونَ“ کے خلاف نہ ہو جائے۔

قوله : ”إِلَّا مِنْ عَيْنٍ، أَوْ حُمَةٍ“ (ص: ۱۱۷ سطر: ۳)

”عین“ بمعنی نظر بد، اور حمۃ ہرزہریلا جانور جیسے سانپ بچھو یا بچھو کا ڈنک۔

سوال :- اس جملہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رُقیہ صرف انہی دو چیزوں کے لئے جائز ہے، حالانکہ دیگر تکلیفوں اور بیماریوں کے لئے بھی رُقیہ کا جائز ہونا احادیث سے ثابت ہے۔  
جواب :- یہاں ”لا“ نفی کمال کے لئے ہے جس کے لئے نہیں مراد یہ ہے کہ کوئی رُقیہ اتنا نافع یا ضروری نہیں جتنا ان دو چیزوں میں نافع یا ضروری ہے۔

قوله : ”سَوَادٌ عَظِيمٌ“ (ص: ۱۱۷ سطر: ۳) اسکے معنی ہیں بڑی جماعت۔

قوله : ”فَخَاضَ النَّاسُ“ (ص: ۱۱۷ سطر: ۵)

یعنی لوگ آپس میں تبادلۂ خیال اور مباحثہ کرنے لگے (نووی<sup>(۳)</sup>)۔

### باب بیان کون هذه الأمة نصف أهل الجنة

۵۲۸۔ ”حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : قَالَ لَنَا رَسُولُ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَمَّا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبْعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ :

فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ : أَمَّا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ : فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ :

(۱) شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۱۷۔

(۲) مختار الصحاح مادة برح ج ۱ ص ۱۹ ولسان العرب ج ۲ ص ۴۱۲۔

(۳) شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۱۷۔

إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْحَنَّةِ، وَسَأُخِيرُكُمْ عَنْ ذَلِكَ، مَا الْمُسْلِمُونَ فِي الْكُفَّارِ إِلَّا كَشَعْرَةٍ بَيْضَاءَ فِي ثَوْرٍ أَسْوَدَ، أَوْ كَشَعْرَةٍ سَوْدَاءَ فِي ثَوْرٍ أَبْيَضَ.

### تشریح

قوله: "مَا الْمُسْلِمُونَ فِي الْكُفَّارِ الْخ" (ص: ۱۱۷ سطر: ۱۱)

بظاہر یہاں "المسلمون" سے مراد تمام امتوں کے مسلمان ہیں، اور "الکفار" سے بھی ہر زمانے کے کفار مراد ہیں۔

قوله: "أَوْ كَشَعْرَةٍ سَوْدَاءَ فِي ثَوْرٍ أَبْيَضَ." (ص: ۱۱۷ سطر: ۱۱)

ہر زمانہ میں (یعنی پچھلی امتوں میں بھی اور موجودہ امت میں بھی) کفار کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہی رہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مجموعی طور پر اہل جہنم کی تعداد اہل جنت سے بہت زیادہ ہوگی، پھر ان اہل جنت میں آدمی تعداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہوگی۔

۵۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ (الی قولہ) وَمَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشَّرِكِ إِلَّا

كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ... الحديث (ص: ۱۱۷ سطر: ۱۳۴)

### تشریح

قوله: "مَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشَّرِكِ... الْخ" (ص: ۱۱۷ سطر: ۱۳)

یہاں بھی "انتم" سے تمام امتوں کے مسلمان مراد ہیں، اور "اہل الشوک" سے ہر زمانے کے تمام مشرکین جیسا کہ پچھلی روایت میں بیان کیا گیا۔

۵۳۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْعَبْسِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا آدَمُ فَيَقُولُ:

لَبَيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، قَالَ يَقُولُ: أَخْرِجْ بَعَثَ النَّارِ قَالَ: وَمَا

بَعَثَ النَّارِ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعِمِائَةٍ وَتِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ قَالَ: فَبِذَاكَ حِينَ

يَشِيبُ الصَّغِيرُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمَلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ





کھربوں سے بھی بہت زیادہ ہونا بہت بعید ہے، کیونکہ دُنیا کی موجودہ کل مردم شماری پانچ ارب سے کچھ زیادہ بتائی جاتی ہے، جس میں ظاہر ہے کہ یا جوج ما جوج بھی شامل ہیں کیونکہ وہ بھی اسی دُنیا میں آباد ہیں۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ یہ کہ پیچھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات میں تمام کفار کے مقابلے میں ہر اُمت کے تمام مسلمان مراد ہیں، اور یہاں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف یا جوج ما جوج کے مقابلے میں صرف صحابہ کرام مراد ہیں، واللہ اعلم۔

قولہ : ”كَالْرُقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ“ (ص: ۱۱۸ سطر: ۴)

”الرُقْمَةُ“ سفید ٹکڑے کو کہتے ہیں جو گدھے کے دونوں بازو کے اندر کی جانب ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ گدھے کے پیروں میں گول دائرہ کو کہتے ہیں۔ (فتح الملہم)

وهذا آخر كتاب الايمان



## کتاب النکاح

اس کتاب میں حضرت امام مسلمؒ نے نکاح کے متعلق احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں جن سے نکاح کے فضائل، فوائد اور احکام و مسائل معلوم ہونگے اس کتاب کی احادیث مبارکہ کو پڑھنے سے پہلے نکاح کے متعلق چند ضروری باتیں سمجھنی چاہئیں۔ جن سے ان شاء اللہ تعالیٰ ان احادیث طیبہ کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہوگا مثلاً:

- ۱ ... نکاح کے لغوی اور اصطلاحی معنی
- ۲ ... نکاح کی اہمیت اور عظمت
- ۳ ... نکاح کے چند فوائد
- ۴ ... نکاح کا حکم اور اس کے درجات

### نکاح کے اصطلاحی معنی

النکاح الضم یعنی نکاح کے اصلی معنی ہیں ملانا۔ ویسے عام طور پر نکاح کا لفظ دو معنی کے لئے بولا جاتا ہے۔

- ۱ ... وطی اور جماع
- ۲ ... عقد و نکاح

نکاح میں یہ دونوں معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ نکاح میں جماع بھی ہوتا ہے اور نکاح میں ایجاب و قبول بھی ہوتا ہے اب ان میں سے کون سے حقیقی معنی ہیں اور کون سے مجازی؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ اس بارے میں دو قول ہیں:

- ۱ ... ایک قول یہ ہے کہ نکاح کے حقیقی معنی جماع کے ہوتے ہیں اور عقد کرنا مجازی معنی ہیں۔
- ۲ ... دوسرا قول اس کے برعکس ہے کہ نکاح کے حقیقی معنی عقد کرنے کے ہیں اور مجازی معنی وطی کرنے کے ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ نکاح ان دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ لغت کے امام علامہ ازہریؒ نے فرمایا کہ نکاح کے حقیقی معنی جماع کے ہیں اور عقد والے معنی مجازی ہیں حضرات احناف کا زیادہ رجحان اسی طرف ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) فتح المسیم ج ۶ ص ۳۱۹ و شرح البیہود ج ۱ ص ۳۸۰ و مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۸۶ و کتبھی لمعاد "تنصیح" ص ۱۳ ج ۱ و شرح الصبی ص ۲۱۹ ج ۱۔

## نکاح کے اصطلاحی معنی

اصطلاح میں نکاح اور اُس عقد اور معاہدہ کو کہتے ہیں جو نامحرم مرد اور نامحرم عورت کے درمیان ہوتا ہے جس سے ان دونوں کے درمیان میاں بیوی کا خاص تعلق قائم اور حلال ہو جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## نکاح کی عظمت اور اہمیت

تمام احکام میں دو حکم ایسے ہیں جو حضرت آدم سے لے کر جنت تک ہیں ایک ایمان دوسرے نکاح۔ چنانچہ ایمان لانے کا حکم حضرت آدم کی شریعت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تک ہے یہاں تک کہ ایمان جنت میں بھی ہوگا، کیونکہ کوئی کافر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جنت میں نہیں جاسکتا۔ اسی طرح نکاح بھی حضرت آدم کی شریعت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سمیت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں جائز اور مشروع ہے بلکہ نکاح جنت میں بھی ہوگا۔ چنانچہ جنتیوں کا حوروں کے ساتھ نکاح ہونا قرآن و حدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے اور احادیث طیبہ میں ایک جنتی مرد کے نکاح میں ستر ستر حوروں کا آنا مذکور ہے اور از روئے حدیث جنتی مرد کے نکاح میں دنیا کی عورتوں میں سے دو عورتوں کا ہونا ثابت ہے بہر حال تمام شریعتوں میں نکاح کی شرائط اور جزوی احکام اگرچہ مختلف رہے ہیں لیکن فی نفسہ نکاح کا حکم تمام شریعتوں میں موجود ہے۔ اور بغیر اس خاص معاہدہ کے یعنی نکاح کے مرد و عورت کا باہم جماع کرنا زنا اور حرام ہے اور سخت حرام ہے۔ جو کسی بھی شریعت اور مذہب میں جائز نہیں یہ بات نکاح کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

## نکاح کے چند فوائد

نکاح میں بے شمار فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:-

- ۱ ... نکاح کرنے سے انسان کی شہوت اعتدال میں آ جاتی ہے جس کی وجہ سے جنسی گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اور آدمی کے لئے عقیف اور پاکدامن بننا سہل ہو جاتا ہے اور عفت و پاکدامنی شریعت میں مطلوب ہے۔

(۱) معاد النبی ص ۸ ج ۶ اور فتح الملہم ج ۶ ص

(۲) مظاہر حق جدید ج ۲ ص ۲۲۷۔

۲ ... نکاح کے ذریعے نیک اولاد حاصل ہوتی ہے۔ جو دنیا کی زندگی میں انسان کی نیک نامی کا باعث اور زندگی کا سہارا ہوتی ہے۔ اور صدقہ جاریہ بن کر آخرت میں بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے۔ نکاح کے بغیر اس نعمت کا حصول ممکن نہیں۔

۳ ... نکاح کرنے سے ایک تیا گھر آباد ہوتا ہے جس کو ”شادی خانہ آبادی“ کہا جاتا ہے جو میاں بیوی کے لئے اطمینان و سکون کا باعث ہوتا ہے اور انسان کی خوشگوار زندگی کا بہترین ذریعہ ہے۔

۴ ... نکاح کے ذریعہ آدمی کا قبیلہ اور کنبہ وجود میں آتا ہے جو دنیا میں اُس کے لئے عزت و قوت کا باعث ہوتا ہے پھر اگر آدمی ان کے حقوق ادا کرے تو آخرت میں بھی نیکی کا باعث ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کا سبب ہے۔ جس کی احادیث میں ترغیب آئی ہے۔

۵ ... اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے ان کی پرورش کرنے، ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے سے آدمی کا نفس مجاہدہ کا عادی بنتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دنیاوی زندگی میں باسانی مزید عبادات و طاعات کا پابند ہو سکتا ہے۔ جس پر اجر و ثواب ہے۔<sup>(۱)</sup>

### نکاح کا حکم اور اس کے درجات

حنفی مذہب میں مجموعی طور سے نکاح کے پانچ درجات ہیں:

۱ ... فرض۔ ۲ ... واجب۔ ۳ ... سنت مؤکدہ۔

۴ ... مکروہ۔ ۵ ... حرام۔

۱ ... نکاح کرنا اس شخص پر فرض ہے جس میں شہوت کا اس قدر غلبہ ہو کہ گناہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو اور اس میں بیوی کا نان و نفقہ اور مہر ادا کرنے کی استطاعت ہو اور اس پر ظلم و ستم نہ کرنے کا یقین ہو۔

۲ ... نکاح کرنا اس شخص پر واجب ہے جس کو گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو اور بیوی کا نان و نفقہ اور مہر کی ادائیگی پر قادر ہو۔

۳ ... سنت مؤکدہ اس شخص کے لئے ہے جس کی شہوت اعتدال میں ہو یعنی گناہ سے بچ بھی سکتا ہو اور گناہ میں مبتلا بھی ہو سکتا ہو بیوی کا مہر اور نان و نفقہ اس میں ادا کرنے کی استطاعت ہو

اکثر احادیث جیسے ”النکاح من سنتی“ اور اربع من سنن المرسلین وغیرہ میں اسی مسنون درجے کا ذکر ہے۔

۴ ... نکاح کرنا مکروہ اس شخص کے لئے ہے جو نکاح کرنے کی استطاعت تو رکھتا ہے لیکن بیوی پر ظلم و ستم ڈھانے کا اندیشہ ہو اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے کا خطرہ ہو۔

۵ ... نکاح کرنا اس شخص پر حرام ہے جس کو نکاح کرنے کے بعد بیوی پر ظلم و ستم ڈھانے کا اور اس کے حقوق واجبہ ادا نہ کرنے کا یقین ہو کیونکہ ظلم و ستم حرام ہے اور جو اس کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہے اس لئے نکاح بھی حرام ہے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے حالات کا جائزہ لے اور جو صورت ہو اس کے مطابق عمل کرے۔<sup>(۱)</sup>

### نکاح افضل ہے یا عبادت

جن صورتوں میں نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے وہاں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی نکاح کرے اور نفلی عبادتیں کم کرے۔ دوسرا یہ کہ نکاح نہ کرے اور جتنا وقت نکاح کے حقوق ادا کرنے میں لگے وہ نفلی عبادات میں لگائے اس کا کیا حکم ہے؟ تو واضح ہو کہ دونوں طریقے جائز ہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک نکاح کرنا افضل ہے۔ شوافع کے نزدیک نکاح نہ کرنا افضل ہے اس باب کی اکثر احادیث حنفیہ کی تائید کرتی ہیں اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی پیروی بھی ہے۔<sup>(۲)</sup>

### نکاح کے چند مستحبات

کتاب النکاح میں آنے والی احادیث میں نکاح کے مستحبات بھی آرہے ہیں اس لئے اُن میں سے چند مستحبات یہاں لکھے جاتے ہیں تاکہ اُن کا سمجھنا اور عمل کرنا آسان ہو۔

۱ ... مستحب ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنا ہو ایک نظر اُس کو دیکھ لے تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو۔

۲ ... مستحب ہے کہ بیوی شوہر سے عمر میں کم ہو، شان و شوکت میں کم ہو اور مال داری میں بھی کم ہو تاکہ شوہر کو اپنا غلام اور تابع نہ بنائے۔

۳ ... مستحب ہے کہ عورت خوبصورتی میں شوہر سے زیادہ ہو اور سنجیدگی، حلم و ادب اور وقار و تحمل میں

(۱) فتح المہم ج ۶ ص ۳۲۱ و مرقا ج ۶ ص ۱۸۶

(۲) حوالہ بالا

شوہر بیوی سے زیادہ ہو۔

۴ ... اور مستحب ہے کہ بیوی کنواری ہو۔

۵ ... مستحب ہے کہ نکاح علانیہ ہو دونوں طرف کے اولیاء و بزرگ حضرات کسی مقام یا مسجد میں جمع ہوں اور جمعہ کے دن زیادہ مجمع میں نکاح ہو۔<sup>(۱)</sup>

### باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه اليه... الخ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ،... (الى قوله)... عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ : كُنْتُ أَمْشِي مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بِمَنْى، فَلَقِيَهُ عُثْمَانُ، فَقَامَ مَعَهُ يُحَدِّثُهُ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَلَا تُزَوِّجُكَ جَارِيَةً شَابَةً، لَعَلَّهَا تُذَكِّرُكَ بَعْضَ مَا مَضَى مِنْ زَمَانِكَ، قَالَ : فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ : لَئِنْ قُلْتَ ذَاكَ، لَقَدْ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغْضُ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ، (ص ۴۳۸، سطر: ۱۰ تا ۴۳۹ سطر: ۱)

### تشریح

قوله : عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، (ص ۴۳۸، سطر: ۱۱)  
یہ سند اصح الاسانید ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، (ص ۴۳۸، سطر: ۱۱)  
یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی کنیت ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله : أَلَا تُزَوِّجُكَ جَارِيَةً شَابَةً، (ص ۴۳۸، سطر: ۱۱، ۱۲)

حضرت عثمانؓ نے یہ اس لئے فرمایا ہوگا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی حالت بہت خراب و خستہ دیکھی تھی، اس پر انہوں نے نکاح ثانی کی ترغیب دی تاکہ آرام و راحت کا پچھلا زمانہ تازہ ہو جائے اور لوٹ آئے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) ماحدہ مظاہر حق جلد ۳ ص ۲۲۹

(۲) فتح المہم ج ۶ ص ۲۲۲

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) فتح المہم ج ۶ ص ۲۲۲۔



قوله : لَئِنْ قُلْتُ ذَاكَ، (ص ۴۳۸، سطر: ۱۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جس طرح آپ نے نکاح کرنے کی ترغیب دی اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترغیب دی ہے اور پھر یہ حدیث بیان فرمائی۔

قوله : يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، (ص ۴۳۹، سطر: ۱)

معشر ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس میں کوئی خاص وصف پایا جائے جیسے ”یا معشر النساء“ اے عورتوں کی جماعت اس میں عورت ہونیکا ایک خاص وصف پایا جاتا ہے ”یا معشر الرجال“ اے مردوں کی جماعت اس میں مرد ہونے کا ایک خاص وصف ہے ”یا معشر الجن“ اے جنوں کی جماعت اس میں جن ہونے کی ایک خاص صفت پائی جاتی ہے اسی طرح ”یا معشر الشيوخ“ اے مشائخ کی جماعت اس میں مشیخت کا ایک خاص وصف ہے، اسی طرح یا معشر الشباب اے جوانوں کی جماعت اس میں جوان ہونا ایک خاص وصف ہے، بہر حال معشر ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس میں کوئی خاص وصف پایا جائے۔<sup>(۱)</sup>

الشباب یہ شاب کی جمع ہے اس کی جمع شبان اور شبیہ بھی آتی ہے اور شب شبابا باب ضرب سے آتا ہے جس کے معنی ہیں جوان ہونا اور شاب کے معنی جوان کے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

### جوانی کی آخری حد

جوانی کی ابتداء بالغ ہونے سے شروع ہوتی ہے ختم کب ہوتی ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام<sup>(۳)</sup> نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی آخری حد ۳۰ سال ہے پھر بڑھا پا شروع ہوتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی آخری حد ۴۰ سال ہے۔<sup>(۴)</sup>

قوله : أَلْبَاءُ، (ص ۴۳۹، سطر: ۱)

الباءة کو چار لغات پر پڑھا جاتا ہے:

(۱) مرقہ ج ۶ ص ۱۸۶۔

(۲) فتح المعجم ج ۶ ص ۳۲۳، و مرقہ ج ۶ ص ۱۸۶۔

(۳) - ج ۱ ص ۱۴۹۔

(۴) - ج ۱ ص ۱۴۹۔

۱ ... باء ؤ یعنی باء کے بعد الف ہے اس میں مد ہے اور پھر گول ؤ ہے۔ یہی اس کی فصیح اور مشہور و معروف لغت ہے۔

۲ ... باء اس میں مد تو ہے لیکن آخر میں گول تاء نہیں ہے یعنی باء۔

۳ ... باء اس میں مد نہیں لیکن آخر میں ہ ہے اسی سے ایک لفظ قوت باہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں مردانہ طاقت۔

۴ ... باہتہ اس کو بغیر مد کے اور آخر میں ایک ہاء اور ایک تاء ہے۔<sup>(۱)</sup>

الْبَاءُ ؤ کے دو معنی آتے ہیں۔ ۱ ... نکاح ۲ ... جماع

اس کے حقیقی معنی جماع کے آتے ہیں اور یہ نکاح کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور

یہاں حدیث شریف میں اس لفظ سے پہلے مضاف محذوف ہے وہ ہے مَوْنَةُ الْبَاءَةِ اِی الْمَهْرُ وَالنَّفَقَةُ اس کے معنی ہیں تم میں سے جس میں نکاح کرنے کی قدرت ہو یعنی بیوی کا مہر ادا کرنے اور اس کا نان و نفقہ برداشت کرنیکی استطاعت ہو تو وہ نکاح کرے۔<sup>(۲)</sup>

### نکاح کے دو بڑے فائدے

حضور ﷺ نے اس حدیث میں نکاح کرنے کے دو بڑے فائدے ذکر فرمائے ہیں:

قوله: أَخْضُ لِلْبَصْرِ (ص ۳۳۹، سطر: ۱)

اس کے معنی ہیں اخفض اور ادفع، یہ اسم تفصیل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں زیادہ پست

کرنے والا ہے نظر کو۔ یہ باب نصر سے آتا ہے غَضُ يَغْضُ غَضًا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:-

”قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُوا مِنْ أَيْصَارِهِمْ“<sup>(۳)</sup>

”مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں“

یعنی نکاح کرنا نگاہ کو نیچے کرنے اور چھپانے کا بڑا ذریعہ ہے یعنی اس سے بد نظری کے گناہ

سے آدمی بآسانی بچ سکتا ہے۔

قوله: أَخْصَنُ لِلْفَرْجِ (ص ۳۳۹، سطر: ۱)

(۱) مرقہ المصابیح ص ۱۸۶ ج ۶

(۲) مرقہ المصابیح ج ۶ ص ۱۸۶۔

(۳) سورۃ نور آیت نمبر ۲۹۔

یہ احفظ کے معنی میں ہے۔ اور باب افعال سے ہے۔ اس کے معنی ہیں پاکدامن ہونا اسی سے محصن ہے۔ جو پاک دامن مرد کو کہتے ہیں۔ اور پاک دامن عورتوں کو محصنات کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نکاح کرنے میں دو بڑے بڑے فائدے ہیں ایک تو نکاح کرنے کی وجہ سے آدمی اپنی نگاہ کو غلط جگہ ڈالنے سے بآسانی بچا سکتا ہے دوسرے بدکاری سے بھی بچ سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نکاح کرنے سے شہوت اعتدال میں آ جاتی ہے اور اگر اس کا تقاضا بھی ہو تو اس کو پورا کرنے کا حلال ذریعہ موجود ہوتا ہے اس لئے اپنے آپ کو عقیف اور پاکدامن بنانا آسان ہے اس لئے نکاح کرنا چاہئے لیکن جس میں نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو یعنی جس میں بیوی کے مہر اور نان و نفقہ ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ روزے رکھے۔ کیونکہ یہ اس کے لئے شہوت توڑنے کا ذریعہ ہے۔

قوله : وَجَاءَ، (ص ۴۴۹، مطر: ۱)

اس کے اصلی معنی آتے ہیں خصیتین کو پکھلنا کیونکہ خصیتین شہوت کا مرکز ہیں خصیتین سے شہوت ابھرتی ہے جب ان کو پکھل دیا جائے تو شہوت ختم ہو جاتی ہے (۱) جیسے بکرے کو جب خسی کر دیا جائے تو اس کی شہوت ختم ہو جاتی ہے اور روزے رکھنے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے یعنی روزے رکھنے سے آدمی نامرد تو نہیں ہوتا اور نہ ہی خصیتین ختم ہوتے ہیں لیکن آدمی کی شہوت قابو میں آ جاتی ہے۔ اور یہی مقصود ہے۔ اس لئے حدیث پاک میں ایسے شخص کے لئے کثرت سے روزے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

قوله : فَعَلَيْهِ بِالْصَوْمِ، (ص ۴۴۹، مطر: ۱)

اس میں علی لزوم کے لئے ہے۔ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایک دو روزے رکھنا کافی نہیں۔ شہوت کو اعتدال میں لانے کے لئے مسلسل روزہ رکھنا ضروری ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل روزے رکھے گا تو اس کی شہوت میں اعتدال آ جائے گا۔ اور آپ کا یہ ارشاد استحباب کے درجہ میں ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر غیر شادی شدہ جوان کے لئے روزہ رکھنا واجب ہے۔ لہذا اگر وہ بغیر روزے رکھے اپنی شہوت کو قابو میں کر لے یا مختلف غذائیں یا دوائیں استعمال کر کے اس کو اعتدال میں رکھے تو یہ بھی جائز ہے۔ روزہ رکھنا ہی ضروری نہیں کیونکہ مقصود اصلی اپنے آپ کو جنسی گناہوں سے بچانا ہے۔ اور جس

طرح بھی ہو عقیف اور پاکدامن رہتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

۹۰۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قولہ) ... عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَعَمِّي عَلْقَمَةُ، وَالْأَسْوَدُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: وَأَنَا شَابٌّ يَوْمَئِذٍ، فَذَكَرَ حَدِيثًا رَأَيْتُ أَنَّهُ حَدَّثَ بِهِ مِنْ أَجْلِي، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَثَلِ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ، وَزَادَ قَالَ: فَلَمْ أَلْبَثُ حَتَّى تَزَوَّجْتُ، (ص ۴۴۹، سطر ۶، ۷ و ۸)

### تشریح

قولہ: رَأَيْتُ أَنَّهُ حَدَّثَ (ص ۴۴۹، سطر ۷)

اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض نسخوں میں راایت ہے دونوں طرح درست ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں میرا گمان ہے۔ دوسری صورت میں اسکے معنی ہیں مجھے علم ہے۔ یعنی یقین ہے کہ انہوں نے یہ حدیث میری خاطر سنائی تاکہ میں نکاح کر لوں چنانچہ میں نے نکاح کر لیا۔ جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں صراحت ہے۔<sup>(۲)</sup>

۹۰۹۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَمَلِهِ فِي السَّرِّ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا أَكُلُ اللَّحْمَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا أَنَامُ عَلَى فِرَاشٍ، فَحَمِدَ اللَّهُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ. فَقَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا كَذَا وَكَذَا؟ لَكِنِّي أَصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (ص ۴۴۹، سطر ۹ و ۱۰)

### تشریح

(ص ۴۴۹، سطر ۹)

قولہ: نَفَرًا

یہ لفظ تین سے نو تک افراد کے لئے بولا جاتا ہے جیسے ”رہط“ تین سے دس افراد پر بولا جاتا ہے۔ اس حدیث میں تین حضرات سے حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ مراد ہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مآخذ فتح المہم ج ۶ ص ۲۲۵۔

(۲) فتح المہم ج ۶ ص ۲۲۸۔ شرح النووی ج ۱ ص ۲۲۹۔

(۳) فتح المہم ج ۶ ص ۲۲۸۔

قوله : عَنْ عَمَلِهِ فِي السُّرِّ؟ (ص ۴۴۹، بطر: ۱۰)

اس میں سُر سے گھر کی عبادت مراد ہے۔ یعنی مذکورہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات اور گھر کی عبادات جاننا چاہتے تھے تاکہ گھر اور گھر سے باہر کی عبادت جو انہیں پہلے سے معلوم تھی اُس کے مطابق عمل کر سکیں۔ گھر کی عبادت اور گھر کے معمولات معلوم کرنے کے بعد اُن میں سے ایک صحابی نے فرمایا کہ میں آئندہ عورتوں سے نکاح نہ کروں گا کیونکہ نکاح کی وجہ سے عبادت میں خلل آتا ہے دوسرے نے فرمایا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا یعنی لذت والی چیزوں سے پرہیز کروں گا۔ تیسرے نے فرمایا کہ میں نرم بستر پر نہ سوؤں گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا۔ ان لوگوں کو کیا ہوا جنہوں نے ایسا ایسا کرنے کو کہا ہے دیکھو! میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں لہذا جو شخص میرے طریقے اور میری سنت سے اعراض کرے گا یعنی میرے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔

خلاصہ یہ کہ عبادت کے لئے خود کو فارغ کرنے سے نکاح کرنا افضل ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قولہ)... عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ، وَلَوْ أُذِنَ لَهُ لَا اخْتَصَيْنَا. (ص ۴۴۹، بطر: ۱۱ تا ۱۳)

## تشریح

### حدیث شریف کا مطلب

حضرت عثمان بن مظعون بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح نہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ کہ آپ مجھے نکاح نہ کرنیکی اجازت دے دیں تاکہ جو وقت بچے خالص یادِ الہی میں صرف کروں، آپ نے ان کو ترکِ نکاح کی اجازت نہیں دی، تو حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں۔ اگر آپ اُن کو نکاح نہ کرنیکی اجازت دے دیتے تو ہم بھی خسی ہو جاتے تاکہ زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکیں۔

### مرد کا خسی ہونا حرام ہے

حضرت سعد بن وقاصؓ نے جو فرمایا کہ ہم بھی خسی ہو جاتے یہ انہوں نے بطورِ مبالغہ کے فرمایا

ہے۔ ورنہ اُن کا مقصد اصلی خسی ہونا نہیں تھا، کیونکہ خسی ہونا حرام ہے۔ جو تغیر خلق اللہ میں داخل ہے اور تغیر خلق اللہ حرام ہے اسی لئے کسی مرد کا خسی ہونا ناجائز اور حرام ہے۔

### جانور کو خسی کرنا جائز ہے

حیوانات کو بضرورت خسی کرنا جائز ہے۔ جیسے بکرا، بیل، بھیڑ، دنبہ اور اونٹ وغیرہ اس سے ان کا گوشت اچھا ہو جاتا ہے اور یہ اُن میں خوبی ہے نہ کہ عیب لہذا بوقت ضرورت جانوروں کو خسی کرنا جائز ہے لیکن انسانوں کو خسی کرنا ناجائز اور حرام ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : التَّبْتُ، (ص ۳۳۹، سطر ۱۳)

یہ باب تفاعل سے ہے۔ اور مجرد میں یہ باب ضرب سے آتا ہے چنانچہ بتل بتل بتلا کے اصلی معنی ہیں ”عورتوں سے الگ ہونا“ اور ان سے نکاح نہ کرنا۔<sup>(۲)</sup>  
قرآن کریم میں ہے:

”وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبْتَئِلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا“<sup>(۳)</sup>

ترجمہ

”اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کر دو اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو رہو۔“

### رہبانیت خلاف فطرت ہے

بہر حال اس لفظ تَبْتَئِلْ سے ترک نکاح مراد ہے اور ترک نکاح عیسائیوں کے ہاں رہبانیت کا حصہ ہے جو ان کے یہاں اعلیٰ درجے کا عمل سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ ان کے یہاں تقویٰ ہے، کیونکہ ان کا مذہب یہ تھا کہ جو آدمی دنیا کی لذتوں اور عورتوں سے نفع اٹھانا ترک کر دے اور عبادت میں لگ جائے تو یہ بڑا اونچا عمل ہے لیکن حقیقت میں یہ طریقہ درست نہیں کیونکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقے کے اور فطرت کے خلاف ہے۔ لہذا رہبانیت خلاف فطرت ہے۔ اور دین اسلام فطرت کے مطابق ہے چنانچہ نکاح کرنا فطرت میں داخل ہے۔ اور انبیاء کرام کی سنت ہے۔ لہذا افضل یہ ہے کہ آدمی نکاح کرے۔ چاہے فرض و واجب نہ ہو اور بیوی بچوں کے ساتھ رہے اور پھر عبادت بھی کرے یہ فطرت

(۱) صحیح مسلم ص ۳۳۱، ج ۶ و مرقاۃ ج ۶ ص ۱۸۷۔

(۲) مرقاۃ ج ۶، ص ۱۸۷ و شرح النووی ج ۱ ص ۴۴۹۔

(۳) سورۃ مرمل ۸۔

کے مطابق ہے۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

باب ندب من رای امرأة فوقع فی نفسه الخ (ص ۴۴۹)

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، ... (الی قوله) ... عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى امْرَأَةً، فَأَتَى امْرَأَتَهُ زَيْنَبَ، وَهِيَ تَمْعَسُ مَنِيَّةً لَهَا، فَقَضَى حَاجَتَهُ، ثُمَّ حَرَجَ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، وَتُذْبِرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، فَإِذَا أَبْصَرَ أَحَدُكُمْ امْرَأَةً فَلْيَاكِتِ أَهْلَهُ، فَإِنَّ ذَلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ. (ص ۴۴۹، سطر: ۱۸۵۱۶)

### تشریح

قوله: تَمْعَسُ مَنِيَّةً لَهَا، (ص ۴۴۹، سطر: ۱۷)

المعس کے معنی ملنے کے ہیں اور المنيئة میں میم پر فتح اور نون پر کسرہ ہے اسکے بعد حمزہ مدودہ ہے اور یہ کبیرہ کے وزن پر ہے ”اس چمڑے کو کہتے ہیں جسے رنگنے کے لئے برتن میں ڈال دیا جائے۔“ (۱) یعنی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت چمڑہ رنگ رہی تھیں۔

قوله: تَذْبِرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ، (ص ۴۴۹، سطر: ۱۷)

اس حدیث میں عورت کے آنے جانے کی شیطان کی طرف نسبت کی گئی ہے کیونکہ عورت کے گھر سے نکلنے کی صورت میں شیطان مردوں کے دلوں میں گناہ اور برائی کے دوسے ڈالتا ہے۔ اور گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے امام نوویؒ نے فرمایا کہ خواتین بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں اور لباسِ فاخرہ استعمال نہ کریں اور مرد حضرات قصد ان کی طرف نہ دیکھیں تاکہ شیطان کا ان کو گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ (۲)

قوله: فَلْيَاكِتِ أَهْلَهُ، (ص ۴۴۹، سطر: ۱۸)

ای لیجامع حلیلتہ یعنی تاکہ وہ اپنی بیوی سے جماع کرے۔

قوله: فَإِنَّ ذَلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ (ص ۴۴۹، سطر: ۱۸)

یعنی شیطان نے کسی نامحرم عورت کو دیکھنے اور اس کو پسند کرنے کی صورت میں دل میں گناہ کا



جو دوسرے ڈالا تھا، اپنی بیوی کے پاس جانے اور حلال طریقہ اختیار کرنے سے وہ جاتا رہے گا۔<sup>(۱)</sup>

باب نکاح المتعة و بیان انه ابیح ثم نسخ... الخ (ص ۴۵۰)  
 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَعْمَانَ الْهَمْدَانِيُّ،... (الی قولہ)... عَنْ قَيْسٍ، قَالَ:  
 سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ، يَقُولُ كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ لَنَا  
 نِسَاءٌ، فَقُلْنَا: أَلَا نَسْتَخْصِي؟ فَهَنَانَا عَنْ ذَلِكَ، ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ  
 بِالثُّوبِ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ قرأ عبد الله: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا  
 أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ“ (ص ۴۵۰، سطر: ۴۴۲)

### تشریح

قولہ: لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ، (ص ۴۵۰، سطر: ۳)

یعنی ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں اور ہمیں ان کی خواہش تھی۔

قولہ: أَلَا نَسْتَخْصِي؟ (ص ۴۵۰، سطر: ۳)

یعنی ہم شہوت کے گناہ سے اور شیطان کے دوسرے سے بچنے کے لئے خصی نہ ہو جائیں۔

قولہ: فَهَنَانَا عَنْ ذَلِكَ، (ص ۴۵۰، سطر: ۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کو خصی کرنا جائز نہیں حرام ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثُّوبِ (ص ۴۵۰، سطر: ۳)

اس سے متعہ مراد ہے۔ اور متعہ ایک خاص وقت جیسے پانچ دن، دس دن یا ایک ماہ کے لئے نکاح کرنے کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:-

۱ ... لفظ تمتع وغیرہ کے ذریعے نکاح کرنا، جیسے یوں کہنا ”اتمتع بك يوما أو شهرا“ وغیرہ اور عورت قبول کر لے۔

۲ ... نکاح یا تزوج کے الفاظ کے ساتھ نکاح کرنا۔ مثلاً: اتزوجتك بك أو نكحت يوما أو شهراً اور عورت قبول کر لے۔ نکاح کی یہ دونوں صورتیں حرام و ناجائز ہیں۔

(۱) فتح المسهم ص ۲۳۴ ج ۶

(۲) فتح المسهم ج ۶ ص ۲۳۵۔

متعہ کی شروع اسلام میں عارضی طور پر اجازت ہوئی تھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور قیامت تک کے لئے حرام ہو گیا۔<sup>(۱)</sup> ذیل میں اس کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

### متعہ کا مسئلہ

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے پہلے وہ احادیث طیبہ بیان فرمائی ہیں جن میں نکاح متعہ کی اجازت مذکور ہے۔ پھر وہ احادیث مبارکہ ذکر فرمائی ہیں جن سے اس کا منسوخ ہونا اور ہمیشہ کے لئے حرام ہونا واضح ہوتا ہے۔

متعہ کے بارے میں چند باتیں قابل ذکر ہیں:-

۱ ... متعہ کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی۔

۲ ... متعہ اور نکاح موقت میں فرق۔

۳ ... متعہ حرام ہے اور اس کی حرمت ادلہ اربعہ سے ثابت ہے۔

۴ ... روافض کے نزدیک متعہ جائز ہے اور ان کے دلائل کا جواب۔

### متعہ کے لغوی معنی

متعہ کے لغوی معنی ہیں فائدہ اٹھانا اور نفع حاصل کرنا استمتاع متعہ سے ہوتا ہے اس کے معنی بھی نفع اٹھانے کے آتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

### متعہ کے اصطلاحی معنی

کوئی مرد کسی عورت سے کسی متعینہ مدت کے لئے کہے ”اتمتع بک بمدة کذا او لثلاثۃ او سبعة ایام“ وغیرہ اور عورت اس کو قبول کر لے تو اس کو متعہ کہتے ہیں۔

اس میں مدت کی تعیین ضروری نہیں ہے لیکن عام طور پر اس کو ذکر کر دیا جاتا ہے حنفیہ کے نزدیک اس میں (م، ت، ع) کے مادے سے کوئی صیغہ بولنا ضروری ہے جیسے ”اتمتع بک او استمتع“ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) فتح المسند ص ۳۲۷ ج ۶ شرح البیوی ج ۱ ص ۵۰۔

(۲) مرقہ ص ۶ ص ۲۱۲۔

(۳) لمعہ ص ۶ ص ۵۶۔

## نکاح موقت کی تعریف

نکاح موقت وہ نکاح ہے جو باقاعدہ نکاح ہو لیکن ایک معینہ مدت کے لئے ہو جیسے کوئی شخص کسی عورت سے دو گواہوں کے سامنے کہے ”میں نے تجھ سے ایک مہینہ کے لئے ایک ہزار روپے کے عوض نکاح کیا“ اور عورت اُسے قبول کرے تو یہ نکاح موقت ہے۔ اس میں نکاح کی مدت مقرر ہوتی ہے، گواہ بھی ہوتے ہیں مہر بھی ہوتا ہے۔

## نکاح متعہ اور نکاح موقت میں فرق

نکاح متعہ اور نکاح موقت میں ۳ فرق ہیں:-

- ۱ ... متعہ میں گواہ نہیں ہوتے، موقت میں گواہ کا ہونا ضروری ہے۔
- ۲ ... متعہ میں وقت کی تعیین ضروری نہیں موقت میں ضروری ہے۔
- ۳ ... متعہ میں (م، ت، ع) کے مادے سے کوئی صیغہ جیسے اتمعن ہلک وغیرہ کے الفاظ کا ہونا ضروری ہے جبکہ نکاح موقت میں باقاعدہ نکاح کے الفاظ کے ساتھ ایجاب و قبول ہوتا ہے۔

## نکاح موقت کا حکم

نکاح موقت ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک باطل ہے سوائے امام زفر کے کہ ان کے نزدیک جائز ہے اور جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نکاح موقت کرنے سے ہمیشہ کے لئے نکاح ہو جائے گا۔ اور اس میں جو وقت مقرر کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

## متعہ کا حکم

حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ رائج یہ ہے کہ دو مرتبہ متعہ حلال ہوا اور دو مرتبہ حرام ہوا اور دوسری مرتبہ قیامت تک کے لئے حرام ہو گیا۔<sup>(۲)</sup>

- ۱ ... غزوہ خیبر سے پہلے بوقت ضرورت متعہ جائز تھا۔ غزوہ خیبر کے موقع پر حرام کر دیا گیا اور اس موقع پر پالتو گدھا بھی حرام کر دیا گیا البتہ جنگلی گدھا حلال ہے۔

- ۲ ... فتح مکہ اور غزوہ اوطاس کے موقع پر ضرورت کی وجہ سے تین دن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) فتح المسلمین ج ۶ ص ۲۳۵ و مرقاۃ ص ۲۱۵ ج ۶۔

(۲) شرح النووی ج ۱ ص ۵۵۰۔

نے اس کی اجازت دی تھی اور تین دن کے بعد قیامت تک کے لئے متعہ حرام کر دیا گیا لہذا اب نکاح متعہ حرام ہے اور اس کی حرمت کتاب اللہ سے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت اور قیاس چاروں سے ثابت ہے۔

### متعہ کی حرمت کتاب اللہ سے

کتاب اللہ میں مؤمنین کی صفات کے ذیل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ حَافِظُونَ“<sup>(۱)</sup>

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شہوت پوری کرنے کے صرف دو طریقے جائز ہیں۔

۱ ... بیوی ہونا۔ ۲ ... باندی ہونا۔

متعہ ان میں سے کسی میں بھی داخل نہیں کیونکہ جو شخص کسی عورت سے متعہ کرنا چاہتا ہے وہ عورت اس کی باندی نہیں کیونکہ آج کل شرعی باندی کا کوئی وجود نہیں جو بالکل واضح بات ہے اور وہ بیوی بھی نہیں کیونکہ متعہ میں نکاح کے لوازمات نہیں پائے جاتے۔ مثلاً اس میں نکاح کا لفظ نہیں ہوتا، گواہ نہیں ہوتے۔ مہر نہیں ہوتا۔ دونوں میں سے کوئی مرجائے تو ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔ اور جب یہ نکاح نہیں تو وہ عورت جس سے متعہ کیا جائے وہ بیوی نہیں۔ لہذا جب یہ نہ بیوی ہے اور نہ باندی ہے تو اس سے شہوت پوری کرنا جائز نہیں لہذا مذکورہ آیت کا آخری حصہ ”فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ“ میں داخل ہونے کی بناء پر متعہ حرام ہے۔

### متعہ کی حرمت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

احادیث متواترہ، صحیحہ اور صریحہ سے اس کی حرمت ثابت ہے جیسے متعدد حدیثیں مسلم شریف کے اس باب کے آخر میں موجود ہیں مثلاً صفحہ ۴۵۲ پر حدیث سبرۃ عن ایبہ اور حضرت علیؓ کی حدیث اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث یہ سب صحیح احادیث ہیں جو بخاری میں بھی ہیں اور متعہ کے حرمت پر صریح ہیں۔

### متعہ کی حرمت اجماع سے

متعہ کی حرمت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے البتہ صحابہ کرامؓ میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ابتداء میں اسکو حلال سمجھتے تھے بعد میں انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا

اور وہ بھی متعہ کو حرام کہتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

### متعہ کی حرمت قیاس سے

قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ متعہ حرام ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں نسب کا اختلاط پایا جاتا ہے کیونکہ جب تمتع کرنے والا مرد عورت سے صحبت کرے گا اور صحبت کے نتیجے میں حمل ٹھیرے گا تو بچہ کا کس ہوگا؟ اس عورت کے خاوند کا یا متعہ کرنے والے کا؟ اور اسلام میں نسب کی حفاظت کی بڑی اہمیت ہے اور اس کے لئے سخت احکام دیئے گئے ہیں اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ متعہ حرام ہو۔

بہر حال ان چار دلائل شرعیہ کی رو سے اہل سنت والجماعت کے نزدیک متعہ حرام ہے۔<sup>(۲)</sup>

### روافض کے نزدیک متعہ کا جائز ہونا

روافض کے نزدیک متعہ جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ متعہ نہ صرف جائز بلکہ معاذ اللہ بڑے ثواب

کا کام ہے۔

### روافض کے دلائل

#### پہلی دلیل: قرآن کریم کی آیت

”فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ“<sup>(۳)</sup>

ترجمہ

”یعنی تم ان عورتوں سے فائدہ اٹھا لو اس اجرت کے بدلے میں جو تم نے ان کو دی“

اس آیت میں استمتاع متعہ سے ہے اور ”اجور“ سے مراد اجرت ہے یعنی جو شخص کسی

عورت سے نفع اٹھائے وہ اس کی اجرت عورت کو ادا کرے لہذا آیت سے معلوم ہوا کہ متعہ کرنا جائز

ہے۔

#### دوسری دلیل: احادیث

ان کی دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایات ہیں جن میں متعہ کے حلال ہونے

(۱) شرح النووی ص ۴۰۰ ج ۱

(۲) فتح مبین ج ۶ ص ۲۴۲

(۳) سورۃ البور ۲۳۔

کا ذکر ہے جن کا ذکر اس باب کی شروع کی احادیث میں ہے۔

## روافض کے دلائل کا جواب

### آیت کا جواب

اس آیت کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ”استمتاع“ سے مراد نکاح اور ”اجور“ سے مراد مہر ہے کیونکہ اس آیت کے سیاق و سباق میں نکاح کا ذکر ہے اور اجور کا لفظ مہر پر بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

”فَانكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“<sup>(۱)</sup>

لہذا یہاں اجور سے مراد اجرت نہیں بلکہ مہر مراد ہے جو منافع بضع کا عوض ہے لہذا اس آیت کے معنی ہیں ”تم عورتوں سے منافع بضع حاصل کرو بعوض مہر کے“ لہذا اس آیت سے متعہ کا جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

### احادیث کا جواب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ شروع میں اس کو جائز سمجھتے تھے پھر انہوں نے رجوع فرمایا تھا اس لئے ان کے سابقہ رجوع کئے ہوئے موقف سے استدلال کرنا درست نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں متعہ جائز تھا بعد میں قرآنی آیت ”إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ“ نے اس کو حرام کر دیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

”کل فرج سواهما فهو حرام“

لہذا جس موقف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے رجوع فرمایا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

بہر حال احادیث صحیحہ، متواترہ میں متعہ کی حرمت صراحۃً موجود ہے اس کو چھوڑ کر منسوخ احادیث اور مرجوع عنہ اقوال سے استدلال کرنا درست نہیں لہذا روافض کا موقف باطل ہے اور بلاشبہ متعہ حرام ہے۔ روافض پر تعجب ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو اپنا امام مانتے ہیں اور حضرت علیؓ نے متعہ سے سختی سے منع فرمایا ہے اور اس کو حرام قرار دیا ہے مگر وہ پھر بھی وہ ان کی بات نہیں مانتے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) سورہ نساء ۲۴۰

(۲) فتح مسلم ج ۶ ص ۲۴۳ بریادۃ و مرقۃ ج ۶ ص ۲۱۳۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ... (الی قولہ)... عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَخِصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أُوطَاسٍ، فِي الْمُتَعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ نَهَى عَنْهَا. (ص ۴۵۱، طر: ۷، ۷۶)

### تشریح

قوله: عَامَ أُوطَاسٍ، (ص ۴۵۱، طر: ۷)

اوطاس یہ ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے باہر طائف کے قریب ایک وادی ہے جہاں غزوہ اوطاس ہوا تھا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ سَبْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: أُذِنَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُتَعَةِ، فَأَنْطَلَقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ إِلَى امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ، كَانَتْهَا بَكْرَةً عَيْطَاءُ، فَعَرَضْنَا عَلَيْهَا أَنْفُسَنَا، فَقَالَتْ: مَا تُعْطِي؟ فَقُلْتُ: رِذَايَ، وَقَالَ صَاحِبِي: رِذَايَ، وَكَانَ رِذَاءُ صَاحِبِي أَجْوَدَ مِنْ رِذَايَ، وَكُنْتُ أَشْبَ مِنْهُ، فَإِذَا نَظَرْتُ إِلَى رِذَاءِ صَاحِبِي أُعْجِبْتُهَا، وَإِذَا نَظَرْتُ إِلَيَّ أُعْجِبْتُهَا، ثُمَّ قَالَتْ: أَنْتَ وَرِذَاؤُكَ يَكْفِينِي، فَمَكُنْتُ مَعَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ النِّسَاءِ الَّتِي يَتَمَتَّعُ، فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهَا. (ص ۴۵۱، طر: ۱۵۷، ۱۵۷)

### تشریح

قوله: بَكْرَةً عَيْطَاءُ، (ص ۴۵۱، طر: ۸)

بکرہ کے معنی ہیں جوان اور طاقتور، اور عیطاء میں عین پر فتح ہے اس کے معنی ہیں ”لبی گردن والی اور معتدل اور حسین جسم والی عورت“۔<sup>(۲)</sup>

۹۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ فَضِيلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْحَضْرِيُّ،... (الی قولہ)... عَنْ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، أَنَّ أَبَاهُ، غَزَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَحَ مَكَّةَ، قَالَ: فَأَقَمْنَا بِهَا خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثِينَ بَيْنَ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ—فَإِذْ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مُتَعَةِ النِّسَاءِ، فَخَرَجْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنْ قَوْمِي، وَلِيَ عَلَيْهِ



الرُّهْرِيُّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ  
بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ، وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ، وَلَعِبُهَا مَعَهَا، وَمَاتَ عَنْهَا  
وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِ عَشْرَةَ. (ص ۳۵۶، بطر: ۵)

### تشریح

قوله : وَزُفَّتْ إِلَيْهِ (ص ۳۵۶، بطر: ۶)

یہ زفاف سے مجہول کا صیغہ ہے یعنی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔

قوله : وَلَعِبُهَا مَعَهَا، (ص ۳۵۶، بطر: ۶)

یہ لعبہ کی جمع ہے۔ کھیلنے کی چیز کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے گڑیا مراد ہیں جن سے لڑکیاں کھیلتی  
ہیں بتانا یہ مقصود ہے کہ اُس وقت میں نو عمر لڑکی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا اور منع نہیں  
فرمایا۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اولاد کی تربیت اور لڑکیوں کو امور خانہ داری کی تعلیم دینے  
کے لئے گڑیوں سے کھیلنا جائز ہے۔ رہی یہ بات کہ جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں اس کے کئی جواب  
ہیں:

ایک یہ کہ یہ تصویر کشی کے حکم سے مستثنیٰ ہے یا حرمتِ تصویر کا حکم آنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یا  
وہ سادہ گڑیاں ہونگی جن کی آنکھیں، کان، منہ نہ ہونگے یا وہ گڑیاں بہت چھوٹی ہوں گیں جو ممانعت  
کے حکم میں نہیں۔<sup>(۱)</sup>

لیکن آج کل کے جو گڈے گڑیاں پلاسٹک وغیرہ کے ہوتے ہیں، جن کی آنکھیں، ناک اور  
منہ بہت واضح اور نمایاں ہوتے ہیں ان کا بنانا بیچنا اور ان سے کھیلنا جائز نہیں۔ الا یہ کہ ان کا منہ مٹا دیا  
جائے۔<sup>(۲)</sup>

### باب استحباب التزوج وتزويج في شوال

واستحباب الدخول فيه (ص ۳۵۶)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الى قوله)... عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:

تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ، وَبَنَى بِي فِي شَوَّالٍ، فَأُتِيَ

(۱) شرح النووي ۴۵۶ ج ۱

(۲) ماخذہ تصویر کے شرعی احکام

نِسَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أُحْطَىٰ عِنْدَهُ مِنِّي؟ قَالَ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ تُدْخِلَ نِسَاءَهَا فِي شَوَالٍ. (ص ۳۵۶، سطر ۱۰۷۸)

قوله: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَالٍ، (ص ۳۵۶، سطر ۹)  
 ”شوال“ شول سے مشتق ہے جس کے معنی اٹھانے اور زائل کرنے کے ہیں مراد ہلاک ہونا ہے۔

اہل عرب شوال کے مہینہ میں نکاح کرنے کو منحوس سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ شوال میں ہونے والی شادی میں میاں بیوی میں لڑائی، جھگڑے ہونگے اور ایک دوسرے سے نفرت ہوگی اور بالآخر شادی ٹوٹ کر ختم ہو جائے گی۔ حضرت عائشہؓ نے اہل عرب کے اس خیال کی تردید فرمائی اور اس کا غلط اور بے بنیاد ہونا بتلایا۔ لہذا حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ شوال میں میرا نکاح ہوا۔ شوال میں میری رخصتی ہوئی اور مجھے کوئی نقصان نہ ہوا بلکہ دیگر ازواج کی بہ نسبت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھی۔ اسی لئے حضرت عائشہؓ شوال میں نکاح کرنے کو مستحب فرماتی تھیں۔<sup>(۱)</sup>

باب ندب النظر من اراد نکاح امرأة الى... الخ (ص ۳۵۶)

۹۹۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ،... (الى قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْظَرْتُ إِلَيْهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَادْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنْ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا. (ص ۳۵۶، سطر ۱۲، ۱۱)

### تشریح

قوله: أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، (ص ۳۵۶، سطر ۱۲)

یہاں تزوج سے منگنی کرنا یا نکاح کا ارادہ کرنا مراد ہے۔ اس وقت منگیتر کو ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے کیونکہ نکاح کرنے کے بعد عورت کو دیکھنے کا کوئی قاعدہ نہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله: فَانْظُرْ إِلَيْهَا، (ص ۳۵۶، سطر ۲)

اس میں ایک نظر عورت کو دیکھنے کا حکم استحباب کے لئے ہے ضروری نہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) فتح المصنوع ج ۶ ص ۲۹۱۔

(۲) فتح المصنوع ج ۶ ص ۲۹۲۔

(۳) حواہ ج ۱۔

## منسوبہ کو ایک نظر دیکھنے کا حکم

سوال: نکاح سے پہلے منسوبہ کو دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: اس میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ اصحاب ظاہر کے نزدیک ناجائز ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک منسوبہ کی اجازت سے ایک نظر دیکھنا جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور جہور فقہاء کے نزدیک ایک نظر دیکھنا مطلقاً جائز ہے۔ اور حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ اگر کسی وجہ سے منسوبہ کو دیکھنا ممکن نہ ہو تو خواتین کے ذریعے منسوبہ کے حالات اور اس کی کیفیت معلوم کر کے اطمینان کر لینا بہتر ہے۔ احناف اور جہور کے دلائل اس باب کی احادیث طیبہ ہیں جن میں منسوبہ کو نکاح سے پہلے ایک نظر دیکھنے کی صراحۃً اجازت مذکور ہے۔<sup>(۱)</sup>

ہمارے زمانہ میں بعض جگہ یہ رواج ہے کہ نکاح سے پہلے شادی کر نیوالے مرد و عورت کو آمنے سامنے بٹھایا جاتا ہے اور بے حجابانہ ملاقات کرائی جاتی ہے یہ ناجائز ہے۔

قولہ: فَإِنَّ فِي الْأَنْصَارِ شَيْئًا... (ص ۲۵۶، بطر: ۱۲)

یعنی انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے جس کو انسانی طبیعت ناپسند کرتی ہے انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں خرابی کی شارحین نے چند وجوہ ذکر کی ہیں مثلاً یا تو ان کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی یا ان میں نیلا پن ہوگا یا پیلا پن ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

## ایک اشکال اور جواب

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں کو کیسے دیکھا ہوگا حالانکہ وہ نامحرم تھیں؟ شارحین نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں:-

۱ ... آپ نے انصار کی عورتوں کو مردوں پر قیاس فرمایا ہوگا۔ کیونکہ عموماً ایک قبیلہ کے مرد جیسے ہوتے ہیں ویسی ہی عورتیں ہوتی ہیں۔

۲ ... بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔

۳ ... ازواج مطہرات کے ذریعہ علم ہو گیا ہوگا۔

۴ ... پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا یہ واقعہ ہوگا۔

(۱) فتح المسیم ج ۶ ص ۳۹۲۔

(۲) شرح بروی ج ۱ ص ۴۵۶۔

۵ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار کی عورتوں کو دیکھنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ آپ امت کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں جیسے باپ اپنی بیٹیوں کو دیکھ سکتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی عورتوں کو دیکھ سکتے ہیں اس پر کوئی دوسرا شخص اپنے آپ کو قیاس نہیں کر سکتا۔ لہذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔<sup>(۱)</sup>

۹۹۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، ... (الی قولہ) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ فَإِنْ فِي عُيُونِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا قَالَ : قَدْ نَظَرْتُ إِلَيْهَا، قَالَ : عَلَى كَمْ تَزَوَّجْتَهَا؟ قَالَ : عَلَى أَرْبَعِ أَوَاقٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : عَلَى أَرْبَعِ أَوَاقٍ؟ كَأَنَّمَا تَنْحِتُونَ الْفِضَّةَ مِنْ عُرْضِ هَذَا الْجَبَلِ، مَا عِنْدَنَا مَا نُعْطِيكَ، وَلَكِنْ عَسَى أَنْ نَبْعَثَكَ فِي بَعْثٍ تُصِيبُ مِنْهُ ، قَالَ : فَبَعَثَ بَعَثًا إِلَى بَنِي عَبْسٍ بَعَثَ ذَلِكَ الرَّجُلَ فِيهِمْ. (ص ۴۵۷، سطر: ۴۲۱)

### تشریح

قولہ : عَلَى أَرْبَعِ أَوَاقٍ، (ص ۴۵۷، سطر: ۲) یہ اوقیہ کی جمع ہے۔ اور ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا

ہوتا ہے۔

قولہ : كَأَنَّمَا تَنْحِتُونَ الْفِضَّةَ (ص ۴۵۷، سطر: ۳) یعنی تم چاندی چھیلتے اور ٹکڑے کرتے

ہو۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : مِنْ عُرْضِ هَذَا الْجَبَلِ، (ص ۴۵۷، سطر: ۳)

عرض میں عین پر ضرب ہے۔ اس کے معنی جانب اور کونے کے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ مہر مقرر کرنے کی مطلقاً ممانعت نہیں کیونکہ ازواج

مطہرات اور بنات طاہرات کا مہر پانچ اوقیہ چاندی تھی یعنی پانچ سو درہم ان کا مہر تھا۔<sup>(۴)</sup>

(۱) فتح المسہم ج ۶ ص ۲۹۲۔

(۲) فتح المسہم ج ۶ ص ۲۹۲۔

(۳) شرح البزوی ج ۱ ص ۴۵۷۔

(۴) المسہم بلامام قرطبی ج ۴ ص ۱۲۶۔

اس حدیث شریف میں جس کا ذکر ہے وہ غریب آدمی تھا اس لئے اس کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے اتنا زیادہ مہر کیوں مقرر کیا؟ کہ اس کی ادائیگی کے لئے تمہیں سوال کرنا پڑا۔

اس حدیث کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی الحال میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں البتہ جب ہم تمہیں کسی لشکر میں بھیجیں گے تو اس کے مال غنیمت میں سے تمہارے حصہ میں جو مال آئے اس کے ذریعے مہر ادا کر دینا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلہ بنو عبس پر حملہ کرنے کے لئے لشکر کے ساتھ بھیجا اور اس کے مال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ ملا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کے مہر کی ادائیگی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ **فلله الحمد**

### باب الصداق و جواز کونہ تعلیم القرآن (ص: ۴۵۷)

#### مہر کا بیان

صداق صادق کے فتح کے ساتھ زیادہ فصیح ہے جیسے صحافی اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھی صحیح اور مشہور ہے جیسے کتاب، صداق کی جمع صدوق آتی ہے جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں مہر۔ اور مہر بھی عربی زبان کا لفظ ہے اس کی جمع مہور آتی ہے۔ اور مہر کے لئے صدقہ کا لفظ بھی آتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے: **”وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً“** (۱)

اور اصطلاح شرع میں مہر اس مال کو کہتے ہیں جو شوہر بیوی سے حقوق زوجیت حاصل کرنے کے عوض میں ادا کرتا ہے۔

#### مہر کی دو قسمیں

مہر کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ مہر مسکئی ۲۔ مہر مثل

مہر مسکئی:- وہ مہر ہے جو میاں بیوی کے درمیان باہمی رضامندی سے باقاعدہ طے اور مقرر ہو مثلاً بیس ہزار روپے وغیرہ میں مقرر ہوں۔ اس کو مہر مسکئی کہتے ہیں۔

مہر مثل:- اگر میاں بیوی کے درمیان مہر کی کوئی مقدار مقرر نہ ہو یا بغیر مہر کے نکاح ہو تو ایسی

صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اور مہر مثل وہ مہر ہوتا ہے جو بیوی کے والد کے خاندان کی اُس جیسی دیگر عورتوں کا مہر ہو۔ جو عمر میں حسن و جمال میں، حسن اخلاق میں، باکرہ اور شبیبہ ہونے میں، ہم عمر ہونے میں برابر ہوں جو مہران کا ہوگا وہی اس لڑکی کا ہوگا جو شوہر کے ذمہ واجب الاداء ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

### مہر کی شرعی مقدار

اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں۔ میاں بیوی جو مقدار طے کر لیں گے شوہر پر اس کا ادا کرنا واجب ہوگا تاہم شوہر کو اتنا زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہئے جس کو وہ ادا نہ کر سکے لیکن اگر ایسا مہر مقرر کر لے گا تو لازم ہو جائے گا۔ اور درمیانے درجہ کا مہر مہر فاطمی ہے اور وہ مسنون بھی ہے۔ اور مہر فاطمی وہ ہے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثر بیٹیوں اور بیویوں کا مقرر فرمایا تھا اور وہ ۵۰۰ درہم ہے جس کے لئے اس باب کی حدیث عائشہؓ میں جو ص ۴۵۸ سطر ۲ اور ۳ میں ہے ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کا ذکر آیا ہے اور ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ۵۰۰ درہم کا وزن تولہ، ماشہ کے وزن کے اعتبار سے ایک سوا کتیس تولہ تین ماشہ چاندی بنتا ہے۔ اور یہ مسنون ہے۔ اگر وسعت ہو تو اس کو مقرر کرنا مستحب ہے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہو جائے۔<sup>(۲)</sup>

البتہ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر اس سے زیادہ تھا کیونکہ ان کا نکاح حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے کیا تھا۔ اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر ۴۰۰۰ درہم مقرر کیا تھا۔ اور خود ادا کیا تھا۔<sup>(۳)</sup>

### مہر کی کم سے کم مقدار

مہر کی کم سے کم مقدار میں اختلاف ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم مہر کی مقدار ۱۰ درہم ہے۔ اس سے کم نہیں ہو سکتا اور اس کا وزن دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے گویا پونے تین تولہ چاندی کم سے کم مہر ہے اور کوئی اس سے کم مہر مقرر کرے گا تو اتنا ہی مہر اس کے ذمہ واجب الاداء ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چوتھائی دینار کم سے کم مہر ہے اس سے کم مہر نہیں ہو سکتا

(۱) جمعہ ج ۶ ص ۸۲ ورد المختار ج ۳ ص ۱۰۱۔

(۲) شرح البیوی ج ۱ ص ۴۵۸۔

(۳) مرقاۃ ج ۶ ص ۲۳۳۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم جو چیز مال ہو سکتا ہو وہ مہر بھی سکتا ہے بلکہ اگر مال بھی نہ ہو تو صرف قرآن کی تعلیم ہو تو یہ بھی مہر بن سکتا ہے یہاں تک کہ شوہر کا اسلام لانا بھی مہر بن سکتا ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا استدلال اس حدیثِ شریف سے ہے، جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فالتمس ولو خاتما من حديد“ اور ”انظر ولو خاتما من حديد“

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ لوہے کی انگوٹھی بالکل معمولی چیز ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا اور جب ان کے پاس یہ بھی نہیں تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تعلیم کے بدلے ان کا نکاح کر دیا۔ اور قرآن کریم کی تعلیم کو ان کا مہر بنا دیا۔ اسی طرح ان کی دلیل حدیثِ جابرؓ بھی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من اعطی فی صداق امراته ملا کفیه موبقا او تمراً فقد استحل“ (مشکوٰۃ)

(شریف) (۱)

اور حدیثِ عامر بن ربیعہ جس میں بنو فزارہ کی ایک عورت نے جوڑوں کے جوڑوں پر نکاح کر لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھنے کے بعد اجازت دیدی۔ اسی طرح حضرت ابو طلحہؓ نے حضرت ام سلیمؓ سے اسلام لانے پر نکاح کیا۔ اور مہر میں اسلام لانا مقرر کیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی چیزوں پر نکاح کرنے کی اجازت دیدی لہذا کم سے کم مال پر نکاح ہو سکتا ہے اور وہ مہر بن سکتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کی دلیل ”حدیث المحن“ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ڈھال کے عوض میں نکاح ہوا اور ڈھال کی قیمت ربع دینار ہے لہذا چوتھائی دینار کم سے کم مہر ہو سکتا ہے اس سے کم نہیں اور نیز وہ حدِ سرقہ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ کم سے کم چوتھائی دینار کی مالیت کے برابر مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس سے کم مال چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ لہذا مہر کی کم سے کم مقدار ربع دینار ہے۔ (۲)

(۱) مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۷۷۔

(۲) معاتب ج ۶ ص ۸۲۔



حضرت امام ابوحنیفہؒ قرآن کریم اور حدیث طیبہ سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ایک جگہ یہ ہے:-

”وَأَجَلٌ لَّكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ“<sup>(۱)</sup>

اور دوسری آیت میں ہے:

”وَأَتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا“<sup>(۲)</sup>

”قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا“<sup>(۳)</sup>

اس آیت میں فرضنا مجمل ہے اور باموالکم میں مال کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے جس کی وجہ سے تشریح ضروری ہے قرآن کریم کی شرح حدیث ہے اور حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ سے دائر قطنی اور بیہقی میں روایت ہے:

”لا مہر اقل من عشرة دراهم“<sup>(۴)</sup>

یعنی دس درہم سے کم مہر نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم سے کم مہر دس درہم ہے اور ما فرضنا سے مراد دس درہم ہے اور ہاتھ کاٹنے کے بارے میں بھی حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ

”لا تقطع اليد فی اقل عشرة دراهم“<sup>(۵)</sup>

یعنی دس درہم سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

ہاتھ جسم کا ایک عضو ہے جو کم سے کم دس درہم چوری کرنے پر کاٹا جاسکتا ہے اس سے کم پر نہیں کاٹا جائے گا اور عورت سے حقوق زوجیت حاصل کرنے کا محل بھی ایک عضو ہے جب شوہر اس سے فائدہ اٹھانے کا مالک بنے تو کم سے کم دس درہم واجب ہونے چاہئیں۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چوتھائی دینار دس درہم کے برابر ہوتا تھا۔ لہذا

(۱) النساء ۲۴

(۲) النساء ۲۰۔

(۳) الاحزاب ۵۰

(۴) سنن ترمذی باب المہر رقم الحدیث ۳۶۵۰۔

(۵) مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۸۹۵۰۔

چوتھائی دینار کہا جائے یا ۱۰ درہم دونوں کا حکم ایک ہے۔ حدیث علیؓ میں ۱۰ درہم کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں بھی ۱۰ درہم کا ذکر ہے۔ لہذا احناف اور مالکیہ میں اختلاف کوئی بڑا اختلاف نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان کے دو

جواب ہیں:

- (۱) ... یہ تمام احادیث مہرِ معجل پر محمول ہیں۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ مہر رخصتی کے وقت دینے کا معمول تھا اور باقی مہر بعد میں دیا جاتا تھا۔ لہذا ان احادیث میں تھوڑی سی چیز دینے کا ذکر ہے اس سے مہرِ معجل مراد ہے باقی مہر مراد نہیں جو بعد میں دیا جاتا تھا۔ یا ان احادیث سے مراد پہلی ملاقات کے وقت دیا جانے والا تحفہ ہے۔ جسے آج کل منہ دکھائی کہا جاتا ہے۔ اس سے اصل مہر کی نفی نہیں ہوتی وہ بعد میں دینا ہی ہوتا ہے۔
- (۲) ... بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ شروع اسلام میں مہر کی کم سے کم مقدار تھی پھر آہستہ آہستہ اس میں اضافہ ہوتا گیا پہلے لوہے کی انگوٹھی بھی مہر بن سکتی تھی، پھر چوتھائی دینار مقرر ہوئی۔ اس طرح مہر کی مقدار بڑھتے بڑھتے ۱۰ درہم مقرر ہو گئی۔ اس لئے ۱۰ درہم سے کم والی احادیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔<sup>(۱)</sup>

۹۹۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ، ... (الی قولہ) ... عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، جِئْتُ أَهْبُ لَكَ نَفْسِي، فَانْظُرْ إِلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ، ثُمَّ طَاطَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتْ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا، فَقَالَ: فَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ: لَا، وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: أَذْهَبُ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا؟ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لَا، وَاللَّهِ، مَا وَجَدْتُ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْظُرْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لَا، وَاللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَا خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ، وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي - قَالَ سَهْلٌ:

مَا لَهُ رِذَاءٌ \* فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ، فَجَلَسَ الرَّجُلُ، حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ، فَرَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا، فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: مَعِيَ سُورَةٌ كَذًا وَسُورَةٌ كَذًا سَعَدَهَا فَقَالَ: تَقْرَوْنَهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: اذْهَبْ فَقَدْ مُلْكْتَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، الْحَدِيثُ. (مس ۴۵۷، سطر: ۱۰۳۴)

### تشریح

قوله: جِئْتُ أَهْبُ لَكَ نَفْسِي، (مس ۴۵۷، سطر: ۵)

اس میں ہبہ کرنے کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ آزاد عورت کی ذات کا کوئی شخص مالک نہیں ہو سکتا بلکہ مراد یہ ہے کہ میں آپ سے بغیر مہر کے نکاح کرتی ہوں اور ہبہ کے لفظ سے بغیر مہر کے نکاح درست ہوتا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

”نَحَالِصَةُ لَكَ مِنْ ذَوْنِ الْمُؤْمِنِينَ“<sup>(۱)</sup>

جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیش کرتی اور انی و ہبت نفسی لك کہتی تو آپ کو اس کو قبول کرنا جائز ہوتا تھا اور آپ پر اس کا مہر واجب نہیں ہوتا۔ لیکن امت کے کسی شخص کا و ہبت وغیرہ کے الفاظ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے نکحت یا تزوجت وغیرہ کے الفاظ بولنے ضروری ہیں۔ اور مہر بہر صورت واجب ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

### اپنی ذات ہبہ کرنے سے نکاح کا حکم

سوال: کسی عورت کا و ہبت نفسی لك کہنے سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: احناف کے نزدیک اگر کوئی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کے

ساتھ نکاح کرے تو نکاح ہو جائے گا اور مہر واجب نہیں ہوگا اور یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے عام مسلمان اگر اس طرح نکاح کریں گے۔ اور مہر کا ذکر نہ ہو تو نکاح ہو جائے گا لیکن مہر

(۱) سورۃ حرب ۵۰

(۲) فتح المسبب ج ۶ ص ۲۹۴ و مرقاہ ج ۶ ص ۲۴۲

مثل واجب ہوگا۔

حضرات شوافع کے نزدیک ان الفاظ سے نکاح منعقد ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اگر عام آدمی ان الفاظ سے نکاح کرے گا۔ تو نکاح ہی منعقد نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ احناف کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ان الفاظ سے بلا مہر نکاح ہونا ہے۔ اور شوافع کے نزدیک ان الفاظ سے نکاح ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا (ص ۳۵۷، سطر: ۵)

اس میں صعد کے عین پر اور صوبہ کے واو پر تشدید ہے اور فتح ہے مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اوپر سے نیچے تک اس عورت پر نظر ڈالی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس عورت سے نکاح کرنا ہو تو اس سے نکاح کرنے میں غور و فکر کرنا درست ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : ثُمَّ طَاطَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ، (ص ۳۵۷، سطر: ۶)  
یعنی آپؐ نے سر جھکایا اور خاموشی اختیار فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس خاتون سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے مجھے تم سے نکاح کرنے کی فی الحال کوئی حاجت نہیں ہے۔

قوله : فَقَدْ مُلْكَتْهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ، (ص ۳۵۷، سطر: ۱۰)

بعض نسخوں میں ملکتکھا ہے یعنی دو کاف کے ساتھ ہے اور دوسری روایت میں ”زواجکھا“ ہے یعنی جتنا تمہیں قرآن کریم یاد ہے اس کی وجہ سے میں نے تمہارا نکاح کر دیا۔<sup>(۳)</sup>

قرآن کریم کی تعلیم مہر بن سکتی ہے یا نہیں؟

احناف کے نزدیک تعلیم القرآن مہر نہیں بن سکتی اگر کسی نے اس طرح نکاح کر لیا تو مہر مثل

واجب ہوگا۔

شوافع کے نزدیک تعلیم القرآن مہر بن سکتی ہے ان کی دلیل حدیث الباب میں ”بما معك من القرآن“ ہے اور ان کے نزدیک اس میں باء عوض کے لئے ہے یعنی تمہارے پاس جو قرآن کریم کی تعلیم

(۱) فتح المصنوع ج ۶ ص ۳۹۴

(۲) فتح المصنوع ج ۶ ص ۳۹۵

(۳) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۰۱

ہے میں نے اسکے عوض تمہارا نکاح کر دیا۔

احناف اس کے دو جواب دیتے ہیں۔

(۱) ... اس میں باء سببیت کے لئے ہے نہ کہ بدلیت کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال میں قرآن

شریف کی وجہ سے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کرتا ہوں اس کا جو مہر ہوگا وہ بعد میں دینا ہوگا۔

(۲) ... تعلیم القرآن کو عوض بنا کر اس کا نکاح کرنا یہ اس شخص کی خصوصیت تھی دوسروں کے لئے یہ حکم

نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح تعلیم القرآن

کے عوض کیا اور فرمایا ”کہ آج کے بعد یہ حکم کسی اور کے لئے نہیں“ اور مذہبِ احناف کی تائید

اس باب کی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو (ص ۴۵۷ سطر ۱۳) میں ہے۔ جس

میں آپ نے فرمایا:

”فقد زوجتكها فعلمها من القرآن“

اس روایت میں باء عوض کا ذکر نہیں ہے اس کے بغیر فرمایا کہ میں نے تمہارا نکاح کر دیا ہے۔

لہذا اب تم اس کو قرآن کریم سکھا دینا۔ لہذا معلوم ہوا کہ تعلیم القرآن مہر نہیں تھا بلکہ قرآن کریم کی

اشاعت عام کرنے کے لئے آپ نے حکم دیا کہ یہ شخص قرآن شریف نہ جاننے والے کے مقابلے میں

بہتر ہے اس لئے نکاح کر دیا تاکہ اُن پڑھ عورت کو بھی قرآن شریف پڑھنا آجائے۔ رہا مہر تو وہ بعد

میں ادا کرنا ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ،... (الی قولہ)... عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أُنْثَى صُفْرَةً، فَقَالَ: مَا

هَذَا؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاقٍ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ:

فَبَارَكَ اللَّهُ لَكَ، أَوَّلِمَ وَلَوْ بِشَاةٍ. (ص ۴۵۸، سطر: ۵۴۳)

تشریح

(ص ۴۵۸، سطر: ۵)

قولہ: اُنْثَى صُفْرَةً،

صفرہ اس خوشبو کا نام ہے جو دلہن کی رخصتی کے وقت لگائی جاتی تھی جس میں زرد رنگ ہوتا

تھا اور بعض روایات میں زعفران کا ذکر ہے اس میں بھی زردی ہوتی ہے اور اثر کے معنی نشان کے ہیں

مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زرد رنگ کی خوشبو کا نشان دیکھا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : عَلَى وَرْنِ نَوَاقٍ مِّنْ ذَهَبٍ، (ص ۴۵۸، طر: ۵)

نواۃ پانچ درہم کو کہتے ہیں جیسے نش نہیں درہم کا نام ہے اس سے مراد سونے کی مقدار ہے یعنی  
میں نے پانچ درہم کے وزن کے برابر سونے پر نکاح کیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : أُولَئِكَ وَلَوْ بِشَاةٍ (ص ۴۵۸، طر: ۵)

ولیمہ ولیم سے مشتق ہے جس کے معنی جمع ہونے کے ہیں ولیمہ کو اس لئے ولیمہ کہتے ہیں کہ اس میں میاں بیوی جمع ہوتے ہیں۔ اور اصطلاح میں ولیمہ شادی کی دعوت کو کہتے ہیں۔ اس حدیث میں اولم جو امر ہے یہ استحباب کے لئے ہے۔ یعنی ولیمہ کرنا مستحب ہے اور بعض حضرات نے سنت کہا ہے۔ تاہم شوہر کی حیثیت کے مطابق ولیمہ کرنا مستحب ہے۔ اور حدیث میں بکری کا ذکر اس لئے ہے کہ اس کے ذریعے اگر ولیمہ کرنے کی قدرت ہو تو کم از کم ایک بکری کے گوشت کے ذریعے ولیمہ کر لے ورنہ اس سے کم مقدار سے ولیمہ کرنا بھی درست ہے۔ جیسا کہ اس باب کے بعد والے باب کی اکثر احادیث میں حضرت صفیہؓ بنت حنی کے ولیمہ میں کھجور، پنیر اور گھی کو ملا کر حلوہ بنانے اور اس کے ذریعے ولیمہ کرنے کا ذکر ہے۔ (۳)

باب فضيلة اعتاقه امته ثم يتزوجها (ص: ٣٥٨)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بِعَنِي ابْنُ عُثَيْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ، قَالَ: فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ بِغُلَسٍ، فَرَكِبَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ، وَأَنَا رَدِيفُ أَبِي طَلْحَةَ، فَأَجْرَى نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زُقَاقٍ خَيْرٍ، وَإِنْ رُكِبْتِي لَتَمَسَّ فَيَحْذِ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُنْحَسَرَ الْإِزَارُ عَنْ فَعِذِ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنِّي لَأَرَى يَبَاضَ فَعِذِ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۱) شرح مودبی ج ۱ ص ۴۵۸۔

(٧) فتح المصنوع - ٦ ص ٤٠٦ -

(٣) فتح المذهب ٦: ٧، ٤: ٨، ٤: ٨

وَسَلَّمَ، فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ، قَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ خَرِبْتُ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ  
 "فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُتَنَبِّهِينَ"، قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ: وَقَدْ خَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى  
 أَعْمَالِهِمْ، فَقَالُوا: مُحَمَّدٌ، وَاللَّهِ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا:  
 مُحَمَّدٌ، وَالْخَمِيسُ قَالَ: وَأَصْبَنَاهَا عَنُودٌ، وَجُمِعَ السَّبِيُّ، فَجَاءَهُ دُحْيَةُ، فَقَالَ:  
 يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُعْطِنِي جَارِيَةً مِنَ السَّبِيِّ. فَقَالَ: اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً، فَاخْذُ  
 صَفِيَّةَ بِنْتِ حُثَيْ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ  
 اللَّهِ، أُعْطِيتَ دُحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُثَيْ سَيِّدِ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيرِ؟ مَا تَصْلُحُ إِلَّا لَكَ،  
 قَالَ: اذْعُوهُ بِهَا، قَالَ: فَجَاءَ بِهَا، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،  
 قَالَ: خُذْ جَارِيَةً مِنَ السَّبِيِّ غَيْرَهَا، قَالَ: وَأَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا، فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ: يَا  
 أَبَا حَمْزَةَ، مَا أَصْدَقَهَا؟ قَالَ: نَفْسَهَا أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا، حَتَّى إِذَا كَانَ بِالطَّرِيقِ  
 جَهَّزْتُهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ، فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 عَرُوسًا، فَقَالَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِءْ بِهِ، قَالَ: وَبَسَطَ بَطْعًا، قَالَ:  
 فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالْأَقِطِ، وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالتَّمْرِ، وَجَعَلَ الرَّجُلُ  
 يَجِيءُ بِالسَّمْنِ، فَجَاسُوا حَيْسًا، فَكَانَتْ وَلِيمَةً رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ. (ص ۳۵۸، ط: ۱۳ تا ص ۳۵۹ ط: ۶)

### تشریح

قوله: غَزَا خَيْبَرَ، (ص ۳۵۸، ط: ۳)

اس حدیث میں غزوہ خیبر کا ذکر ہے۔ خیبر مدینہ منورہ سے شمال مشرق میں تقریباً ۹۳ یا ۹۶ میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے اور اس کو خیبر اس لئے کہتے ہیں کہ یہودیوں کی زبان میں خیبر قلعہ کو کہتے ہیں اور یہاں یہودیوں کے بہت سے قلعہ تھے اور دوسری وجہ خیبر کہنے کی یہ ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کا ایک آدمی سب سے پہلے آکر آباد ہوا تھا اور اس کا نام خیبر تھا۔ اسی کے نام پر بستی کا نام خیبر پڑ گیا۔

(۱) شرح البوہی ج ۱ ص ۴۵۸۔

(۲) فتح المہم ج ۶ ص ۲۰۶۔

(۳) فتح المہم ج ۶ ص ۴۰۷، ۴۰۸۔



محرم الحرام میں ۷ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرامؓ اور ۲۰ صحابیاتؓ کے ساتھ خیبر تشریف لے گئے اور اس پر حملہ کر کے خیبر فتح کیا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : بَغْلَسَ، (ص ۳۵۸، سطر: ۱۳)

اس میں غین اور لام دونوں پر فتح ہے۔ رات کے آخری حصہ کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے غزوہ خیبر کے موقع پر فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں، جہاد میں یا مرض میں آدمی فجر کی نماز اول وقت میں پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ورنہ عام حالات میں احناف کے نزدیک قدرے روشنی میں فجر کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : فَأَجْرَى نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۳۵۸، سطر: ۱۳)

یہ اجراء سے مشتق ہے جس کے معنی چلانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری چلائی۔<sup>(۳)</sup>

قوله : فِي زُقَاقٍ خَيْرٍ، (ص ۳۵۸، سطر: ۱۵)

زقاق کی زاء پر ضمہ ہے اس کے معنی گلی کے ہیں اس کی جمع ازقة اور زقاق آتی ہے۔<sup>(۴)</sup>

قوله : وَأَنحَسَرَ الْإِزَارُ (ص ۳۵۸، سطر: ۱۵)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے تہبند ہٹ گیا اور میں نے آپ کی ران مبارک کی سفیدی دیکھی اور میرا گھٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے لگ رہا تھا۔

مرد کی ران ستر میں داخل ہے یا نہیں؟

اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے، کہ مرد کی ران ستر میں داخل ہے یا نہیں۔ امام واؤد ظاہریؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت اور بعض شوافع کے نزدیک ران ستر میں داخل نہیں۔ ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے۔ لیکن جمہور علماء حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ران ستر میں داخل ہے۔ اور جمہور کی دلیل حدیث جرہد اسلمیؓ ہے۔ اس میں یہ

(۱) عمدة القاری ج ۱ ص ۶۵۰

(۲) فتح المہم ج ۶ ص ۴۰۹

(۳) حوالہ ۷۰

(۴) فتح المہم ج ۶ ص ۵۱۰۔

ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو ان کی ران کھلی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”خَمَرُ عَلَيْكَ فَخِذْكَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ“ (۱)

اسی طرح یہ حدیث بھی ان کی دلیل ہے:

”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ... أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -مَرَّ عَلَى مَعْمَرٍ فِي فَنَاءِ الْمَسْجِدِ مُحْتَبًا كَاشِفًا عَنْ فَخِذِهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمَرُ فَخِذَكَ يَا مَعْمَرُ فَإِنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ“ (ذکرہ الحیثمی فی مجمع الزوائد)

حدیث انسؓ کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ گھوڑا دوڑا رہے تھے اور بھیڑ بھی تھی اس لئے غیر اختیاری طور پر ران مبارک کھل گئی تھی۔ اس لئے اس سے استدلال کرنا درست نہیں جبکہ احادیث بالا میں ران کو ستر فرمانا اور ڈھلپنے کا حکم دینا صاف اور واضح ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث انسؓ اس وقت کی ہے جب ران کے ستر میں داخل ہونے کا حکم نہیں آیا تھا اور حدیث جرہڈ اور معمرؓ بعد کی روایات ہیں۔ جو حدیث انسؓ کے لئے ناسخ ہیں۔ اور منسوخ حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔ (۲)

قوله : قال بعض اصحابنا والخميس (ص ۴۵۹، سطر ۱)

اس میں خمیس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں واو عاطفہ ہوگا اور اس کا عطف ماقبل میں لفظ محمد پر ہوگا۔ اور معنی ہونگے کہ محمد اور لشکر آگئے۔ اور خمیس لشکر کو کہتے ہیں۔ اور اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں واو بمعنی مع ہوگا۔ الخمیس مفعول معہ ہوگا۔ (۳)

عنوة کے معنی لڑائی کے ہیں یعنی ہم نے خیر لڑ کر حاصل کیا۔

اس میں اختلاف ہے کہ خیر عنوة فتح ہو یا صلحاء اس میں تین قول ہیں:-

۱ ... صلحاء فتح ہوا۔

(۱) مسند احمد رقم الحدیث ۱۵۹۳۱

(۲) مسلم شریف کی آسان شرح ج ۱ ص ۱۹۰۔

(۳) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۱۲۔

۲ ... عنوة فتح ہوا۔

۳ ... کچھ صلحا فتح ہوا کچھ عنوة فتح ہوا۔ ان میں تیسرا قول راجح ہے۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : فاخذ صفیہ بنت حی (ص ۴۵۹، بطر: ۲)

صفیہ کے صاء پر فتح ہے۔ اور حی میں حاء پر ضمہ ہے۔ اور دوسری باء پر تشدید ہے۔  
حضرت صفیہؓ حضرت ہارونؓ کی اولاد میں سے ہیں جو ابوالحقیق نامی شخص کے نکاح میں تھیں۔ جو غزوہ خیبر میں قتل ہو گیا تھا۔<sup>(۲)</sup>

### حضرت صفیہ کا تعارف

خیبر میں بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔ یہ یہودیوں کے مشہور قبیلے ہیں ان دونوں کے سردار حی ابن اخطب تھے۔ حضرت صفیہؓ کی بیٹی تھیں۔ غزوہ خیبر کے موقع پر انہوں نے خواب دیکھا کہ یثرب سے ایک چاند نکلا اور ان کی گود میں آ گیا۔ انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر ابوالحقیق کو سنایا تو سنتے ہیں غصہ میں اس نے ان کے چہرہ پر طمانچہ مارا جس کی وجہ سے ان کا چہرہ اور آنکھ نیلی ہو گئی اور کہا کہ تو شاہ مدینہ سے نکاح کرنا چاہتی ہے؟ مگر یہ خواب سچا تھا چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ شام کو دوسری عورتوں کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قید میں آ گئیں اور مذکورہ روایت میں ہے کہ حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان قیدی عورتوں میں سے ایک عورت مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو لے لیا۔ اس کے بعد ایک شخص نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے حضرت صفیہؓ ان کو دے دیں حالانکہ وہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے سردار کی بیٹی ہیں وہ آپ کے زیادہ لائق ہیں۔ تو آپ نے حضرت دحیہ کلبیؓ کی رضامندی سے انہیں لے لیا۔ اور ان کے بدلے انہیں دوسری عورت دے دی۔

شام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے صفیہ! تم اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ تو آپ نے مجھے آزاد فرما کر مجھ سے نکاح کر لیا۔ اور حضرت صفیہؓ کے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف

(۱) صحیح المسند ج ۶ ص ۴۱۲۔

(۲) صحیح المسند ج ۶ ص ۴۱۲۔

گزارنے کے بعد ان کا ولیمہ عیس سے کیا۔

حبس ایک قسم کے حلوہ کو کہتے ہیں جیسے ہمارے یہاں گاجر کا حلوہ ہوتا ہے۔ اخروٹ کا حلوہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ان کے یہاں حبس نامی ایک حلوہ ہوتا تھا جس میں گھی، کھجور، پنیر یا پنیر نما ایک چیز ہوتی تھی جس کو اقط یا قروط کہتے تھے ان کو ملا کر بنایا جاتا تھا۔ آپ نے یہ حلوہ تیار کیا اور اس سے انکا ولیمہ فرمایا۔ (۱) معلوم ہوا معمولی چیز سے بھی ولیمہ ہو سکتا ہو۔

حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزُّهْرَانِيُّ،... (الِی قولہ)... كُتِبَ لَهُمُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ أُعْتِقَ صَفِيَّةٌ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا، وَفِي حَدِيثٍ مُعَاذٍ، عَنْ أَبِيهِ تَزْوُجَ صَفِيَّةٍ وَأَصْدَقَهَا عِتْقَهَا. (ص ۴۵۹، طر: ۹۵۶)

### تشریح

قولہ : وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا، (ص ۴۵۹، طر: ۹۵۶)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر مقرر فرمایا۔

آزاد ہونا مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کی آزادی کو مہر قرار دیا چنانچہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے کو مہر بنایا جاسکتا ہے اور یہ اس حدیث کی رو سے جائز ہے۔

لیکن حضرت ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد کرنے کو مہر بنانا درست نہیں۔ ان کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے ہے:-

”أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ“ (۲)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے اور آزاد کرنا کوئی مال نہیں اس لئے اس کو مہر بنانا درست نہیں اور مذکورہ بالا حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں جعل عتقہا صداقہا کے الفاظ حضرت انسؓ کا کلام ہے۔ جو قرآنی آیات کے مقابلے میں قابل استدلال نہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آزاد کرنے کو مہر بنانا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کسی اور کے لئے اس کو مہر

(۱) مصنف حن جدید - ۳ ص ۲۵۔

(۲) سورۃ النساء - ۲۴۔

۱۰۰۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يُعْتَقُ جَارِيَتَهُ، ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا: لَهُ أَجْرَانِ. (مس ۴۶۰، سطر: ۲۵۱)

قولہ: لَهُ أَجْرَانِ (مس ۴۶۰، سطر: ۲)

یعنی جو شخص اپنی باندی کو آزاد کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں ایک آزاد کرنے کا، دوسرا نکاح کرنے کا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے ساتھ یہ عمل فرمایا۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عَفَّانُ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كُنْتُ رَدَفَ أَبِي طَلْحَةَ يَوْمَ خَيْبَرَ، وَقَدِمِي تَمَسُّ قَدَمَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَأَتَيْنَاهُمْ حِينَ بَزَغَتِ الشَّمْسُ وَقَدْ أَخْرَجُوا مَوَاشِيَهُمْ، وَخَرَجُوا بِفُتُوسِهِمْ، وَمَكَاتِلِهِمْ، وَمُرُورِهِمْ، فَقَالُوا: مُحَمَّدٌ، وَالْحَمِيسُ، قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ "فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ"، قَالَ: وَهَزَمَهُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَوَقَعَتْ فِي سَهْمٍ دُحْيَةٌ جَارِيَةٌ جَمِيلَةٌ، فَاشْتَرَاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعَةِ أَرُوسٍ، ثُمَّ دَفَعَهَا إِلَى أُمِّ سُلَيْمٍ تُصْنَعُهَا لَهُ وَتُهَيِّئُهَا - قَالَ: وَأُخِسِبَةُ قَالَ - وَتَعْتَدُ فِي بَيْتِهَا، وَهِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُحَيْشٍ، قَالَ: وَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَمَتَهَا التَّمْرَ وَالْأَقِطَ وَالسَّمْنَ، فَحِصَصَ الْأَرْضُ أَفَاحِيصَ، وَجِيءَ بِالْأَنْطَاعِ، فَوُضِعَتْ فِيهَا، وَجِيءَ بِالْأَقِطِ وَالسَّمَنِ فَشَبَعَ النَّاسُ، قَالَ: وَقَالَ النَّاسُ: لَا نَذَرِي أَتَزَوَّجُهَا، أَمْ اتَّخَذَهَا أُمُّ وَلَدٍ؟ قَالُوا: إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ أَمْرَأَتُهُ، وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَبَ حَجَبَهَا، فَقَعَدَتْ عَلَى عَجْزِ الْبَعِيرِ، فَعَرَفُوا أَنَّهُ قَدْ تَزَوَّجَهَا، فَلَمَّا دَنَوْا مِنَ الْمَدِينَةِ، دَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

(۱) مر ۵۵ ج ۶ ص ۲۵۱ بوضیحات ج ۵ ص ۱۴۹۔

(۲) شرح السوادی ج ۱ ص ۴۶۰۔

اللہ علیہ وسلم، وَدَفَعْنَا، قَالَ: فَعَثَرَتِ النَّاقَةُ الْعَضْبَاءُ، وَنَذَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَذَرْتُ، فَقَامَ فَسْتَرَهَا، وَقَدْ أَشْرَفَتِ النِّسَاءُ، فَقُلْنَ: أَبْعَدَ اللَّهُ  
 الْيَهُودِيَّةَ، قَالَ: قُلْتُ: يَا أَبَا حَمْزَةَ، أَوْقَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟  
 قَالَ: إِي وَاللَّهِ، لَقَدْ وَقَعَ قَالَ أَنَسٌ: وَشَهِدْتُ وَلَيْمَةَ زَيْنَبَ، فَأَشْبَعَ النَّاسَ خُبْرًا  
 وَلَحْمًا، وَكَانَ يَتَعَنَّى فَأَدْعُو النَّاسَ، فَلَمَّا فَرَّغَ قَامَ وَتَبِعْتُهُ، فَتَخَلَفَ رَجُلَانِ  
 اسْتَأْنَسَ بِهِمَا الْحَدِيثُ، لَمْ يَخْرُجَا فَحَعَلَ يَمْرُؤُ عَلَى نِسَائِهِ، فَيَسَلُّمُ عَلَى كُلِّ  
 وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، كَيْفَ أَنْتُمْ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ؟ فَيَقُولُونَ: بِخَيْرٍ يَا  
 رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ وَجَدْتَ أَهْلَكَ؟ فَيَقُولُ: بِخَيْرٍ، فَلَمَّا فَرَّغَ رَجَعَ، وَرَجَعْتُ  
 مَعَهُ، فَلَمَّا بَلَغَ الْبَابَ، إِذَا هُوَ بِالرَّجُلَيْنِ قَدْ اسْتَأْنَسَ بِهِمَا الْحَدِيثُ، فَلَمَّا رَأَاهُ قَدْ  
 رَجَعَ قَامَا فَخَرَجَا، فَوَاللَّهِ مَا أَذْرِي أَنَا أَخْبَرْتُهُ، أَمْ أَنْزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بِأَنَّهُمَا قَدْ  
 خَرَجَا؟ فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ، فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي أُسْكُفَةِ الْبَابِ، أُرْغِيَ  
 الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى هَذِهِ الْآيَةَ: "لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا  
 أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ" الْآيَةَ. (ص ۳۶۰، بطر: ۱۲۴۲)

### تشریح

قوله: فَأَتَيْنَاهُمْ حِينَ بَزَغَتِ الشَّمْسُ (ص ۳۶۰، بطر: ۳)

اس میں باء اور زاء دونوں پر فتح ہے اس کے معنی ہیں طلوع آفتاب کے وقت۔<sup>(۱)</sup>

قوله: يَفْتُونَهُمْ، (ص ۳۶۰، بطر: ۳)

یہ فاس کی جمع ہے اس کے معنی کھاڑی کے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله: وَمَكَاثِلِهِمْ، (ص ۳۶۰، بطر: ۳)

یہ مکمل کی جمع ہے اس کے معنی بڑی زنبیل یا وہ تھیلا ہے جس میں کاشت کاری کے اوزار

رکھے جاتے ہیں یا مٹی بھر کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) فتح مہم ج ۶ ص ۴۱۷۔

(۲) فتح مہم ج ۶ ص ۴۱۷۔

(۳) حوالہ ص ۴۱۷۔

قوله : وَمُرُورِهِمْ، (ص ۳۶۰، سطر: ۳)

یہ مرکب جمع ہے۔ درانتی کو کہتے ہیں۔ یا اس کے معنی اس رسی کے ہیں جس کے ذریعے کھجور کے درخت پر چڑھتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فُحِصَتِ الْأَرْضُ أَفَاحِيصَ، (ص ۳۶۰، سطر: ۷)

اس میں فاء پر ضمہ اور حاء کے نیچے کسرہ ہے۔ اس کے معنی کھولنے کے ہیں مراد یہ ہے کہ زمین کی مٹی ہٹا کر چھوٹے چھوٹے گھرے بنائے گئے اور اس میں چڑے کے دسترخوان بچھا کر گڑھے گھرے کئے گئے۔ اور ان میں کھجور ڈال دیا گیا تاکہ کھجور ادھر ادھر نہ پھیلے اور کھجور اور پنیر اس میں ڈال دیا گیا جسے صحابہ کرام نے سیر ہو کر کھایا۔ اور افاحیص اور افحوص کی جمع ہے بمعنی گڑھے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : عَلَى عَجْزِ الْبَعِيرِ، (ص ۳۶۰، سطر: ۷)

یعنی حضرت صفیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ گئیں۔

قوله : دَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (ص ۳۶۰، سطر: ۷)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری تیز چلائی۔<sup>(۳)</sup>

قوله : فَعَثَرَتِ النَّاقَةُ الْعَضْبَاءُ، (ص ۳۶۰، سطر: ۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء اچانک گر پڑی۔

قوله : وَنَذَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَذَرَتْ، (ص ۳۶۰، سطر: ۷)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہؓ گر پڑیں۔ آپ اٹھے اور حضرت صفیہؓ پر پردہ ڈال دیا۔<sup>(۴)</sup>

قوله : اسْتَأْنَسَ بِهِمَا الْحَدِيثُ، (ص ۳۶۰، سطر: ۱۱)

یعنی دونوں باتوں میں مشغول ہو گئے۔<sup>(۵)</sup>

(۱) فتح المہم ج ۶ ص ۴۱۷۔

(۲) فتح المہم ج ۶ ص ۴۱۸۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔



قوله : فِي أُسْكُفَةِ الْبَابِ، (ص ۳۶۰، طر: ۱۱)

اس میں حمزہ پر ضمہ ہے سین ساکن ہے۔ کاف پر ضمہ اور فاء پر تشدید ہے دروازہ کی چوکھٹ کو کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قوله)... عَنْ ثَابِتٍ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ : صَارَتْ صَفِيَّةٌ لِدُحِيَّةٍ فِي مَقْسَمِهِ، وَجَعَلُوا يَمْدَحُونَهَا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : وَيَقُولُونَ : مَا رَأَيْنَا فِي السَّبْيِ مِثْلَهَا، قَالَ : فَبَعَثَ إِلَى دُحِيَّةٍ، فَأَعْطَاهُ بِهَا مَا أَرَادَ، ثُمَّ دَفَعَهَا إِلَى أُمِّي، فَقَالَ : أَصْلِحِيهَا، قَالَ : ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَبِيرٍ، حَتَّى إِذَا جَعَلَهَا فِي ظَهْرِهِ نَزَلَ، ثُمَّ ضَرَبَ عَلَيْهَا الْقُبَّةَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلٌ زَادٍ، فَلْيَأْتِنَا بِهِ، قَالَ : فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَحِيءُ بِفَضْلِ التَّعْرِ، وَفَضْلِ السُّوْبِقِ، حَتَّى جَعَلُوا مِنْ ذَلِكَ سَوَادًا حَبِسًا، فَجَعَلُوا يَأْكُلُونَ مِنْ ذَلِكَ الْحَبِسِ، وَيَشْرَبُونَ مِنْ حَبَاضٍ إِلَى حَبِيبِهِمْ مِنْ مَاءِ السَّمَاءِ، قَالَ : فَقَالَ أَنَسٌ : فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيمَةً رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا، قَالَ : قَانَطَلَقْنَا، حَتَّى إِذَا رَأَيْنَا جُدْرَ الْمَدِينَةِ هَشِشْنَا إِلَيْهَا، فَرَفَعْنَا مَطِينًا، وَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطِيتَهُ، قَالَ : وَصَفِيَّةٌ خَلْفَهُ، قَدْ أَرَدَفَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ : فَعَثَرَتْ مَطِيتُهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَصُرِعَ وَصُرِعَتْ، قَالَ : فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَلَا إِلَيْهَا، حَتَّى قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَتَرَهَا، قَالَ : فَاتَيْنَاهُ، فَقَالَ : لَمْ نُضِرَّ، قَالَ : فَدَخَلْنَا الْمَدِينَةَ، فَخَرَجَ جَوَارِي نِسَائِهِ يَتَرَاءَيْنَهَا وَيَشْمَتْنَ بِصُرْعَتِهَا. (ص ۳۶۰، طر: ۱۲، ۱۹۵)

### تشریح

قوله : سَوَادًا حَبِسًا، (ص ۳۶۰، طر: ۱۵)

سواد کے اصل معنی شخص کے ہیں مراد یہ ہے کہ دسترخوان پر حبس یعنی کھجور اور پنیر کے ڈھیر لگا دیئے گئے اور انہیں ملا کر حبس بنایا گیا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) ص ۶، ج ۱، ص ۴۱۸۔

(۲) شرح النووی ج ۲، ص ۴۶۰۔

قوله : هَشِشْنَا إِلَيْهَا، (ص ۳۶۰، سطر: ۱۷)

یعنی مدینہ طیبہ کی آبادی کو دیکھ کر مدینہ منورہ پہنچنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور ہم نے اپنی سواری تیز کر دی۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَصُرِعَ (ص ۳۶۰، سطر: ۱۷)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہؓ گر پڑیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : يَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَلَا إِلَيْهَا، (ص ۳۶۰، سطر: ۱۸)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کی وجہ سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہؓ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر حضرت صفیہؓ کا پردہ کیا تو ہم حاضر خدمت ہوئے۔ اور عرض کیا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ آپ نے فرمایا کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔<sup>(۳)</sup>

قوله : فَخَرَجَ جَوَارِي نِسَائِهِ (ص ۳۶۰، سطر: ۱۸)

یعنی نو عمر عورتیں نکلیں۔<sup>(۴)</sup>

قوله : يَتَرَاءَيْنَهَا (ص ۳۶۰، سطر: ۱۸)

جو حضرت صفیہؓ کو دیکھنے لگیں۔<sup>(۵)</sup>

قوله : يَشْمَتْنَ (ص ۳۶۰، سطر: ۱۸)

اور ان کے گرنے پر خوش ہونے لگیں۔<sup>(۶)</sup>

## باب زواج زینب بنت جحش... الخ

۱۰۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ بْنُ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا بِهِزٌ،... (الی قوله)... عَنْ

(۱) شرح البیوی ج ۱ ص ۴۶۰۔

(۲) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۱۹۔

(۳) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۲۰۔

(۴) شرح البیوی ج ۱ ص ۴۶۰۔

(۵) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۲۰۔

(۶) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۲۰۔

اُنْسِ، وَهَذَا حَدِيثٌ بَهْزٍ، قَالَ: لَمَّا انْقَضَتْ عِدَّةُ زَيْنَبَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَزَيْدٍ: فَادْكُرْهَا عَلَيَّ، قَالَ: فَانْطَلَقَ زَيْدٌ حَتَّى أَتَاهَا وَهِيَ تُخَمِّرُ عَجِينَهَا، قَالَ: فَلَمَّا رَأَيْتَهَا عَظُمْتُ فِي صَدْرِي، حَتَّى مَا أُسْتَطِيعُ أَنْ أَنْظُرَ إِلَيْهَا، أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَهَا، فَوَلَّيْتُهَا ظَهْرِي، وَنَكَصْتُ عَلَى عَقِبِي، فَقُلْتُ: يَا زَيْنَبُ: أَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُكِ، قَالَتْ: مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتَّى أُوَامِرَ رَبِّي، فَقَامَتْ إِلَى مَسْجِدِهَا، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ، وَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنٍ، قَالَ: فَقَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْنَا أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعَمَنَا الْخُبْزَ وَاللَّحْمَ حِينَ امْتَدَّ النَّهَارُ، فَخَرَجَ النَّاسُ وَبَقِيَ رِجَالٌ يَتَحَدَّثُونَ فِي الْبَيْتِ بَعْدَ الطَّعَامِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاتَّبَعْتُهُ، فَجَعَلَ يَتَّبِعُ حُجَرَ نِسَائِهِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِنَّ، وَيَقُلْنَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ وَجَدْتَ أَهْلَكَ؟ قَالَ: فَمَا أُدْرِي أَنَا أَخْبَرْتُهُ أَنْ الْقَوْمَ قَدْ خَرَجُوا أَوْ أَخْبَرَنِي، قَالَ: فَانْطَلَقَ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ، فَدَهَبَتْ أُدْخُلُ مَعَهُ، فَأَلْقَى السُّتْرَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَنَزَلَ الْحِجَابُ، قَالَ: وَوُعِظَ الْقَوْمُ بِمَا وَعِظُوا بِهِ زَادَ ابْنُ رَافِعٍ فِي حَدِيثِهِ: "لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ" إِلَى قَوْلِهِ "وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ". (مس ۳۶۰، سطر: ۱۹ تا ۳۶۱ سطر ۵)

### تشریح

قوله: لَمَّا انْقَضَتْ عِدَّةُ زَيْنَبَ، (مس ۳۶۰، سطر: ۲۰)

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت زید بن حارثہ سے نکاح کیا تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی بیٹے تھے۔ لیکن ان کا آپس میں مزاج نہ ملا اس لئے حضرت زید بن حارثہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ نے صبر و تحمل کے ساتھ رہنے کی شکایت کی آخر کار حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ پھر جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے ذریعے حضرت زینبؓ کو اپنے سے نکاح کرنے کا پیغام بھجوایا۔

باقی واقعہ احادیث بالا میں مذکور اور واضح ہے۔

قوله: حَتَّىٰ أَوْامِرَ رَبِّي، (ص ۳۶۰، سطر: ۲)

ای استخیر یعنی میں استخارہ کر لوں۔

قوله: فَقَامَتْ إِلَىٰ مَسْجِدِهَا، (ص ۳۶۰، سطر: ۱)

یعنی حضرت زینبؓ گھر میں جو نماز پڑھنے کی جگہ تھی وہاں نماز استخارہ پڑھنے کے لئے کھڑی

ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر اہم کام کے لئے نماز استخارہ پڑھنا مستحب ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله: وَنَزَلَ الْقُرْآنُ، (ص ۳۶۰، سطر: ۱)

یعنی یہ آیت نازل ہوئی۔

”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَا كَهَا“<sup>(۲)</sup>

یعنی ہم نے زینبؓ کا آپ سے بغیر کسی ایجاب و قبول کے نکاح کر دیا۔ یہ آپ کے علاوہ

دوسروں کے لئے جائز نہیں۔ اور اس بناء پر حضرت زینبؓ فخر فرمایا کرتی تھیں کہ دیگر ازواج مطہرات کا

نکاح ان کے والدین نے کیا اور سات آسمانوں کے اوپر میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔<sup>(۳)</sup>

قوله: فَلَدْخَلَ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنٍ، (ص ۳۶۱، سطر: ۲)

اس کے بعد حضور ﷺ نے ان کے پاس تشریف لے گئے کیونکہ آیت بالا میں اللہ تعالیٰ

نے حضور کا حضرت زینبؓ سے نکاح فرما دیا تھا۔

قوله: وَنَزَلَ الْحِجَابُ، (ص ۳۶۱، سطر: ۴)

اس وقت پردہ کا حکم نازل ہوا اور حضور ﷺ نے میرے اور حضرت زینبؓ کے درمیان پردہ

لٹکایا۔ نیز پردہ کا حکم نازل ہونے کے احادیث میں اور بھی متعدد اسباب آئے ہیں ان میں کوئی مضائقہ

نہیں۔<sup>(۴)</sup>

### باب الامر باجابة الداعی الى دعوة (ص ۳۶۲)

۱۰۱۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ يَحْيَىٰ قَالَ: قَرَأْتُ عَلَىٰ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ

(۱) فتح المسند ج ۶ ص ۴۲۱۔

(۲) سورة احزاب ۳۷۔

(۳) فتح المسند ج ۶ ص ۴۲۱۔

(۴) فتح المسند ج ۶ ص ۴۲۲۔

عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا. (مس ۴۶۲، سطر: ۴، ۳)

### تشریح

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں جن میں ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کا ذکر ہے۔

قوله : إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ (مس ۴۶۲، سطر: ۴)

پہلے گزر چکا ہے کہ ولیمہ کی جمع و ملائم آتی ہے اور اس کے لغوی معنی جمع ہونے کے ہیں اور ولیمہ کی دعوت کو اس لئے ولیمہ کہتے ہیں کہ اس میں میاں بیوی اور احباب اور رشتہ دار جمع ہوتے ہیں۔ اور ملائم زمانہ جاہلیت کی ان دعوتوں کو کہتے تھے جو غمی اور خوشی کے موقع پر کھلائی جاتی تھیں جو تقریباً ۱۵ قسم کی ہوتی تھیں ان میں جو دعوت شادی کے موقع پر ہوئی تھی اس کو ولائم العروس کہتے تھے یعنی شادی کی خوشی کی دعوت۔<sup>(۱)</sup>

بہر حال یہاں دعوت ولیمہ کی مدت اور ولیمہ کا حکم اور ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کا حکم بیان کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں کچھ تفصیل ہے۔

### ولیمہ کی مدت

ولیمہ کی حد نکاح سے تین دن تک ہے اور ایک قول میں سات دن تک بھی ہے۔ اگر ان ایام میں کھانا کھلایا جائے ولیمہ ہوگا ورنہ دعوت شمار ہوگی اور بعض کے نزدیک شب زفاف سے پہلے بھی اگر کھانا کھلایا جائے تو وہ بھی ولیمہ ہے لیکن نکاح سے پہلے کھلائے تو خیافت ہوگی ولیمہ نہیں۔<sup>(۲)</sup>

### ولیمہ کا حکم

ولیمہ کا حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے: اہل ظاہر کے نزدیک ولیمہ کرنا واجب ہے اور ان کی دلیل اس باب کی وہ حدیثیں ہیں جن سے جیسے ”اولم ولو بشاة“ یعنی ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہو، یا جیسے ”الولیمۃ حق“ ولیمہ کرنا برحق ہے یعنی ضروری ہے یا جیسے، من ترك الدعوة فقد عصی الله ورسوله، وغیرہ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس میں امر و وجوب کے لئے ہے اور دعوت نہ کرنے پر

(۱) فتح مبینہ ج ۶ ص ۴۲۶ و لمعات ۸۹-۶

(۲) لمعات ج ۶ ص ۸۹

اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وعید اس کے وجوب کی علامت ہے۔ اور اکثر علماء کے نزدیک ولیمہ کرنا سنت ہے۔ اور یہی قول رائج ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے یہ قول دوسرے قول کے خلاف نہیں کیونکہ سنت اور مستحب کا مفہوم قریب قریب ایک ہے۔<sup>(۱)</sup>

### ولیمہ کی دعوت یا کسی دوسری دعوت کے قبول کرنے کا حکم

ولیمہ کی دعوت اگر ہر قسم کے منکرات سے خالی ہو تو جمہور شوافع اور حنابلہ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اس کو قبول کرنا فرض ہے اور اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے اور احناف کے ہاں سنت ہے۔<sup>(۲)</sup>

اور اگر ولیمہ کی دعوت میں کوئی منکر اور خلاف شرع کوئی کام پایا جائے ہو مثلاً واضح طور پر معلوم ہو کہ اس کھانے میں جو پیسے استعمال ہوئے ہیں چوری کے یا رشوت کے یا سود کے، یا غصب کے پیسے استعمال ہوئے ہیں یا اس میں مردوں اور عورتوں کا بے حجابانہ مخلوط اجتماع ہے۔ یا اس میں ناجائز گانا ہو رہا ہے یا جیسے آج کل کھڑے ہو کر کھانے کا رواج ہے۔ اور بیٹھنے کا کوئی انتظام نہیں تو اگر دعوت قبول کرنے کے وقت معلوم ہو جائے کہ اس میں منکرات ہونگے تو دعوت قبول کرنا جائز نہیں اور اگر قبول کر بھی لیں تو شریک ہونا جائز نہیں۔ اور اگر قبول کرنے کے وقت علم نہ ہو کہ یہ منکرات وہاں ہونگے اور اب شریک ہونے کے لئے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ناجائز گانا ہو رہا ہے یا مخلوط اجتماع ہے۔ تو شریک ہونے والے کی دو صورتیں ہیں۔

۱ ... دعوت میں آنے والا کوئی مقتدی ہے مثلاً کوئی عالم فاضل اور پیشوا ہے لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے عمل کو بطور سند پیش کرتے ہیں تو اگر اس میں استطاعت ہے ان کو منع کرنے کی تو منع کر دے۔ اگر وہ باز آجائیں تو شریک ہو جائے باز نہ آئیں تو واپس چلا جائے شریک نہ ہو اور کھانا نہ کھائے۔ اور اگر اس میں منع کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو شریک نہ ہو۔

۲ ... اگر دعوت میں آنے والا عام آدمی ہے تو اس گناہ سے بچتے ہوئے اگر کہیں کونے میں ایک طرف ہو کر کھانا کھا سکے تو کھالے اس طرح اس کو شریک ہونے کی گنجائش ہے ورنہ وہ بھی

(۱) مردہ ج ۶ ص ۲۵ و فتح الملہم ج ۶ ص ۴۶۲، ۴۶۳

(۲) فتح الملہم ج ۶ ص ۴۶۲

واپس چلا جائے۔ غرض یہ کہ حالتِ عذر میں دعوت قبول نہ کرنا اور اس میں شریک نہ ہونا بھی درست ہے۔ (۱)

۱۰۲۳۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا دُعِيتُمْ إِلَى كُرَاعٍ، فَأَجِيبُوا. (ص ۳۶۲، بطر: ۱۲، ۱۳)

قرہ : إِذَا دُعِيتُمْ إِلَى كُرَاعٍ، (ص ۳۶۲، بطر: ۱۲)

گائے، بکری کے پائے یا پنڈلی کا اگلا حصہ یعنی کوئی شخص معمولی چیز کی دعوت کرے اور خلوص سے بلائے تو اس کی دعوت قبول کر لینی چاہئے۔ (۲)

۱۰۲۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ... (الی قولہ) ... عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ، فَلْيَجِبْ، فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ، وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ الْمُثَنَّى: إِلَى طَعَامٍ. (ص ۳۶۲، بطر: ۱۲)

### تشریح

قرہ : فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ، (ص ۳۶۲، بطر: ۱۲، ۱۳)

حضرت امام نوویؒ (۳) فرماتے ہیں کہ دوسری روایت میں ہے کہ دعوت قبول کر لے پھر اگر روزے سے ہو تو نماز پڑھے اگر روزے سے نہ ہو تو کھانا کھالے۔ اور مذکورہ روایت میں یہ ہے کہ شریک ہو جائے پھر کھانے یا نہ کھانے کا اختیار ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ احناف کے مذہب میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ ولیمہ کی دعوت ہو یا کوئی دوسری دعوت اس میں شریک ہو کر کھانا کھانا ضروری نہیں ہے دل چاہے کھائے دل نہ چاہے نہ کھائے۔ اور اگر شریک ہونے والا روزے سے ہے تو اگر روزہ فرض ہو تو اس کے لئے کھانا کھانا جائز نہیں اور اگر روزہ نفلی ہو اور میزبان کو اس کا کھانا نہ کھانا کسی طرح گوارا نہ ہو۔ تو روزہ توڑ کر کھانا کھا لینا افضل ہے ورنہ روزہ پورا کرنا افضل ہے۔ (۴)

(۱) نعمات ج ۶ ص ۹۲ وفتح الملہم ج ۶ ص ۴۲۷۔

(۲) فتح الملہم ج ۶ ص ۴۲۹۔

(۳) شرح النووی ج ۱ ص ۴۶۲۔

(۴) فتح الملہم ج ۶ ص ۴۳۰۔



## باب لا تحل المطلقة ثلاثا لمطلقها

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے حضرت رفاعہ القرظیؓ کی بیوی کا واقعہ مختلف سندوں سے نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت رفاعہ قرظیؓ نے اپنی بیوی تمیمہ بنت مصعبؓ کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ عدت گزرنے کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن زبیر سے نکاح کیا ان سے ان کی طبیعت نہ ملی انہوں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور عرض کیا کہ میں ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی کیونکہ ان کا عضو خاص کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے یعنی وہ عورت کے قابل نہیں ہے اس پر آپؐ نے فرمایا کہ تم پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتیں جب تک دوسرا شوہر تم سے جماع یعنی ہم بستری نہ کر لے چنانچہ ان احادیث کی وجہ سے یہی حکم ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے دے تو بغیر حلالہ کے وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۳۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الِی قَوْلِهِ)... عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ رِفَاعَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ، فَطَلَّقَنِي، فَبَتَّ طَلَاقِي، فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الزَّبِيرِ، وَإِنْ مَا مَعَهُ مِثْلُ هَذِهِ الثُّوبِ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لَا، حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ، وَيَذُوقَ عُسَيْلَتِكَ، قَالَتْ وَأَبُو بَكْرٍ عِنْدَهُ وَخَالِدٌ بِالبَابِ يَنْتَظِرُ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، فَنَادَى: يَا أَبَا بَكْرٍ، أَلَا تَسْمَعُ هَذِهِ مَا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ (ص ۴۶۳، طر: ۵، ۲)

## تشریح

قوله: مِثْلُ هَذِهِ الثُّوبِ، (ص ۴۶۳، طر: ۴)

اس میں ہاء پر ضمہ ہے اور دال ساکن ہے ہذبہ، پھندنے کو کہتے ہیں جو کپڑے کے کنارہ پر ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ، (ص ۴۶۳، طر: ۴)

یہ عسلہ کی تصغیر ہے۔ جس کے معنی لذت اور مٹھاس کے ہیں مراد جماع کرنا ہے جیسا کہ

(۱) منحصص فتح الملہم ج ۶ ص ۴۲۲

(۲) شرح السنہ ص ۱ ج ۱ ص ۴۶۴ وفتح الملہم ج ۶ ص ۴۲۲۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں ”العسيلة الجماع“۔<sup>(۱)</sup>

### کیا حلالہ کرنا موجب لعنت ہے

بعض احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”لعن رسول اللہ ﷺ المحلل

والمحلل له“ (رواہ الدارمی ورواہ ابن ماجہ عن علیؓ وابن عباسؓ وعقبة بن عامرؓ

”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل اور محلل

لہ پر لعنت فرمائی۔<sup>(۲)</sup>

اس میں محلل اسم فاعل کا صیغہ ہے زوج ثانی کو کہتے ہیں اور محلل اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ زوج اول کو کہتے ہیں اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس مطلقہ کو شوہر اول کے لئے حلال ہونے کے لئے حلالہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر وہ پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:-

”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“۔<sup>(۳)</sup> (الآیہ)

اور اس باب کی تمام احادیث میں حلالہ کا ذکر ہے لیکن مذکورہ حدیث میں حلالہ کرنا موجب لعنت ہے۔ اور پہلا اور دوسرا دونوں شوہر مستحق لعنت ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ اس حدیث میں حلالہ کرنے پر جو لعنت ہے۔ وہ ہر حال میں نہیں ہے۔ ایک خاص صورت میں ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مطلقہ کے نکاح ثانی کے وقت ایجاب وقبول میں یہ شرط لگائے کہ آپ اس عورت سے نکاح کریں اس شرط پر کہ نکاح کے بعد اور جماع کرنے کے بعد ضرور اس کو طلاق دو گے۔ تاکہ یہ عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے۔ تو یہ موجب لعنت ہے۔ اور اگر نکاح ثانی کے ایجاب وقبول میں کسی قسم کی کوئی شرط نہ ہو پہلے ہی اپنی مجبوری بتادی ہو یا صرف دل میں یہ نیت ہو کہ زوج ثانی جماع کے بعد طلاق دے دے گا اور یہ عورت دوبارہ نکاح کر کے اپنے شوہر اول اور بچوں کے پاس چلی جائے گی تو پھر حلالہ موجب لعنت

(۱) فتح المہم ج ۶ ص ۴۳۳

(۲) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب المحلل والمحلل له رقم الحدیث ۱۹۲۵ و سنن الدارمی کتاب النکاح باب فی النہی عن المحلل

رقم الحدیث ۲۳۱۳

(۳) سورہ البقرہ ۲۳۰

نہیں۔ بلکہ موجب اجر ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب ما يستحب ان يقول عند الجماع (ص: ۴۶۳)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ... (الى قوله) ... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ، قَالَ: بِاسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يَقْدَرُ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا." (ص: ۴۶۳، مطر: ۱۹۵۱۷)

### تشریح

قوله: اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، (ص: ۴۶۳، مطر: ۱۸)

ای بعدنا یعنی یا اللہ شیطان کو ہم سے دور رکھنا۔

قوله: مَا رَزَقْتَنَا، (ص: ۴۶۳، مطر: ۱۸)

یہ جنیب کا دوسرا مفعول ہے یعنی جو بچہ آپ ہمیں عطا فرمائیں اس کو بھی شیطان سے محفوظ

رکھنا۔

قوله: لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا (ص: ۴۶۳، مطر: ۱۹)

یعنی اس بچے کو کبھی بھی شیطان نقصان نہ پہنچائے گا یہ مذکورہ دعا کی فضیلت ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس بچے کا خاتمہ ایمان پر ہوگا کیونکہ اس دعا میں نقصان کفر کے ساتھ خاص ہے۔<sup>(۲)</sup> مطلب یہ ہے کہ شیطان اسے کافر نہ بنا سکے گا۔ بہر حال حق زوجیت ادا کرنے سے پہلے مذکورہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔<sup>(۳)</sup>

### باب جواز جماعه امرأته فی قبلها الخ (ص: ۴۶۳)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ... (الى قوله) ... عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرًا، يَقُولُ: كَانَتْ الْيَهُودُ تَقُولُ: إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قَبْلِهَا، كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، فَتَزَلَّتْ: "نِسَاؤُكُمْ حَرْتُ لَكُمْ فَأَتُوا حُرَّتْكُمْ أَتَى شَيْئُكُمْ." (ص: ۴۶۳، مطر: ۲۲، ۲۱)

(۲۲، ۲۱)

(۱) فتح المسهم ج ۶ ص ۴۲۴

(۲) فتح المسهم ج ۶ ص ۴۴۲

(۳) شرح النووي ج ۱ ص ۴۶۳

## تشریح

قوله : مِنْ ذُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا، (ص ۴۶۳، سطر: ۲۲)

ذُبُر پاخانہ والے حصہ کو کہتے ہیں جس میں شوہر کو صحبت کرنا حرام ہے اور قُبُل عورت کے اگلے حصہ کو کہتے ہیں جہاں سے پیشاب آتا ہے یہاں شوہر کو صحبت کرنا جائز ہے۔

قوله : كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، (ص ۴۶۳، سطر: ۲۲)

اس کے معنی ہیں بھینگا۔

## ایک غلط عقیدہ کی تردید

اس حدیث میں یہودیوں کے ایک غلط عقیدہ کی تردید ہے یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے پیچھے کی طرف سے آگے کے حصہ میں جماع کرے تو پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہوگا۔ چنانچہ انکے اس غلط عقیدے کی تردید میں قرآن کریم کی یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔  
”نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ“ (۱)

## ترجمہ

”تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتوں میں جیسے چاہو آؤ۔“

اس آیت میں انی کیف کے معنی میں ہے یعنی جس طرح تم اپنی کھیتی میں چاروں طرف سے آتے ہو۔ ایسے ہی اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے پاس آؤ مگر صحبت اگلے حصے میں کرو کیونکہ پچھلے حصہ میں صحبت کرنا حرام ہے۔ (۲)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، ... (الی قوله) ... عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَزَادَ فِي حَدِيثِ النُّعْمَانِ، عَنْ الزُّهْرِيِّ : إِنْ شَاءَ مُحَبِّبَةٌ، وَإِنْ شَاءَ غَيْرُ مُحَبِّبَةٍ، غَيْرَ أَنَّ ذَلِكَ فِي صِحَامٍ وَاحِدٍ. (ص ۴۶۳، سطر: ۶۲۲)

## تشریح

قوله : مُحَبِّبَةٌ، (ص ۴۶۳، سطر: ۵)

اس میں میم پر ضمہ ہے اور جیم پر فتح ہے ب کے اوپر تشدید اور اس کے نیچے کسرہ ہے اس

(۱) سورہ البقرہ ۲۲۳

(۲) فتح المبین ج ۶ ص ۴۴۵ و شرح القوی ج ۱ ص ۴۶۳

کے معنی چہرے کے بل اوندھا ہونا۔<sup>(۱)</sup>

قوله: فِي صِمَامٍ وَاحِدٍ (ص: ۴۶۴، سطر: ۶)

اس کے معنی سوراخ کے ہیں یعنی ہر صورت میں صحبت ایک سوراخ میں ہو یعنی اگلے حصہ میں ہو۔<sup>(۲)</sup>

باب تحریم امتناعها من فراش زوجها (ص: ۴۶۴)

... (الی قولہ) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ، هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا، لَعَنَتَهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ. (ص: ۴۶۴، سطر: ۶)

### تشریح

اس باب کی احادیث میں یہ ادب بیان گیا ہے کہ جب شوہر بیوی کو اپنی جنسی خواہش کے لئے بلائے تو اس کے پاس چلی جائے انکار نہ کرے۔ اگر بیوی شرعی عذر کے بغیر اس کے پاس نہ جائے۔ اور اس سے الگ رہے یہاں تک صبح کر دے تو ملائکہ تمام رات اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اور بیوی کا حیض کی حالت میں ہونا معتبر عذر نہیں ہے کیونکہ شوہر کو بیوی سے کپڑوں کے اوپر سے نفع اٹھانا جائز ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله: هَاجِرَةً (ص: ۴۶۴، سطر: ۷)

یعنی بیوی شوہر سے الگ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ بیوی شوہر سے خود الگ ہو جائے یا اس کے انکار کرنے یا غلط انداز اختیار کر نیکی وجہ سے شوہر ناراض ہو کر اس سے جدا ہو جائے۔ دونوں صورتوں میں عورت گناہگار ہوگی اور شوہر خود بیوی پر زیادتی اور ظلم کرتے ہوئے اس سے الگ ہو جائے تو اس صورت میں عورت گناہگار نہ ہوگی۔<sup>(۴)</sup>

قوله: لَعَنَتَهَا الْمَلَائِكَةُ، (ص: ۴۶۴، سطر: ۷)

فرشتوں کی لعنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا ہے لہذا عورت کو چاہئے کہ اس گناہ

(۱) فتح المعجم ج ۶ ص ۴۴۷

(۲) فتح المعجم ج ۶ ص ۴۴۷

شرح البیوی ج ۱ ص ۱۶۴

(۳) فتح المعجم ج ۶ ص ۴۴۷

سے توبہ کرے اور آئندہ اجتناب کرے۔ اور خوش دلی سے حق زوجیت ادا کرے۔<sup>(۱)</sup>

### باب تحریم افشاء السر المرأة (ص: ۴۶۳)

۱۰۴۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قولہ) ... حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَشْرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا. (ص ۴۶۳، سطر: ۹۵۷)

### تشریح

اس باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ میاں بیوی کی صحبت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ محاممت کے دوران کی باتیں میاں بیوی اپنے تک محدود رکھیں۔ اپنے پردہ کی باتیں کسی دوسرے پر ظاہر نہ کریں۔ اور بلا ضرورت دوسروں سے صحبت کا ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

### باب حکم العزل (ص: ۴۶۴)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، ... (الی قولہ) ... عَنْ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو صِرْمَةَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، فَسَأَلَهُ أَبُو صِرْمَةَ، فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيدٍ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَذْكُرُ الْعَزْلَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةً بِالْمُصْطَلِقِ، فَسَبِينَا كَرَائِمَ الْعَرَبِ، فَطَالَتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ، وَرَغِبْنَا فِي الْفِدَاءِ، فَأَرَدْنَا أَنْ نَسْتَمْتِعَ وَنُعْزِلَ، فَقُلْنَا: نَفْعَلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا لَا نَسْأَلُهُ، فَسَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا، مَا كَتَبَ اللَّهُ لَخَلْقٍ نَسْمَةِ هِيَ كَائِنَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا سَتَكُونُ (ص ۴۶۴، سطر: ۱۸۴۱۳)

### تشریح

قولہ: يَذْكُرُ الْعَزْلَ؟ (ص ۴۶۴، سطر: ۱۳)

یعنی کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کا حکم سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں

(۱) فتح المعجم ج ۶ ص ۲۴۸

(۲) فتح المعجم ج ۶ ص ۲۴۹

(۱) سنا ہے۔

قوله : غَزْوَةٌ بِالْمُصْطَلِقِ، (ص ۴۶۴، سطر: ۱۶)

اس سے بنوا لمصطلق مراد ہیں جو قبیلہ خزاعہ کے مشہور خاندان کا نام ہے۔ اس غزوہ کو غزوہ

المریسیع بھی کہتے ہیں یہ غزوہ سن ۶ھ میں ہوا تھا۔ (۲)

قوله : كَرَّائِمَ الْعَرَبِ، (ص ۴۶۴، سطر: ۱۶)

یعنی عرب کی نفیس عورتیں ہم نے گرفتار کیں۔ (۳)

قوله : فَطَالَتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ، (ص ۴۶۴، سطر: ۱۶)

اس کے معنی ہیں جماع کی کمی یعنی نکاح کا معذور ہونا اسباب نکاح نہ ہونے کی وجہ

سے۔ (۴)

قوله : رَغِبْنَا فِي الْفِدَاءِ، (ص ۴۶۴، سطر: ۱۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان باندیوں کو بیچ کر فدیہ یعنی عوض حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اور ان

سے صحبت بھی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس میں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر ہم نے ان سے صحبت کی اور حمل

ٹھہر گیا تو پھر یہ ہماری ام ولد بن جائیں گی۔ جن کی بیع ممنوع ہے اس طرح ہم ان کے عوض کچھ حاصل

نہ کر سکیں گے۔ (۵) اس لئے ہم نے سوچا کہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور عزل کر لیں اس لئے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان عورتوں سے عزل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قوله : لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا، (ص ۴۶۴، سطر: ۱۷)

آپ نے فرمایا کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس لئے کہ

قیامت تک جو جان پیدا ہونے والی ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔ (۶)

(۱) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۵۰

(۲) فتح الباری کتاب المغازی ج ۷ ص ۵۴۵

(۳) شرح البزوی ج ۱ ص ۴۶۴

(۴) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۵۵

(۵) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۶۴

(۶) فتح المصنوع ج ۶ ص ۴۵۱۔



اس حدیث میں لا علیکم ان لا تفعلوا میں ان کے حمزہ پر زبر اور زیر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جان کو پیدا کرنا مقدر کر دیا ہے۔ وہ پیدا ہو کر رہے گی۔ عزل کرنے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اور بعض حضرات نے اس حدیث میں لا کو زائد مانا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ عزل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ہر صورت میں حاصل یہ ہے کہ عزل کرنا چاہو تو کر لو لیکن عزل کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ عزل کا مقصد بچے کی پیدائش کو روکنا ہے۔ اور جس جان کو اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔ جیسا کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا:

”ما من نسمة کائنة الی یوم القیامة الا فہی کائنة“ (۱)

### مسئلہ عزل کی مختصر تفصیل

اس باب میں عزل کے متعلق احادیث ہیں اس لئے عزل کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور مسئلہ عزل سمجھنے کی ضرورت ہے۔

عزل یعزل عزلاً باب ضرب سے آتا ہے۔ اس کے معنی ہیں الگ کرنا، جدا کرنا، جیسے قرآن کریم میں ہے:

”فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِی الْمَحِیضِ“ (۲)

ترجمہ

”یعنی حالت حیض میں تم عورتوں سے جدا رہو“

اصطلاح میں عزل کہتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی سے محبت کرے اور انزال کے وقت اپنے عضو مخصوص کو بیوی کے عضو مخصوص سے ہٹالے اور باہر منی خارج کرے۔

### عزل کرنے میں فقہاء کرام کا اختلاف

عزل کرنا کیسا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ عزل کرنا حرام

(۱) و یضاً صحیح البخاری کتاب العتق باب من ملک من العرب الخ رقم الحدیث ۲۳۵۶

(۲) سۃ البعۃ ۲۲۲

ہے اور وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں عزل کرنے کی ممانعت ہے۔

ائمہ اربعہ اور جمہور فرماتے ہیں کہ عزل کرنا جائز ہے۔ مگر خلافِ اولیٰ ہے جبکہ بلا عذر ہو اور اگر عذر ہو تو پھر مکروہ بھی نہیں۔ اور وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جمہور ممانعت والی احادیث کو کراہتِ تنزیہی پر محمول فرماتے ہیں اور یہی ان کی طرف سے علامہ ابن حزم کا جواب ہے۔ کہ ممانعت والی احادیث کراہتِ تنزیہی پر محمول ہیں۔

### احادیث عزل میں تعارض

اس باب میں احادیث دو قسم کی ہیں:

- ۱ ... بعض احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے جیسے اس باب کی حدیث جابر ہے۔
- ۲ ... بعض روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان میں عزل کرنے کو پوشیدہ زندہ درگور کرنا قرار دیا گیا ہے۔

ظاہراً احادیث میں تعارض ہے، لیکن حقیقت میں تعارض نہیں حقیقت یہ ہے کہ جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ عزل کے فی نفسہ جائز اور مباح ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور جن احادیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ اس کے مکروہ تنزیہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں اس لئے حقیقت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

### عزل کرنا کن عورتوں سے جائز ہے؟

ائمہ اربعہ و جمہور کے نزدیک جن عورتوں سے عزل ہو سکتا ہے وہ تین طرح کی ہیں۔ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے:-

- ۱ ... آزاد عورت جو کسی کے نکاح میں ہے۔ جمہور کے نزدیک عزل کرنے کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے اگر وہ راضی ہو تو عزل کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ جماع عورت کا حق ہے۔ اور اس کی شہوت شوہر کے پانی سے پوری ہوتی ہے۔ لہذا اگر وہ اپنا حق چھوڑنا نہ چاہے تو عزل کرنا جائز نہیں اور اگر وہ اجازت دے تو عزل کرنا جائز ہے۔
- ۲ ... اپنی باندی: مولیٰ اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے۔

۳ ... غیر کی باندی: شوہر اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کی اجازت ضروری ہے اور بعض نے کہا کہ آقا کی اجازت ضروری ہے۔ یہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ آقا و باندی دونوں سے اجازت لینا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

### خاندانی منصوبہ بندی

موجودہ خاندانی منصوبہ بندی کی بنیاد افزائش نسل کو روکنے پر ہے چنانچہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر بچے کم پیدا ہونگے تو خوشحالی زیادہ ہوگی اگر بچے زیادہ پیدا ہونگے تو بد حالی آئے گی اس لئے بچے کم سے کم پیدا کرنے چاہئیں ان کا کہنا کہ ”کم بچے خوشحال گھرانہ“، ”بچے دو ہی اچھے“۔ ان کا یہ نظریہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور غلط ہے اس نظریہ کی بنیاد پر خاندانی منصوبہ بندی کرنا جائز نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا معروف رسالہ ”ضبط ولادت“ کا مطالعہ کافی وشافی ہے۔

قوله : خَلَقَ نَسَمَةً (ص ۳۶۳، بطر: ۱۸)

اس کے معنی ہیں جان۔<sup>(۲)</sup>

قوله : هِيَ كَائِنَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، (ص ۳۶۳، بطر: ۱۸) یعنی وہ پیدا ہو کر رہے گی۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ، ... (الی قوله) ... عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ لِي جَارِيَةً، هِيَ خَادِمُنَا وَسَائِئِنَا، وَأَنَا أَطُوفُ عَلَيْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، فَقَالَ: اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ، فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا، فَلَبِثَ الرَّجُلُ، ثُمَّ أَتَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبَلَتْ، فَقَالَ: قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (ص ۳۶۵، بطر: ۱۵۴۱۳)

(۱) مردہ ج ۶ ص ۲۲۶

(۲) مسروق لاوار ج ۲ ص ۴۷۔

(۳) فتح المعجم ج ۶ ص ۴۵۲

## تشریح

قوله : سَأَنِيَّتَنَا (ص ۳۶۵، سطر: ۱۳) یعنی ہمیں پانی پلانے والی ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمُسَمَعِيُّ،... (الی قولہ)... عَنْ جَابِرٍ، قَالَ : كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَنْهَنَا. (ص ۳۶۵، سطر: ۲۲، ۲۳)

قوله : فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ (ص ۳۶۵، سطر: ۲۳)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے عزل کرنے کے حرام ہونے کی تصریح نہیں فرمائی اور اسے ناجائز قرار نہیں دیا۔<sup>(۲)</sup>

## باب تحریم وطی الحامل المسببة (ص ۳۶۵)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ أَتَى بِامْرَأَةٍ مُجْبَحٍ عَلَى بَابِ فُسْطَاطٍ، فَقَالَ : لَعَلَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُلِمَّ بِهَا، فَقَالُوا : نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَلْعَنَهُ لَعْنًا يَدْخُلُ مَعَهُ قَبْرُهُ، كَيْفَ يُوْرَثُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟ كَيْفَ يَسْتَعْدِمُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟ (ص ۳۶۵، سطر: ۲۳، ۲۴)

## تشریح

قوله : بِامْرَأَةٍ مُجْبَحٍ (ص ۳۶۵، سطر: ۲۵)

قريب الولادة عورت کو کہتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

قوله : عَلَى بَابِ فُسْطَاطٍ، (ص ۳۶۵، سطر: ۲۵)

اس کے معنی اون والے خیمے کے ہیں۔<sup>(۴)</sup>

قوله : أَنْ يُلِمَّ بِهَا، (ص ۳۶۵، سطر: ۲۵)

اس کے معنی ہیں تاکہ اس سے صحبت کرے۔ اور حاملہ قیدی عورت سے صحبت کرنا حلال نہیں

کیونکہ ابوداؤد شریف کی روایت میں سبایا او طاس کے بارے میں واضح حکم ہے کہ:

(۱) فتح المہم ج ۶ ص ۴۵۴

(۲) فتح المہم ج ۶ ص ۴۵۶۔

(۳) ح ۶ ص ۴۵۶۔

(۴) فتح المہم ج ۶ ص ۴۵۶

”لا توطأ حامل حتى تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحبض حیضاً“ (۱)

### ترجمہ

”یعنی حاملہ عورت سے صحبت کی جائے یہاں تک کہ ولادت ہو جائے اور غیر حاملہ عورت سے صحبت نہ کی جائے یہاں تک کہ اس کو ایک حیض آجائے۔“

قوله : لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَلْعَنَهُ (ص ۳۶۵، سطر: ۲۵)

میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر تک جائے یعنی اس کو جہنم میں پہنچا دوں۔ العیاذ باللہ۔ (۲)

قوله : كَيْفَ يُورَثُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ؟ (ص ۳۶۵، سطر: ۶۲)

یعنی وہ کیسے اس کو اپنا وارث قرار دے گا جبکہ غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا جائز نہیں کیونکہ صحبت کے بعد کبھی ولادت چھ ماہ تک مؤخر ہو سکتی ہے جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس نئے مالک کا بیٹا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے شخص کا بچہ ہو۔ اور غیر کے بچے کو اپنا بیٹا بنا کر اپنا وارث قرار دینا حرام ہے۔ اور اس حرام کام میں یہ شخص استبراء نہ کرنے کی وجہ سے مبتلا ہوا۔ لہذا حاملہ عورت سے ولادت سے پہلے صحبت کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

### استبراء کا حکم

اس حدیث میں استبراء کا حکم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی باندی کا مالک بنے خواہ خریدنے سے یا میراث میں ملنے سے یا تحفہ میں ملنے سے یا مال غنیمت کی تقسیم سے حصہ میں آنے کی وجہ سے استبراء واجب ہے۔ اس سے پہلے باندی سے صحبت کرنا جائز نہیں، اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب مشتبہ نہ ہو کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ پہلے مالک کا ہے یا دوسرے مالک کا۔ استبراء سے یہ اشتباہ ختم ہو جاتا ہے۔

جمہور کے نزدیک استبراء یہ ہے کہ ملکیت میں آنے والی باندی کو اگر حیض آتا ہو تو اس کو ایک حیض آجائے اور اگر حاملہ ہو تو ولادت ہو جائے۔ اور اگر کم عمر ہونے یا بڑی عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو ایک ماہ گزر جائے۔ اس کے بعد اس سے صحبت کرنا حلال ہے۔ اس سے پہلے صحبت

(۱) سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی وطء البیایا، رقم الحدیث: ۱۸۴۳۔

(۲) فتح المسلم ج ۶ ص ۴۵۶

کرنا حرام ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب جواز الغيلة... الخ (ص: ۴۶۶)

حَدَّثَنَا خَلْفُ بْنُ هِشَامٍ،... (الی قوله)... عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهَبِ  
الْأَسَدِيَّةِ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ  
أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ، حَتَّى ذَكَرْتُ أَنَّ الرُّومَ وَفَارِسَ يَصْنَعُونَ ذَلِكَ، فَلَا يَضُرُّ  
أَوْلَادَهُمْ، قَالَ مُسْلِمٌ: وَأَمَّا خَلْفٌ، فَقَالَ: عَنْ جُدَامَةَ الْأَسَدِيَّةِ، وَالصَّحِيحُ مَا  
قَالَهُ يَحْيَى: بِالدَّلَالِ غَيْرَ مَنْقُوطَةٍ. (ص ۴۶۶، مطر: ۳۲۱)

### تشریح

قوله: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ، (ص ۴۶۶، مطر: ۲)

اس میں غین کے نیچے کسرہ ہے اس حدیث میں غیلہ سے کیا مراد ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ غیلہ یہ ہے کہ:-

”جس عورت کی گود میں بچہ ہو اور وہ بچہ اس عورت کا دودھ پیتا ہو۔ اس عورت سے محبت کرنا۔“

اور یہ مکروہ ہے کیونکہ عام طور پر حمل ٹھہرنے کی وجہ سے بچہ کا دودھ خراب ہو جاتا ہے جو بچہ کے لئے مضر ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ غیلہ یہ ہے کہ حاملہ عورت سے محبت کرنا۔ اہل عرب دونوں صورتوں میں بیوی سے محبت کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مرضہ سے محبت کریں گے تو اس کا اثر بچہ پر ہوگا اور اس سے بچہ متاثر ہوگا یعنی کمزور ہوگا اور حاملہ عورت سے اگر محبت کریں گے تو بھی بچہ متاثر ہوگا اور کمزور ہوگا۔ یہ ان کا عام اور مشہور خیال تھا۔ اس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن جب اپنے دیکھا کہ فارس اور روم کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور وہ اس کی نہ کوئی پرواہ کرتے ہیں اور نہ ان کے بچوں پر اس کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ لہذا یہ جائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) فتح المعجم ج ۶ ص ۴۵۶ شرح النووی ج ۱ ص ۴۶۵

(۲) فتح المعجم ج ۶ ص ۴۵۸

وَهَبِ، أُخْبِتْ عُنَاثَةً، قَالَتْ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي  
 أَنَسٍ وَهُوَ يَقُولُ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغَيْلَةِ، فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ،  
 فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ، فَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذَلِكَ شَيْئًا، ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ؟  
 فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ، زَادَ عُبَيْدُ اللَّهِ فِي  
 حَدِيثِهِ: عَنْ الْمُقْرِئِ، وَهِيَ: "وَإِذَا الْمَوءُودَةُ سُئِلَتْ". (ص ۴۶۶، سطر: ۶۵۳)

### تشریح

قولہ : ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ، (ص ۴۶۶، سطر: ۳)

الواد کے معنی ہیں لڑکی کو زندہ دفن کرنا۔ اہل عرب فقر و فاقہ اور عار کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ  
 دفن کر دیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کرنے کو اس کے مشابہہ قرار دیا۔ کیونکہ اس میں  
 نطفہ کو ضائع کرنا پایا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اولاد پیدا ہونے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور عزل کرنے کا حکم  
 پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے۔<sup>(۱)</sup>





## کتاب الرضاع

اس کتاب میں حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں جن سے حرمت رضاعت کے احکام معلوم ہونگے، اور معلوم ہوگا کہ رضاعت کے رشتہ سے کن کن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اور کن عورتوں سے حرام نہیں، اور حرمت رضاعت کب ثابت ہوتی ہے اور کب نہیں؟ اس لئے اس کتاب کی احادیث طیبہ پڑھنے سے پہلے چند ضروری باتیں معلوم ہونی چاہئیں مثلاً رضاعت کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور رضاعت کا حکم وغیرہ، تاکہ آنے والی احادیث کا سمجھنا آسان ہو۔

**الرضاع:** - اس میں داء پر فتنہ اور کسرہ دونوں پڑھنا درست ہے اور الرضاۃ اس میں بھی داء پر فتنہ اور کسرہ دونوں پڑھنا درست ہے اس کے لغوی معنی ہیں دودھ پینا، اور یہ باب سمع، کرم، فتح تینوں سے آتا ہے اور اصطلاح شرع میں رضاعت اس کو کہتے ہیں کہ کوئی بچہ مدت رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پیے، جو بچے کے پیٹ میں پہنچ جائے<sup>(۱)</sup>۔

### رضاعت کا حکم

اس کا حکم یہ ہے دودھ پینے سے دودھ پینے والے بچے اور دودھ پلانے والی عورت کے درمیان حرمت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جیسے زید اور خالد دونوں اجنبی ہیں اور انہوں نے مدت رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پیا، تو اب ان دونوں کے درمیان حرمت رضاعت کا رشتہ قائم ہو گیا، اور وہ دونوں رضاعی بہن بھائی بن گئے، بہر حال جتنے رشتے نسب سے حرام ہیں۔ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

**رضیع:** - دودھ پینے والے بچے کو کہتے ہیں، اور موضعه: - دودھ پلانے والی عورت کا کہا جاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### مدت رضاعت کا بیان

کتنی مدت میں دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی مدت ڈھائی سال ہے۔ اور ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک دو سال ہے۔ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ تاہم ڈھائی سال کی عمر کے اندر اندر

(۱) بحکمۃ فتح اسمہم ج ۱ ص ۱۰۹۔

(۲) خواجہ ہار۔

بھی اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو احتیاطاً حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (۱)

### حرمت رضاعت میں دودھ کی مقدار میں اختلاف

کتنا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں ہے مدت رضاعت میں عورت کا دودھ خواہ قلیل ہو یا کثیر جب بچے کے حلق سے اتر جائے گا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی چاہے دودھ کا ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ مرتبہ دودھ پینا ضروری ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک کم سے کم تین مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ (۲)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل حدیث ام الفضل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”لا تحرم الرضعة او الرضعتان۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے: ”لا تحرم المصة ولا المصتان“ (۳) اور حضرت ام الفضل کی دوسری روایت میں ہے۔ ”لا تحرم الاملاجة او الاملاجتان“۔

وہ ان تینوں حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی تین مرتبہ پینے سے حرمت ثابت ہوگی۔ (۴)

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حدیث عائشہؓ ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ قرآن کریم میں دس مرتبہ دودھ پینا موجب حرمت نازل ہوا تھا۔ پھر یہ آیت پانچ مرتبہ دودھ پینے سے منسوخ ہوگئی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہی قرآن کریم میں پڑھا جاتا رہا کہ پانچ مرتبہ بچے کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ (۵)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:-

”وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ“ (۶)

(۱) رد المحتار ۲۰۹، ج ۲۔

(۲) جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ما جاء لا تحرم المصة والا المصتان، ج ۱ ص ۳۲۷۔

(۳) مرقۃ المفاتیح ج ۶ ص ۳۲۱۔

(۴) مرقۃ المفاتیح ج ۶ ص ۳۲۔

(۵) مرقۃ المفاتیح ج ۶ ص ۳۲۱۔

(۶) سورۃ النساء ۲۳۔

## ترجمہ

”وہ مائیں تم پر حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا۔“

اس آیت میں دودھ پلانے والی عورتوں کے حرام ہونے کا ذکر ہے اور آیت میں دودھ پلانا مطلق ہے جو قلیل و کثیر دونوں کو شامل ہے لہذا کتاب اللہ سے ثابت ہوا کہ مطلق دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی چاہے ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ دودھ پلانا اس کو بھی شامل ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کو اس آیت ناسخہ کا علم نہیں ہوا اس لئے وہ پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہونے والی حدیث بیان فرما رہی ہیں<sup>(۱)</sup>۔ نیز درج ذیل احادیث سے بھی احناف کا موقف ثابت ہوتا ہے مثلاً: یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة اور نیز حدیث علیؓ سے ان اللہ حرم من الرضاعة ما حرم من النسب۔<sup>(۲)</sup> ان احادیث میں مطلق رضاعت کو حرمت رضاعت کا سبب بیان کیا گیا ہے اور رضاعت مصدر ہے، مصدر میں تکرار نہیں ہوتا جس کا مطلب یہ ہے کہ دودھ پلانا کم ہو یا زیادہ وہ حرمت رضاعت کا باعث ہے۔

احناف کا استدلال قیاس سے بھی ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مطلق دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہونی چاہئے، کیونکہ مدت رضاعت میں دودھ پینے سے جزئیت اور بعضیت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے یعنی مدت رضاعت میں دودھ بچے کے جسم کا جزو بنتا ہے۔ اور دودھ سے اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ اور دودھ سے اس کا گوشت بنتا ہے۔ اور جب گوشت بنا تو وہ بچہ اس عورت کا جزو ہو گیا اور جزو سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ لہذا اس بچے سے نفع اٹھانا حرام ہوگا۔ لہذا اس عورت کا بچہ سے نکاح حرام ہوگا۔ اور بچہ کا اس عورت سے نکاح حرام ہوگا، کیونکہ بچہ اس کا جزو بن گیا اور اپنے جزو سے نفع اٹھانا حرام ہوتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

## حضرات شوافع اور اصحاب ظاہر کی دلیل کا جواب

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حدیث عائشہؓ کا جواب یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن کریم میں خمس رضعات معلومات کے الفاظ ہوتے تو یہ ضرور منقول ہوتے اور قرآن کریم کی متواتر قراءت میں اس کا ذکر ہوتا لیکن متواتر قراءت میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ پہلے عشر رضعات سے حرمت رضاعت کا حکم تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور خمس

(۱) سرف تنو صبح ج ۲ ص ۴۴۱۔

(۲) جامع ترمذی ابواب الرضاع باب ما جاء یحرم من الرضاع الخ ج ۱ ص ۲۴۷۔

(۳) مروہ المفاتیح ج ۲ ص ۳۲۳۔

رضعات معلومات کا حکم نازل ہوا۔ پھر یہ بھی منسوخ ہو گیا اور مطلق رضاعت سے حرمت رضاعت کا حکم نازل ہوا جو مذکورہ بالا آیت میں ہے۔ لہذا حضرت عائشہؓ کو اس آخری نسخ کا علم نہیں ہوا۔ اس لئے انہوں نے اپنے علم کے مطابق خمس رضعات کا حکم بیان کر دیا۔ لہذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کی دلیل کا جواب بھی یہی ہے۔ یہ احادیث اس وقت کی ہیں جب خمس رضعات والا حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۷۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ... (الِی قَوْلِهِ) ... أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا، وَإِنَّمَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَأَيْهِ فُلَانًا -لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرُّضَاعَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَبِيبًا لِعَمِّهَا مِنَ الرُّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ، إِنَّ الرُّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (ص ۳۶۳ سطر ۱۱۴۱)

### تشریح

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف فرما تھے ایک شخص افلح نے حضرت حفصہؓ کے یہاں آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک شخص آپ کے گھر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر فلاں شخص زندہ ہوتا جو میرا رضاعی چچا تھا کیا وہ میرے پاس آسکتا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں آسکتا تھا۔ کیونکہ رضاعت ان تمام رشتوں کو حرام کرتی ہے جنہیں نسب حرام کرتا ہے۔

قوله: إِنَّ الرُّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (ص ۳۶۳ سطر ۱۱۴۱)

اس حدیث کی وجہ سے امت کا اس پر اجماع ہے۔ جتنے رشتے نسب اور دامادی کے رشتے سے حرام ہوتے ہیں اتنے ہی رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ چنانچہ رضاعت کی وجہ سے رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں رضاعی بہنیں، رضاعی خالائیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی ماموں اور تمام اصول

وفروع حرام ہو جاتے ہیں سوائے ان بعض صورتوں کے جنہیں حضرات فقہاء کرامؒ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۷۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ... (الى قوله) ... عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا، وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرِّضَاعَةِ، بَعْدَ أَنْ أَنْزَلَ الْحِجَابُ، قَالَتْ: فَأَيُّتُ أَنْ آذَنَ لَهُ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ: فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ (ص ۳۶۷ سطر ۲۱)

### تشریح

#### ایک تعارض کا ازالہ

قوله: أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، (ص ۳۶۷ سطر ۱)

اس حدیث میں یہ ہے کہ افلاح جو ابی قعیس کے بھائی تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آنے کی اجازت مانگی اور وہ ان کے رضاعی چچا تھے اور زندہ تھے جبکہ اس باب کی پہلی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر میرے فلاں رضاعی چچا زندہ ہوتے اور وہ میرے پاس آنا چاہتے تو آسکتے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں آسکتے تھے۔ اس طرح دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے دور رضاعی چچا تھے۔ پہلی حدیث میں ان کے بارے میں سوال کیا جو وفات پا چکے تھے اور دوسری حدیث میں دوسرے چچا کے بارے میں سوال کیا جو زندہ تھے۔ لہذا کوئی تعارض نہیں۔<sup>(۲)</sup>

۱۰۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الى قوله) ... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّنِي عَمِّي مِنَ الرِّضَاعَةِ أَفْلَحُ بْنُ أَبِي قُعَيْسٍ، فَذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ، وَزَادَ، قُلْتُ: إِنَّمَا أَرْضَعْتَنِي الْمَرْأَةَ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ، قَالَ تَرَبَّتْ يَدَاكِ أَوْ يَمِينُكَ (ص ۳۶۷ سطر ۲۲)

### تشریح

قوله: تَرَبَّتْ يَدَاكِ أَوْ يَمِينُكَ (ص ۳۶۷ سطر ۲۲)

(۱) حکمة فتح المہم ج ۱ ص ۱۶۔

(۲) حکمة فتح المہم ج ۱ ص ۲۸۔

رضعات معلومات کا حکم نازل ہوا۔ پھر یہ بھی منسوخ ہو گیا اور مطلق رضاعت سے حرمت رضاعت کا حکم نازل ہوا جو مذکورہ بالا آیت میں ہے۔ لہذا حضرت عائشہؓ کو اس آخری نسخ کا علم نہیں ہوا۔ اس لئے انہوں نے اپنے علم کے مطابق خمس رضعات کا حکم بیان کر دیا۔ لہذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کی دلیل کا جواب بھی یہی ہے۔ یہ احادیث اس وقت کی ہیں جب خمس رضعات والا حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۷۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ... (الْي قَوْلَهُ) ... أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا، وَإِنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَأَيْتَ فُلَانًا -لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرِّضَاعَةِ- قَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرِّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ، إِنَّ الرِّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (مس ۴۶۴ سطر ۱۴۲)

### تشریح

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف فرما تھے ایک شخص افلاح نے حضرت حفصہؓ کے یہاں آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک شخص آپ کے گھر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر فلاں شخص زندہ ہوتا جو میرا رضاعی چچا تھا کیا وہ میرے پاس آسکتا تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں آسکتا تھا۔ کیونکہ رضاعت ان تمام رشتوں کو حرام کرتی ہے جنہیں نسب حرام کرتا ہے۔

قوله: إِنَّ الرِّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (مس ۴۶۴ سطر ۱۴۲)

اس حدیث کی وجہ سے امت کا اس پر اجماع ہے۔ جتنے رشتے نسب اور دامادی کے رشتے سے حرام ہوتے ہیں اتنے ہی رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ چنانچہ رضاعت کی وجہ سے رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں رضاعی بہنیں، رضاعی خالائیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی ماموں اور تمام اصول

وفروع حرام ہو جاتے ہیں سوائے ان بعض صورتوں کے جنہیں حضرات فقہاء کرامؒ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۷۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ... (الى قوله) ... عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا، وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرِّضَاعَةِ، بَعْدَ أَنْ أَنْزَلَ الْحِجَابَ، قَالَتْ: فَأَيُّتُ أَنْ أَدْنَ لَهُ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ: فَأَمَرَنِي أَنْ أَدْنَ لَهُ عَلَى (ص ۳۶۷ سطر ۲۱)

### تشریح

#### ایک تعارض کا ازالہ

قوله : أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ، (ص ۳۶۷ سطر ۱)

اس حدیث میں یہ ہے کہ افلاح جو ابی قعیس کے بھائی تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آنے کی اجازت مانگی اور وہ ان کے رضاعی چچا تھے اور زندہ تھے جبکہ اس باب کی پہلی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر میرے فلاں رضاعی چچا زندہ ہوتے اور وہ میرے پاس آنا چاہتے تو آسکتے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں آسکتے تھے۔ اس طرح دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے دور رضاعی چچا تھے۔ پہلی حدیث میں ان کے بارے میں سوال کیا جو وفات پا چکے تھے اور دوسری حدیث میں دوسرے چچا کے بارے میں سوال کیا جو زندہ تھے۔ لہذا کوئی تعارض نہیں۔<sup>(۲)</sup>

۱۰۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الى قوله) ... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّنِي عَمِّي مِنَ الرِّضَاعَةِ أَفْلَحُ بْنُ أَبِي قُعَيْسٍ، فَذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ، وَزَادَ، قُلْتُ: إِنَّمَا أَرْضَعْتَنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ، قَالَ تَرَبَّتْ يَدَاكِ أَوْ يَمِينُكَ (ص ۳۶۷ سطر ۲۲)

### تشریح

قوله : تَرَبَّتْ يَدَاكِ أَوْ يَمِينُكَ (ص ۳۶۷ سطر ۲۲)

(۱) بحکمہ فتح المبین ج ۱ ص ۱۶۔

(۲) بحکمہ فتح المبین ج ۱ ص ۲۹۔



یعنی تم محتاج اور فقیر ہو اور مٹی ہو یہ اصل میں بددعا ہے لیکن اہل عرب اس کو کسی چیز کا انکار کرنے یا ڈانٹنے یا اظہارِ تعجب کے وقت استعمال کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی مسلمان کے حق میں یہ جملہ یا اس جیسے دیگر جملے ارشاد فرمانے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتے کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ بات منوار کی ہے کہ مسلمانوں کے حق میں ایسے بے ساختہ بددعا یہ جملے اگر میرے منہ سے نکلیں تو ان کو مسلمان کے حق میں موجب خیر و برکت بنانا۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۸۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قولہ) ... عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قُلْتُ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا لَكَ تَنَوَّقَ فِي قُرَيْشٍ وَتَدْعُنَا؟ فَقَالَ: وَعِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ قُلْتُ:

نَعَمْ، بِنْتُ حَمْزَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي، إِنَّهَا

ابْنَةُ أُخِي مِنَ الرِّضَاعَةِ (ص ۳۶۷ طر: ۱۹، ۱۸)

### تشریح

قولہ: تَنَوَّقَ الخ (ص ۳۶۷ طر: ۱۹) ای تختار اس کے معنی منتخب کرنے کے ہیں۔ یہ نیکۃ سے مشتق ہے جو منتخب چیز کو کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی عمارہؓ سے نکاح نہیں کرتے جو قریش کی لڑکیوں میں بہت خوبصورت ہے آپ نے جواب دیا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں کیونکہ وہ میری رضاعی بیٹی ہے اور اللہ تعالیٰ نے وہ تمام رشتہ جو نسب سے حرام فرمائے ہیں رضاعت سے بھی حرام فرمائے ہیں کیونکہ حضرت ثویبہؓ نے جواب لوہب کی باندی تھیں حضرت حمزہؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں اپنا دودھ پلایا تھا۔ اور حضرت حمزہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا چار سال بڑے تھے۔<sup>(۳)</sup>

۱۰۸۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، ... (الی قولہ) ... عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ

بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ لَهُ:

هَلْ لَكَ فِي أُخْتِي بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ؟ فَقَالَ: أَفَعَلُ مَاذَا؟ قُلْتُ: تَنْكِحُهَا، قَالَ: أَوْ

تُجَبِّينَ ذَلِكَ؟ قُلْتُ: لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيةٍ، وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكْنِي فِي الْخَيْرِ أُخْتِي،

(۱) کما فی صحیح البخاری بحوالہ تکملة فتح الملهم ج ۱ ص ۲۳۔

(۲) شرح النووی ج ۱ ص ۳۶۷۔

(۳) نکتہ فتح الملهم ج ۱ ص ۲۸۔

قَالَ : فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي ، قُلْتُ : فَإِنِّي أُخْبِرُ أَنَّكَ تَخْطُبُ ذُرَّةَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ ،  
قَالَ : بِنْتُ أُمِّ سَلَمَةَ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ ، قَالَ : لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَيْبَتِي فِي حَجْرِي مَا  
حَلَّتْ لِي ، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرِّضَاعَةِ ، أَرْضَعْتَنِي وَأَبَاهَا ثَوْبِيَّةُ ، فَلَا تَعْرِضَنَّ عَلَيَّ  
بَنَاتِيكَ ، وَلَا أَخَوَاتِيكَ (ص ۳۶۴ طرا ۳۶۱)

### تشریح

قوله : زَيْنَبُ بِنْتُ أُمِّ سَلَمَةَ (ص ۳۶۸ طرا ۱)

یہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد المخزومی کی بیٹی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو یہ ان کی گود میں تھیں اور ان کا دودھ پیتی تھیں ان کا نام بڑہ تھا جسے بدل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رکھا۔ یہ مدینہ طیبہ کی عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہ شمار ہوتی تھیں یہ حضرت ام حبیبہؓ سے نقل کرتی ہیں جو حضرت ابوسفیانؓ کی بیٹی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن جس کا نام عروہ تھا عرض کیا کہ آپ کو اس سے نکاح کرنے میں دلچسپی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر راضی ہو؟ (حالانکہ وہ تمہاری سوکن بنے گی) میں نے عرض کیا کچھ مضائقہ نہیں میں چاہتی ہوں کہ وہ بھی آپ کے نکاح میں آکر دنیا و آخرت کی بھلائی میں شریک ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے حلال نہیں ہے کیونکہ ایک ساتھ دو بہنیں ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں تو حضرت ام حبیبہؓ نے عرض کیا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ نے ابو سلمہ کی بیٹی ذرہ کو نکاح کا پیغام دیا تھا آپ نے فرمایا ہاں، مگر میں نے ان سے نکاح نہیں کیا کیونکہ وہ میری ربیبہ تھی جو میری زیر پرورش تھی اور اس لئے بھی وہ میرے لئے حلال نہ تھی کہ وہ میری رضاعی بیٹی تھی غرض کہ دو وجہ سے اس سے نکاح کرنا حرام تھا ایک ربیبہ ہونے کی وجہ سے، دوسرا رضاعی بیٹی ہونے کی وجہ سے کیونکہ مجھے اور اس کے باپ کو ثوبیہؓ نے دودھ پلایا تھا۔ لہذا تم اپنی بیٹیاں اور بہنیں مجھ سے نکاح کے لئے پیش نہ کیا کرو۔<sup>(۱)</sup>

### ربیبہ سے نکاح حرام ہے

اس حدیث سے واضح طور سے ثابت ہوا کہ ربیبہ سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ وہ سوتیلے

باپ کے زیر پرورش ہو یا نہ ہو۔ یہی جمہور کا مسلک ہے اور قرآن کریم میں ہے:-

”وَرَبَائِكُمْ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ“ (۱)

اس آیت میں زیر پرورش ہونے کی قید عام دستور کے مطابق ہے بطور قید احترازی کے نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض اہل ظاہر نے سمجھا ہے جو درست نہیں۔ جمہور نے حدیث بالا کے آخری حصہ وَلَا تَعْرِضْنَ عَلَىٰ بَنَاتِكُنَّ سے بھی استدلال کیا ہے۔ کہ یہ الفاظ عام ہیں کہ ربیبہ سوتیلے باپ کی پرورش میں ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (۲)

۱۰۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ بْنُ الْمُهَاجِرِ،... (الی قولہ)... أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ، حَدَّثَتْهُ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَتْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، انكِحْ أُخْتِي عَزَّةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَجِيبِينَ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَسْتُ لَكَ بِمُخَلِيَّةٍ، وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكْتَنِي فِي خَيْرِ أُخْتِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَحِلُّ لِي، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَإِنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تُنكِحَ ذُرَّةَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: بِنْتُ أَبِي سَلَمَةَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حِجْرِي مَا حَلَلْتُ لِي، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرِّضَاعَةِ، أَرْضَعْتَنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثَوْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَىٰ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ (مس ۴۶۸ ط ۹۵)

### تشریح

قولہ : أَرْضَعْتَنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثَوْبَةُ (مس ۴۶۸ ط ۹۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے حضرت ثوبہؓ نے چند روز اپنا دودھ پلایا اُس وقت ان کا بیٹا مسروح ان کا دودھ پیتا تھا اور اس سے پہلے حضرت ثوبہؓ نے حضرت حمزہؓ کو، ان کے بعد ابو سلمہ بن عبد الاسد کو دودھ پلایا۔ (۳)

۱۰۹۵۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قولہ)... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَقَالَ سُويْدٌ وَزُهَيْرُ بْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

(۱) سورة النساء آیت ۳۳۔

(۲) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۔

(۳) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۔

وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةَ وَالْمَصَّتَانِ (ص ۳۶۸ سطر ۱۱: ۱۲)

### تشریح

قوله: لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةَ وَالْمَصَّتَانِ (ص ۳۶۸ سطر ۱۱)

المصّة ایک مرتبہ دودھ پینے کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے اصحاب ظاہر نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ حرمت رضاعت ثابت ہونے کے لئے کم سے کم تین مرتبہ دودھ پینا ضروری ہے ایک یا دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ احناف کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup> جیسا کہ اس مسئلہ کی تفصیل کتاب الرضاع کے شروع میں گزر چکی ہے۔

۱۰۹۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،... (الی قوله)... عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ، قَالَتْ: دَخَلَ أُعْرَابِيٌّ عَلَى نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ فِي بَيْتِي، فَقَالَ: يَا نَبِيُّ اللَّهِ، إِنِّي كَانَتْ لِي امْرَأَةٌ، فَتَزَوَّجْتُ عَلَيْهَا أُخْرَى، فَزَعَمَتِ امْرَأَتِي الْأُولَى أَنَّهَا أَرْضَعَتِ امْرَأَتِي الْحُدْنَى رَضْعَةً أَوْ رَضْعَتَيْنِ، فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةَ وَالْإِمْلَاجَتَانِ (ص ۳۶۸ سطر ۱۳ تا ص ۳۶۹ سطر ۱)

### تشریح

قوله: عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ (ص ۳۶۸ سطر ۱۳)

ان کا نام لبابہ بنت الحارث ہے۔ یہ حضرت عباسؓ کی بیوی ہیں اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی سگی بہن ہیں عورتوں میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بعد سب سے پہلے یہ ایمان لانے والی ہیں ان کی دو بہنیں اور بھی تھیں ایک حضرت اسماءؓ اور حضرت سلمیٰؓ یہ چاروں بہنیں مسلمان تھیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله: الْحُدْنَى (ص ۳۶۹ سطر ۱ تا ۲)

مراد نئی اور دوسری بیوی ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله: الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ (ص ۳۶۹ سطر ۱)

الاملاجة بچے کے منہ میں ایک مرتبہ پستان دینے کو کہتے ہیں یہ باب سمع سے آتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) بحکمہ فتح المبین ج ۱ ص ۳۵۔

(۲) بحکمہ فتح المبین ج ۱ ص ۳۴۔

(۳) بحکمہ فتح المبین ج ۱ ص ۳۴۔

(۴) حور ۱۰

حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمُسَمَعِيُّ،... (الی قولہ)... عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ  
بَنِي عَامِرِ بْنِ صَعَصَعَةَ، قَالَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، هَلْ تُحَرِّمُ الرُّضْعَةَ الْوَاحِدَةَ؟ قَالَ:  
لَا (ص ۳۶۹ سطر ۲: ۳)

### تشریح

قولہ : لَا (ص ۳۶۹ سطر ۳: ۳)

اس باب کی احادیث میں ایک مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہونے کے  
متعلق یہ حدیث سب سے زیادہ صریح ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ شیر خوار بچے کے پیٹ میں  
دودھ کا جانا نہ پایا جائے۔ اس مسئلہ میں جمہور کا مذہب قوی ہے۔ کیونکہ احادیث میں دودھ پلانے کی  
مختلف مقداریں آئی ہیں لہذا کم سے کم اتنی مقدار میں دودھ پینا حرمت رضاعت کے لئے ضروری ہے  
جیسے دودھ پینا کہا جائے اس کے لئے دودھ پلانے کی کوئی خاص تعداد ضروری نہیں۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قولہ)... أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ، حَدَّثَتْ،  
أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُحَرِّمُ الرُّضْعَةَ أَوْ الرُّضْعَتَانِ، أَوْ الْمَصَّةُ  
أَوْ الْمَصَّتَانِ (ص ۳۶۹ سطر ۵۲۳: ۵۲۳)

### تشریح

قولہ : الرُّضْعَةُ أَوْ الرُّضْعَتَانِ (ص ۳۶۹ سطر ۳: ۳)

اس حدیث میں دو لفظ آئے ہیں ”المصة“ اور ”الرضعة“ دونوں میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ  
”المصة“ ایک مرتبہ چسکی لینے کو کہتے ہیں چاہے اس ایک چسکی میں بچے نے ایک قطرہ دودھ پیا ہو۔  
اس کو ”المصة“ کہا جاتا ہے۔ اور ”الرضعة“ چھٹی طرح دودھ پینے کو کہتے ہیں چاہے بچے نے متعدد  
چسکیاں لی ہوں۔<sup>(۲)</sup>

بالغ شخص کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی

۱۰۹۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو النَّاقِدُ،... (الی قولہ)... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ  
سَهْلَةَ بِنْتُ سَهْلٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي

(۱) مکمل فتح الملہم ج ۱ ص ۴۲۔

(۲) مکمل فتح الملہم ج ۱ ص ۴۳۔

أَرَى فِي وَجْهِ أَبِي حُذَيْفَةَ مِنْ دُخُولِ سَالِمٍ وَهُوَ خَلِيفُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْضِعِيهِ، قَالَتْ: وَكَيْفَ أَرْضِعُهُ؟ وَهُوَ رَجُلٌ كَبِيرٌ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ، زَادَ عُمَرُو فِي حَدِيثِهِ: وَكَانَ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي عُمَرَ: فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۳۶۹ سطر ۱۲ تا ۱۵)

### تشریح

قوله : سَهْلَةٌ بِنْتُ سَهْلٍ (ص ۳۶۹ سطر ۱۳)

یہ حضرت حذیفہؓ کی بیوی کا نام ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : إِنِّي أَرَى فِي وَجْهِ أَبِي حُذَيْفَةَ (ص ۳۶۹ سطر ۱۳)

یعنی میں ابو حذیفہؓ کے چہرے پر ناگواری محسوس کرتی ہوں (سالم مولیٰ ابی حذیفہ) کے میرے پاس آنے کی وجہ سے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : مِنْ دُخُولِ سَالِمٍ وَهُوَ خَلِيفُهُ (ص ۳۶۹ سطر ۱۳)

حضرت سالم بن معطلؓ حضرت ابو حذیفہؓ کے حلیف اور مولیٰ تھے۔ دراصل یہ ایک انصاری عورت فاطمہ کے غلام تھے۔ اس نے ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد کر دیا تو انہوں نے حضرت ابو حذیفہؓ سے عقد موالات کر لیا۔ حدیث مذکور میں حلیف سے یہی مولیٰ الموالات مراد ہے۔ اور حضرت ابو حذیفہؓ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ اور حضرت ابو حذیفہؓ ان کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے۔ پھر جب اللہ پاک نے یہ حکم نازل کیا: وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كَمِ ابْنَاءِ كَمِ ذَلِكَ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ - الْآيَةَ

تو ہر شخص نے متبنی کی نسبت کو اس کے اصل باپ کی طرف لوٹا دیا۔ اور اپنی نسبت ختم کر کے ان کے اصل والدین کی طرف ان کی نسبت شروع کر دی۔ اور جس کے والد کا علم نہ ہوتا۔ اس کی نسبت اس کے مولیٰ کی طرف کر دیتے تھے۔ اس لئے حضرت سالم کو مولیٰ ابی حذیفہؓ کہا جاتا تھا۔ اور یہ شروع میں اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور مسجد قباء میں مہاجرینؓ و انصارؓ کی امامت فرماتے تھے۔ اور یہ اکثر صحابہؓ سے زیادہ قرآن کریم جانتے تھے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مکمل فتح المسند ج ۱ ص ۴۸۔

(۲) حوالہ ۷۰۔

(۳) مکمل فتح المسند ج ۱ ص ۴۱۔



حضرت حذیفہؓ کی بیوی سہلہ بنت سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ جب حضرت سالمؓ میرے پاس آتے ہیں تو میں اپنے شوہر ابو حذیفہؓ کے چہرے پر ناگواری محسوس کرتی ہوں میں کیا کروں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کو اپنا دودھ پلا دو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں انہیں کیسے دودھ پلاؤں وہ تو بڑے ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ بڑے ہیں تو کیا کسی برتن وغیرہ میں دودھ نکال کر انہیں پلا سکتیں چنانچہ وہ پانچ دن تک کسی برتن وغیرہ میں دودھ نکال کر حضرت سالمؓ کو دیتی رہیں اور وہ پیتے رہے اس کے بعد حضرت حذیفہؓ کے چہرے کی ناگواری جاتی رہی اور حضرت سالمؓ حضرت سہلہؓ کے پاس جبکہ وہ ننگے سر ہوتی تھیں بلا تکلف آ جاتے تھے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ رخصت دینے کی بناء پر رضاعی ماں بن چکی تھیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ ، (ص ۳۶۹ سطر ۱۳)

اس حدیث کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کا مذہب یہ تھا کہ جس طرح نابالغ بچے کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے کسی بالغ مرد و عورت کو دودھ پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور علامہ ابن حزمؒ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مدت رضاعت کے بعد کسی بچے یا بچی کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور اس پر اجماع ہے۔ جمہور کے چند دلائل یہ ہیں۔

۱ ... حضرت امام بخاریؒ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”حولین کاملین لمن اراد ان یتیم الرضاعة“<sup>(۲)</sup> سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ دو سال کی عمر ہونے کے بعد کسی بچے کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

۲ ... عن عائشة مرفوعاً فانما الرضاعة من المجاعة. (اخرجه الشيخان)<sup>(۳)</sup>

یعنی وہ رضاعت موجب حرمت ہے جو بھوک زائل کر دے اور وہ دو سال کی عمر کے اندر اندر ہے اس کے بعد دودھ سے بھوک ختم نہیں ہوتی، روٹی اور دیگر غذاؤں سے ہوتی ہے جیسا کہ

(۱) مکملہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۔

(۲) سورہ النور ۲۳۳۔

(۳) صحیح البخاری کتاب النکاح باب من قال ”لا رضاع بعد حولین“ رقم الحدیث ۴۷۱۲ وصحیح مسلم کتاب الرضاع باب من

الرضاع من المجاعة ۴۶۴۲۔



ایسی اور متعدد احادیث کتابِ مسلم میں آرہی ہیں۔

۳ ... عن جابر ان رسول الله ﷺ قال لا رضاع بعد فصالي و لا يتم بعد احتلام  
(اخرجه ابو داؤد في مسنده (۱))

اور حضرت سالمؓ کو حضرت سہلہؓ کے دودھ پلانے والی حدیث کا جمہور نے یہ جواب دیا ہے۔  
کہ یہ حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ کی خصوصیت تھی۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ آگے متعدد احادیثِ مسلم  
میں یہ صراحت آرہی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے سوا دیگر ازواجِ مطہراتؓ اس حکم کو حضرت سالمؓ کے ساتھ  
خاص سمجھتی تھیں۔ اور وہ حضرت عائشہؓ کے موقف سے اختلاف رکھتی تھیں۔ (۲)

### باب انما الرضاعة من المجاعة (ص: ۴۷۰)

مدت رضاعت میں دودھ پینا معتبر ہے

۱۱۱۱۔ حَدَّثَنِي هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ، ... (الى قوله)... قَالَتْ عَائِشَةُ: دَخَلَ عَلَيَّ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعِنْدِي رَجُلٌ قَاعِدٌ، فَاسْتَدَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ  
وَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهُ أُخِي مِنَ الرُّضَاعَةِ،  
قَالَتْ: فَقَالَ: انْظُرْ إِخْوَتُكُنَّ مِنَ الرُّضَاعَةِ، فَإِنَّمَا الرُّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ  
(ص: ۴۷۰ سطر: ۲۱)

### تشریح

قوله : فَإِنَّمَا الرُّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ (ص: ۴۷۰ سطر: ۳)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے یہاں  
تشریف لائے۔ اور اُن کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اُسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کا اُن  
کے پاس بیٹھنا ناگوار ہوا۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے مبارک چہرے میں غصہ  
کے آثار محسوس کئے تو میں نے عرض کیا کہ حضور یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے تحقیق  
کر لیا کر دکھاؤ کہ واقعی وہ تمہارا رضاعی بھائی ہے یا نہیں کیونکہ شرعی طور پر رضاعت کا اعتبار بھوک کے وقت  
ہے۔

اس میں المجاعة جوع سے مشتق ہے جس کے معنی بھوک کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا

(۱) مسند ابی داؤد الصالی رحمہ الحدیث ۱۸۶۷۔

(۲) نکمة ج ۱ ص ۵۲۵۰۔

ہے کہ شریعت میں دودھ پینا وہ موجب حرمت رضاعت ہے جو بچے کے دودھ پینے کے زمانے میں ہو اور وہ دودھ بچے کی بھوک مٹائے۔ اور جسمانی طور پر بچے کی غذا کا کام دے۔ کیونکہ اسی زمانے میں دودھ جزو بدن بنتا ہے اور اس سے بچے کا جسم بڑھتا ہے جس سے بچہ دودھ پلانے والی عورت کے جسم کے جزو کی طرح ہو جاتا ہے اور وہ اس کی دیگر اولاد کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اور یہ سب کچھ مدت رضاعت میں ہوتا ہے مدت رضاعت کے بعد نہیں ہوتا۔ اور حدیث بالا میں مذکورہ شخص نے مدت رضاعت کے بعد دودھ پیا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے اس کو اپنا دودھ شریک بھائی سمجھ لیا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا۔

مدت رضاعت جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے۔<sup>(۱)</sup> لہذا دو سال کی عمر کے بعد ڈھائی سال کے اندر اندر اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو احتیاطاً حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup>

### باب جواز وطی المسببة بعد الاستبراء... الخ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ الْقَوَارِيرِيُّ،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْمَعْدَرِيِّ، "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ بَعَثَ حَبِشًا إِلَى أُوطَاسَ، فَلَقُوا عَدُوًّا، فَقَاتَلُوهُمْ فَظَهَرُوا عَلَيْهِمْ، وَأَصَابُوا لَهُمْ سَبَايَا، فَكَانَ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَرَّجُوا مِنْ غُشْيَانِهِنَّ مِنْ أَجْلِ أَرْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي ذَلِكَ: "وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ"، أَيْ: فَهُنَّ لَكُمْ حَلَالٌ إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ (ص ۳۷۰ سطر ۵۴)

قوله: أُوطَاسَ، (ص ۳۷۰ سطر ۶)

یہ بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی کا نام ہے جہاں غزوہ اوطاس ہوا تھا۔ یہ وادی مکہ مکرمہ سے تین مراحل کے فاصلہ پر ہے۔

قوله: فَظَهَرُوا عَلَيْهِمْ، (ص ۳۷۰ سطر ۶)

(۱) مکملہ فتح الملہم: ج ۲ ص ۲۲۵ و شرح النووی ج ۱ ص ۴۶۹۔

(۲) مرقۃ: ص ۲۲۵ ج ۲ و مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۵۲۔

یعنی مسلمان بنو ہوا زن پر غالب آئے اور ان کی عورتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئیں۔

قوله : تَحَرَّجُوا مِنْ غَشِيَانِهِنَّ (ص ۷۰ سطر ۱۳)

چنانچہ مسلمان ان عورتوں سے صحبت کرنے میں احتیاط کرنے لگے اور ان سے صحبت کرنے کو گناہ سمجھنے لگے۔ کیونکہ ان کے شوہر موجود تھے۔ اس پر اللہ پاک نے آیت ”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ“ نازل فرمائی اور ان عورتوں سے استبراء کے بعد صحبت کرنا حلال کر دیا کیونکہ ان عورتوں کا ان کے مشرک شوہروں سے نکاح فسخ ہو گیا تھا۔<sup>(۱)</sup>

اسی بناء پر امت کا اس پر اجماع ہے کہ جب کوئی حربی عورت لڑائی میں مسلمانوں کی قید میں آجائے تو اس کے غیر مسلم شوہر سے اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا اور وہ عورت مال غنیمت کی تقسیم میں جس مجاہد کے حصہ میں آئے گی استبراء کے بعد وہ اس کے لئے حلال ہوگی لیکن جمہور کے نزدیک اس کے حلال ہونے کی مجموعی طور پر دو شرطیں ہیں۔

۱ ... ایک یہ کہ وہ مسلمان یا کتابی ہو۔ ۲ ... دوسرے یہ کہ استبراء ہو جائے۔<sup>(۲)</sup>

### باب الولد للفراش وتوقی الشبهات... الخ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ،... (الی قوله)... عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ : اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَعَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فِي غُلَامٍ، فَقَالَ سَعْدُ : هَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ابْنُ أُخِي عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَهْدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، انْظُرْ إِلَيَّ شَبَهِهِ، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ : هَذَا أُخِي يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَدَ عَلِيٍّ فِرَاشِ أَبِي مِنْ وَلِيدَتِهِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى شَبَهِهِ، فَرَأَى شَبَهًا بَيْنَا بَعْتَبَةَ، فَقَالَ : هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ، الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَاحْتَجَبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ، قَالَتْ : فَلَمْ يَرَ سَوْدَةَ قَطُّ، وَلَمْ يَذْكُرْ مُحَمَّدٌ بْنُ رُمَحٍ : قَوْلُهُ : يَا عَبْدُ (ص ۷۰ ج ۱ - سطر ۱۲)

اس باب کی شروع کی احادیث میں ایک واقعہ مذکور ہے۔ اس کو سمجھنے سے پہلے اس کا پس منظر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کی کچھ باندیاں ایسی ہوتی تھیں جو

(۱) بکسہ فتح السہم ج ۱ ص ۶۳۔

(۲) بکسہ فتح السہم ج ۱ ص ۶۳۔

بدکاری کروا کر پیسے کماتی تھیں اور اپنے آقاؤں کو دیتی تھیں اس دوران ان کے آقا بھی ان سے صحبت کرتے رہتے تھے اور بدکار لوگ بھی۔ اور جب ان کے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو کبھی آقا اسے اپنا بیٹا بتاتا تو وہ اس کا بیٹا قرار پاتا اور کبھی زانی اپنا بیٹا بتاتا تو اس سے اس کا نسب ثابت کر دیا جاتا، اگر آقا کا انتقال ہو جاتا اور اس نے ایسے بچے کے بارے میں نہ نسب کا دعویٰ کیا ہو اور نہ انکار۔ اور اس کے ورثاء اس کے بارے میں دعویٰ کریں تو اس کے باپ کے ساتھ اس کو لاحق کر دیا جاتا تھا۔ لیکن وہ ان کے باپ کی میراث میں شریک نہ ہوتا تھا۔ الا یہ کہ تقسیم میراث سے پہلے اس کو لاحق کیا جاتا تو وہ میراث میں بھی شریک ہوتا تھا البتہ اگر آقا، نے اس کو اپنا بنانے سے انکار کر دیا ہو تو وہ پھر کسی صورت میں اس کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا تھا۔

ام المؤمنین حضرت سودہ کے والد کا نام زمعہ بن قیس ہے ان کی ایک ایسی ہی باندی تھی جیسی باندیوں کا اوپر ذکر آیا وہ خود بھی اس سے صحبت کرتے تھے۔ اور عقبہ بن ابی وقاص بھی اس سے ملتے تھے۔ جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی تھے۔ اور ان کا انتقال کفر کی حالت میں ہوا۔

عقبہ بن ابی وقاص نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ مذکورہ باندی کا حمل ان کا ہے لہذا ان کا نسب ان سے لاحق کیا جائے تو حضرت سعد فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ گئے تو انہوں نے اس باندی سے پیدا ہونے والے بچے کو دیکھا اور اس میں اپنے بھائی عقبہ سے واضح مشابہت پائی اور اسی مشابہت سے انہوں نے اسے پہچانا لہذا اس بچہ کو اپنی گود میں لے لیا اور اپنے بھائی عقبہ سے ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے ساتھ لاحق کیا تو عبد بن زمعہ نے ان سے جھگڑا کیا اور کہا کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے کیونکہ یہ ان کی باندی سے پیدا ہوا ہے بالآخر یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے عبد بن زمعہ کے بارے میں فیصلہ کیا اور زمانہ جاہلیت کے حق کو باطل قرار دیا۔<sup>(۱)</sup>

اب حدیث بالا کی تشریح ملاحظہ ہو۔

قوله : عَبْدُ بَنُ زَمْعَةَ (ص ۷۰ سطر ۱۳)

زمعہ کی میم ساکن ہے اور یہی رائج ہے۔ یہ حضرت سودہ کے بھائی ہیں جو فتح مکہ کے موقع

پر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : فِي غُلَامٍ، (ص ۴۷۰ سطر ۱۳) ان کا نام عبدالرحمن ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، (ص ۴۷۰ سطر ۱۳)

عتبہ کی عین پر ضمہ ہے اور تاء ساکن ہے یہ وہی شخص ہے جس نے غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی کیا تھا اور آپ کی داڑھ مبارک توڑی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدو عادی کہ اے اللہ! اسے سال گزرنے سے پہلے ہی حالت کفر میں موت دینا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدو عا اس کو ایسی لگی کہ سال گزرنے سے پہلے ہی حالت کفر میں اس کا انتقال ہوا۔<sup>(۳)</sup>

قولہ : عَهْدَ إِلَى اللَّهِ أَنَّهُ، (ص ۴۷۰ سطر ۱۳)

یعنی عتبہ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو وصیت کی کہ زمرہ کی باندی کا بچہ میرا بیٹا ہے اور بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ تم اس کو لے لینا۔<sup>(۴)</sup>

قولہ : وَلِيدَتِهِ، (ص ۴۷۰ سطر ۱۵)

ولیدہ کے اصل معنی لڑکی کے ہیں تاہم یہ باندی اور جاریہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اگرچہ باندی بڑی عمر کی ہو۔<sup>(۵)</sup>

قولہ : هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ، (ص ۴۷۰ سطر ۱۵)

یعنی اے عبد بن زمرہ یہ تمہارا بھائی ہے شوافع ان الفاظ سے اس بچہ کا نسب زمرہ سے ثابت کرتے ہیں اور احناف کے اس میں دو قول ہیں بعض ان الفاظ سے نسب ثابت نہیں کرتے صرف زمرہ کی وراثت میں اس کو شریک قرار دیتے ہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مولیٰ سے اس کا نسب دعویٰ کئے بغیر ثابت نہیں ہوتا اور بعض نسب ثابت کرتے ہیں کیونکہ مذکورہ باندی زمرہ کی ام ولد تھی۔<sup>(۶)</sup>

(۱) نکتہ فتح المسند ج ۱ ص ۶۸۹۔

(۲) نکتہ فتح المسند ج ۱ ص ۴۹۔

(۳) نکتہ فتح المسند ج ۱ ص ۶۹۔

(۴) حوالہ ص ۷۰۔

(۵) نکتہ فتح المسند ج ۱ ص ۶۹۔

(۶) نکتہ فتح المسند ج ۱ ص ۷۰۔

قوله : **الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ**، (ص ۴۷۰ سطر: ۱۵)

یعنی جس کی باندی بچہ اس کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے فرمایا کہ محض عبد بن زمعة کے کہنے سے یہ بچہ ان کے باپ زمعة کا بیٹا نہیں بنا بلکہ مذکورہ باندی چونکہ ان کے باپ زمعة کی فراش یعنی ام ولد تھی اس لئے اسی کا بچہ قرار پایا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : **وَالْعَاهِرُ الْحَجَرُ**، (ص ۴۷۰ سطر: ۱۵)

عاهر سے مراد زانی ہے اور علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ زانی کے لئے حجر ہے اس سے مراد اس کو پتھر سے زخمی کرنا ہے۔ یعنی زانی کو رجم کیا جائے گا۔ لیکن اس مطلب پر حضرت امام نوویؒ نے اعتراض کیا ہے کہ رجم کے لئے محسن ہونا ضروری ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ حجر سے محروم ہونا اور خائب و خاسر ہونا مراد ہے۔ یعنی زانی کے لئے پتھر ہے یعنی وہ بچے کے نسب کا دعویٰ کرنے میں محروم ہے۔ یہ دوسری تشریح الفاظ حدیث کے زیادہ قریب اور قابل قبول ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : **وَاحْتَجَبِي مِنْهُ يَا مَوْدَّةُ بِنْتُ زَمْعَةَ**، (ص ۴۷۰ سطر: ۱۱)

یہاں ایک اشکال ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ باندی کے بچہ کا نسب زمعة سے ثابت فرمایا تو وہ حضرت سودہؓ کا بھائی ہوا۔ پھر آپ نے حضرت سودہؓ کو ان سے پردہ کرنے کا کیوں حکم دیا؟ تو احناف و شوافع نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتیاط پردہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ ان میں عتبہ بن ابی وقاص کے ساتھ واضح مشابہت پائی جاتی تھی اور شوہر اپنی بیوی کو اس کے بعض محارم سے پردہ کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

### باب العمل بالحاق القائف الولد

۱۱۲۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى... (الی قوله)... عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: إِذَا رَمَوْلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، دَخَلَ عَلَى مَسْرُورًا، تَبَرَّقَ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ: أَلَمْ تَرَى أَنَّ مُحَازًا نَظَرَ آفِئًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَأَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ:

(۱) فتح المسهم ج ۱ ص ۷۰۔

(۲) بکمة فتح المسهم ج ۱ ص ۷۰۔

(۳) بکمة فتح المسهم ج ۱ ص ۷۱ و شرح فتاویٰ ج ۱ ص ۴۶۱۔

(ص ۴۷۱ سطر: ۸۴۶)

إِنْ بَعْضَ هَذِهِ الْأَقْدَامِ لِحِنْ بَعْضٍ

## تشریح

قائف اس شخص کو کہتے ہیں جو آثار و علامات میں غور کر کے کسی شخص کے بارے میں بتائے کہ وہ فلاں شخص کا بھائی یا باپ ہے۔ اس کی جمع قافۃ آتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں علم قیافہ کا بڑا زور تھا، اہل عرب قیافہ شناس کی بات کو سند کا درجہ دیتے تھے۔ اور اس کی بات پر بہت زیادہ بھروسہ کرتے تھے اور اس کی وضاحت کے بعد کسی کے نسب پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔<sup>(۱)</sup> اس پس منظر میں حدیث الباب کی تشریح سمجھیں!

قوله : دَخَلَ عَلَيَّ (ص ۴۷۱ سطر: ۷)

اصل قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ بہت گورے چٹے تھے۔ اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زیدؓ نہایت کالے تھے۔ جس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں لوگ حضرت اسامہؓ کے نسب پر اعتراض کرتے تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی۔ مُحْزَزُ الْمَدْلِجِ ایک قیافہ شناس شخص تھا۔ وہ ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں آیا جہاں یہ دونوں باپ بیٹے چادر سے منہ ڈھکے سوئے ہوئے تھے۔ اور ان کے پیر کھلے ہوئے تھے۔ اس نے ان کے پیر دیکھ کر کہا کہ یہ باپ بیٹے کے پیر ہیں۔ جس سے حضرت اسامہؓ کے نسب پر اعتراض والی بات غلط ہوگئی اور محرز چونکہ قیافہ شناس شخص تھا اس لئے اس کی بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس کی بات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی اور خوشی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : تَبَرَّقَ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، (ص ۴۷۱ سطر: ۷) أَسَارِيرُ کا مفرد سِرٌّ ہے اسکی جمع اسرار اور سرر آتی ہے۔ یہ دراصل ہتھیلی کے اندرونی حصہ کی لکیروں کو کہتے ہیں اور کبھی چہرہ اور پیشانی کی لکیروں کو بھی کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی لکیروں دک اٹھیں۔<sup>(۳)</sup>

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مَسْرُورًا، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ، أَلَمْ تَرَى أَنَّ مُحْزَزًا الْمَدْلِجِيَّ دَخَلَ عَلَيَّ، فَرَأَى أَسَامَةَ وَزَيْدًا، وَعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا

(۱) منہج بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۸۲۔

(۲) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۸۴، ۸۵۔

(۳) شرح النووی ج ۱ ص ۴۷۱۔



رءُ وَسَهْمًا، وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا، فَقَالَ : إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (ص ۴۷۰)

(سطر ۱۰۷۷)

### تشریح

قولہ : إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (ص ۴۷۱ سطر ۱۰)

یعنی یہ قدم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ لہذا معجز المدلجی کے قیافہ شناسی کی رو سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں باپ بیٹے ہیں۔ اور ان دونوں کا نسب درست ہے۔ اور زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا حضرت اسامہ کے نسب پر اعتراض کرنا غلط ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جواب سے خوشی ہوئی۔<sup>(۱)</sup>

### قیافہ شناس کے قول سے ثبوت نسب کا حکم

کسی بچہ کا نسب قیافہ شناس کے قول سے ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں قیافہ شناس کی بات شرعاً حجت ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ قیافہ شناس کا قول حجت ہے اور اس سے نسب ثابت ہو سکتا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک قیافہ شناس کا قول حجت نہیں اور اس کے قول سے ہرگز نسب ثابت نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل حدیث الباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجز المدلجی قیافہ شناس کی بات سے مسرور ہونا ہے۔ جو ان کے نزدیک اس کے شرعاً معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اس کا قول شرعاً معتبر نہ ہوتا تو آپ اس کو زمانہ جاہلیت کے اعتراض کے خلاف حجت نہ مانتے۔ احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کا نسب تو پہلے ہی سے حضرت زید بن حارثہؓ سے ثابت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے ثابت کرنے کے لئے کسی کے قول کی ضرورت نہ تھی۔ اور معجز المدلجی کے قول سے آپ اس لئے خوش ہوئے کہ اس کے قول سے زمانہ جاہلیت کے اعتراض کا غلط ہونا ثابت ہو گیا۔ لہذا اب آئندہ کوئی حضرت اسامہؓ کے نسب پر اعتراض نہ کر سکے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا اس بناء پر نہ تھا کہ قیافہ شناس کا قول شرعاً ثبوت نسب میں حجت ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) بحکمۃ فتح المہم ج ۱ ص ۸۵۔

(۲) بحکمۃ فتح المہم ج ۱ ص ۸۶۔

احناف کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے ہاں کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے (حالانکہ میں اور میری بیوی کالی نہیں ہے۔ تو یہ لڑکا میرا ہو سکتا ہے؟) آپ نے فرمایا: (یہ تمہارا لڑکا ہے محض کالے رنگ ہونے کی وجہ سے بچہ کا نسب ختم نہیں ہو سکتا پھر آپ نے اس کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دی) کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان کا رنگ کیسا ہے اس نے کہا: لال رنگ کے اونٹ ہیں آپ نے فرمایا کہ ان سے خاکی رنگ کے اونٹ بھی پیدا ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں پیدا ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی اوپر کی نسل میں کوئی نہ کوئی خاکی اونٹ ہوگا اس کا اثر لال اونٹوں کے بچوں میں ظاہر ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ یہاں بھی اسی طرح سمجھ لو۔ کتاب اللعان کے آخر میں یہ حدیث آرہی ہے۔

دوسری دلیل اس باب سے پہلے باب میں زمعہ کی باندی سے پیدا ہونے والے بچہ والی حدیث ہے جس میں بچہ عتبہ بن ابی وقاصؓ کے واضح طور پر مشابہہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض مشابہت کی وجہ سے عتبہ سے اس کا نسب ثابت نہیں کیا بلکہ جس کی باندی تھی یعنی زمعہ کی اس سے اس کا نسب ثابت کیا اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مشابہت شرعاً حجت نہیں۔ اور قیافہ شناسی کی بنیاد بھی آثار و علامات پر ہے۔ لہذا وہ بھی ثبوت نسب میں حجت نہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب قدر ما تستحقہ البکر والشیب... الخ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قولہ)... عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، وَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ بِكَ عَلَى أَهْلِكَ هَوَانٌ، إِنْ شِئْتَ سَبَّعْتُ لَكَ، وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكَ، سَبَّعْتُ لِنِسَائِي (ص ۴۷۱، ج ۱۳ سطر ۱۳)

### ترجمہ

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ ان کے پاس تین دن رہے پھر فرمایا کہ اے ام سلمہؓ تمہارے گھر والوں کے حق میں کوئی ذلت و خواری کی بات نہیں (بلکہ عزت کی بات ہے) کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن رہوں پھر اگر میں سات دن تمہارے یہاں رہوں تو دیگر بیویوں کے یہاں بھی سات دن رہوں گا۔

رُءُوسَهُمَا، وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا، فَقَالَ : إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (ص ۴۷۰)

(سطر ۱۰ تا ۱۰)

## تشریح

قوله : إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (ص ۴۷۱ سطر ۱۰)

یعنی یہ قدم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ لہذا مجرز المدلحی کے قیافہ شناسی کی رو سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں باپ بیٹے ہیں۔ اور ان دونوں کا نسب درست ہے۔ اور زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا حضرت اسامہ کے نسب پر اعتراض کرنا غلط ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جواب سے خوشی ہوئی۔ (۱)

## قیافہ شناس کے قول سے ثبوت نسب کا حکم

کسی بچہ کا نسب قیافہ شناس کے قول سے ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں قیافہ شناس کی بات شرعاً حجت ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ قیافہ شناس کا قول حجت ہے اور اس سے نسب ثابت ہو سکتا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک قیافہ شناس کا قول حجت نہیں اور اس کے قول سے ہرگز نسب ثابت نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل حدیث الباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرز المدلحی قیافہ شناس کی بات سے سرور ہونا ہے۔ جو ان کے نزدیک اس کے شرعاً معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اس کا قول شرعاً معتبر نہ ہوتا تو آپ اس کو زمانہ جاہلیت کے اعتراض کے خلاف حجت نہ مانتے۔ احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کا نسب تو پہلے ہی سے حضرت زید بن حارثہؓ سے ثابت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے ثابت کرنے کے لئے کسی کے قول کی ضرورت نہ تھی۔ اور مجرز المدلحی کے قول سے آپ اس لئے خوش ہوئے کہ اس کے قول سے زمانہ جاہلیت کے اعتراض کا غلط ہونا ثابت ہو گیا۔ لہذا اب آئندہ کوئی حضرت اسامہؓ کے نسب پر اعتراض نہ کر سکے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا اس بناء پر نہ تھا کہ قیافہ شناس کا قول شرعاً ثبوت نسب میں حجت ہے۔ (۲)

(۱) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۸۵۔

(۲) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۸۶۔

احناف کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے ہاں کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے (حالانکہ میں اور میری بیوی کالی نہیں ہے۔ تو یہ لڑکا میرا ہو سکتا ہے؟) آپ نے فرمایا: (یہ تمہارا لڑکا ہے محض کالے رنگ ہونے کی وجہ سے بچہ کا نسب ختم نہیں ہو سکتا پھر آپ نے اس کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دی) کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان کا رنگ کیسا ہے اس نے کہا: لال رنگ کے اونٹ ہیں آپ نے فرمایا کہ ان سے خاکی رنگ کے اونٹ بھی پیدا ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں پیدا ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی اوپر کی نسل میں کوئی نہ کوئی خاکی اونٹ ہوگا اس کا اثر لال اونٹوں کے بچوں میں ظاہر ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ یہاں بھی اسی طرح سمجھ لو۔ کتاب اللعان کے آخر میں یہ حدیث آرہی ہے۔

دوسری دلیل اس باب سے پہلے باب میں زمعہ کی باندی سے پیدا ہونے والے بچہ والی حدیث ہے جس میں بچہ عتبہ بن ابی وقاصؓ کے واضح طور پر مشابہہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض مشابہت کی وجہ سے عتبہ سے اس کا نسب ثابت نہیں کیا بلکہ جس کی باندی تھی یعنی زمعہ کی اس سے اس کا نسب ثابت کیا اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مشابہت شرعاً حجت نہیں۔ اور قیافہ شناسی کی بنیاد بھی آثار و علامات پر ہے۔ لہذا وہ بھی ثبوت نسب میں حجت نہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب قدر ما تستحقہ البکر والثیب... الخ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ،... (الی قولہ)... عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، وَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ بِكَ عَلَى أَهْلِكَ هَوَانٌ، إِنْ شِئْتَ سَبَعْتُ لَكَ، وَإِنْ سَبَعْتُ لَكَ، سَبَعْتُ لِنِسَائِي (ص ۴۷۱، ج ۱۳ سطر ۱۳)

### ترجمہ

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ ان کے پاس تین دن رہے پھر فرمایا کہ اے ام سلمہؓ تمہارے گھر والوں کے حق میں کوئی ذلت و خواری کی بات نہیں (بلکہ عزت کی بات ہے) کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن رہوں پھر اگر میں سات دن تمہارے یہاں رہوں تو دیگر بیویوں کے یہاں بھی سات دن رہوں گا۔

## تشریح

## متعدد بیویوں میں باری مقرر کرنے کا حکم

قوله : إِنَّهُ لَيْسَ بِكَ عَلَى أَهْلِكَ هَوَانٌ، (ص ۴۷۲ سطر ۱۰)

اور بعض روایات میں ہے کہ ان بك على اهلك كرامة بہر حال حدیث شریف کے مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میرا تمہارے پاس صرف تین دن رہنا تمہارے قبیلہ والوں کے لئے موجب ذلت نہیں بلکہ دوسری روایت کے الفاظ کی رو سے موجب عزت ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَإِنْ سَبَعْتَ لَكَ، سَبَعْتُ لِنِسَائِي (ص ۴۷۲ سطر ۱۰)

اگر کوئی شخص پہلے سے شادی شدہ ہو اور اس کے نکاح میں ایک یا ایک سے زائد بیویاں موجود ہوں پھر وہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو نئی بیوی اور پرانی بیوی میں باری مقرر کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور اکثر فقہاء کرام کے نزدیک نئی بیوی کنواری ہو تو سات دن اور شیبہ ہو تو تین دن اس کے پاس رہنا واجب ہے۔ اور یہ ایام عام باری سے الگ ہونگے اس کے بعد نئی اور پرانی بیوی میں برابر باری مقرر کی جائے گی۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک باری کے حکم میں نئی اور پرانی، شیبہ اور کنواری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب میں یکساں باری مقرر کرنا ضروری ہے۔ لہذا شوہر نئی بیوی کے ساتھ تین دن یا سات دن رہے تو باقی بیویوں کے پاس بھی اتنے دن رہنا واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اس باب کی حدیث انسؓ ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:-

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : إِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيْبِ، أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيْبَ عَلَى الْبِكْرِ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا<sup>(۲)</sup>

احناف نے ان کی دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ شوہر باری کا طریقہ بدل دے اگر نئی بیوی کے پاس سات دن رہے تو پرانی بیوی کے پاس بھی سات دن رہے اسی طرح شیبہ کے بارے میں سمجھ لیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سات دن اور تین دن باری سے الگ کریں۔

(۱) فتح المہم ج ۱ ص ۹۰

(۲) مکملہ فتح المہم ۴۷۲ ج ۱ ص ۸۔

اور ان ایام کو باری میں شمار نہ کریں۔ اور اس کی دلیل حضرت ام سلمہؓ کی حدیث الباب ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

إِنْ شِئْتَ سَبْعَتْ لَكَ، وَإِنْ سَبْعَتْ لَكَ، سَبْعَتْ لِنِسَائِي۔ (ص ۴۷۲ سطر ۱)

ورنہ اگر نئی بیبہ بیوی کا حق شرع تین دن ہوتا اور آپؐ حضرت ام سلمہؓ کے پاس سات دن ٹھہرتے تو تین دن باری میں شمار نہ ہوتے چار دن شمار ہوتے۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باقی ازواج مطہرات کے پاس بھی چار چار دن ٹھہرتے۔ کیونکہ حضرت ام سلمہؓ کے حق میں آپؐ نے صرف چار دن کا اضافہ کیا۔ لیکن حدیث میں اس طرح نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

احناف کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔ ”فَإِنْ حِفْظُكُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً“<sup>(۲)</sup> اور ”وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَنَازِلَهُنَّ كَالْمُعَلَّقَةِ“<sup>(۳)</sup>

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: مَنْ لَهْ كَانَ امْرَأَتَانِ يَمِيلُ لِأَحَدِهِمَا عَلَى الْآخَرَى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَجُرُّ أَحَدُ شِقْبَيْهِ مِاقِطًا أَوْ مَائِلًا (معرجہ الخمسة والدارمی)<sup>(۴)</sup>  
یہ آیات اور احادیث اپنے عموم کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ بیویوں میں عدل واجب ہے۔ لہذا باری مقرر کرنے میں قدیم و جدید، کنواری اور بیبہ سب برابر ہیں احناف کے نزدیک یہی رائج ہے۔<sup>(۵)</sup>

### حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر باری مقرر کرنا واجب نہ تھا

ایک سے زیادہ بیویوں میں باری مقرر کرنا امت مسلمہ کے مردوں پر بالاتفاق واجب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بیویوں میں باری مقرر کرنا واجب تھا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:-

۱۔ ... واجب ہے۔

(۱) مکشاة فتح المصنوع ج ۱ ص ۹۰ و ۹۱

(۲) سورۃ النساء آیت ۳

(۳) سورۃ النساء ۱۲۹

(۴) سنن ابی داود معجم الصحیح ج ۱ ص ۳۸۸

(۵) مکشاة فتح المصنوع ج ۱ ص ۹۰ و ۹۱ و مرقاہ ج ۶ ص ۲۵۹



۲ ... باری مقرر کرنا آپ پر واجب نہ تھا۔ لیکن آپ احسان و تبرع کے طور پر ازواج مطہرات کی دلجوئی کے لئے باری مقرر فرماتے تھے۔ اور احناف کے نزدیک یہی قول رائج ہے اور ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

”تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤْوَى إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ“<sup>(۱)</sup>

یعنی آپ جس کو رکھنا چاہیں رکھ لیں اور جس کو چھوڑنا چاہیں چھوڑ دیں۔<sup>(۲)</sup>

### کم سے کم باری کی مقدار کتنی ہے؟

باری مقرر کرنے کا درجہ کم سے کم ایک رات ہے یعنی اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو کم سے کم ایک رات ایک بیوی کے پاس اور ایک رات دوسری بیوی کے پاس رہے۔ اگر تیسری بیوی بھی ہو تو ایک رات اس کے پاس رہے نیز شوہر اپنی صوابدید اور بیویوں کے مشورے سے اس سے زیادہ دنوں کی باری بھی مقرر کر سکتا ہے مثلاً ہر ایک کے پاس تین تین دن رہے یا سات سات دن رہے وغیرہ۔ اور اگر کسی کے شوہر کی ڈیوٹی رات کی ہو جیسے رات کے چوکیداروں کا حال ہے تو وہ دن میں باری مقرر کر سکتا ہے بہر حال باری مقرر کرنے میں بیویوں کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنا ضروری ہے۔<sup>(۳)</sup>

### سفر اور محبت میں برابری کا حکم نہیں

شوہر کو اپنی متعدد بیویوں سے محبت کرنے میں برابری کرنا ضروری نہیں یہ حکم بالاتفاق ہے۔ کیونکہ محبت کسی سے کم اور کسی سے زیادہ ہونا غیر اختیاری چیز ہے۔ اور شرعاً اختیاری امور میں برابری ضروری ہے غیر اختیاری امور میں ضروری نہیں۔ ایسے ہی سفر میں جانے کے لئے شوہر کو اختیار ہوگا کہ اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کو ساتھ لے جائے بالاتفاق اس میں بھی برابری ضروری نہیں لیکن اگر قرعہ اندازی کر کے لے جائے تو بہتر ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔<sup>(۴)</sup>

### باب القسم بین الزوجات و بیان... الخ

القسم یہ قاف کے زبر اور سین کے سکون کے ساتھ ہے جو قسم یقسم (باب ضرب) کا

(۱) سورۃ الاحزاب ۵۱۔

(۲) حد۔ ج ۶ ص ۱۰۱۔

(۳) مرقۃ ج ۶ ص ۲۵۷۔

(۴) مرقۃ ج ۶ ص ۲۵۸۔



مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں باٹنا اور تقسیم کرنا۔ تقسیم کرنے کے بعد شرکاء کے حصہ میں جو کچھ آئے۔ اس کو بھی قسم اور حصہ کہتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں قسم ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان رات گزارنے میں باری مقرر کرنے کو کہتے ہیں۔ مثلاً: ایک رات ایک بیوی کے پاس رہے تو دوسری بیوی کے پاس بھی ایک رات رہے، تیسری کے پاس بھی ایک رات رہے اور اگر ایک بیوی کے پاس دو راتیں رہے تو دوسری بیویوں کے پاس بھی دو راتیں رہے مقصود یہ ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں میں رات گزارنے میں مساوات اور برابری کرنا ضروری ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ”قسم“ رات گزارنے میں، نان و نفقہ میں، نفقہ اور رہائش کے انتظام کرنے میں برابری کو کہتے ہیں یعنی جتنا ایک بیوی کو دے اتنا ہی دوسری بیوی کو دے۔ قسم کا یہ مفہوم زیادہ واضح ہے۔<sup>(۱)</sup>

۱۱۳۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قولہ) ... عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَةٍ، فَكَانَ إِذَا قَسَمَ بَيْنَهُنَّ، لَا يَنْتَهِي إِلَى الْمَرْأَةِ الْأُولَى إِلَّا فِي تِسْعٍ، فَكُنَّ يَجْتَمِعْنَ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي بَيْتِ النَّبِيِّ يَأْتِيهَا، فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ، فَجَاءَتْ زَيْنَبُ، فَمَدَّ يَدَهُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ: هَذِهِ زَيْنَبُ، فَكَفَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ، فَتَقَاوَلَتَا حَتَّى اسْتَخَبَتَا، وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ عَلَى ذَلِكَ، فَسَمِعَ أَصْوَاتَهُمَا، فَقَالَ: اخْرُجْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَى الصَّلَاةِ، وَاحْتُكِ فِي أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: الْآنَ يَقْضِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ، فَيَجِيءُ أَبُو بَكْرٍ فَيَفْعَلُ لِي وَيَفْعَلُ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ، أَتَاهَا أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ لَهَا قَوْلًا شَدِيدًا، وَقَالَ: أَتَصْنَعِينَ هَذَا. (مس ۳۷۲ سطر ۱۰ تا ۱۳ ص ۳۷۳)

### تشریح

قولہ: تِسْعُ نِسْوَةٍ، (مس ۳۷۲ سطر ۱۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کل گیارہ بیویاں تھیں اور جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

ہوا اس وقت آپ کے نکاح میں نو بیویاں حیات تھیں جن کے نام یہ ہیں:-

- ۱ ... حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲ ... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔
- ۳ ... حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴ ... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- ۵ ... حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۶ ... حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- ۷ ... حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۸ ... حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- ۹ ... حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جس ترتیب سے یہاں ان کے نام لکھے گئے ہیں ان سے نکاح کرنے کی ترتیب بھی یہی ہے۔<sup>(۱)</sup>

آپ کی حیات طیبہ میں دو بیویوں کا انتقال ہو گیا تھا ایک حضرت خدیجہ الکبریٰ اور دوسری حضرت زینب خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

### حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بکثرت عورتوں سے نکاح کرنے کی حکمت

آپ نے اپنی حیات طیبہ میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور ۲۵ سال ان کے ساتھ گزارے اس کے بعد آپ نے مذکورہ خواتین سے نکاح فرمائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا باقی ٹیبہ تھیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

حضرات علماء کرامؒ نے اس کی مختلف حکمتیں بیان فرمائی ہیں، اُن میں سب سے زیادہ وقع حکمت وہ ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کے لئے زندگی کے ہر پہلو اور زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین اسوہ اور عملی نمونہ بنا کر بھیجا تھا۔ تاکہ آپ کی امت ان کو دیکھ کر عمل کر سکے۔

آپ کی جو زندگی گھر سے باہر گزرتی تھی اس میں آپ کی جو تعلیمات، سنتیں اور اسوہ تھیں وہ آپ کے بے شمار مرد صحابہ کرامؓ کے سامنے تھیں۔ جو ان کے ذریعے محفوظ ہو گیا تھا لیکن گھریلو زندگی آپ کس طرح گزارتے ہیں؟ اور وہاں آپ کی تعلیمات اور سنتیں کیا ہیں؟ اور گھر والوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں آپ کا کیا اسوہ اور عملی نمونہ ہے؟ اس کو بھی جاننے اور محفوظ کرنے کی ضرورت تھی۔

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اعزاء و اکرام کی خاطر سے زیادہ عورتوں سے نکاح حلال فرمایا

تاکہ زیادہ سے زیادہ خواتین کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی آئے اور اس میں آپ کا طرز عمل اور اسوہ باقی امت کے عمل کے لئے محفوظ ہو جائے اس لئے بکثرت خواتین سے آپ نے نکاح فرمائے۔ چنانچہ تقریباً آدھا دین اور اس کے بیشتر احکام و مسائل ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے واسطے سے اور بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد آپ نے ۱۰ خواتین سے نکاح فرمایا جن کا ذکر اوپر گزرا۔ حضرت تھانویؒ نے ان کے بارے میں تین لطائف بھی ذکر فرمائے ہیں۔

۱ ... جمع کثرت کا کم سے کم عدد دس ہے۔

۲ ... تواتر کا کم سے کم عدد دس ہے۔

۳ ... دس کا عدد آپ کی مدینہ منورہ کی دس سال زندگی کے مطابق بھی ہے۔<sup>(۱)</sup> فللہ

الحمد

خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ عورتوں سے نکاح فرمانا اس لئے ہے تاکہ آپ کے گھریلو اور بیویوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے طور طریقے، تعلیمات اور ارشادات، اسوہ اور سنتیں محفوظ ہوں۔ اور وہ امت مسلمہ کے لئے ازدواجی زندگی میں راہنمائی کا ذریعہ بنیں یہ کثرت نکاح معاذ اللہ ثم معاذ اللہ شہوت پوری کرنے کے لئے نہ تھے۔ جیسا کہ بعض مخالفین نے اعتراض کیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : فَكُنْ يَجْتَمِعَنَّ كُلُّ لَيْلَةٍ (ص ۴۷۳ طر: ۱۱)

حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ شوہر کے لئے مستحب ہے کہ وہ خود ہر بیوی کی باری میں اس کے گھر جائے۔ ان سب کو اپنے کسی ایک گھر میں نہ بلائے۔ لیکن اگر ہر بیوی کو اس کی باری میں الگ الگ اپنے گھر بلائے تو یہ جائز ہے مگر خلاف افضل ہے۔<sup>(۳)</sup>

اور علامہ ابیؒ نے فرمایا کہ جس بیوی کی باری نہ ہو بلا ضرورت اس کے ہاں نہ جائے، اور تمام بیویوں کا کسی ایک بیوی کے یہاں اس کی رضا مندی سے جمع ہونا جائز ہے۔ اگر وہ راضی نہ ہو تو

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے کثرہ الارواح لصاحب المعراج مکتبہ المولفہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ

(۲) حکمہ صحیح بمعہ ج ۱ ص ۹۶۔

(۳) شرح النووی ج ۱ ص ۴۷۰۔

منع کر سکتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَمَدَّ يَدَهُ إِلَيْهَا، (ص ۳۷۳ سطر ۱)

اس میں الیہا کی ضمیر میں دو احتمال ہیں :-

۱ ... ایک یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی طرف لوٹ رہی ہو اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینبؓ کے آنے کا علم نہ ہوا۔ کیونکہ اس زمانہ میں عموماً گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے کہ وہ اور حضرت عائشہؓ مخلوت میں ہیں اس لئے آپ نے ہاتھ بڑھایا۔ پھر جب حضرت عائشہؓ نے حضور کو حضرت زینبؓ کے آنے کی اطلاع دی تو آپ نے ہاتھ روک لیا۔ آپ کے اس عمل سے حضرات فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ ایک سوکن کی موجودگی میں شوہر کو دوسری بیوی سے نفع اٹھانا مناسب نہیں۔<sup>(۲)</sup>

۲ ... دوسرا احتمال یہ ہے کہ الیہا کی ضمیر حضرت زینبؓ کی طرف راجع ہو۔ اس وقت یہ مطلب ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں اندھیرے کی وجہ سے حضرت زینبؓ کو نہیں پہچانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حضرت عائشہؓ سمجھے اور ان کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن جب حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ حضرت زینبؓ ہیں تو آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ کیونکہ باری کی رات حضرت عائشہؓ کی تھی۔ اس صورت میں حضرات فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ جس بیوی کی باری ہو اس کی باری میں شوہر کو دوسری بیوی سے نفع نہ اٹھانا چاہئے۔<sup>(۳)</sup>

قوله : فَتَقَاوَلْنَا (ص ۳۷۳ سطر ۱)

یعنی دونوں ازواج مطہرات ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے لگیں۔

قوله : اسْتَخَبْنَا، (ص ۳۷۳ سطر ۱)

یہ باب افتعال سے ہے اور منخب سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں آواز کا مخلوط اور بلند ہونا۔

یعنی دونوں ازواج مطہرات کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔<sup>(۴)</sup>

(۲) اکمل المعجم ج ۴ ص ۸۷۔

(۲) مکمل فتح المعجم ج ۱ ص ۹۷۔

(۳) مکمل فتح المعجم ج ۱ ص ۹۸۔

(۴) شرح ساری ج ص ۴۷۳۔

قوله : وَأَقِيَمَتِ الصَّلَاةَ، (ص ۲۷۳ ط ۱)

اور نماز کے لئے اقامت شروع ہو گئی اور حضرت صدیق اکبرؓ وہاں سے گزرے اور ازواج مطہرات کی آوازیں سنیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نماز کے لئے تشریف لائیے میں نماز کے بعد ان کے منہ میں مٹی ڈالوں گا، یعنی ان کو ڈانٹوں گا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں بلند نہ کیا کریں۔ چنانچہ نماز کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہؓ کو سخت ڈانٹ پلائی کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی حرکت کرتی ہو خبردار! آئندہ ایسا نہ کرنا وغیرہ۔<sup>(۱)</sup>

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات سے اس قدر حسن اخلاق سے پیش آنا اور ان کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمانا اور ان کے مذکورہ طرز عمل کو گوارہ کرنا مذکور ہے۔ جو بہترین اسوہ اور نمونہ ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کی اس واقعہ میں فضیلت بھی ظاہر ہے۔<sup>(۲)</sup>

### باب جواز ہبتھا نوبتھا لضررتھا

بیوی کا اپنی باری دوسری سوکن کو حصہ کرنا جائز ہے

اس باب کی احادیث کی تشریح سے پہلے بطور خلاصہ سمجھنا چاہئے کہ

باری مقرر کرنا عورتوں کا حق ہے۔ جب اُن کا حق ہے تو وہ اپنا حق چھوڑ بھی سکتی ہیں۔ لہذا اگر کوئی بیوی اپنی باری شوہر کو حصہ کر دے اور یہ کہے کہ میری باری میں میرے پاس آنا ضروری نہیں آپ میرے حصہ کی شب کسی اور بیوی کے پاس گزارنا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے تو بیوی ایسا کر سکتی ہے اور شوہر کو اختیار ہے قبول کرے یا نہ کرے اور قبول کرنے کی صورت میں اس رات کو جس کے ساتھ چاہے گزارے چاہے مستقلاً یا غیر مستقل طور پر۔ مثلاً کسی کی تین بیویاں ہیں ایک بیوی نے اپنی باری اس کو دے دی تو شوہر چاہے باقی دو میں سے جس کے ساتھ چاہے جا کر رات گزارے، دوسری بیوی کو اعتراض کا حق نہیں اور جس بیوی نے اپنی باری حصہ کی ہے وہ جب چاہے اپنی باری سے رجوع کرنے کا حق رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کا حق ہے۔ اور صاحب حق کو اپنے حق سے رجوع کرنے کا اختیار ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں جب حضرت سودہؓ عمر رسیدہ ہوئیں اور آپ نے انہیں طلاق دینا چاہا اور ایک روایت کے مطابق انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے طلاق نہ دیں

(۱) لکھنؤ فتح المعجم ج ۱ ص ۹۸، ۹۹۔

(۲) شرح البدای ج ۱ ص ۴۷۳۔

میں اپنی باری حضرت عائشہؓ کو حبہ کرتی ہوں۔ کیونکہ میں آپ کے نکاح میں مرنا چاہتی ہوں تاکہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں تو آپ نے ان کو طلاق نہ دی اور ان کی باری حضرت عائشہؓ کے پاس گزارتے تھے۔ یہ واقعہ مذکورہ مسئلہ کی دلیل ہے۔<sup>(۱)</sup>

۱۱۴۳۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قولہ)... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ امْرَأَةً أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ فِي مِسْلَاحِهَا مِنْ سَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ، مِنْ امْرَأَةٍ فِيهَا حِدَّةٌ، قَالَتْ: فَلَمَّا كَبِرْتُ، جَعَلْتُ يَوْمَهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَائِشَةَ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِي مِنْكَ لِعَائِشَةَ، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَيْنِ، يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ (ص ۴۷۳ سطر ۵۲۳)

### تشریح

قولہ : أَنْ أَكُونَ فِي مِسْلَاحِهَا (ص ۴۷۳ سطر ۴)

المسلاح کے معنی کھال کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ اتنی اچھی اور بااخلاق تھیں کہ میری تمنا تھی کہ میں ان کے جسم اور روپ میں ہوتی۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : مِنْ امْرَأَةٍ فِيهَا حِدَّةٌ، (ص ۴۷۳ سطر ۴)

حِدَّة کے معنی غصہ اور مزاج کی تیزی یعنی حضرت سودہ صرف مزاج کی تیز تھیں۔ ورنہ ان میں باقی اوصاف اور کمالات قابلِ قدر اور قابلِ نمونہ تھے۔<sup>(۳)</sup>

### حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کی حکمت

قولہ : فَلَمَّا كَبِرْتُ، جَعَلْتُ يَوْمَهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ص ۴۷۳ سطر ۴)

حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس دورات رہتے۔ اور باقی ازواجِ مطہرات کے پاس ایک رات رہتے تھے۔ اس مسئلہ کی

(۱) مرقہ ج ۶ ص ۲۵۸

(۲) تكملة فتح المسليم ج ۱ ص ۹۹۔

(۳) تكملة فتح المسليم ج ۱ ص ۹۹۔

پوری تفصیل اس باب کے شروع میں گزر گئی۔

اب یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے طلاق دی یا کسی اور وجہ سے؟ اور انہیں کیا حکمت تھی؟ تو واضح ہو کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ طلاق دینا چاہتے تھے۔ اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو ایک طلاق دے دی تھی۔ لیکن پھر ان کی درخواست پر آپ نے رجوع فرمایا تھا۔ بہر صورت اس میں یہ حکمت تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق نہ دیتے تو طلاق دینے اور رجوع کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، اسوہ اور کوئی نمونہ امت کو نہ ملتا۔ اس لئے آپ نے طلاق دی اور رجوع فرمایا۔ یاد رہے کہ حضرت سودہؓ کی عمر زیادہ ہونا اس کا اصل سبب نہ تھا۔ جیسا کہ ظاہر حدیث سے شبہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ حضور کے اخلاقی کریمانہ اور خصائل حمیدہ کے یکسر خلاف تھا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِي مِنْكَ لِعَائِشَةَ، (ص ۳۷۳ سطر ۵۳)

حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک سوکن اپنی باری دوسری سوکن کو حبہ کر سکتی ہے کیونکہ یہ اسی کا حق ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ شوہر قبول کر لے۔ اور احناف کے نزدیک بغیر کسی شرط کے عورت اپنی باری شوہر کو یا اس کی دوسری بیوی کو حبہ کر سکتی ہے۔ اور پھر اپنی باری دوسری کو حبہ کرنے کے بعد جب چاہے اپنی باری واپس لے سکتی ہے اس میں حنفیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قوله) ... كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ،

أَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا كَبُرَتْ بِمَعْنَى حَدِيثِ جَرِيرٍ، وَزَادَ فِي حَدِيثِ شَرِبِلْ: قَالَتْ:

وَكَانَتْ أَوَّلَ امْرَأَةٍ تَزَوَّجَهَا بَعْدِي (ص ۳۷۳ سطر ۷۵)

### تشریح

قوله : وَكَانَتْ أَوَّلَ امْرَأَةٍ تَزَوَّجَهَا بَعْدِي (ص ۳۷۳ سطر ۷۷)

حضرت عائشہؓ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا۔ لیکن مؤرخ علامہ ابن سعدؒ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے

(۱) بحکمہ فتح المہم ج ۱ ص ۱۰۱

(۲) بحکمہ فتح المہم ج ۱ ص ۱۰۱ و شرح البوری ج ۱ ص ۹۷۲



انتقال کے بعد سب سے پہلے حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا۔ ان کے بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا البتہ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سودہؓ کی رخصتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے ہوئی۔ ان کے بعد حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ،... (الی قولہ)... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغَارُ عَلَى اللَّائِي وَهَبَنَ أَنْفُسَهُنَّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَقُولُ: أَوْتَهَبُ الْمَرْأَةَ نَفْسَهَا، فَلَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: "تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوَى إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ" وَمِنْ ابْتِغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ" قَالَتْ: قُلْتُ: وَاللَّهِ، مَا أَرَى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ لَكَ فِي هَوَاكَ. (مس ۴۷۳: ۹۷۷)

### تشریح

قولہ : كُنْتُ أَغَارُ (مس ۴۷۳: ۸۷۷)

یہاں اغار اعیب کے معنی میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ان عورتوں پر عیب لگاتی تھی جو از خود اپنی ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیش کرتی تھیں چنانچہ میں کہتی تھی کہ کیا عورت کو اپنی ذات کسی مرد کو پیش کرنے میں حیا نہیں آتی؟ یہ بات حضرت عائشہؓ غیرت میں آکر فرمایا کرتی تھیں۔ ورنہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس کو حلال فرمایا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آپ اسے قبول کریں اور خواتین اسلام یہ پیش کش محض اس لئے کرتی تھیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور نزدیکی سے عظیم خیر و برکت حاصل کر سکیں۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : عَلَى اللَّائِي وَهَبَنَ أَنْفُسَهُنَّ (مس ۴۷۳: ۸۷۷)

جن خواتین نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیش کیا ان میں حضرت عولہ بنت الحکمیمؓ، حضرت فاطمہ بن شریحؓ، اور لیلیٰ بنت الحطیمؓ ہیں۔<sup>(۳)</sup>

قولہ : فَلَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (مس ۴۷۳: ۸۷۷)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے چنانچہ مفسرین کے اس میں تین قول ہیں:

۱ ... اس آیت میں "تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوَى إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ

(۱) بحکمۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۰۲۔

(۲) بحکمۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۰۳۔

(۳) بحکمۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۰۳۔

وسلم کے واسطے باری مقرر نہ کرنے کا اختیار دینا ہے۔ یعنی آپ پر اپنی بیویوں میں باری مقرر کرنا واجب نہیں۔ جس کے ساتھ چاہیں رات گزاریں جس کے ساتھ چاہیں نہ گزاریں۔ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اختیار استعمال نہیں فرمایا۔ آخری عمر تک باری مقرر فرمائی اور اس کے مطابق عمل فرمایا۔

۲ ... دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے آپ کو اختیار ہے اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہیں رکھیں جس کو چاہیں طلاق دے دیں۔

۳ ... اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جو خواتین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کی پیش کش کریں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر آیا۔ آپ کو اختیار ہے کہ چاہے انہیں قبول کریں یا نہ کریں۔ اس باب میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : مَا أَرَىٰ رَبِّكَ إِلَّا يُسَارِعُ لَكَ فِي هَوَاكٍ (ص ۳۷۳ سطر ۷)

یعنی میں دیکھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خواہش اور پسند کو بہت جلد پورا فرماتے تھے۔

لفظ **ہبہ** سے نکاح ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ

مذکورہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے ایجاب و قبول میں اگر **ہبہ** کا لفظ بولا جائے جیسے دو گواہوں کے سامنے کوئی عورت ہونے والے شوہر سے یہ کہے کہ میں نے اپنی ذات آپ کو **ہبہ** کی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ادزاعیؒ کے نزدیک نکاح ہو جائے گا پھر اگر مہر مقرر کیا تو وہ واجب ہوگا۔ ورنہ مہر مثل واجب ہوگا۔

لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک نکاح درست ہونے کے لئے ایجاب و قبول میں نکاح کرتا ہوں یا شادی کرتا ہوں جیسے الفاظ کہنے ضروری ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ **ہبہ** سے نکاح درست ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسا کہ اسی آیت سے واضح ہے۔ خالصة لك من دون المؤمنين<sup>(۲)</sup>۔ احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مذکورہ آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بغیر مہر کے نکاح کا درست ہونا

(۱) بحوالہ فتح المنہج ج ۱ ص ۱۰۴۔

(۲) سورۃ احزاب ۵۰۔

ہے لفظ صہ سے نکاح منعقد ہونا نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

۱۱۳۸۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ،... (الی قولہ)... أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، قَالَ: حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ حَنَازَةَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَرَفٍ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هَذِهِ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا، فَلَا تُزَعِّعُوا، وَلَا تُزَلُّوْا، وَارْفُقُوا، فَإِنَّهُ كَانَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعٌ، فَكَانَ يَقْسِمُ لِثَمَانٍ، وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ. قَالَ عَطَاءٌ: الَّتِي لَا يَقْسِمُ لَهَا: صَفِيَّةُ بِنْتُ حُنَيْنٍ ابْنِ أَخْطَبَ (ص ۴۷۳ سطر: ۱۰ ج ۱۳)

### تشریح

قولہ : مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۴۷۳ سطر: ۱۱)

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ من ۷ھ میں نکاح فرمایا تھا ان کا پہلا نام برہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدل کر میمونہ رکھا تھا، حضرت عائشہؓ ان کے بارے میں فرماتی تھیں کہ یہ ہم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اوسب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی تھیں ۵۱ھ میں ان کا وصال ہوا۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : بِسَرَفٍ، (ص ۴۷۳ سطر: ۱۱)

اس میں باء پر فتح اور سین کے نیچے کسرہ ہے اس کے لغوی معنی جاہل کے ہیں۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے ۶ میل یا ۷ میل یا ۹ میل یا ۱۲ میل کے فاصلے پر مقام معتمم سے کچھ آگے واقع ہے۔<sup>(۳)</sup> وہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا تھا وہیں ان کی رخصتی ہوئی۔ اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ اور وہیں وہ مدفون ہوئیں۔ اُن کا مزار مبارک معروف ہے جو شارع مدینہ کے بائیں جانب واقع ہے۔ جب مکہ مکرمہ آرہے ہوں۔ ناچیز نے بارہا اُن کے مزار کی زیارت کی ہے۔ واللہ الحمد۔<sup>(۴)</sup>

قولہ : فَلَا تُزَعِّعُوا، (ص ۴۷۳ سطر: ۱۲)

الززعرة کسی اٹھائی ہوئی چیز کو حرکت دینے اور زور سے ہلانے کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ

(۱) مکمل فتح المسہم ج ۱ ص ۱۰۵۔

(۲) مکمل فتح المسہم ج ۱ ص ۱۰۶۔

(۳) شرح سوئی ج ۱ ص ۷۲۔

(۴) مکمل فتح المسہم ج ۱ ص ۱۰۶۔

بن عباسؓ نے فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے جنازہ کو زور سے نہ ہلائیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَارْفُقُوا، (ص ۴۷۳ سطر ۱۲)

مراد یہ ہے کہ ان کا جنازہ آرام آرام سے اور معتدل رفتار سے لے کر چلیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کا ادب و احترام اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ جیسے اس کی زندگی میں ہوتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : الَّتِي لَا يَقْسِمُ لَهَا: صَفِيَّةٌ... (ص ۴۷۳ سطر ۱۳)

یعنی حضرت صفیہؓ کی باری مقرر نہ تھی۔ یہ راوی کا وہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت سودہؓ کی باری مقرر نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاطر حضرت عائشہؓ کو اپنی باری دیدی تھی جیسا کہ احادیث طیبہ میں ہے۔<sup>(۳)</sup>

### باب نکاح ذات الدین

۱۱۴۰۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ،... (الی قوله)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِحَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَأَظْفَرُ بِذَاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ بِذَاكَ (ص ۴۷۳ سطر ۱۴، ۱۵)

### تشریح

قوله : لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، (ص ۴۷۳ سطر ۱۵)

حسب، آباء و اجداد کی شرافت اور بزرگی کو کہتے ہیں جیسے بعض خاندان شریف اور با اخلاق ہوتے ہیں اور بعض خاندان بہادر اور شجاع ہوتے ہیں اور بعض سخی ہوتے ہیں وغیرہ یہ خوبیاں و کمالات ان کی نسل میں بھی منتقل ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہاں حسب سے اچھے اچھے کام مراد ہیں۔ اور نسب خاندانی رشتہ کو کہتے ہیں جیسے سید صدیقی، فاروقی اور عثمانی وغیرہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے خاندان کی لڑکی سے نکاح کرنا مستحب ہے بشرطیکہ دین دار ہو ورنہ دیندار لڑکی کو ترجیح دینا چاہئے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) مکتبہ فتح المسیم ج ۱ ص ۱۰۶۔

(۲) مکتبہ فتح المسیم ج ۱ ص ۱۰۶۔

(۳) مکتبہ فتح المسیم ج ۱ ص ۱۰۷۔

(۴) مکتبہ فتح المسیم ج ۱ ص ۱۰۹۔

قوله : فَأُظْفِرُ بِذَاتِ الدِّينِ (ص ۴۷۳ سطر: ۱۵)

یعنی دین دار عورت کو نکاح کے لئے ترجیح دو اس کی تشریح دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا حسن انہیں سرکش بنادے۔ اور ان کے مال کی وجہ سے نکاح نہ کرو۔ ممکن ہے کہ ان کا مال انہیں نافرمان بنادے بلکہ دین کی وجہ سے نکاح کرو، کیونکہ کالی کلوثی دین دار باعدی (حسین و جمیل اور مالدار عورت سے) افضل ہے۔<sup>(۱)</sup>

خوبصورتی، مالداری اور اعلیٰ خاندان ہونا بے حقیقت نہیں

قوله : فَأُظْفِرُ (ص ۴۷۳ سطر: ۱۵)

اس میں ظفر کا میابی کی انتہا کو کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ سفر ستر ہے لیکن وسیلہ ظفر بھی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم دیندار عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح کی جو پہلی تین وجہیں ہیں، مال، خاندانی شرافت اور خوبصورتی یہ عارضی اور فانی ہیں۔ اور دین دار عورت عموماً مالدار عورت، خاندانی عورت اور حسین و جمیل عورت سے بہتر ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ امور آخرت اور امور دین میں شوہر کے لئے معین اور مددگار بنتی ہے۔ لہذا فانی کے مقابلے میں باقی کو ترجیح دینی چاہئے۔ نیز حدیث شریف سے ان تینوں کی بالکل نفی مراد نہیں ہے اگر کسی عورت میں یہ تینوں اوصاف جمع ہو جائیں تو نور علی نور اور سونے پر سہاگہ ہیں۔ لیکن اگر عورت دیندار نہ ہو۔ اور باقی تین چیزیں اس میں ہوں تو وہ قابل اختیار نہیں۔ بلکہ قابل اختیار دین دار عورت ہے۔

قوله : تَرَبَّثَ يَدَاكَ (ص ۴۷۳ سطر: ۱۵)

یعنی تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں اس جملہ کو واضح کرنے دراصل بددعا کے لئے وضع کیا ہے۔ اس کے اصلی معنی تو ذلیل ہونے یا ہلاک ہونے کے ہیں لیکن اہل عرب اپنے محاورات میں اس کو دوسرے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اظہار تعجب کے لئے، کسی چیز پر ابھارنے اور آمادہ کرنے کے لئے یہاں معنی مراد ہیں بددعا کرنا مراد نہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مکمل فتح المعجم ج ۱ ص ۱۰۹۔

(۲) شرح الطیبی ج ۱ ص ۳۱۹ و مرقا ج ۶ ص ۱۸۸ و فتح المعجم ج ۱ ص ۱۰۹۔

## باب استحباب نکاح البکر

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ،... (الی قولہ)... أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا جَابِرُ تَزَوَّجْتَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: بَكْرًا، أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ: ثَيِّبًا، قَالَ: فَهَلَا بَكْرًا تُلَاعِبُهَا؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنْ لِي أَخَوَاتٌ، فَخَشِيتُ أَنْ تَدْخُلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُنَّ، قَالَ: فَذَاكَ إِذَا، إِنَّ الْمَرْأَةَ تُنْكَحُ عَلَى دِينِهَا، وَمَالِهَا، وَجَمَالِهَا، فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبْتُ يَذَاكَ (ص ۴۷۴ سطر ۳۵ تا ۴۰)

## تشریح

قوله: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً (ص ۴۷۴ سطر ۱)

اس عورت سے مراد سہلہ بنت مسعود ہیں۔ (۱)

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي،... (الی قولہ)... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَزَوَّجْتَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: أَبَكْرًا، أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ: ثَيِّبًا، قَالَ: فَأَيْنَ أَنْتَ مِنَ الْعَذَارَى، وَلِاعِبِهَا، قَالَ شُعْبَةُ: فَذَكَرْتُهُ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، فَقَالَ: قَدْ سَمِعْتَهُ مِنْ جَابِرٍ، وَإِنَّمَا قَالَ: فَهَلَا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ (ص ۴۷۴ سطر ۵۲ تا ۵۷)

## تشریح

قوله: فَأَيْنَ أَنْتَ مِنَ الْعَذَارَى، وَلِاعِبِهَا، (ص ۴۷۴ سطر ۴)

عذارى عذرة کی جمع ہے۔ بمعنی کنواری اور لعاب کے معنی لعاب کے ہیں جو بیوی کی زبان یا ہونٹ چوسنے سے منہ میں آتا ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ ان احادیث میں کنواری عورت سے نکاح کر نیکی فضیلت اور ترغیب ارشاد فرمائی ہے۔ لیکن حضرت جابرؓ نے عرض کیا کہ میرے والد ماجد حضرت عبداللہؓ شہید ہو گئے۔ اور میری نو بہنیں ہیں مجھے اچھا نہ لگا کہ میں انہی کی ہم عمر لڑکی سے شادی کروں اس لئے میں نے ثیبہ عورت سے نکاح کیا

(۱) حلیۃ صبح سلیم ج ۱ ص ۱۱۱۔

(۲) مکشہ صبح سلیم ج ۱ ص ۱۱۲۔

تاکہ ان کی گفتگو، چوٹی کر سکے۔ اور اچھی تربیت کر سکے اور ان کی ماں جیسی لگے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے صحیح کیا جیسا کہ پہلے گزرا۔<sup>(۱)</sup>

### نکاح کی تقریب میں لوگوں کو بلانے میں اعتدال

ان احادیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نکاح کے موقع پر عزیز و اقارب کو بلانے کا زیادہ اہتمام نہ فرماتے تھے۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہو گیا ہے اس سے بچنا چاہئے یہ اسراف اور حد سے تجاوز ہے۔ دیکھئے! حضرت جابرؓ نے نکاح کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر دعوت نہ دی، اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے نکاح کیا جب ان کی آپ سے ملاقات ہوئی اور ان کے نکاح کرنے کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح میں نہ بلانے پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ خیر و برکت کی دعا دی بہر حال صحابہ کرامؓ نہایت سادگی اور اختصار سے نکاح کر لیا کرتے تھے یہی عافیت اور سلامتی والا طریقہ ہے نکاح کی تقریب میں دور حاضر کے تکلفات سراسر موجب تکلیف ہیں۔<sup>(۲)</sup> واللہ سبحانہ اعلم

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، ... (الی قولہ) ... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ، فَلَمَّا أَقْبَلْنَا تَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرِي لِيَقْطُوفَ، فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ خَلْفِي، فَخَسَّ بَعِيرِي بِعَنْزَةٍ كَانَتْ مَعَهُ، فَأَنْطَلَقَ بَعِيرِي كَأَجُودٍ مَا أَنْتَ رَأَى مِنَ الْإِبِلِ، فَالْتَفَتُ، فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا يُعْجِلُكَ يَا جَابِرُ؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي حَدِيثٌ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، فَقَالَ: أَبْكَرًا تَزَوَّجْتَهَا، أَمْ ثَيِّبًا؟ قُلْتُ: بَلْ ثَيِّبًا، قَالَ: هَلَا جَارِيَةٌ تَلَاعِبُهَا وَتَلَاعِبُكَ قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ، فَقَالَ: أُمْهِلُوا حَتَّى نَدْخُلَ لَيْلًا أَوْ عِشَاءً كَيْ تَمُتِ الشَّيْئَةُ، وَتَسْتَحِذَ الْمُغِيبَةُ قَالَ: وَقَالَ: إِذَا قَدِمْتَ فَالْكَئِيسَ الْكَئِيسَ (ص ۴۷۴ سطر ۱۱: ۱۲ تا ۱۳)

### تشریح

قوله: فِي غَزَاةٍ، (ص ۴۷۴ سطر ۱۲)

اس غزوہ سے کونسا غزوہ مراد ہے اس میں روایات مختلف ہیں۔ بعض سے غزوہ تبوک معلوم

(۱) بحکمہ فتح المبین ج ۱ ص ۱۱۳۔

(۲) بحکمہ فتح المبین ج ۱ ص ۱۱۳۔



ہوتا ہے اور بعض سے غزوہ ذات الرقاع۔ رائج یہ ہے کہ اس سے غزوہ ذات الرقاع مراد ہے۔

قوله : قَطُوفٌ، (ص ۴۷۴ سطر ۱۲)

اس میں قاف پر فتح ہے اس کے معنی ہیں ست<sup>(۱)</sup> یعنی میرا اونٹ آہستہ چل رہا تھا۔

قوله : فَتَخَسَّ بَعِيرِي (ص ۴۷۴ سطر ۱۲)

آپؐ نے میرے اونٹ کو حرکت دی اور تیز کیا۔

قوله : بِعَنْزَةٍ (ص ۴۷۴ سطر ۱۲)

اس میں نون پر فتح ہے آدھے نیزے کے برابر لاٹھی کو کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : فَأَنْطَلَقَ بَعِيرِي (ص ۴۷۴ سطر ۱۲)

میرا اونٹ بھی تیز چلنے لگا، یہ برکت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور لاٹھی مارنے کی۔<sup>(۳)</sup>

قوله : بِعُورَسٍ، (ص ۴۷۴ سطر ۱۲)

عرس شادی کو کہتے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری نئی نئی شادی ہوئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا واقعی تم نے شادی کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنواری سے یا بیوہ سے؟ تو حضرت جابرؓ نے عرض کیا کہ بیوہ سے، آپ نے فرمایا کہ تم نے کنواری سے شادی کیوں نہیں کی تاکہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔

قوله : تُلَاعِبُكَ (ص ۴۷۴ سطر ۱۲)

اس سے حقوق زوجیت ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس سے پہلی حدیث میں حضرت جابرؓ کا جواب مذکور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بیوہ سے اس لئے شادی کی ہے کہ میری نو بہنیں کنواری ہیں اگر میں کنواری عورت سے نکاح کرتا تو وہ بھی ان کی طرح ان کے ساتھ رہتی جس سے میری بہنوں کی تربیت نہ ہوتی اور بیوہ عورت ماں کی طرح ایک تجربہ کار عورت بن کر ان کے ساتھ رہ سکے گی۔ اور میری بہنوں کی صحیح تربیت کر سکے گی اس پر آپؐ نے فرمایا: اصبت تم نے ٹھیک کیا۔

(۱) شرح البیہود ج ۱ ص ۴۷۴۔

(۲) شرح البیہود ج ۱ ص ۴۷۴۔

(۳) بحکمۃ فتح المسند ج ۱ ص ۱۱۵۔

قوله : تَمْتَشِطُ

(ص ۴۷۴ سطر: ۱۳)

اس میں امتشاط کے معنی ہیں بالوں میں کنگھی کرنا اور سنوارنا۔

قوله : الشَّعْثُ،

(ص ۴۷۴ سطر: ۱۳)

اس میں شعث کے معنی پرانندہ عورت کے بال کے ہیں کیونکہ ایک قول کے مطابق سفر طویل تھا تقریباً ایک مہینہ کا تھا۔ اور شریف عورتیں شوہر کی عدم موجودگی میں آراستہ پیراستہ ہو کر نہیں رہتیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ انتظار کرو (بہت دور سے آئے ہو، بہت دیر سے آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے گھر والے تمہارے لئے پوری طرح آراستہ نہ ہوں۔ لہذا ان کو کنگھی چوٹی اور غسل کرنے کا موقع دوتا کہ جب گھر جاؤ تو وہ تمہارے استقبال کے لئے پوری طرح تیار ہوں)

قوله : وَتَسْتَحِدُّ

(ص ۴۷۴ سطر: ۱۳)

یہ باب استفعال سے ہے۔ استحد يستحد استحداداً۔ اس کے معنی ہیں لوہا استعمال کرنا۔ مراد اُسترے سے بال صاف کرنا ہے۔<sup>(۱)</sup> اس میں بلیڈ سے بال صاف کرنا یا بال صفا پاؤڈر سے یا کریم سے بال صاف کرنا سب آگیا۔

قوله : الْمُغِيْبَةُ

(ص ۴۷۴ سطر: ۱۳)

اس سے وہ عورت مراد ہے جس کا شوہر گھر میں موجود نہ ہو۔<sup>(۲)</sup> اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات یہ فرمائی تاکہ اسکی بیوی آنے سے پہلے زیر ناف اور بغل وغیرہ کے زائد بال صاف کر لے۔ مرد کے لئے زیر ناف بال اُسترے یا بلیڈ سے اور ریزر سے صاف کرنا اولیٰ ہے۔ بال صفا پاؤڈر کریم سے جائز ہے۔ مگر اولیٰ نہیں۔ لیکن عورت کے لئے یہ بال اکھاڑنا اولیٰ ہے۔ اور اُسترے وغیرہ سے صاف کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ تاہم عذر میں بلا کراہت جائز ہے۔

### ایک سوال اور جواب

سوال :- اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے بھی بلاشبہ لوہا اور بلیڈ وغیرہ سے استعمال کرنا درست ہے۔

(۱) شرح البروی ج ۱ ص ۴۷۴۔

(۲) مرقاة وشمعات ج ۶ ص ۹۲ او مکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۱۶

جواب۔۔ یہاں استحداد سے استرہ یا بلیڈ استعمال کرنا مراد نہیں۔ بلکہ زائد بالوں کو صاف کرنا مراد ہے۔ اور چونکہ یہ پروے کی چیز تھی اس لئے استحداد کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

### ایک اشکال اور جواب

سوال: عام طور پر احادیث طیبہ میں سفر میں واپس رات میں گھر آنے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہاں آپ نے رات میں گھروں میں جانے کا حکم فرمایا جو بظاہر تعارض کی بات ہے۔

جواب: اس کا تدارک یہ ہے کہ جن احادیث میں رات میں آنے کو منع کیا گیا ہے۔ وہاں مراد یہ ہے کہ جب کوئی مسافر بلا اطلاع آئے۔ تو رات میں نہ آئے۔ تاکہ گھر والوں کی نیند خراب نہ ہو۔ اور اس حدیث میں اطلاع کے بعد گھر جانے کا ذکر ہے۔<sup>(۱)</sup> لہذا کوئی تعارض نہیں۔

قوله: إِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيسَ الْكَيسَ (ص ۴۷۴ سطر ۱۳)

اس میں الکیس کے کیا معنی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

۱۔ ... ایک معنی جماع کے ہیں، دوسرے معنی عقل کے ہیں، تیسرے معنی ترقی اور دور اندیشی کے ہیں۔ سب معنی درست ہو سکتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

۱۱۴۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى،... (الی قوله)... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ، فَأَبْطَأَ بِي جَمَلِي، فَأَتَى عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي: يَا جَابِرُ، قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ: أَبْطَأَ بِي عَلَى جَمَلِي، وَأَعْيَا فَتَخَلَّفْتُ، فَتَزَلَّ فَحَجَّجَنِي بِمُحَجِّجِهِ، ثُمَّ قَالَ: ارْكَبْ، فَرَكِبْتُ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَكْفُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَتَزَوَّجَتْ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: أَبْكَرًا، أَمْ ثَيِّبًا؟ فَقُلْتُ: بَلْ ثَيِّبٌ، قَالَ: فَهَلَا جَارِيَةٌ تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قُلْتُ: إِنْ لِي أَنْعَوَاتٍ، فَأُحِبُّتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ امْرَأَةً تَجْمَعُهُنَّ، وَتَمْسُطُهُنَّ، وَتَقُومُ عَلَيْهِنَّ، قَالَ: أَمَا إِنَّكَ قَادِمٌ، فَإِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيسَ الْكَيسَ، ثُمَّ قَالَ: أَتَبِيعُ جَمَلَكَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَاشْتَرَاهُ مِنِّي

(۱) مرقہ وسعادت ج ۶ ص ۱۹۲۔

(۲) نکتہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۱۶۔

بِأُوقِيَّةٍ، ثُمَّ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدِمْتُ بِالْغَدَاةِ، فَجِئْتُ  
 الْمَسْجِدَ، فَوَجَدْتُهُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: الْآنَ حِينَ قَدِمْتُ قُلْتُ: نَعَمْ،  
 قَالَ: فَدَعُ جَمَلَكَ، وَادْخُلْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ، قَالَ فَدَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ، ثُمَّ رَجَعْتُ،  
 فَأَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَزِنَ لِي أُوقِيَّةً، فَوَزَنَ لِي بِلَالٌ، فَأَرْجَحَ فِي الْمِيزَانِ، قَالَ:  
 فَأَنْطَلَقْتُ، فَلَمَّا وَلَّيْتُ، قَالَ: ادْعُ لِي جَابِرًا، فَدَعَيْتُ، فَقُلْتُ: الْآنَ يَرُدُّ عَلَيَّ  
 الْحَمَلَ، وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْهُ، فَقَالَ خُذْ جَمَلَكَ وَلَكَ  
 ثَمَنُهُ (ص ۴۷۴ سطر: ۱۵ تا ۲۲)

### تشریح

قوله: فَحَجَنَهُ بِمَخَجِنِهِ، (ص ۴۷۴ سطر: ۱۷)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاشی سے اس کو مارا۔ محجن اُس لاشی کو کہتے ہیں جو  
 آگے سے مڑی ہوئی ہو جس کے ذریعے سوار پیچھے پڑی ہوئی چیز کو اٹھاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله: أَتَبِيعُ جَمَلَكَ؟ (ص ۴۷۴ سطر: ۱۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا اونٹ بیچتے ہو؟<sup>(۲)</sup>

قوله: فَاشْتَرَاهُ مِنِّي بِأُوقِيَّةٍ، (ص ۴۷۴ سطر: ۱۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اوقیہ کے عوض میرا اونٹ خرید لیا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا  
 ہوتا ہے۔ اس واقعہ کی باقی تفصیل یہ ہے کہ اونٹ کا سودا ہو جانے کے بعد حضرت جابرؓ مدینہ منورہ پہنچے  
 اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ دینے کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم کو مسجد نبوی کے دروازہ پر پایا۔ انہیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اب پہنچے ہو؟ میں  
 نے عرض کیا جی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا اونٹ چھوڑو اور مسجد میں جا کر دو رکعت ادا کرو۔  
 معلوم ہوا کہ سفر سے واپسی پر مسجد میں دو رکعت نفل ادا کرنا مستحب ہے چنانچہ میں نے دو رکعت ادا کی  
 اور حاضر خدمت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کو ایک اوقیہ چاندی تول کر  
 دے دو اور اُن سے فرمایا دیکھنا ذرا جھٹکا ہوا تولنا، چنانچہ حضرت بلالؓ نے ایک اوقیہ سے ایک قیراط

(۱) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۱۷۔

(۲) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۱۷۔

زیادہ دیا۔ میں جب ان کو لے کر واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جابرؓ کو بلاؤ۔ چنانچہ مجھے بلایا گیا اور میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اونٹ بھی واپس کر دیں گے اور یہ مجھے پسند نہ تھا آخر وہی ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا اونٹ بھی لے لو۔ اور اس کی قیمت تو پہلے ہی سے تمہاری ہے سبحان اللہ! آپ نے دیکھا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر کریم اور سخی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اوقیہ چاندی اونٹ کے عوض مجھے عطا کی اور پھر میرا اونٹ بھی واپس دے دیا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، ... (الی قولہ) ... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كُنَّا فِي مَسِيرٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا عَلَى نَاضِحٍ، إِنَّمَا هُوَ فِي أُخْرِيَاتِ النَّاسِ، قَالَ... (الی قولہ) ... وَقَالَ لِي: أَتَزَوَّجْتَ بَعْدَ أَبِيكَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: ثِيْبًا، أَمْ بِكَرًا؟ قَالَ: قُلْتُ: نَيْبًا، قَالَ: فَهَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكَرًا تُضَاحِكُكَ وَتُضَاحِكُهَا، وَتُلَاعِبُكَ وَتُلَاعِبُهَا، قَالَ أَبُو نَضْرَةَ: فَكَانَتْ كَلِمَةً يَقُولُهَا الْمُسْلِمُونَ أَفْعَلْ كَذَا وَكَذَا وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَكَ (ص ۴۷۴ سطر ۲۲: ص ۴۷۵ سطر ۴)

### تشریح

قولہ: وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَكَ (ص ۴۷۵ سطر ۴)

مذکورہ حدیث کے آخر میں یہ دعائیہ جملہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کا یہ تکیہ کلام ہوتا تھا۔ جب کسی کو کہتے کہ یہ کام کر لو تو اس کے ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میرے اونٹ والے واقعہ میں میرے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ مرتبہ دعائے مغفرت فرمائی۔<sup>(۲)</sup>

### باب الوصیۃ بالنساء

حَدَّثَنَا عَمْرُو النَّاقِدُ، ... (الی قولہ) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ، فَإِنْ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عَوَجٌ، وَإِنْ ذَهَبَتْ تُقِيمُهَا، كَسَرْتَهَا

(۱) نکمة ص ۱۱۹ ج ۱ ص ۱۱۹۔

(۲) نکمة ص ۱۱۹ ج ۱ ص ۱۱۹۔

وَ كَسَرُهَا طَلَّاقُهَا (ص ۳۷۵ طر: ۵۰۴)

## تشریح

## عورت کا ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہونے کا صحیح مفہوم

قوله : إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ (ص ۳۷۵ طر: ۴)

ضلع میں ضاد کے نیچے کسرہ اور لام پر فتح ہے۔<sup>(۱)</sup> اس کے معنی ہیں پسلی اور انسان کے جسم میں جو پسلیاں ہوتی ہیں وہ ٹیڑھی ہوتی ہیں اور ان میں جو سب سے اوپر والی پسلی ہوتی ہے۔ وہ سب سے چھوٹی اور ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اس کی جمع اضلاع ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی پیدائش اوپر کی سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے اس میں حضرت حواء علیہا السلام کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت حواء علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اوپر کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں اس سے عورتوں کی فطرت اور ان کی خلقت اور طبیعت کو بتلانا مقصود ہے۔ خدا نخواستہ ان کے نقائص یا ان کے عیوب اور خرابی کو بتانا مقصود نہیں بلکہ ان کی طبیعت اور فطرت کو بتلانا مقصود ہے۔ عام طور پر جب یہ حدیث پڑھی جاتی ہے تو بعض مرتبہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اس سے عورتوں کے نقائص کو بیان کرنا مقصود ہے۔ یا عورتوں کے عیوب کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ انکی فطرت کو بتلانا اور ان کی خلقت کو بتلانا مقصود ہے جو قدرتی اور غیر اختیاری ہے اور عیب نہیں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ مردوں کی طرح طاقتور نہیں ہیں فطری طور پر کمزور ہیں۔ فطری طور پر ان کی طبیعت میں کچھ نہ کچھ کمزوری ہے جس کا ظہور گمروں میں ہوتا رہتا ہے۔ بہر حال جب کمزوری ہوگی تو اس کا ظہور بھی ہوگا لہذا تم صبر و تحمل سے کام لو۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے تو پسلی کا حال یہ ہے کہ اس کو اگر کوئی سیدھا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو پسلی ٹوٹ جائے گی لیکن سیدھی نہیں ہوگی، لہذا تم اگر چاہو کہ عورت کو ڈانٹ ڈپٹ کر ایسا کر دو جیسے تم چاہ رہے ہو تو ایسا نہیں ہوگا۔ اگر ایسا کرنا چاہو گے تو طلاق ہو سکتی ہے۔ لیکن عورت کی فطرت نہیں بدل سکتی اور جب یہ بات ہے تو اسی حالت میں اس سے فائدہ اٹھاؤ، اسکی ناگوار باتوں کو برداشت کرو، اور صبر و تحمل سے کام لو۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قوله) ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۴۷۵۔

(۲) معاد ج ۶ ص ۱۰۹ و مکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۲۲، ۱۲۴۔



اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَإِذَا شَهِدَ أَمْرًا فَلْيَتَكَلَّمْ  
بِخَيْرٍ أَوْ لَيْسُكَتْ، وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنْ  
أَعْوَجَ شَيْءٌ فِي الضِّلَعِ أُعْلَاهُ، إِنْ ذَهَبَتْ تُقِيمُهُ كَسْرَتُهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ  
أَعْوَجَ، اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ... (ص ۳۷۵ ط ۸۲۵)

### تشریح

قولہ : اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (ص ۳۷۵ ط ۶)

یہ باب استفعال سے ہے اس کے معنی ہیں طلب الوصیۃ یعنی تم عورتوں کے بارے میں  
خیر خواہی اور بھلائی کا سلوک کرنے کی وصیت قبول کرو۔ اگر ان کی طرف سے کوئی تکلیف یا ناگواری  
پیش آئے تو اس کو برداشت کرو۔ اور اپنی طرف سے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اُن کے بارے میں  
میری یہ وصیت قبول کرو۔ حاصل یہ کہ فطری طور پر ان کے مزاج میں جو تھوڑی بہت کمزوری ہے یا خامی  
ہے جس کی وجہ سے مرد کو تکلیف ہوگی اُس کو گوارا کر لینا۔ اور برداشت کرتے رہنا۔<sup>(۱)</sup>

اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ اگر عورت کی ایک عادت تمہیں بری لگے گی تو دوسری  
اچھی بھی لگے گی اور کوئی شخص ایسا نہیں جس کی تمام عادتیں اچھی ہوں۔ اور کوئی ایسا نہیں جس کی تمام  
عادتیں بری ہوں اسی طرح عورتوں میں کچھ اچھائیاں ہیں اور کچھ برائیاں ہیں۔ لہذا تم اچھائیوں پر نظر  
رکھو، برائیوں سے درگزر کرو۔ یہ باتیں امور خانہ داری کے متعلق ہیں اور بہت اہم ہیں۔

اس باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی اصلاح و تربیت میں زیادہ سختی اور مبالغہ نہ  
کرو حتی الامکان حسن سلوک، صبر و تحمل اور درگزر سے کام لو۔ ورنہ طلاق کی نوبت آجائے گی جو محمود  
نہیں۔ اور ان احادیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اصلاح و تربیت بالکل نہ کرو بلکہ اگر کسی کی بیوی ناجائز  
اور خلاف شرع کام کرے جیسے بے پردہ رہنے لگے، یا گانا گانے لگے یا ناچنے لگے، اور ناجائز کام  
کرنے لگے تو اس پر خاموش رہنے کی کوئی گنجائش نہیں اس کو تنبیہ کرنا اور منع کرنا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنِي إِبرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا

رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ أَوْ قَالَ: غَيْرُهُ (ص ۳۷۵ ط ۹، ۸)

(۱) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۱۹۔

(۲) مردۃ ج ۶ ص ۲۶۳ و مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۲۳، ۱۲۴۔



## تشریح

قولہ : لَا يَفْرُكُ

(ص ۳۷۵ سطر: ۸)

یہ باب نصر سے ہے فِرْكَ يَفْرُكُ اس کے معنی ہیں عورت کا شوہر سے اور شوہر کا بیوی سے بغض و نفرت کرنا۔<sup>(۱)</sup> اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے لئے مناسب نہیں کہ ہر حال میں بیوی سے بغض و نفرت کرے۔ بلکہ اس کی جو اچھائی اور خیر ہو۔ اس کو بھی مد نظر رکھے اور اس کے ساتھ گزارا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا<sup>(۲)</sup>

۱۱۵۲۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ،... (الی قولہ)... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْلَا حَوَاءُ، لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ (ص ۳۷۵ سطر: ۱۱، ۱۰)

## تشریح

قولہ : لَوْلَا حَوَاءُ،

(ص ۳۷۵ سطر: ۱۰)

یہ مذکے ساتھ ہے۔ اور ان کو اس لئے حوا کہتے ہیں کہ وہ تمام زندہ انسانوں کی ماں ہیں یا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حضرت آدم کی بائیں پسی سے پیدا ہوئی تھیں۔ اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے زندہ تھیں۔ یا جنت میں زندہ اور حیات تھیں۔<sup>(۳)</sup>

قولہ : لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا الدَّهْرَ (ص ۳۷۵ سطر: ۱۱)

اس سے حضرت حوا علیہا السلام کا حضرت آدم کو جنت میں درخت میں سے کچھ کھانے پر آمادہ کرنا اور راغب کرنا مراد ہے۔ اور خیانت سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے حضرت حوا علیہا السلام کو راغب کیا۔ اور انہوں نے حضرت آدم کو راغب اور آمادہ کیا جس کی وجہ سے خطا صادر ہو گئی۔ لہذا یہ اثر ان کی بیٹیوں میں بھی منتقل ہوا۔ لیکن معاذ اللہ خیانت سے منکرات و فواحش کا ارتکاب کرنا ہرگز مراد نہیں ہے۔

اس حدیث میں مردوں کو تسلی دی گئی ہے کہ جب ان عورتوں کی بڑی اماں سے خیانت صادر

(۱) شرح بیرونی ج ۱ ص ۲۷۵۔

(۲) النساء ۱۹۔

(۳) حکمة فتح الملہم ج ۱ ص ۱۲۶۔

ہوئی تو اگر ان عورتوں سے کوئی ایسی بات صادر ہو تو اُسے ان کی فطرت اور طبیعت سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ اس پر زیادہ ڈانٹ اور ملامت نہ کریں۔ اور خواتین کو بھی اس طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور اپنی خواہشات کو دبائیں۔ حتی الامکان ان پر عمل نہ کریں تاکہ کوئی بے جا صورت ظاہر نہ ہو۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ، لَمْ يَخْبُثِ الطَّعَامُ، وَلَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ، وَلَوْلَا حَوَاءُ لَمْ تَخْنُ أَنْثَى زَوْجَهَا الذَّهْرَ (مس ۴۷۵ سطر ۱۱ تا ۱۳)

### تشریح

قوله : لَوْلَا بَنُو إِسْرَائِيلَ، لَمْ يَخْبُثِ الطَّعَامُ... (مس ۴۷۵ سطر ۱۱)

یعنی دنیا میں سب سے پہلے کھانا اور گوشت بنی اسرائیل نے جمع کر کے رکھنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سڑنے اور خراب ہونے لگا۔ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو وہ کھانا اور گوشت جمع نہ کرتے۔ لہذا نہ وہ سڑتا نہ خراب ہوتا۔ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بنی اسرائیل سے پہلے کھانا جمع کر کے رکھنے سے وہ سڑتا تھا یا نہیں۔ البتہ امام نوویؒ نے علماء کرام کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر منیٰ و سلوئی نازل فرمایا تو انہیں جمع کر کے رکھنے سے منع فرمایا۔ لیکن وہ باز نہ آئے اور انہوں نے اس کو ذخیرہ کر کے رکھنا شروع کر دیا تو کھانے کا سڑنا بطور عذاب ان پر مسلط ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے رکھا ہوا کھانا خراب نہیں ہوتا تھا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : وَلَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ (مس ۴۷۵ سطر ۱۳)

یہ باب ضرب اور سمع سے آتا ہے اس کے معنی ہیں لم یتمن<sup>(۳)</sup> یعنی سڑتا اور بد بو نہیں ہوتا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ،... (الی قوله) ... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعٍ

(۱) بحکمہ فتح المہم ج ۱ ص ۱۲۶۔

(۲) بحکمہ فتح المہم ج ۱ ص ۱۲۶ و شرح النووی ج ۱ ص ۴۷۵۔

(۳) بحکمہ فتح المہم ج ۱ ص ۱۲۷۔

الدُّنْيَا الْمَرَاةُ الصَّالِحَةُ (ص ۴۷۵ سطر: ۱۳، ۱۴)

## تشریح

قولہ : مَتَاع (ص ۴۷۵ سطر: ۱۴)

متاع دنیا کی اس کم یا زیادہ چیز کو کہتے ہیں جس سے آدمی تھوڑا سا نفع اٹھائے پھر وہ ختم ہو جائے اور فنا ہو جائے۔ اس لحاظ سے ساری دنیا متاع ہے۔<sup>(۱)</sup>

اور دنیا میں الف لام استغراق کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا تھوڑی دیر نفع اٹھانے کے لئے ہے مثلاً: کھانے پینے، پہننے اور رہنے میں آپ دیکھ لیں کہ ان میں نفع اٹھانا تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہ ایک خاص وقت تک کے لئے ہوتا ہے اس کے بعد وہ ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کھانا کھایا وہ ختم ہو گیا۔ کپڑے پہنے وہ پھٹ گئے۔ مکان میں رہے وہ گر گیا، یا کسی وجہ سے چھوٹ گیا لہذا ساری دنیا متاع ہے۔ اس کے بعد اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی نفع اٹھانے کی چیز میں سب سے بہتر نیک عورت ہے۔ کیونکہ نیک عورت مرد کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں بہترین معین اور مددگار ہوتی ہے۔ اور جو دنیا و آخرت میں کام آئے وہ سب سے بہتر ہے اور عورت کے نیک ہونے میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ اگر عورت نیک نہ ہو تو وہ بدترین عورت ہے۔<sup>(۲)</sup>



(۱) مرقۃ ج ۶ ص ۱۸۸۔

(۲) شرح الضعیفی ج ۶ ص ۳۲۔

## کتاب الطلاق

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے طلاق کے متعلق احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں جن سے طلاق کے احکام معلوم ہونگے۔ لہذا ان احادیث کو پڑھنے سے پہلے طلاق کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لیں ان کی وجہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہوگا، مثلاً طلاق کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور طلاق کی قسمیں وغیرہ۔

### طلاق کے لغوی و اصطلاحی معنی اور قسمیں

طلاق کے لغوی معنی ہیں چھوڑنا اور آزاد کرنا اور اصطلاح شرع میں طلاق کہتے ہیں مخصوص الفاظ کے ذریعے عورت کو نکاح سے آزاد کرنا۔ لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت واضح ہے۔ کیونکہ دونوں میں چھوڑنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پھر طلاق دینے کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱ ... طلاق احسن۔ ۲ ... طلاق حسن۔ ۳ ... طلاق بدعی

طلاق احسن: اُس کو کہتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو اس طہر میں جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دیدے اور رجوع نہ کرے۔ یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔

طلاق حسن: اُس کو کہتے ہیں کہ شوہر تین طہر میں الگ الگ تین طلاقیں دے جس میں اس نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو اسے طلاق حسن کہتے ہیں۔

یہ دونوں قسمیں درست اور جائز ہیں، بوقت ضرورت اگر طلاق دینی پڑ جائے تو ان میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتے ہیں سب سے بہتر پہلی صورت ہے، کیونکہ اس میں غور کرنے کا اور رجوع کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار رہتا ہے اور نکاح ثانی بھی بلا حلالہ بآسانی ہو سکتا ہے۔

طلاق بدعی: اُس کو کہتے ہیں کہ شوہر بیوی کو ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دیدے یا

الگ الگ مجلسوں میں تین طلاقیں دیدے یا حالت حیض میں طلاق دے۔

اس طرح طلاق دینا اگرچہ حرام و ناجائز ہے۔ لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

طلاق کے الفاظ کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱ ... طلاق رجعی

۲ ... طلاق بائن

۳ ... طلاق مغلظہ

### طلاق رجعی اور حکم

صاف اور صریح الفاظ کے ذریعے ایک یا دو طلاق دینے کو طلاق رجعی کہتے ہیں جیسے کوئی شوہر اپنی بیوی سے کہے انت طالق یا دو دفعہ کہہ دے انت طالق، انت طالق۔  
اس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے درمیان شوہر رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن عدت کے بعد رجوع نہیں کر سکتا۔ البتہ باہمی رضا مندی سے بلا حلالہ، نئے مہر کے ساتھ، دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

### طلاق بائن اور حکم

طلاق بائن اس کو کہتے ہیں کہ شوہر الفاظ کناہیہ کے ذریعہ طلاق دے۔ یعنی طلاق کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرے جن میں طلاق ہونے یا نہ ہونے، دونوں کا احتمال ہو۔ جیسے انت بائن، یا انت علی حرام وغیرہ کے الفاظ شوہر بیوی سے کہے۔  
اس کا حکم یہ ہے کہ طلاق بائن میں رجوع نہیں ہو سکتا۔ البتہ عدت میں اور عدت کے بعد بلا حلالہ باہمی رضا مندی سے نئے مہر پر دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

### طلاق مغلظہ اور حکم

طلاق مغلظہ وہ طلاق ہے۔ جس میں شوہر اپنی بیوی کو ایک جملہ میں یا الگ الگ الفاظ میں تین طلاقیں دیدے۔ جیسے کوئی شوہر اپنی بیوی کو انت طالق ثلاثاً یا انت طالق، انت طالق، انت طالق کہہ دے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ شوہر رجوع نہیں کر سکتا اور بغیر حلالہ کے آپس میں دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔<sup>(۱)</sup>

### طلاق دینے میں راہ اعتدال

قرآن و سنت میں طلاق دینے کا نہایت معتدل طریقہ تعلیم فرمایا گیا ہے جس میں طلاق دینے کو نہ ہر حال میں حرام قرار دیا اور نہ طلاق دینے کے لئے چوہٹ دروازہ کھولا۔ بلکہ طلاق کے بارے میں ایسا طریقہ ارشاد فرمایا اور ایسے احکام عطا کئے کہ طلاق کم سے کم واقع ہو۔ اور جو میاں بیوی مل جل کر رہنے سے واقعہ عاجز ہوں انہیں ایک دوسرے سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کوئی تنگی اور دشواری نہ

ہو۔ چنانچہ ایسے احکام کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

۱ ... مرد کو اجازت دی کہ نکاح سے پہلے اپنی منگیت کو ایک نظر دیکھ لے۔ تاکہ نکاح دیکھ بھال کر پوری بصیرت کے ساتھ ہو۔ بعد میں ناپسند ہونے کی وجہ سے جدائی واقع نہ ہو۔

۲ ... شوہر کو یہ حکم دیا کہ وہ بیوی کی کوتاہیوں پر زیادہ نظر نہ ڈالے بلکہ ہمیشہ اس کی اچھائیوں پر نظر رکھے۔ اور اس کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے۔

۳ ... جب شوہر بیوی میں ناقابل برداشت صورت حال دیکھے تو طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ حتی الامکان اُس کی اصلاح کی کوشش کرے اور اس کی اصلاح کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے اس پر عمل کرے۔

۴ ... جب شوہر اور بیوی میں اختلاف شدید ہو جائے۔ تو دونوں طرف کے قریبی رشتہ دار جو مخلص اور خیر خواہ اور صلح جو ہوں وہ اُن میں مصالحت کروائیں۔ اور اُن میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

۵ ... جب رشتہ دار بھی ان میں موافقت پیدا نہ کر سکیں تو شریعت کی طرف سے طلاق دینے کی اجازت ہے۔

۶ ... لیکن اُس وقت بھی شریعت نے حالت حیض میں طلاق دینے سے منع کیا ہے اور ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے منع کیا ہے۔

اور طلاق دینے کا یہ طریقہ بتلایا ہے کہ بیوی کو پاکی کی حالت میں جس میں شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ صرف ایک طلاق صاف الفاظ میں دیدے جس کو طلاق احسن کہتے ہیں۔ اس میں یہ سہولت ہے کہ عدت کے اندر اندر شوہر بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔ اور عدت کے بعد بھی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور اس قسم میں ہر ایک کو طلاق کے انجام پر غور کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔

۷ ... یک دم تین طلاقیں دینے سے شریعت نے سختی سے منع کیا ہے کیونکہ تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا اور حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا اور اکثر تین طلاق دینے کے بعد میاں بیوی کو اپنے فعل پر ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے یا گھرا جڑنے اور بچوں کے برباد ہونے کا خیال آ کر انہیں دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ مگر اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی

اور حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن اگر کسی کو تین طلاقیں ہی دینی ہوں تو اس کا بھی شرعی طریقہ ہے اور وہ یہ ہیکہ الگ الگ پاکی کے زمانہ میں بیوی کو ایک ایک طلاق دیدے۔ یہاں تک کہ تین طلاقیں پوری ہو جائیں۔ اس کو طلاق حسن کہتے ہیں۔ اس میں بھی ایک اور دو طلاق تک شوہر کو اختیار رہتا ہے۔ جس میں دونوں کو طلاق کے انجام پر غور کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ غرض کہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح نکاح سوچ سمجھ کر بنا چاہئے۔ طلاق بھی خوب سوچ سمجھ کر اور انجام دیکھ کر دینا ضروری ہے تاکہ بعد میں کوئی ندامت اور پچھتاوا نہ ہو۔<sup>(۱)</sup>

### باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاہا... الخ

خَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ حَائِضٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَرَّةٌ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيَتْرُكْهَا حَتَّى تَطْهَرُ، ثُمَّ تَحِيضَ، ثُمَّ تَطْهَرُ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمْسَ، فَيَلِكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُطْلَقَ لَهَا النِّسَاءُ. (ص ۳۷۵ سطر: ۱۷ تا ص ۳۷۵ سطر: ۲)

### تشریح

قوله: طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، (ص ۳۷۵ سطر: ۱۸)

حضرت امام نوویؒ نے ان کا نام آمنہ بنت عفار بتلایا ہے۔ اور مسند احمد میں ان کا نام نوار آیا ہے۔ ممکن ہے کہ نام آمنہ ہو اور لقب نوار ہو۔<sup>(۲)</sup>

قوله: مَرَّةٌ فَلْيُرَاجِعْهَا، (ص ۳۷۶ سطر: ۱۸)

حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہو اس شخص کا رجوع کرنا واجب ہے۔ یہی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت اور

(۱) خلاصہ از مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۴

(۲) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۲۵۔



حضرت امام مالکؒ کا ایک قول ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب مختار ہے۔ البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک رجوع کرنا واجب نہیں مستحب ہے۔ اور یہی حنابلہ کے یہاں مختار ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ اور احناف کے نزدیک یہ امر وجوب کے لئے ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، (ص ۶۷۳ طر ۱)

جس شخص نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی ہو۔ اس کو حیض کے بعد والے طہر میں طلاق دینا جائز نہیں بلکہ دوسرے طہر کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ پھر اس میں طلاق دینا چاہے تو طلاق دے۔ اس مسئلہ کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

### حالت حیض میں طلاق دینے کا حکم

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے اپنی بیوی آمنہؓ کو حالت حیض میں ایک طلاق دیدی تھی جو کہ طلاق بدعی تھی جو ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ان سے کہو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں۔ اس کے بعد ان کو اپنے نکاح میں رکھیں یہاں تک کہ وہ حیض گزر جائے جس میں طلاق دی تھی۔ پھر طہر آجائے اور اس کے بھی گزرنے کا انتظار کرے۔ پھر دوسرا حیض آجائے۔ اس کو بھی گزرنے دے۔ پھر دوسرا طہر آئے۔ تو اس وقت دیکھیں! اگر طلاق دینی ہو تو دے دیں ورنہ نہ دیں۔ اس حدیث کے تحت دو مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے:-

۱ ... حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

۲ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے طہر میں طلاق دینے کا حکم کیوں فرمایا؟

پہلے طہر میں طلاق دینے کا حکم کیوں نہیں فرمایا؟

### پہلا مسئلہ

ائمہ اربعہؒ اور جمہورؒ کے نزدیک حالت حیض میں طلاق دینا اگرچہ حرام و ناجائز ہے۔ لیکن اگر کوئی دیدے تو طلاق ہو جائے گی البتہ بعض اصحاب ظاہر اور غیر مقلدوں کے نزدیک حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ان کی دلیل قیاس ہے وہ قیاس یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے اور جب حرام ہے تو واقع بھی نہ ہوگی۔

جواب واضح ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلیراجعہا جس میں یہ بات صاف اور واضح ہے کہ آپ نے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اور رجوع وقوع طلاق کے بعد ہی ہوگا۔ اس سے پہلے رجوع نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اُن سے کہیں کہ وہ رجوع کر لیں۔ پھر اگر طلاق دینی ہو تو دوسرے طہر میں طلاق دیں اس سے معلوم ہوا کہ پہلی طلاق واقع ہو گئی تھی اس لئے آپ نے رجوع کا حکم دیا۔ ایسی صریح حدیث کے مقابلے میں قیاس کرنا درست نہیں۔

جمہور کی دلیل یہی حدیث ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس حالت میں طلاق دینا حرام اور ناجائز ہے، اور یہ طلاق بدعی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ کرنا دلالت کرتا ہے جو اس باب کی دیگر احادیث میں مذکور ہے۔<sup>(۱)</sup>

### دوسرا مسئلہ

جب حضرت ابن عمرؓ نے حالت حیض میں طلاق دیدی تھی۔ اور آپ نے انہیں کفارہ کے طور پر رجوع کرنے کا حکم فرمایا کہ تم نے غلط موقع پر طلاق دیدی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حیض کے بعد والے طہر میں طلاق دینے کا حکم کیوں نہیں فرمایا؟ دوسرے طہر کے انتظار کا کیوں حکم فرمایا؟ شارحینؒ فرماتے ہیں اس کی تین وجہیں ہیں:-

۱ ... دوسرے طہر کا اس لئے انتظار کروایا تا کہ طلاق دینے کے معاملہ میں انہیں کچھ لمبی مدت مل جائے تا کہ وہ طلاق دینے کے فیصلہ پر اچھی طرح غور و فکر کریں۔ پھر اس کے نتیجہ میں ہو سکتا ہے کہ طلاق دینے کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ پہلا طہر تو بالکل قریب ہے جس میں ہو سکتا ہے کہ آدمی کا طالق دینے کا ارادہ برقرار رہے اس لئے دوسرے طہر کا انتظار کروایا۔ اور اس لئے بھی کہ طلاق ابغض المباح ہے اور ابغض المباح چیز کا بغیر شدید مجبوری کے ارتکاب نہیں کرنا چاہئے۔ جیسے نکاح سوچ سمجھ کر آدمی کرتا ہے ایسے ہی طلاق کے معاملہ میں خوب غور و فکر کر کے دے کیونکہ جس طرح نکاح سے

دو خاندان جڑتے ہیں۔ اسی طرح طلاق سے دو خاندان ٹوٹتے ہیں۔ اور جڑنے سے ٹوٹنا زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ اس کا نقصان زیادہ ہے۔

۲ ... ایک قول کے مطابق حیض کے بعد والے طہر میں، طلاق دی جاسکتی ہے، لیکن دوسرے طہر تک طلاق دینے کو مؤخر کرنا بطور سزا کے تھا۔

۳ ... حیض کے بعد جو طہر ہوتا ہے۔ وہ بمنزلہ حیض کے ہوتا ہے۔ گویا ایک حیض اور اس کے بعد والا ایک طہر ملکر ایک چیز ہے۔ اور دوسرے حیض میں طلاق نہیں دی جاسکتی۔ اس وجہ سے دوسرے طہر کا انتظار کروایا۔

بہر حال ان تین وجوہات کی بناء پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے طہر کا انتظار کروایا۔ ورنہ فی نفسہ پہلے طہر میں ایک قول کے مطابق طلاق دینا جائز ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک رائج یہ ہے کہ اس میں طلاق دینا درست نہیں۔ اور اگر کوئی طلاق دیدے تو رجوع کرنا واجب ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : قَبْلَ أَنْ يَمْسَ، (ص ۶۷۷ طر: ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ شوہر نے جس طہر میں بیوی سے صحبت کی ہو اس میں طلاق دینا حرام ہے۔ جمہور نے اس کی تصریح کی ہے تاکہ بیوی حاملہ نہ ہو۔ اور شوہر کو ندامت نہ ہو۔<sup>(۲)</sup>

قوله : فَبِتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي..... (ص ۶۷۷ طر: ۱)

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ“ (الآیۃ ۳)<sup>(۳)</sup> اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہاں عدت سے مراد حیض ہے۔ کیونکہ حیض سے عدت شمار ہوتی ہے۔ لہذا اس میں طلاق دینا درست نہیں بلکہ طلاق حالت طہر میں دینی چاہئے تاکہ تین حیض سے اس کی عدت پوری ہو۔ اور عدت بلا وجہ طویل نہ ہو۔<sup>(۴)</sup>

۱۱۵۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى،... (الی قولہ)... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَةً

لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ

يُرَاجِعَهَا، ثُمَّ يُمَسِّكَهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ عِنْدَهُ حَيْضَةً أُخْرَى، ثُمَّ يُمَهِّلَهَا

(۱) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۳۵ و مرآۃ ج ۱ ص ۲۸۰۔

(۲) فتح المسہم ج ۱ ص ۱۳۸۔

(۳) بیہ و الطلاق ۱۔

(۴) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۸۰۔

حَتَّى تَطْهَرَ مِنْ حَيْضَتِهَا، فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا حِينَ تَطْهَرُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُجَامِعَهَا، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ يُطَلِّقَ لَهَا النِّسَاءُ، وَزَادَ ابْنُ رُمُحٍ فِي رِوَايَتِهِ: وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ إِذَا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ، قَالَ لِأَحَدِهِمْ: أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي بِهَذَا، وَإِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا، فَقَدْ حَرَمْتُ عَلَيْكَ، حَتَّى تَكِيحَ زَوْجًا غَيْرَكَ، وَعَصَيْتَ اللَّهَ فِيمَا أَمَرَكَ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ، قَالَ مُسْلِمٌ: بِجَوْدِ اللَّيْثِ فِي قَوْلِهِ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً (ص ۷۶۲ سطر: ۶۴۳)

### تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی تھی اور بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دیں تھیں وہ راوی کا وہم ہے جو معتبر نہیں۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: طَلَّقْتُ امْرَأَتِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ، فَذَكَرَ ذَلِكَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَرَّةً فَلْيَرَا جُعْهَا، ثُمَّ لِيَدْعُهَا حَتَّى تَطْهَرَ، ثُمَّ تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرَى، فَإِذَا طَهَّرَتْ فَلْيُطَلِّقْهَا قَبْلَ أَنْ يُجَامِعَهَا، أَوْ يُمَسِّكَهَا، فَإِنَّهَا الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ يُطَلِّقَ لَهَا النِّسَاءُ. قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: قُلْتُ لِنَافِعٍ: مَا صَنَعْتَ التَّطْلِيقَةَ؟ قَالَ: وَاحِدَةً اعْتَدْتُ بِهَا (ص ۷۶۲ سطر: ۸۵۶)

### تشریح

قوله: قَالَ: وَاحِدَةً اعْتَدْتُ بِهَا (ص ۷۶۲ سطر: ۸۵۶)

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوا کہ حالت حیض میں دی جانے والی طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ اس حالت میں طلاق دینا حرام ہے جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے۔ اور چاروں اماموں کا اس پر اتفاق ہے۔ لیکن علامہ ابن حزمؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ اور خوارج و روافض کے نزدیک حالت حیض میں دی جانے والی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس حالت میں طلاق دینا حرام ہے اور

جس طرح کسی اجنبی عورت کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح حالت حیض میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، مگر یہ کوئی معتبر دلیل نہیں اور نص کی موجودگی میں سراسر غیر معتبر ہے۔ اور جمہور کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ ابْنِ سِيرِينَ، قَالَ: مَكَّثْتُ عِشْرِينَ سَنَةً يُحَدِّثُنِي مَنْ لَا أَتَاهُمْ إِلَّا ابْنُ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا وَهِيَ حَائِضٌ، فَأَمَرَ أَنْ يُرَاجِعَهَا، فَجَعَلْتُ لَا أَتَاهُمُ، وَلَا أُعْرِفُ الْحَدِيثَ، حَتَّى لَقِيتُ أَبَا غَلَابٍ يُونُسَ بْنَ جُبَيْرٍ الْبَاهِلِيَّ، وَكَانَ ذَا نَبٍ، فَحَدَّثَنِي أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ، فَحَدَّثَهُ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً وَهِيَ حَائِضٌ، فَأَمَرَ أَنْ يُرَاجِعَهَا، قَالَ: قُلْتُ: أَفُحْسِبْتُ عَلَيْهِ؟ قَالَ: فَمَهُ، أَوْ إِنْ عَجَزَ، وَاسْتَحَقَّقَ (ص ۳۷۷ سطر: ۵۲۲)

### تشریح

قوله: طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا (ص ۳۷۷ سطر: ۳)

اس روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور امام دارقطنیؒ نے اس کو ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ اس روایت کی سند میں تمام راوی شیعہ ہیں لہذا یہ روایت معتبر نہیں۔ محفوظ روایت یہی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں ایک طلاق دی تھی تین طلاقیں نہیں دی تھیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله: وَلَا أُعْرِفُ الْحَدِيثَ، (ص ۳۷۷ سطر: ۳)

یعنی میں نہیں جانتا کہ تین طلاقیں دینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا کیونکہ تین طلاقیں دینے سے طلاق مغلطہ واقع ہوتی ہے جس میں رجوع نہیں ہو سکتا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان الفاظ سے ان کی مراد یہ ہو کہ میں اس حدیث کو صحیح نہیں جانتا۔<sup>(۳)</sup> واللہ اعلم

قوله: أَبَا غَلَابٍ (ص ۳۷۷ سطر: ۳)

اس میں غین پر فتح اور لام پر تشدید ہے اور بعض نے بغیر تشدید کے کہا ہے۔<sup>(۴)</sup>

(۱) نکتہ فتح المصنوع ج ۱ ص ۱۴۰۔

(۲) نکتہ فتح المصنوع ج ۱ ص ۱۴۵۔

(۳) نکتہ فتح المصنوع ج ۱ ص ۱۴۶۔

(۴) حو بہ بالا

قوله : ذَاتِبَت، (ص ۴۷۷ سطر: ۴)

اس میں ذال اور ثاء پر فتح ہے اس کے معنی حجت اور مضبوط کے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَمَهُ، (ص ۴۷۷ سطر: ۴)

یہ اصل میں فماتھا جو استفہام کے لئے ہے۔ یعنی حیض کی حالت میں دی جانے والی طلاق کیوں شمار نہ ہوگی؟ یعنی شمار ہوگی۔<sup>(۲)</sup>

قوله : أَوْ إِنْ عَجَزَ، وَاسْتَحَقَّ (ص ۴۷۷ سطر: ۴)

حضرات شارحین نے ان الفاظ کے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں ان میں سب سے زیادہ واضح مطلب وہ ہے جسے علامہ کرمانی نے بیان فرمایا ہے کہ انہیں ان نافیہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حالت حیض کی طلاق کو معتبر ماننے میں نہ عاجز ہیں اور نہ انہوں نے کوئی حماقت کی ہے کیونکہ نہ وہ بچے ہیں نہ دیوانے۔ خلاصہ یہ کہ ان الفاظ سے مراد حالت حیض میں طلاق واقع ہونا ہے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ،... (الی قوله)... يَسْأَلُ ابْنُ عُمَرَ، وَابْنُ الزُّبَيْرِ يَسْمَعُ ذَلِكَ، كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ حَائِضًا؟ فَقَالَ: طَلَّقَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عُمَرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنْ عَبْدَ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيَرَا جُعْهَا، فَرَدَّهَا، وَقَالَ: إِذَا طَهَّرْتَ فَلْيُطَلِّقْ، أَوْ لِيُحْسِبْكَ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ. (ص ۴۷۷ سطر: ۲۰۵۱۷)

### تشریح

قوله : فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ. (ص ۴۷۷ سطر: ۲۰)

حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ یہ قراءت حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی ہے جو شاذ ہے قرآن کریم میں بالاجماع یہ ثابت نہیں ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ الفاظ بعض صحابہ

(۱) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۳۶۔

(۲) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۳۶۔

(۳) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۳۳۔

کرام کی طرف سے بطور تفسیر کے ہیں قراءت کے طور پر نہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب طلاق الثلاث

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ،... (الی قوله)... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَى بَكْرٍ، وَسَتَيْنِ مِنْ خِلاَفَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعَجَلُوا فِي أَمْرِ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ. (مس ۴۷۷ سطر ۲۲ تا مس ۴۷۸ سطر ۱)

### تشریح

قوله: طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، (مس ۴۷۷ سطر ۲۳)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا بشرطیکہ شوہر نے حقیقت میں ایک طلاق دی ہو۔ اور پھر تاکید کے طور پر دو مرتبہ اور کہا ہو یہ مراد نہیں کہ شوہر نے واقعہً تین طلاقیں دی ہوں اور انہیں ایک شمار کیا جاتا ہو۔<sup>(۲)</sup>

قوله: كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، (مس ۴۷۸ سطر ۱)

اناة: کے معنی مہلت کے ہیں یعنی شوہر کے لئے گنجائش تھی کہ اس طرح طلاق دینے کے بعد وہ رجوع کر لے اور نکاح بحال کر لے۔<sup>(۳)</sup> کیونکہ اس نے صرف ایک طلاق دی ہے۔

قوله: فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ (مس ۴۷۸ سطر ۱)

یعنی حضرت عمرؓ نے لوگوں میں امانت و دیانت کم ہونے کی بناء پر ایک طلاق دے کر دو مرتبہ اس کی تاکید کے لئے طلاق دینے کی صورت میں قضاء تین طلاقیں واقع کرنے کا حکم نافذ کر دیا۔<sup>(۴)</sup> یہاں دو اہم مسئلہ سمجھنے کے ہیں:-

(۱) شرح سووی ج ۱ ص ۴۷۷۔

(۲) بحکمہ فتح المسہم بربادۃ ج ۱ ص ۱۵۱۔

(۳) بحکمہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۵۱۔

(۴) بحکمہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۵۱۔



- ۱ ... ایک یہ کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز ہے یا نہیں؟
- ۲ ... دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدے یا ایک جملہ میں تین طلاقیں دیدے تو کیا تینوں طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں؟ یہاں ان کو الگ الگ مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

### پہلا مسئلہ

#### ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں یہ حرام اور بدعت ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حرام نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاقیں جمع نہ کرے، حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حضرت عوبد بن عجلانیؒ کی حدیث ہے۔ کہ جب وہ لعان سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا:

”كذبت عليها يا رسول الله ان امسكتها فطلقها ثلاثاً“ (۱)

### ترجمہ

”یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس پر جھوٹ بولوں گا اب اگر میں نے

اس کو اپنے نکاح میں رکھا چنانچہ انہوں نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔“

یہاں اُن کے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں کی معلوم ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا حرام نہیں۔ ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ یہاں پہلے ہی لعان سے نکاح ختم ہو چکا تھا اس کے بعد تین طلاقیں ان کی بیوی پر واقع نہیں ہوئیں اور ان کا حکم نافذ نہ ہوا۔ اس لئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی۔ (۲)

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا استدلال حضرت محمود بن لبیدؒ کی حدیث سے ہے انہوں نے فرمایا: ”اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاثاً تطليقات جميعاً فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم حتى قام رجل وقال يا رسول الله! الا اقتله؟“ (وسندہ صحیح) (۳)

(۱) صحيح البخاری کتاب الطلاق باب من اجاز طلاق الثلاث، رقم الحديث ۲۸۵۵۔

(۲) بحسنه فتح المصنف ج ۱ ص ۱۵۲۔

(۳) سنن نسائی کتاب الطلاق باب الثلاث المجموعة وما فيه من التعليط، رقم الحديث ۳۳۲۸۔

اس حدیث میں حضور نے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے پر غصہ کا اظہار تو فرمایا جو اس کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار نہیں دیا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث آنے والے دوسرے مسئلہ میں بھی احناف کی دلیل ہے۔ بہر حال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ فرمانا اس کی دلیل ہے۔

حنفیہ نے حدیث انسؓ سے بھی استدلال کیا ہے: عن انسؓ ان عمرؓ کان اذا اتی برجل طلق امرأته طلاقاً ثلاثاً او جمع ظہرہ،<sup>(۱)</sup> یعنی حضرت عمرؓ کی خدمت میں جب ایسے شخص کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں تو حضرت عمرؓ اس کی کمر پر مار لگاتے یعنی سزا دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔<sup>(۲)</sup>

### دوسرا مسئلہ

ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں یا ایک کلمہ سے تین طلاق دے دیں تو تینوں طلاقیں واقعی ہوں گی یا نہیں اس میں دو مذہب ہیں:-

۱ ... ایک مذہب ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا ہے۔ ان کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جائیگی اور حرمت مغلط ثابت ہوگی۔ اور حلالہ کے بغیر آپس میں دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ یہی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور اکثر تابعینؓ سے مروی ہے۔

۲ ... دوسرا مذہب علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ اور بعض اہل ظاہر کا ہے اور ہمارے زمانہ کے غیر مقلدوں اور سلفیوں کا ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک جملہ سے تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی بلکہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع ہو سکتا ہے۔ ان حضرات کا استدلال حدیث الباب سے ہے۔ جس میں صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔

(۱) مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۱۳۳۵۔

(۲) مکملہ فتح المصنف ج ۱ ص ۱۵۲۔

ان کا استدلال حدیثِ رُکَانہ سے بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ عن عکرمۃ مولیٰ ابن عباسؓ قال طلق رکانہ بن عبد یزید انحو المطلب امراتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیہا حزناً شديداً قال: فسأله رسول الله ﷺ كيف طلقته؟ قال طلقته ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد؟ قال: نعم، قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها۔<sup>(۱)</sup>

جمہور کے دلائل بکثرت احادیثِ صریحہ اور صحیحہ ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:-

۱ ... بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ان رجلاً طلق امراتہ ثلاثا فتزوجت فطلق فسأل النبی ﷺ أتحل للاول؟ قال لا حتی ینوق عسيلتها كما ذاق الاول۔<sup>(۲)</sup> یہ واقعہ حضرت رفاعہؓ قرظی کی بیوی کے واقعہ کے علاوہ ہے۔ اور اس میں طلق ثلاثاً سے استدلال ہے جو بالکل واضح ہے۔

۲ ... حضرت امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ میں حضرت سویدؓ بن غفلة سے روایت نقل کی ہے کہ: كانت عائشة العنعمية عند الحسن بن عليؓ فلما قتل علي قال: لتهنأك الخليفة، قال: بقتل علي تظهرين الشماتة اذهبي فانت طالق ثلاثا، قال: فتلفعت بشياها فقعدت حتى قضت عدتها فبعث اليها ببقية بقيت لها من صداقها وعشرة آلاف۔

فلما جاءها الرسول فقالت: مناع قليل من حبيب مفارق فلما بلغه قولها بكى ثم قال لو لا أني سمعت جدي او حدثني أبي أنه سمع جدي يقول ايما رجل طلق امرأته ثلاثاً عند الاقراء او ثلاثاً مبهمه لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره لراجعته۔

(واسنادہ صحیح)<sup>(۳)</sup>

یہ حدیث بھی تین طلاقیں دینے سے تینوں کے واقع ہونے میں نہایت صریح اور صحیح ہے۔

۳ ... حضرت امام نسائیؒ نے حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت کی ہے جو پہلے مسئلہ میں گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔ فیمن طلق امرأته ثلاثا فغضب عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكره ابن العربي معارضاً لحدیث ابن عباسؓ فقال ويعارضه حدیث محمود بن لبید فان فيه التصريح بأن الرجل طلق ثلاثاً مجموعاً فلم يرده النبي ﷺ بل امضاه یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں طلاقیں نافذ کر دیں۔<sup>(۴)</sup>

(۱) نکتہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰،

## غیر مقلدوں کے دلائل کا جواب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مذکورہ حدیث کا جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث ایک خاص صورت میں وارد ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اصلاً تو صرف ایک طلاق دے اور انت طالق کہے پھر اس کی تاکید کی نیت سے دو مرتبہ انت طالق انت طالق اور کہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع کے دو سالوں میں امانت و دیانت اور سچائی کا اعلیٰ درجہ پائے جانے کی وجہ سے اس کی بات قبول کر لی جاتی تھی۔ پھر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور ان میں دھوکہ اور فریب بڑھ گیا امانت و دیانت اور سچائی کا وہ درجہ باقی نہ رہا جو پہلے تھا جس کی وجہ سے اُن کی بات قبول کرنا مشکل ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اس صورت میں قضاء تین طلاقیں واقع کرنے کا حکم نافذ کر دیا۔ حضرت امام نوویؒ نے فرمایا یہ اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح جواب ہے لہذا جو لوگ ایک مجلس میں یا ایک جملہ سے واقعہ تین ہی طلاقیں دیتے ہیں۔ اُن کا مذکورہ حدیث ابن عباسؓ سے کوئی تعلق نہیں اور اس حدیث کی رو سے ایسی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا اور رجوع کرنے کی گنجائش دینا سراسر غلط اور محض جہالت ہے۔ اور سراسر حرام و ناجائز ہے۔

کیونکہ اس صورت میں تین طلاقوں کا واقع ہونا متعدد احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے جن میں سے دلیل کے طور پر تین صحیح احادیث اوپر گزریں۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ فیصلہ پر حضرات صحابہؓ کرام کا اجماع بھی ہے، کسی نے اس سے انکار نہیں کیا، اگر حضرت عمرؓ کا فیصلہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کے فیصلہ کے خلاف ہوتا اور قضاء تین طلاقیں واقع ہونا بدعت ہوتا تو حضرات صحابہؓ کرام میں سے کوئی بھی اس سے راضی اور متفق نہ ہوتا۔<sup>(۱)</sup>

حدیث رکانہ کا جواب یہ ہے کہ اس سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں اضطراب پایا جاتا ہے، بعض روایات میں ہے انہ طلق امرأته ثلاثاً کما فی حدیث ابن عباسؓ وروی عنہ انہ طلق امرأته بلفظ ”البتة“ اسی اضطراب کی بناء پر امام بخاریؒ نے اس کو معطل قرار دیا ہے اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے ضعیف کہا ہے اور علامہ ابن الہمامؒ نے منکر قرار دیا ہے لہذا ایسی حدیث قابل استدلال نہیں۔ غیر مقلدوں پر تعجب ہے ایسی حدیث سے استدلال کرنے پر مطمئن ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رکانہؒ نے اپنی بیوی کو ”انت طالق البتة“ کے الفاظ سے طلاق دی تھی

اور ان الفاظ سے ان کی نیت صرف ایک طلاق کی تھی جس کی رسول اللہ ﷺ نے تصدیق فرمائی اور انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی اجازت دے دی، لیکن بعض راویوں نے طلاقِ البتہ سے تین طلاقیں مراد لے کر تین طلاقیں دینا نقل کر دیا جو درست نہیں۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، ... (الی قولہ) ... عَنْ طَاوُسٍ، أَنَّ أَبَا الصَّهْبَاءِ، قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: هَاتِ مِنْ هَنَاتِكَ، أَلَمْ يَكُنِ الطَّلَاقُ الثَّلَاثَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَى بَكْرٍ وَاحِدَةً؟ فَقَالَ: قَدْ كَانَ ذَلِكَ، فَلَمَّا كَانَ فِي عَهْدِ عُمَرَ تَتَابَعَ النَّاسُ فِي الطَّلَاقِ، فَأَحَازَهُ عَلَيْهِمْ (ص ۴۷۸ سطر ۵۲۳)

### تشریح

قولہ: هَاتِ مِنْ هَنَاتِكَ، (ص ۴۷۸ سطر ۴) هَنَاتِ هُنَّ کی جمع ہے اور هُنَّ ایسی گندی چیز کو کہتے ہیں جس کو نام سے ذکر کرنا پسند نہیں کیا جاتا اور کبھی بری عادت کو بھی کہتے ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں یہاں هَنَاتِ سے خبریں اور نئی باتیں مراد ہیں۔<sup>(۲)</sup>

### باب وجوب الکفارة علی من حرم امرأته ولم ینو الطلاق

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ... (الی قولہ) ... عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي الْحَرَامِ: يَمِينٌ يُكْفَرُهَا، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ) (ص ۴۷۸ سطر ۷۵۵)

### تشریح

قولہ: يَقُولُ فِي الْحَرَامِ: يَمِينٌ الخ (ص ۴۷۸ سطر ۷) یعنی جب کوئی شخص اپنی بیوی کو انت علی حرام کہے تو حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک یہ قسم ہے اور اس میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا، ان کا استدلال حضور ﷺ کے عمل سے ہے، کیونکہ ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت ماریہ قبطیہؓ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا جس کی تفصیل آنے والی احادیث میں آرہی ہے۔

بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا مسئلہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لے اور اس کو یوں کہدے انت علی حرام (تو

(۱) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۵۹۔

(۲) شرح النووی ج ۱ ص ۴۷۸ و تکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۶۱۔

مجھ پر حرام ہے) تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے حضرات حنفیہ کے نزدیک یہ کناہ کا لفظ ہے لہذا شوہر سے نیت پوچھی جائے گی اگر اس نے ایلاء یا ظہار یا ایک طلاق بائن یا تین طلاقیوں کی نیت کی ہو تو اس کی نیت قبول کی جائے گی اور جیسی نیت ہوگی ویسا حکم ہوگا اور اگر اس نے یہ الفاظ بغیر کسی نیت کے بولے ہوں تو متقدمین حنفیہ کے نزدیک ایلاء ہوگا اور متاخرین حنفیہ کے نزدیک غلبہ عرف کی بناء پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے۔<sup>(۱)</sup>

حضرت امام شافعی کے نزدیک اگر طلاق یا ظہار کی نیت کرے گا تو یہی حکم ہوگا اور اگر شوہر کی نیت طلاق و ظہار کے علاوہ بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی ہوگی تو یہ قسم ہوگی، اور کفارہ قسم واجب ہوگا اور اگر بغیر نیت کے یہ الفاظ بولے گا تو اصح قول کے مطابق یہ قسم ہوگی، اور کفارہ قسم واجب ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ،... (الِ قَوْلِهِ)... عَائِشَةُ، تُخْبِرُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمُكُّ عِنْدَ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ فَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا، قَالَتْ: فَتَوَاطَّأْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ آيَتَنَا مَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَنَقَّلُ: إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرٍ، أَكَلْتُ مَغَافِيرَ؟ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِحْدَاهُمَا، فَقَالَتْ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ، وَلَنْ أَعُودَ لَهُ، فَنَزَلَ: "لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ" إِلَى قَوْلِهِ: (إِنْ تَتُوبَا) لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ، "وَإِذْ أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا"، لِقَوْلِهِ: بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا (ص ۴۷۸ سطر ۹)

### تشریح

قوله: فَتَوَاطَّأْتُ الخ (ص ۴۷۸ سطر ۱۰) ای اتفاق یعنی دونوں نے اتفاق کیا۔<sup>(۳)</sup>

قوله: رِيحَ مَغَافِيرٍ، (ص ۴۷۸ سطر ۱۰) یہ مغفور بضم المیم کی جمع ہے یہ گوند کی طرح ایک چیز ہوتی ہے۔ جو اس درخت سے حاصل ہوتی ہے جسے عام طور پر اونٹ چرتے ہیں اور اس میں بدبو ہوتی ہے۔ اور حدیث شریف کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ نے معاذ اللہ کوئی جھوٹا پلان بنایا تھا ایسی ہرگز نہیں بلکہ یہاں تو یہ کرنا مراد ہے کہ آپ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ وہ حضور سے سوال

(۱) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۶۲۔

(۲) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۶۲۔

(۳) شرح السووی ج ۱ ص ۴۷۸۔



کریں کیا آپ نے مغفیر کھایا ہے؟ جس کی وجہ سے اس کی بدبو آرہی ہے۔ لہذا یہاں صراحۃً جھوٹ بولنا مراد نہیں اس کی تائید اس حدیث کے بعد آنے والی حدیث کرب میں حضرت عائشہؓ کے قول سے ہوتی ہے۔ لہذا اس حدیث میں جس انداز سے یہ کہا کہ اِنِّیْ اَجِدُ مِنْکَ رِیْحَ مَغْفِیْرِ الْخِ یہ کسی راوی کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (۱)

قوله : وَلَنْ اَعُوذَ لَهٗ، الخ (ص ۳۷۹ سطر ۱) اور بخاری شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ”وقد حلفت ولا تعبری بذلك احدا“ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے زیادہ مناسب ہیں ”یا ایہا النبی لم تحرم ما احل الله لك“ کیونکہ اس آیت کا نزول شہد حرام کرنے کے واقعہ میں ہوا ہے جو اس آیت کی تفسیر میں ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرنے اور ان سے محبت نہ کرنے کی قسم کھانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا دراصل شہد کا قصہ اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حرام کرنے کا واقعہ ساتھ ساتھ ہوئے ہیں اور ان دونوں کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے لہذا دونوں کی طرف اس کی نسبت کرنا درست ہے۔ (۲)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ،... (الی قولہ)... عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحُلُوءَ وَالْعَسَلَ، فَكَانَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ، فَيَذْنُو مِنْهُنَّ، فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ، فَاحْتَبَسَ عِنْدَهَا أَكْثَرَ مِمَّا كَانَ يَحْتَبِسُ، فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ، فَقِيلَ لِي : أَهْدَتْ لَهَا امْرَأَةً مِنْ قَوْمِهَا عُكَّةً مِنْ عَسَلٍ، فَسَقَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ شَرْبَةً، فَقُلْتُ : أَمَا وَاللَّهِ لَنَحْتَالَنَّ لَهُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِسُودَةَ، وَقُلْتُ : إِذَا دَخَلَ عَلَيْكَ، فَإِنَّهُ سَيَذْنُو مِنْكَ، فَقُولِي لَهُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَكَلْتُ مَغْفِيرًا؟ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَكَ : لَا ، فَقُولِي لَهُ : مَا هَذِهِ الرَّيْحُ؟ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ أَنْ يُوجَدَ مِنْهُ الرَّيْحُ، فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَكَ : سَقَتَنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ ، فَقُولِي لَهُ : جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ، وَسَأَقُولُ ذَلِكَ لَهُ، وَقُولِيهِ أَنْتِ يَا صَفِيَّةُ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى سُودَةَ قَالَتْ : تَقُولُ سُودَةُ : وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَقَدْ كَذَبْتُ أَنْ أَبَادِنَهُ بِالَّذِي قُلْتَ لِي،

(۱) بحکمۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۶۳۔

(۲) بحکمۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۶۳۔



وَإِنَّهُ لَعَلَى الْبَابِ فَرَقًا مِنْكَ، فَلَمَّا دَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَكَلْتُ مَغَافِيرَ؟ قَالَ: لَا، قَالَتْ: فَمَا هَذِهِ الرِّيحُ؟ قَالَ: سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ، قَالَتْ: جَرَسَتْ نَحْلَةُ الْعَرْفُطِ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيَّ، قُلْتُ لَهُ: مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ صَفِيَّةٌ، فَقَالَتْ بِمِثْلِ ذَلِكَ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيَّ حَفْصَةُ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلَا أُسْقِيكَ مِنْهُ؟ قَالَ: لَا حَاجَةَ لِي بِهِ، قَالَتْ: تَقُولُ سَوْدَةُ: سُبْحَانَ اللَّهِ، وَاللَّهِ لَقَدْ حَرَمْنَاهُ، قَالَتْ: قُلْتُ لَهَا: اسْكُنِي (ص ۴۷۹ سطر ۲)

(۹۷)

### تشریح

قوله: يُحِبُّ الْحُلُوءَ وَالْعَسَلَ، الخ (ص ۴۷۹ سطر ۳) حلواء مد کے ساتھ ہے یہ حُلُو سے مشتق ہے اس کے معنی میٹھی چیز کے ہیں اور حضور ﷺ کو میٹھی چیز پسند تھی اور بعض نے کہا حضور کو جو حلواء پسند تھا اس سے مراد وہ کھجور ہے جو دودھ میں گوندھی جاتی تھی۔<sup>(۱)</sup> واللہ اعلم

قوله: عُكَّةٌ مِنْ عَسَلٍ، الخ (ص ۴۷۹ سطر ۴) عکک گھی کی کچی کو کہتے ہیں جو مشکیزہ سے چھوٹی ہوتی ہے اس کی جمع عکک آتی ہے اور یہ شہد طائف کا تھا۔<sup>(۲)</sup>

قوله: لَنُحْتَالَنَ لَهُ، الخ (ص ۴۷۹ سطر ۵) اس کے معنی ہیں ہم حضور سے حیلہ کریں گی علامہ کرمانیؒ نے فرمایا حضور کی بیویاں حضور ﷺ سے کیسے حیلہ اختیار کر سکتی ہیں؟ پھر انہوں نے اس کا جواب دیا کہ سوکنوں میں جو طبعی غیرت پائی جاتی ہے یہ اس کا اثر ہے جو گناہِ صغیرہ ہے اور قابلِ معافی ہے۔<sup>(۳)</sup> قابلِ اعتراض نہیں۔

قوله: جَرَسَتْ الخ (ص ۴۷۹ سطر ۶) ای رعت یعنی شہد کی مکھی نے چوس لیا۔<sup>(۴)</sup>

قوله: الْعَرْفُطُ، الخ (ص ۴۷۹ سطر ۷) اس میں عین اور فاء پر ضمہ ہے یہ کانٹے دار درخت کو کہتے ہیں جس میں بڑی بد بو ہوتی ہے اور بعض نے کہا اسی درخت سے مغافیر کی گوند نکلتی ہے۔<sup>(۵)</sup>

(۱) تكملة فتح الميهم ج ۱ ص ۱۶۵۔

(۲) تكملة فتح الميهم ج ۱ ص ۱۶۵۔

(۳) تكملة فتح الميهم ج ۱ ص ۱۶۶۔

(۴) حواہ ۱۰۸۔

(۵) تكملة فتح الميهم ج ۱ ص ۱۶۸۔

قوله: لَقَدْ كَذَبْتُ أَنْ أَبَادِيَةَ النِّح (ص ۴۷۹ سطر ۷) بعض روایات میں آباد رہ ہے اور بعض میں انا دیہ ہے اس کے معنی ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ڈرتی تھی کہ اگر میں نے ان کا بتایا ہوا سوال حضور ﷺ سے دریافت نہ کیا تو وہ ناراض ہوں گی اس لئے میں نے یہ سوال معلوم کرنے میں دیر نہ لگائی۔<sup>(۱)</sup>

### باب بیان ان تخییرہ امراتہ لایکون طلاقا الا بالنیة

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، ... (الی قوله) ... أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَخْيِيرِ أَزْوَاجِهِ، بَدَأَ بِي، فَقَالَ: إِنِّي ذَاكِرٌ لَكَ أَمْرًا، فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَا تَعَجَلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكَ، قَالَتْ: قَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا لِيَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، قَالَتْ: ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا" قَالَتْ: فَقُلْتُ: فِي أَيِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ؟ فَإِنِّي أُرِيدُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ، قَالَتْ: ثُمَّ فَعَلَ أَزْوَاجُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ (ص ۴۷۹ سطر ۱۰ تا ۱۴)

### تشریح

قوله: بِتَخْيِيرِ أَزْوَاجِهِ، (ص ۴۷۹ سطر ۱۱) حضور ﷺ نے اپنی بیویوں رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو جو اختیار دیا تھا اس کا سبب کیا تھا اس میں روایات مختلف ہیں اور ان روایات میں جو واقعات مذکور ہیں وہ بھی قریب قریب ہیں اس لئے ان کو مرتب طور پر اس طرح سمجھنا چاہئے کہ حضور ﷺ کا اپنی بیویوں سے ناراض ہونے اور ان سے الگ ہونے اور انھیں اختیار دینے کے متعدد اسباب ہیں مثلاً سب سے پہلے شہد کا قصہ پیش آیا پھر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے حرام کرنے کا واقعہ ہوا جس پر آیت تحریم نازل ہوئی پھر حضور ﷺ کی بیویاں جمع ہوئیں اور انہوں نے حضور ﷺ سے اُن کے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے پھر اور بھی کچھ واقعات پیش آئے چنانچہ آپ نے اپنی بیویوں سے ایلاء کر لیا اور ایک ماہ کے لئے آپ اپنی بیویوں سے جدا ہو گئے یا درہے یہاں ایلاء سے

اصطلاحی ایلاء مراد نہیں ہے جو چار ماہ سے کم کا نہیں ہوتا بلکہ لغوی ایلاء مراد ہے یعنی آپ نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے جدا رہنے کی قسم کھائی، چنانچہ ایک ماہ کے بعد آپ اپنی بیویوں کے پاس تشریف لے آئے بہر حال جب آپ ایلاء سے فارغ ہوئے تو آیتِ تنخیر نازل ہوئی جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی بیویوں کو اختیار دیا کہ چاہے وہ حضور کے ساتھ رہیں یا حضور سے جدائی اختیار کر لیں؟ لیکن آپ کی تمام بیویوں نے آپ کے ساتھ رہنے کو اختیار کیا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَا تَعْجَلِي الْخ (ص ۴۷۹ سطر ۱۲) یعنی حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تمہیں اس بارے میں غور کرنا چاہئے اور جب تک اپنے والدین سے مشورہ نہ کر لو فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔<sup>(۲)</sup>

قوله : قَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا لِيَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، الْخ (ص ۴۷۹ سطر ۱۲) اور ایک روایت میں یہ ہے رسول اللہ ﷺ کو میری کم عمری کی وجہ سے خطرہ تھا کہ میں جدائی کا فیصلہ نہ کر لوں اس لئے آپ نے والدین سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔<sup>(۳)</sup>

قوله : فِي أَيِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ (ص ۴۷۹ سطر ۱۳) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے عرض کیا کہ صورتحال بالکل واضح ہے اس میں والدین سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور عرض کیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں، لہذا میں اپنے والد حضرت ابو بکرؓ اور اپنی والدہ ام رومانؓ سے کوئی مشورہ نہیں کروں گی اس پر آپ ہنس پڑے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ خوش ہوئے۔<sup>(۴)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبَثَرٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَالِدٍ، الْحَدِيث (ص ۴۸۰ سطر ۱)

### تشریح

قوله : فَلَمْ نَعُدَّهُ طَلَاقًا (ص ۴۸۰ سطر ۱) آیتِ تنخیر نازل ہونے کے بعد، حضور ﷺ نے اس کے مطابق ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا چاہے وہ اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کر لیں

(۱) مکملہ فتح المہم ج ۳ ص ۱۷۰۔

(۲) مکملہ فتح المہم ج ۳ ص ۱۷۹۔

(۳) حوالہ ص ۱۷۹۔

(۴) مکملہ فتح المہم ج ۳ ص ۱۷۱۔

اور حضور کے ساتھ رہیں یا حضور سے جدائی اختیار کر لیں، اس اختیار کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں، ہم نے حضور ﷺ کے اس اختیار دینے کو طلاق شمار نہیں کیا۔۔۔ یہی چاروں امام، جمہور صحابہ و تابعین اور تمام فقہاء کرام کا مذہب ہے چنانچہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اختیار دے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا اختیار کرے یا اس سے جدا ہو جائے؟ تو اس اختیار دینے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن بعض حضرات کے نزدیک اختیار دینے سے ایک طلاق رجعی واقعی ہو جاتی ہے، لیکن صحیح مذہب جمہور کا ہے۔ (۱)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، ... (الی قولہ) ... عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: مَا أَهَالِي خَيْرُتُ امْرَأَتِي وَاحِدَةً، أَوْ مِائَةً، أَوْ أَلْفًا بَعْدَ أَنْ تَخْتَارَنِي، وَلَقَدْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: قَدْ خَيْرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَفْكَانَ طَلَاقًا؟ (مس ۴۸۰ سطر ۳۳۱)

### تشریح

قولہ : أَفْكَانَ طَلَاقًا، الخ (مس ۴۸۰ سطر ۳) یہ استفہام انکاری ہے یعنی یہ اختیار دینا طلاق نہ تھا۔ (۲)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ... (الی قولہ) ... عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوسًا بَيْتِهِ، لَمْ يُؤْذَنْ لِأَحَدٍ مِنْهُمْ، قَالَ: فَأَذِنَ لِأَبِي بَكْرٍ، فَدَخَلَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عُمَرُ، فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لَهُ، فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهُ نِسَاؤُهُ، وَاجِمًا سَاكِتًا، قَالَ: فَقَالَ: لَأَقُولَنَّ شَيْئًا أَضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ رَأَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ، سَأَلْتَنِي النَّفَقَةَ، فَقُمْتُ إِلَيْهَا، فَوَجَّاتُ عَنْقَهَا، فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرَى، يَسْأَلَنَنِي النَّفَقَةَ، فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى عَائِشَةَ يَجَأُ عَنْقَهَا، فَقَامَ عُمَرُ إِلَى حَفْصَةَ يَجَأُ عَنْقَهَا، كِلَاهُمَا يَقُولُ: تَسْأَلَنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا

(۱) بکملہ فتح المصنوع ج ۱ ص ۱۷۲۔

(۲) حرمہ بالہ۔

لَيْسَ عِنْدَهُ، فَقُلْنَ: وَاللَّهِ لَا نَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا أَبَدًا  
لَيْسَ عِنْدَهُ، ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا - أَوْ تِسْعًا وَعِشْرِينَ - ثُمَّ نَزَلَتْ عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةُ:  
”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ“ حَتَّى بَلَغَ ”لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا“، قَالَ:  
فَبَدَأَ بِعَائِشَةَ، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُعْرِضَ عَلَيْكَ أَمْرًا أَحَبُّ أُنْ لَا  
تُعْجَلِي فِيهِ حَتَّى تَسْتَشِيرِي أَبَوَيْكَ، قَالَتْ: وَمَا هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَتَلَا عَلَيْهَا  
الْآيَةَ، قَالَتْ: أَفِيكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَسْتَشِيرُ أَبَوَيَّ؟ بَلْ اخْتَارَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، وَالذَّارِ  
الْآخِرَةَ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُخْبِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِي قُلْتُ، قَالَ: لَا تَسْأَلْنِي  
امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا، إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعْتَمًا، وَلَا مُتَعَتًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا  
مُبَشِّرًا (ص ۳۸۰ سطر ۱۵۷)

### تشریح

قوله: حَوْلَهُ نِسَاؤُهُ، (ص ۳۸۰ سطر ۹) شاید یہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے  
اور اگر پردہ کا حکم آنے کے بعد کا یہ واقعہ ہو تو ازواجِ مطہرات چادر اوڑھے ہوئے ہوں گی اور حضرت  
ابوبکرؓ و عمرؓ سے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا پردہ نہ تھا۔<sup>(۱)</sup>

قوله: وَاجْتَمَعَ الْخ (ص ۳۸۰ سطر ۹) اس کے معنی ہیں شدتِ غم کی وجہ سے خاموش رہنا۔<sup>(۲)</sup>

قوله: أَضْحَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ... الْخ (ص ۳۸۰ سطر ۹) امام نوویؒ  
نے فرمایا اس سے معلوم ہوا اگر کوئی شخص اپنے ساتھی کو غمگین دیکھے تو اس سے ایسی بات کرنا جس سے وہ  
ہنس پڑے مستحب ہے۔<sup>(۳)</sup>

قوله: لَوْ رَأَيْتُ بِنْتَ خَارِجَةَ... الْخ (ص ۳۸۰ سطر ۱۰) اس سے حضرت صدیق اکبر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی مراد ہیں جن کا نام حبیبہ تھا اور ان کی کنیت ام رومان ہے۔<sup>(۴)</sup>

قوله: فَوَجَّأْتُ عُقُقَهَا... الْخ (ص ۳۸۰ سطر ۱۰) یعنی اگر میری بیوی زیادہ نفقہ مانگتی تو میں  
اس کی گردن پر مار لگاتا، اس پر حضور ﷺ کو ہنسی آگئی یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک ظاہر

(۱) مکملہ فتح مبینہ ج ۱ ص ۱۷۵۔

(۲) شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۳۸۰۔

(۳) حوالہ۔

(۴) حوالہ۔

ہو گئیں اور حضرت صدیق اکبرؓ کا مقصد پورا ہو گیا۔ آگے کا واقعہ ظاہر ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : **وَأَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُخَيِّرَ امْرَأَةً...** الخ (ص ۳۸۰ سطر ۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فرمانا بظاہر اس لئے تھا کہ آپ کی کوئی زوجہ آپ سے جدائی اختیار کر لے اور یہ فرمانا اس غیر اختیاری غیرت کی وجہ سے تھا جو طبعی طور پر عورت میں اپنی سوکن سے ہوتی ہے جو قابل ملامت نہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : **مُعَنَّتَا، وَلَا مُتَعَنَّتَا**، (ص ۳۸۰ سطر ۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا اور دوسروں کی لغزش چاہنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر مجھ سے کسی بیوی نے دریافت کیا کہ آپ نے کیا جواب دیا؟ اور کونسا پہلو اختیار کیا تو میں اس کو تلامذوں گا۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا... (الی قوله) ... حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ: لَمَّا اعْتَزَلَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءَهُ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا النَّاسُ يَنْكُبُونَ بِالْحَصَى، وَيَقُولُونَ: طَلَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءَهُ، وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْحِجَابِ، (الی قوله) فَقَالَتْ: مَا لِي وَمَا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، عَلَيْكَ بِعَيْتِكَ، (الی قوله) لَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يُحِبُّكَ، وَلَوْلَا أَنَا لَطَلَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (الی قوله) قَالَتْ: هُوَ فِي خِزَانَتِهِ فِي الْمَشْرُبَةِ، فَدَخَلْتُ، فَإِذَا أَنَا بِرَبَاحٍ غُلَامٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَاعِدًا عَلَى أُسْكُفَةِ الْمَشْرُبَةِ، مُدَلِّ رِجْلَيْهِ عَلَى نَقِيرٍ مِنْ خَشَبٍ.... فَنَادَيْتُ: يَا رَبَّاحُ، اسْتَأْذِنْ لِي عِنْدَكَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَظَرَ رَبَّاحٌ إِلَيَّ الْغُرْفَةَ، ثُمَّ نَظَرَ إِلَيَّ، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا،.... ثُمَّ رَفَعْتُ صَوْتِي،.... فَأَوَمَّأَ إِلَيَّ أَنْ أَرْقَهُ، فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى حَصِيرٍ، فَجَلَسْتُ، فَأَذْنَى عَلَيْهِ إِزَارَهُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ،.... وَمِثْلُهَا قَرَطًا فِي نَاحِيَةِ الْغُرْفَةِ، وَإِذَا أَفِيقٌ مُعَلَّقٌ، قَالَ: فَاثْبَدَرْتُ

(۱) شرح البیوی ج ۱ ص ۳۸۰۔

(۲) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۷۷۔

(۳) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۷۷۔



عَيْنَايَ، ..... وَهَذَا الْحَصِيرُ قَدْ أَتَرَ فِي جَنْبِكَ، وَهَذِهِ خِزَانَتُكَ لَا أَرَى فِيهَا إِلَّا مَا أَرَى، وَذَلِكَ قَيْصَرٌ وَكِسْرَى فِي الشَّامِ وَالْأَنْهَارِ، وَأَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَصَفْوَتُهُ، وَهَذِهِ خِزَانَتُكَ، (الی قولہ) حَتَّى تَحْسَرَ الْغَضَبُ عَنْ وَجْهِهِ، وَحَتَّى كَثُرَ فَضْجُكَ وَكَانَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ ثَغْرًا، ثُمَّ نَزَلَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَزَلْتُ، فَتَزَلْتُ أَتَشَبُّثُ بِالْجِدْعِ، \_\_\_\_\_ الْحَدِيثُ

(ص ۲۸۰ سطر ۱۵ تا ۳۰ و ص ۲۸۱ سطر ۳ و ۴)

### تشریح

قولہ : يَنْكُتُونَ بِالْحَصَى، (ص ۲۸۰ سطر ۱۶) یعنی لوگ مذکورہ واقعہ سے غمگین اور متفکر ہو کر کنکریاں زمین پر مارتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَنَّ بِالْحِجَابِ، (ص ۲۸۰ سطر ۱۶) صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے اور مذکورہ قول راوی کا خیال ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : عَلَيْكَ بِعَيْتِكَ، (ص ۲۸۰ سطر ۱۷) ”عیبہ“ اس بیٹی اور صندوق وغیرہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنے عمدہ اور نفیس کپڑے رکھتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کو اس کے ساتھ تشبیہ دی اور مقصد یہ تھا آپ اپنی بیٹی حفصہؓ کو نصیحت فرمائیں!<sup>(۳)</sup>

قولہ : وَلَوْلَا أَنَا لَطَلَّقَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (ص ۲۸۰ سطر ۱۸) حضرت عمرؓ کے مذکورہ فرمان میں اس طرف اشارہ ہے جس کا ذکر دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو ایک طلاق دیدی تھی جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنے سر پر شدتِ غم سے مٹی ڈالنے لگے اور فرمانے لگے اب اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے بعد عمر اور اس کی بیٹی کی کوئی پرواہ

(۱) بحسن فتح المصنف ج ۱ ص ۱۷۸۔

(۲) حوالہ دار۔

(۳) بحسن فتح المصنف ج ۱ ص ۱۷۹۔



نہ فرمائیں گے“ تو دوسرے دن حضرت جبریلؑ امین حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ حضرت حفصہؓ سے رجوع کر لیں حضرت عمرؓ پر رحم کھاتے ہوئے، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے حضور سے عرض کیا: آپ حضرت حفصہؓ سے رجوع کر لیں، کیونکہ وہ بڑے روزے رکھنے والی اور بڑی عبادت گزار ہیں اور وہ جنت میں آپ کی بیوی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: فِي الْمَشْرُبَةِ، الخ (ص ۳۸۰ سطر ۱۹) اس کے معنی بالا خانہ کے ہیں اور خزانہ اسنور کو کہتے ہیں جس میں راشن وغیرہ رکھا جاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: أَسْكُفَةٍ الخ (ص ۳۸۰ سطر ۱۹) اس میں ہمزہ اور کاف دونوں پر ضمہ ہے اور فاء پر تشدید ہے، دروازہ کی چمکی چوکت کو کہتے ہیں۔

قوله: مُدَلٍّ رَجْلَيْهِ الخ (ص ۳۸۰ سطر ۱۹) مُدَلٍّ اسم فاعل ہے جس کے معنی لٹکانے والے کے ہیں یعنی وہ دونوں پیر نیچے کی طرف لٹکائے ہوئے تھے۔<sup>(۳)</sup>

قوله: عَلَى نَقِيرٍ مِنْ خَشَبٍ الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۰) اس کے معنی ہیں چھلی ہوئی لکڑی، مراد یہ ہے کہ مہتیر کی چھلی ہوئی لکڑی کی سیڑھی<sup>(۴)</sup>

قوله: إِسْتَأْذِنْ لِي الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۰) اس سے معلوم ہوا کہ حاکم وغیرہ اگر خلوة میں ہو تو اس کو دروازہ پر دربان رکھنا جائز ہے تاکہ وہ بلا اجازت کسی کو اندر نہ آنے دے۔<sup>(۵)</sup>

قوله: ثُمَّ نَظَرَ إِلَيَّ، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۱) یعنی حضور ﷺ کے غلام رباحؓ نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا لیکن کچھ نہ کہا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے یہ جواب دیا میں نے حضور ﷺ سے آپ کے آنے کا ذکر کیا تھا لیکن آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا غالباً حضور اس وقت نیند میں ہوں گے یا آپ کا یہ خیال ہوگا کہ عمر اس لئے آئیں ہیں کہ میں اپنی

(۱) تكملة فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۰۔

(۲) حوالہ بالا

(۳) تكملة فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۰۔

(۴) شرح البیوی ج ۱ ص ۲۸۰۔

(۵) تكملة فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۰۔

بیویوں پر شفقت کروں کیونکہ ان میں ان کی بیٹی حصہ بھی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ثُمَّ رَفَعْتُ صَوْتِي، الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۱) یعنی پھر میں نے اپنی آواز بلند کی، مطلب یہ تھا کہ میری آواز حضور ﷺ تک پہنچ جائے اور انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اجازت ملنے کی امید ہو تو مکرر اجازت لینا درست ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : اِنْ اَرْقَهُ، الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۱) یہ رقی کا امر ہے اس کے معنی چڑھنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ حضور کے خادم رباع نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ اندر تشریف لے آئیے!<sup>(۳)</sup>

قوله : قَرِظَا الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۳) اس میں قاف اور راء دونوں پر فتح ہے اس کے معنی ہیں سُلم درخت کے پتے یہ بہت بڑا درخت ہوتا ہے جس کا تنا بہت موٹا ہوتا ہے جیسے چلغوزہ کا درخت ہوتا ہے اور اس کے پتے سیب سے چھوٹے ہوتے ہیں۔<sup>(۴)</sup>

قوله : اَفِيقِي الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۳) اس میں ہمزہ پر فتح اور فاء کے نیچے کسرہ ہے اس کے معنی ہیں سلائی کرنے سے پہلے رنگا ہوا چمڑہ۔<sup>(۵)</sup>

قوله : وَصَفَوْتُهُ الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۵) اس کے معنی خالص کے ہیں۔<sup>(۶)</sup>

قوله : وَهَذِهِ خِزَانَتُهُ الخ (ص ۳۸۰ سطر ۲۵) اس کے معنی اسٹور کے ہیں جہاں راشن وغیرہ رکھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب آدمی کسی کے گھر جائے اور گھر والے کی طرف سے اندازہ ہو کہ وہ گھر میں ادھر ادھر نظر ڈالنے سے برا نہ منائے گا تو نظر ڈالنا جائز ہے یا یہ مراد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اتفاقاً پڑ گئی اور انہوں نے حضور ﷺ کے گھر میں کچھ جو اور سلم درخت کے پتے اور چمڑہ دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی زندگی نہایت سادہ تھی آرام و راحت کا سامان بھی گھر میں میسر نہ تھا۔<sup>(۷)</sup>

(۱) مکملہ فتح المسند ج ۱ ص ۸۰۔

(۲) مکملہ فتح المسند ج ۱ ص ۱۸۱۔

(۳) حوالہ پار۔

(۴) فتح المسند ج ۱ ص ۱۸۲۔

(۵) ۱۶۰-۱۶۱۔

(۶) حوالہ پار۔

(۷) مکملہ فتح المسند ج ۱ ص ۱۸۲۔

قوله : حتی کشر الخ (ص ۴۸۱ سطر ۱) یہاں تک کہ آپ کے تبسم سے دانت مبارک کھل گئے اور آپ ہنس پڑے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : انشبت بالجدع الخ (ص ۴۸۱ سطر ۱) یعنی میں لکڑی پکڑ کر اترا تاکہ نیچے نہ گر جاؤں۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، (الی قوله) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ، يُحَدِّثُ قَالَ :  
مَكُنْتُ سَنَةً وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ آيَةٍ، فَمَا اسْتَطِيعُ أَنْ  
أَسْأَلَهُ، هَيِّبَةً لَهُ حَتَّى خَزَجَ حَاجًّا، فَخَرَجْتُ مَعَهُ، فَلَمَّا رَجَعَ فَكُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ  
عَدَلْ إِلَى الْأَرَاكِ لِحَاجَةٍ لَهُ،... (الی قوله)... وَقَالَ عُمَرُ : وَاللَّهِ، إِنْ كُنَّا فِي  
الْجَاهِلِيَّةِ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أُمْرًا، حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ، وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا  
قَسَمَ، قَالَ : فَبَيْنَمَا أَنَا فِي أَمْرِ التَّيْمَرَةِ إِذْ قَالَتْ لِي امْرَأَتِي : لَوْ صَنَعْتَ كَذَا وَكَذَا،  
فَقُلْتُ لَهَا : وَمَا لَكَ أَنْتِ، وَلِمَا هَاهُنَا؟ وَمَا تَكُلِّفُكِ فِي أَمْرِ أُرِيدُهُ، فَقَالَتْ لِي :  
عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، مَا تُرِيدُ أَنْ تُرَاجِعَ أَنْتِ، وَإِنْ ابْتَدَأْتَ لَتُرَاجِعَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، (الی قوله) أَنِّي أَحْذَرُكَ عُقُوبَةَ اللَّهِ، وَغَضَبَ رَسُولِهِ،  
يَا بَنِيَّةُ، لَا يَغُرُّنَا هَذِهِ النَّبِيُّ قَدْ أُعْجِبَهَا حُسْنُهَا، وَحُبُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهَا،..... قَالَ : فَأَخَذْتَنِي أَخْذًا كَسَرْتَنِي عَنْ بَعْضِ مَا كُنْتُ  
أَجِدُ،..... فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ يُرْتَقَى إِلَيْهَا  
بِعَجَلَةٍ، وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ..... وَإِنَّهُ لَعَلَى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ  
وَبَيْنَهُ شَيْءٌ، وَتَحْتَ رَأْسِهِ وَسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ، حَشَوْهَا لَيْفٌ، وَإِنْ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرْظًا  
مَضْبُورًا، وَعِنْدَ رَأْسِهِ أَهْبَاءٌ مُعَلَّقَةٌ..... الحديث (ص ۴۸۱ سطر ۱۸۴)

### تشریح

قوله : فَمَا اسْتَطِيعُ أَنْ أَسْأَلَهُ الخ (ص ۴۸۱ سطر ۵) اس سے معلوم ہوا عالم کا بڑا مقام اور  
احترام ہے اور ان سے ایسی بات دریافت کرنا جس سے ان کی طبیعت میں غصہ آنے کا اندیشہ ہو، خلوت

(۱) شرح سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۴۸۱۔

(۲) بحسن فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۴۔

میں دریافت کرنے کے لئے انتظار کرنا درست ہے، اس سے صحابہ کرام کا علم حاصل کرنے کا شوق اور موقعہ محل دیکھنے کی فکر معلوم ہوتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : عَدَلَ إِلَى الْأَرَاكِ الخ (ص ۳۸۱ سطر ۵) یعنی عام راستے سے ہٹ کر چلے جہاں عام لوگ نہیں چلتے اور غالباً قضاء حاجت کے لئے چلے اور یہ واقعہ مر الظهران کا ہے جو ایک جگہ کا نام ہے، اور اراک پیلو کے درخت کو کہتے ہیں جس کو اونٹ چرتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أَمْرًا الخ (ص ۳۸۱ سطر ۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم عورتوں پر حکم چلاتے تھے، وہ ہمارے تابع رہتی تھیں، اور ہم پر کوئی حکم نہیں چلاتی تھیں، بخلاف انصاری عورتوں کے وہ مردوں پر حکم چلاتی تھیں اور مردان کے تابع رہتے تھے۔<sup>(۳)</sup>

قوله : حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِمْ مَا أَنْزَلَ الخ (ص ۳۸۱ سطر ۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ“<sup>(۴)</sup> اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا اور بخاری شریف کی روایت کے الفاظ کا حاصل یہ ہے پھر جب اسلام آیا اور ہمیں عورتوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم ملا اور ہمیں معلوم ہوا کہ ہم پر ان کے حقوق بھی لازم ہیں لیکن انہیں ہمارے معاملات میں دخل دینے کا اختیار نہیں۔

قوله : فَبَيْنَمَا أَنَا فِي أَمْرِ التَّجَرُّه الخ (ص ۳۸۱ سطر ۸) یعنی میں اپنے دل دل میں اس بارے میں سوچ رہا تھا اور مشورہ کر رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔<sup>(۵)</sup>

قوله : لَوْ صَنَعْتُ كَذَا وَكَذَا الخ (ص ۳۸۱ سطر ۸) یعنی میری بیوی نے اس بارے میں سختی سے بات کی تو مجھے غصہ آیا اور میں اٹھا اور لکڑی سے اس کے مار لگائی جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں صراحت ہے، اس پر اس نے کہا اے خطاب کے بیٹے تم پر تعجب ہے۔<sup>(۶)</sup>

قوله : أَنْ تَرَأِجَعَ الخ (ص ۳۸۱ سطر ۹) اس کے معنی ہیں تکرار کرنا اور مناظرہ کرنا۔<sup>(۷)</sup>

(۱) حکمۃ فتح المبین ج ۱ ص ۱۸۵۔

(۲) حوالہ پار۔

(۳) حوالہ پار۔

(۴) سورہ النورہ ۲۴۸۔

(۵) حوالہ پار۔

(۶) حکمۃ فتح المبین ج ۱ ص ۸۶۔

(۷) حوالہ پار۔

قوله : لَا يَغُرُّكَ هَذِهِ الْخ (ص ۴۸۱ سطر ۱۱) یعنی تم حضرت عائشہؓ کی وجہ سے دھوکے میں نہ رہنا اور خود کو ان پر قیاس نہ کرنا اور ہر معاملہ میں ان کے طریقہ پر نہ چلنا، کیونکہ وہ تو حضور ﷺ کی محبوبہ ہیں اور تم ایسی نہیں ہو، وہ حضور ﷺ کے ساتھ بعض ایسی باتیں بھی کر جاتی ہیں جو تمہارے لائق نہیں۔ (۱)

قوله : كَسَرْتَنِي عَنْ بَعْضِ مَا كُنْتُ أَجِدُ، الْخ (ص ۴۸۱ سطر ۱۲) یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زبانی مواخذہ کیا اور میرے مقصد اور گفتگو کو رو کر دیا اور ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم حضور ﷺ سے باتیں کرتے تھے اگر حضور انہیں گوارا کرتے اور آپ اسی لائق تھے، لیکن اگر آپ ہمیں اس سے منع فرما دیتے تو ہم سب سے زیادہ آپ کے تابعداری کرتے تھے یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا مجھے ازواج مطہراتؓ سے ان کے اور حضور ﷺ کے معاملات میں دخل دینے پر ندامت ہوئی۔ (۲)

قوله : بِعَجَلَةٍ، (ص ۴۸۱ سطر ۱۵) کجور کے تہ سے بنی ہوئی سیڑھی۔ (۳)

قوله : لَيْفٌ، (ص ۴۸۱ سطر ۱۶) کجور کے درخت کی چھال۔ (۴)

قوله : مَضْبُورًا، (ص ۴۸۱ سطر ۱۶) ای مجموعاً یعنی درختِ سلم کے پتے ایک گٹھے کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ (۵)

قوله : أَهْبَا (ص ۴۸۱ سطر ۱۶) اس میں حمزہ اور ہا دونوں پر فتح یا ضمہ ہے کچھ چمڑہ کو کہتے ہیں جو دباغت سے پہلے ہوتا ہے۔ (۶)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ : أَقْبَلْتُ مَعَ عُمَرَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَرِّ الظُّهْرَانِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ كَنَحْوِ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ : قُلْتُ : شَأْنُ الْمَرَاتَيْنِ؟ قَالَ : حَفْصَةُ، وَأُمُّ سَلَمَةَ، وَزَادَ فِيهِ : فَأَتَيْتُ الْحُجَرَ، فَإِذَا فِي كُلِّ يَسْتٍ بُكَاءٌ، وَزَادَ أَيضًا : وَكَانَ آلِي مِنْهُنَّ شُهْرًا، فَلَمَّا كَانَ

(۱) دکنہ فتح المسیم ج ۱ ص ۱۸۷۔

(۲) دکنہ فتح المسیم ج ۱ ص ۱۸۷۔

(۳) حور مال۔

(۴) حور مال۔

(۵) حور مال۔

(۶) دکنہ فتح المسیم ج ۱ ص ۱۸۹۔

تِسْعًا وَعِشْرِينَ نَزَلَ إِلَيْهِنَّ. (ص ۳۸۱ سطر ۱۸ تا ۲۰)

### تشریح

قولہ : فَاتَيْتُ الْحُجَرَ، (ص ۳۸۱ سطر ۱۶) یہ حجرہ کی جمع ہے، مراد حضور ﷺ کے گھر ہیں اور لغت میں حجرہ بالا خانہ کو کہتے ہیں اور اونٹوں کے باڑہ کو بھی کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : فِي كُلِّ بَيْتٍ بُكَاءٌ، (ص ۳۸۱ سطر ۱۶) ہر گھر میں آہ و بکاؤ تھی، کیونکہ انہیں حضور ﷺ کا ان سے علیحدگی اختیار کرنے کی وجہ سے شدید غم لاحق تھا۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : وَكَانَ آلِي مِنْهُمْ شَهْرًا، (ص ۳۸۱ سطر ۲۰) یعنی حضور ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ ان کے قریب نہ جانے کی قسم کھالی تھی اور یہ حضرات فقہاء کرام کی اصطلاح کے مطابق ایلاء نہیں تھا کیونکہ وہ چار ماہ سے کم نہیں ہوتا بلکہ یہ عام قسم کی ایک قسم تھی اور اس کو لغوی اعتبار سے ایلاء کہا گیا ہے۔<sup>(۳)</sup>

### مسئلہ ایلاء

اصطلاحی ایلاء یہ ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی چارہ ماہ یا اس سے زیادہ مدت کی قسم کھالے۔ پھر اگر وہ اس مدت میں بیوی سے قربت نہ کرے اور قسم کا کفارہ نہ دے تو مذکورہ مدت گزرتے ہی خود بخود اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، حضرت امام مالک کی ایک روایت بھی یہی ہے اور یہی حکم احناف کے نزدیک ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل اور اہل ظاہر کے نزدیک محض مذکورہ مدت گزرنے پر طلاق نہ ہوگی بلکہ شوہر سے کہا جائے گا یا بیوی سے جماع کرو یا اس کو طلاق دو پھر اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی ایک طلاق واقع کر دے گا اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے ”لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ“<sup>(۴)</sup> اس میں طلاق کے ارادہ کو اللہ تعالیٰ نے چار ماہ انتظار کرنے کے بعد ذکر فرمایا ہے معلوم ہوا محض مدت گزرنے پر خود بخود طلاق واقع نہ ہوگی، بلکہ طلاق دینے سے طلاق ہوگی۔

(۱) مکملہ فتح المسند ج ۱ ص ۱۸۹۔

(۲) حوالہ ۵۰۔

(۳) مکملہ فتح المسند ج ۱ ص ۱۹۰۔

(۴) سورۃ نساء آیت نمبر ۲۴۶، ۲۴۷۔

احناف کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے فرمایا: ان الفیثی

الجماع وعزیمۃ الطلاق انقضاء اربعۃ اشهر، اور متعدد صحابہ کرامؓ سے بھی یہی مروی ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) سَمِعَ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ، وَهُوَ مَوْلَى  
الْعَبَّاسِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: كُنْتُ أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ عَنِ  
الْمَرَاتَيْنِ اللَّتَيْنِ تَظَاهَرَتَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَبِثْتُ سَنَةً  
مَا أَحْدُ لَهُ مَوْضِعًا، — الحديث (ص ۳۸۲ سطر ۲۱)

### تشریح

قولہ : وَهُوَ مَوْلَى الْعَبَّاسِ، (ص ۳۸۲ سطر ۱) مسلم شریف کے تمام نسخوں میں اسی طرح

ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عبید بن حنین حضرت زید بن خطاب کے غلام تھے۔<sup>(۲)</sup>

### باب المطلقة البائن لا نفقة لها (ص ۳۸۳)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، أَنَّ أَبَا عَمْرٍو بْنَ  
حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ، وَهُوَ غَائِبٌ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكِيلُهُ بِشَعِيرٍ، فَسَجَّطَتْهُ، فَقَالَ:  
وَاللَّهِ مَا لَكَ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ، فَجَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،  
فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِ نَفَقَةٌ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَ فِي بَيْتِ أُمِّ  
شَرِيكٍ، ثُمَّ قَالَ: تِلْكَ أَمْرَاءُ يَغْشَاهَا أَصْحَابِي، اعْتَدِي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ  
رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِينَ يَتَابِكَ، فَإِذَا حَلَلْتَ فَأَذِينِي، قَالَتْ: فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَكَرْتُ لَهُ  
أَنْ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ: أُمَّا أَبُو جَهْمٍ، فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، وَأُمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُغْلُوكَ لَا مَالَ  
لَهُ، أَنْكِحِي أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَكِرْهُتُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَنْكِحِي أُسَامَةَ، فَكَرِهْتُهُ، فَجَعَلَ  
اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا، وَاعْتَبَطْتُ بِهِ (ص ۳۸۳ سطر ۱۱ ص ۳۸۴ سطر ۱)

### تشریح

قولہ : عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، (ص ۳۸۳ سطر ۱) یہ ضحاک بن قیس کی بہن ہیں جو پہلی

مہاجرہ میں سے ہیں جو بڑی خوبصورت، عقلمند اور باکمال تھیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) بحکمۃ فتح المنہم ج ۱ ص ۱۹۰۔

(۲) حوالہ ۱۷۰۔

(۳) بحکمۃ فتح المنہم ج ۱ ص ۱۹۷۔



قوله : طَلَّقَهَا الْبَيْتَةَ، (ص ۲۸۳ سطر ۱) ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے دوران سفر انہیں ایک طلاق بائن دیدی تھی، اور دیگر روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے ان کے شوہر نے پہلے دو طلاقیں، پھر اس مرتبہ تیسری طلاق دیدی اس طرح وہ ان کے نکاح سے الگ ہو گئیں اور ان پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔

قوله : فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا وَكِيلُهُ بِشَعِيرٍ، (ص ۲۸۳ سطر ۲) ان کے شوہر کے وکیل حارث بن هشام نے کچھ جو یعنی پانچ قفیز جو اور پانچ قفیز چھوڑے بطور حصہ بھیجے اور فاطمہ بنت قیسؓ یہ سمجھیں کہ یہ عدت کا واجب نفقہ ہے، اس لئے وہ وکیل پر ناراض ہوئیں کہ نفقہ کی یہ مقدار کم ہے اس پر وکیل نے کہا تمہارے شوہر پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أُمُّ شَرِيكٍ، (ص ۲۸۳ سطر ۳) یہ حضرت انسؓ بن رافع کی صاحبزادی ہیں اور انصار یہ ہیں جو بڑی مالدار عورت تھیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں، بے دریغ خرچ کرنے والی اور بڑی مہمان دار عورت تھیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : اِغْتَدَى عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى (ص ۲۸۳ سطر ۴) یہ فاطمہ بنت قیسؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔

### عورت کا نامحرم مرد کو دیکھنے کا حکم

قوله : فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى (ص ۲۸۳ سطر ۴) امام نوویؒ<sup>(۳)</sup> نے فرمایا: مذکورہ حدیث سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ نامحرم عورت کا نامحرم مرد کو دیکھنا جائز ہے، لیکن نامحرم مرد کا نامحرم عورت کو دیکھنا جائز نہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے، صحیح قول وہ ہے جو اکثر صحابہ کرامؓ اور جمہور علماء کا ہے کہ جس طرح اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بھی حرام ہے کیونکہ قرآن کریم میں دونوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم ہے: "قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ... اور وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ" الآیہ اور اس لئے بھی جائز نہیں کہ ایک دوسرے سے فتنہ میں مبتلا ہوں یا اس کا خطرہ ہوں دونوں میں مشترک ہے، اور امام نوویؒ نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "أَفْعَمِيَا وَان"

(۱) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۹۷۔

(۲) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۱۹۸۔

(۳) شرح النووی ج ۱ ص ۲۸۳۔

انتہا“ اور انہوں نے فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں عدت گزارنے کی اجازت ہے دیکھنے کی اجازت نہیں اور یہاں بھی انہیں نظر بچانے کا حکم ہے جس سے بچنا یہاں آسان ہے، ام شریکؓ کے یہاں مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے نظر بچانا مشکل تھا۔

البتہ حافظ ابن حجرؒ<sup>(۱)</sup> نے فرمایا: نظر کے مسئلہ میں مرد و عورت کے حکم میں فرق ہے، چنانچہ مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا درست نہیں، لیکن عورت مرد کی طرف دیکھ سکتی ہے جبکہ شہوت نہ ہو اور نہ اس کا خطرہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پیچھے کھڑا کر کے حبشیوں کا کھیل دکھلایا جس کے الفاظ یہ ہیں عن عائشۃؓ قالت رأیت النبی ﷺ لیسترنی بردائه وانا انظر الی الحبشة یلعبون فی المسجد... رواہ البخاری<sup>(۲)</sup> اور اس کے جواز کی یہ دلیل بھی ہے حضور ﷺ کے زمانہ سے آج تک یہ عمل چلا آرہا ہے کہ عورتوں کا مساجد میں، بازار میں اور سفر میں باپردہ آنا جانا جائز ہے تاکہ مردان کو نہ دیکھیں، لیکن مردوں کو پردہ کرنے کا کوئی حکم نہیں، معلوم ہوا دونوں کے حکم میں فرق ہے مردوں کا چہرہ عورتوں کے حق میں عورتوں کے چہرہ کی طرح نہیں لہذا اگر نامحرم عورت کو نامحرم مرد کی طرف دیکھنے میں شہوت یا شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو دیکھنے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔<sup>(۳)</sup>

قوله : فَإِذَا حَلَلْتَ فَأَذِیْنِی، (ص ۲۸۳ سطر ۲) یعنی جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا، اس سے غالباً حضور ﷺ کا یہ مقصد تھا کہ ان کا نکاح اسامہؓ بن زید سے کر دیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عدت کے دوران نکاح کا اشارہ کرنا جائز ہے۔<sup>(۴)</sup>

قوله : أَمَا أَبُو جَهْمٍ، فَلَا یَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، (ص ۲۸۳ سطر ۲) یہ حذیفہ قرشی کے بیٹے ہیں جو مشرک قریش میں سے ہیں، آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ عورتوں کو بہت مارتے ہیں اور ان پر بہت سختی کرتے ہیں، اس لئے ان سے نکاح مناسب نہیں۔<sup>(۵)</sup>

قوله : وَأَمَّا مُعَاوِیَةُ فَصُعْلُوكٌ (ص ۲۸۳ سطر ۲) اس میں صاعدا پر ضمرہ ہے، یعنی وہ فقیر آدمی ہیں جن کے پاس کوئی مال نہیں اور نہ ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے

(۱) فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۱ کتاب الجمعة باب الحراب والذرق يوم العيد۔

(۲) صحيح البخاری کتاب الصلوة باب أصحاب الحراب فی المسجد - رقم الحديث ۲۳۵۔

(۳) محض نکتہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۹۸ و ۱۹۹۔

(۴) نکتہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۹۹۔

(۵) نکتہ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۹۹۔

لئے یہ دیکھنا عین مناسب ہے نکاح کا پیغام دینے والا شخص مالی اعتبار سے اس کی کفالت کر سکتا ہے یا نہیں، اگر وہ نان و نفقہ برداشت کرنے کے قابل نہ ہو تو عورت منع کر سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا نکاح کا پیغام دینے والے کے عیوب بغرض مشورہ بتانا ممنوع غیبت میں داخل نہیں۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : فَاَعْبُدُوهُ، (ص ۲۸۴ سطر ۱) شاید ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہو فاطمہ بنت قیس قرشیہ تھیں اور حضرت اسامہ بن زید غلاموں میں سے تھے یا حضرت اسامہ کالے رنگ کے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ غیر کفو میں نکاح کرنا دینداری، علم اور اخلاق کی وجہ سے درست ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : وَاعْتَبِلْتُ بِهِ (ص ۲۸۴ سطر ۱) یہ مجھول کا صیغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے اور حضرت اسامہ میں ایسے اچھے تعلقات پیدا فرمائے کہ عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں کہ شادی ہو تو ایسی ہو۔<sup>(۳)</sup>

### معتدہ کے نفقہ اور سکنتی کا حکم

واضح ہو کہ جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہو اور وہ شوہر کے گھر عدت گزارے تو اس کا نان و نفقہ اور سکنتی بالاتفاق شوہر پر واجب ہے لیکن مطلقہ بانہ یا مغفلہ کا نفقہ اور سکنتی واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک بلاشبہ اس کا نان و نفقہ اور سکنتی واجب ہے خواہ مطلقہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور متعدد صحابہؓ و تابعینؓ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام احمدؒ اور اہل ظاہرؒ کے نزدیک اس کے لئے نہ نفقہ اور نہ سکنتی الا یہ کہ وہ حاملہ ہو اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک سکنتی تو ہر حال میں واجب ہے لیکن نفقہ اس وقت واجب ہے جب وہ حاملہ ہو ورنہ نفقہ واجب نہیں، حضرت امام احمدؒ وغیرہ کا استدلال فاطمہ بنت قیس کی حدیث الباب سے ہے جس میں صراحۃً نفقہ اور سکنتی کی نفی ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ و مالکؒ کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے ”اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ“

(۱) مکتبہ صبح المسلمین ج ۱ ص ۲۰۱۔

(۲) حوالہ پ۔

(۳) حوالہ پ۔

وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ“<sup>(۱)</sup> اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سکئی تو مطلقاً مقرر فرمایا اور نفقہ کے واجب ہونے کو حمل کے ساتھ مقید کیا اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے، اس لئے ثابت ہوا کہ مطلقہ اگر حاملہ نہ ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں۔<sup>(۲)</sup>

حضرت امام ابوحنفیہؒ کا استدلال کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، آثار صحابہ اور قیاس سے ہے:-  
قرآن کریم سے استدلال اس طرح ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ“<sup>(۳)</sup> اس میں مطلقات عام ہیں خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا بائنہ یا مغلظہ اور متاع بھی عام ہے جو نفقہ، سکئی اور لباس وغیرہ سب کو شامل ہے، اس آیت کے علاوہ دیگر آیات سے بھی ان کا استدلال ہے۔

متعدد احادیث میں سے ایک یہ حدیث ہے:- عن الشعبي عن فاطمة بنت قيس ان زوجها طلقها ثلاثا، فأتت النبي ﷺ فقال لانفقة لك ولاسكني قال فاخبرته بذلك النعمي، فقال: قال عمر بن الخطاب واخبر بذلك لسنا بتاركي آيت من كتاب الله وقول رسول الله ﷺ لقول امرأة لعلها او همت، سمعت رسول الله ﷺ يقول: لها السكنى والنفقة۔ یہ حدیث مرفوع ہے اور مطلقہ مغلظہ عورت کے نفقہ اور سکئی کے واجب ہونے میں صریح ہے۔<sup>(۴)</sup>

نیز احناف کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو مسلم شریف جلد اول ۲۸۵ سطر ۴ میں آرہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں أن عمر بن الخطاب قال بعد سماع حديث فاطمة: لا نترك كتاب الله وسنة نبينا ﷺ لقول امرأة لاندري لعلها حفظت او نسيت لها السكنى والنفقة، اس میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے قول کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب و سنت کے خلاف غیر معتبر قرار دیا۔<sup>(۵)</sup>

(۱) سورہ الطلاق ۶

(۲) تكملة فتح الميم ج ۱ ص ۲۰۱-۲۰۲۔

(۳) سورہ البقرة ۲۳۱۔

(۴) تكملة فتح الميم ج ۱ ص ۲۰۵۔

(۵) حوالہ پا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی متعدد آثار سے بھی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ، حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت امام شعبیؒ سے یہی مروی ہے کہ مطلقہ مبتوتہ کے لئے نفقہ اور رہائش ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی ثابت ہے، بلکہ ان سے حضرت فاطمہ بنت قیس کے قول ”لا سکنی ولا نفقہ“ کی تردید منقول ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: ”عن عائشہؓ قال: ما لفاطمۃ الا تنقی اللہ تعنی فی قولها لا سکنی ولا نفقہ“ (۱)

بہر حال حضرت فاطمہ بنت قیس کے بارے میں مجموعی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے انہوں نے شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی درخواست اس وجہ سے کی تھی کہ ان کا گھر ویران جگہ میں تھا اور ان کی زبان شوہر کے گھر والوں پر تیز ہو جاتی تھی اس لئے بجمہوری حضور ﷺ نے وہاں سے منتقل ہونے کی اجازت دی، رہا نفقہ تو ان کے شوہر کے وکیل نے عدت کا نفقہ بھیجا تھا لیکن انہوں نے اس کو کم سمجھا ممکن ہے زیادہ دینے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہو اس سے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے یہ سمجھا ہو کہ مطلقہ مبتوتہ کے لئے نفقہ نہیں اور چونکہ شوہر کے گھر سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا سبب ان کی طرف سے تھا جو بحکم ناشرہ ہے جسے سکنی بھی ساقط ہو گیا بلکہ ناشرہ ہونے کی صورت میں نفقہ بھی اصلاً ساقط ہو جاتا ہے اس طرح نفقہ اور سکنی دونوں ساقط ہو گئے ورنہ اگر مبتوتہ شوہر کے گھر عدت گزارے تو اس کے لئے بلاشبہ نفقہ اور سکنی ہے۔ (۲)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، أَنَّهُ طَلَّقَهَا زَوْجَهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ أَتَفَقَّ عَلَيْهَا نَفَقَةً دُونَ، فَلَمَّا رَأَتْ ذَلِكَ، قَالَتْ: وَاللَّهِ لَا أَعْلِمَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ كَانَ لِي نَفَقَةٌ أُنْعِدْتُ الَّذِي يُصْلِحُنِي، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِي نَفَقَةٌ لَمْ أَخُذْ مِنْهُ شَيْئًا، قَالَتْ: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَا نَفَقَةَ لَكَ، وَلَا سَكْنَى (ص ۲۸۳ طرا ۲۴۱)

## تشریح

قولہ: نَفَقَةٌ دُونَ، (ص ۲۸۳ طرا ۲) دون کے معنی ردی اور گھٹیا۔ (۳)

(۱) بحکمۃ فتح المسیم ج ۱ ص ۲۰۱۔

(۲) بحکمۃ فتح المسیم ج ۱ ص ۲۰۲۔

(۳) بحکمۃ فتح المسیم ج ۱ ص ۲۰۸۔

حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلَوَانِيُّ، (الی قولہ) أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ أَبِي عَمْرٍو بْنِ حَفْصِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ، فَرَعِمَتْ أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْتَفْتِيهِ — الحديث (ص ۳۸۴ سطر ۱۲ تا ۱۳)

### تشریح

قوله : آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ، (ص ۳۸۴ سطر ۱۲) یعنی فاطمہ بنت قیس کے شوہر نے پہلے انہیں دو طلاقیں دیدی تھیں اور رجوع کر لیا تھا، اس کے بعد انہیں یہ تیسری طلاق دی تھی۔ (۱)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قولہ) عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ أَبَا عَمْرٍو بْنَ حَفْصِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، خَرَجَ مَعَ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ إِلَى الْيَمَنِ، فَأُرْسِلَ إِلَى امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ بِتَطْلِيقَةٍ كَانَتْ بَقِيَتْ مِنْ طَلَاقِهَا، وَأَمَرَ لَهَا الْحَارِثُ بْنُ هِشَامٍ، وَعَبَّاشُ بْنُ أَبِي رِبْعَةَ بِنَفَقَةٍ، فَقَالَا لَهَا : وَاللَّهِ مَا لَكَ نَفَقَةٌ إِلَّا أَنْ تَكُونِي حَامِلًا، فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَتْ لَهُ قَوْلَهُمَا، فَقَالَ : لَا نَفَقَةَ لَكَ، فَاسْتَأْذَنَتْهُ فِي الْإِنْتِقَالِ، فَأُذِنَ لَهَا.. الحديث (ص ۳۸۴ سطر ۱۶ تا ۲۲)

قوله : فَأُذِنَ لَهَا الْخ (ص ۳۸۴ سطر ۱۹) حضرت امام نوویؒ نے فرمایا : حضور ﷺ کا حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو عدت کے مکان سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی اجازت عذر کی بنا پر ہے مثلاً شوہر کے رشتہ داروں سے تیز تیز بات کرنا یا ان سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہونا وغیرہ ورنہ بلا ضرورت مکانِ عدت سے کسی دوسری جگہ منتقل ہونا درست نہیں۔ (۲)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ جَبَلَةَ، (الی قولہ) فَحَدَّثَ الشَّعْبِيُّ بِحَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَمْ يَحْعَلْ لَهَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةً، لَمْ أَخْذِ الْأَسْوَدُ كَفًّا مِنْ حَصَى، فَحَصَبَهُ بِهِ، فَقَالَ : وَيْلَكَ تُحَدِّثُ بِمِثْلِ هَذَا، قَالَ عُمَرُ : لَا تَتْرُكْ كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ، لَا

(۱) بحکمۃ فتح المعجم ج ۱ ص ۲۰۶۔

(۲) بحکمۃ فتح المعجم ج ۱ ص ۲۱۰ وشرح النووی ج ۱ ص ۳۸۴۔



نَذَرِي لَعَلَّهَا حَفِظْتُ، أَوْ نَسِيتُ، لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةُ، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ:  
 "لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يُخْرِجَنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ" (ص ۴۸۵  
 سطر ۷۴۴)

### تشریح

قولہ : لَعَلَّهَا حَفِظْتُ، أَوْ نَسِيتُ، (ص ۴۸۴ سطر ۶) حضرت عمرؓ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو تفصیل سے یہ واقعہ یاد نہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان پر یہ تہمت لگانا مقصود نہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی، خلاصہ یہ ہے کہ ان کی بات خبر قطعی ہے جو کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف حجت نہیں بہر حال حضرت عمرؓ کا ارشاد احناف کے دلائل میں سب سے بڑی دلیل ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب جواز خروج المعتدة البائن و

#### المتوفى عنها زوجها فى النهار (ص ۴۸۶)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ بْنُ مَيْمُونٍ، (الى قوله) جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ:  
 طَلَّقْتُ خَالَتِي، فَأَرَادَتْ أَنْ تَجِدَ نَخْلَهَا، فَرَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ، فَأَتَتْ النَّبِيَّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: بَلَى فَجُدِي نَخْلَكَ، فَإِنَّكَ عَسَى أَنْ تَصَدَّقِي، أَوْ  
 تَفْعَلِي مَعْرُوفًا۔ (ص ۴۸۶ سطر ۳۵۱)

### تشریح

قولہ : أَنْ تَجِدَ نَخْلَهَا، (ص ۴۸۴ سطر ۲) جُدُ يَجِدُ جُداً وجداداً کے معنی ہیں درخت کے پھل توڑنا۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : بَلَى فَجُدِي نَخْلَكَ، (ص ۴۸۴ سطر ۳) یعنی تم اپنے کجور کے درخت کی کجوریں توڑ سکتی ہو (اور اس کام کے لئے گھر سے باہر جاسکتی ہو)، کیونکہ تم صدقہ دوگی یا نیک کام میں لگاؤ گی یہ حضور ﷺ نے اس لئے فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے یہ خاتون نیک کاموں میں مال خرچ

(۱) نكسبه فتح الميهم ج ۱ ص ۱۱۷۔

(۲) احسنه فتح الميهم ج ۱ ص ۲۱۷۔



کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے والی ہیں۔ — صدقہ اور معروف میں تھوڑا سا فرق ہے، صدقہ سے صدقہ واجبہ مراد ہے جس میں تملیک ضروری ہے اور معروف سے نقلی صدقہ مراد وہ ہے جس میں تملیک ضروری نہیں۔<sup>(۱)</sup>

### بیوہ معتدہ کا دن میں گھر سے نکلنے کا حکم

اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ جس عورت کے شوھر کا انتقال ہو جائے تو وہ عدت کے دوران دن میں گھر سے باہر جاسکتی ہے لیکن اگر عورت مطلقہ ہو اور عدت میں ہو تو وہ گھر سے باہر جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی دن دن میں اپنی کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ انہوں نے مذکورہ حدیث الباب سے استدلال کیا ہے۔ — حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں نکل سکتی ان کا استدلال اس آیت سے ہے: ”وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ“<sup>(۲)</sup> جس میں مطلقہ کی عدت پوری ہونے سے پہلے مکان عدت سے نکلنے کی صاف اور قطعی ممانعت ہے اور بیوہ کے بارے میں ایسی ممانعت نہیں، اور قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ بیوہ کا چونکہ نفقہ واجب نہیں، اس لئے اس کے نکلنے کی اجازت ہونی چاہئے اور مطلقہ کا نفقہ واجب ہے لہذا اس کے نکلنے کی ضرورت نہیں اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے اس سے کتاب اللہ کی تخصیص درست نہیں اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت جابرؓ کی خالہ عدت میں گھر سے نکلنے پر اس لئے مجبور ہوں کہ انہوں نے اپنے شوھر سے عدت کے نفقہ کے عوض خلع کیا ہو اور ایسی مجبوری میں گھر سے نکلنا جائز ہے اور یہ بھی ممکن ہے جس وقت حضور ﷺ نے انہیں گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہو، اس وقت تک عدت کے احکام نازل نہ ہوئے ہوں۔<sup>(۳)</sup>

### باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها

#### وغيرها بوضع الحمل (ص ۳۸۶)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الِی قَوْلِهِ) حَدَّثَنِي عُبيدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَرْقَمِ الزُّهْرِيِّ، يَأْمُرُهُ أَنْ يَدْخُلَ

(۱) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۱۸۔

(۲) سورہ الصّلاۃ:

(۳) بحکمہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۱۸، ۲۱۹۔

عَلَى سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ الْأَسْلَمِيَّةِ، فَيَسْأَلُهَا عَنْ حَدِيثِهَا، وَعَمَّا قَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ اسْتَفْتَتْهُ، فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ يُخْبِرُهُ، أَنَّ سُبَيْعَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ (إلى قوله) فَسَأَلَتْهُ عَنْ ذَلِكَ، فَأَفْتَانِي بِأَنِّي قَدْ حَلَلْتُ حِينَ وَضَعْتُ حَمْلِي، وَأَمَرَنِي بِالتَّزْوُجِ إِنْ بَدَأَ لِي... (الحديث) (ص ۳۸۶ طر ۹۵۳)

### تشریح

قوله : فَأَفْتَانِي بِأَنِّي قَدْ حَلَلْتُ (ص ۳۸۶ طر ۹) یعنی حضور ﷺ نے فتویٰ دیا کہ وضع حمل پر بیوہ کی عدت پوری ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس کو کسی دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے، الگ سے عدت و وفات چار ماہ دس دن گزارنے کی ضرورت نہیں — یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب وجوب الاحداد فی عدة الوفات (ص ۳۸۶)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (إلى قوله) عَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، هَذِهِ الْأَحَادِيثُ الثَّلَاثَةُ، قَالَ: قَالَتْ زَيْنَبُ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ، فَدَعَتْ أُمَّ حَبِيبَةَ بِطَبِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٍ - أَوْ غَيْرُهُ - فَدَهَنْتُ مِنْهُ جَارِيَةً، ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضِيهَا، ثُمَّ قَالَتْ: وَاللَّهِ مَا لِي بِالطَّبِيبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحْدِثُ عَلَى مِثْبَ فَوْقِ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ زَيْنَبُ: ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا، فَدَعَتْ (إلى قوله) قَالَتْ زَيْنَبُ: سَمِعْتُ أُمِّي أُمَّ سَلَمَةَ، تَقُولُ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَقَدْ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا، أَفَنَكْحُهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا - مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ: لَا - ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ، وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ، قَالَ حُمَيْدٌ: فَقُلْتُ لِزَيْنَبَ، وَمَا تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ؟ فَقَالَتْ زَيْنَبُ: كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا دَخَلَتْ

حِفْشًا، وَلَبَسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا، وَلَمْ تَمَسَّ طِيْبًا، وَلَا شَيْئًا حَتَّى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ، ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ سَحْمَارٍ، أَوْ شَاةٍ، أَوْ طَيْرٍ فَتَقْتَضُ بِهِ، فَقَلَمًا تَقْتَضُ بِشَيْءٍ إِلَّا مَاتَ، ثُمَّ تَخْرُجُ، فَتُعْطَى بَعْرَةً، فَتَرْمِي بِهَا، ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدَ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيْبٍ أَوْ غَيْرِهِ (ص ۳۸۶ سطر ۱۴ تا ص ۳۸۷ سطر ۶)

### تشریح

قوله : خَلُوق (ص ۳۸۶ سطر ۱۶) یہ ایک قسم کی خوشبو کا نام ہے جو زعفران سے بنائی جاتی تھی۔ (۱)

قوله : ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضِيَّهَا، (ص ۳۸۶ سطر ۱۶) عارِضین ٹھوڑی سے اوپر والے چہرہ کو کہتے ہیں مراد رخساروں پر خوشبو لگانا ہے۔ (۲)

قوله : لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوْمِنُ (ص ۳۸۶ سطر ۱۶) احناف اور حضرت امام مالک کے نزدیک جس عورت کے شوھر کا انتقال ہو جائے اس کی بیوہ پر جبکہ وہ عاقلہ بالغہ ہو عدت کے دوران زیب و زینت کو ترک کرنا واجب ہے البتہ بیوہ اگر نابالغہ ہو تو اس پر زیب و زینت ترک کرنا واجب نہیں۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک بیوہ بالغہ ہو یا نابالغہ دونوں پر زیب و زینت ترک کرنا واجب ہے۔ (۳)

قوله : أَفَنَكْحُلُهَا؟ (ص ۳۸۷ سطر ۳) اس میں حاء پر ضمہ ہے۔ اس حدیث سے بعض اہل ظاہر نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے بیوہ کو عدت کے دوران سرمہ لگانا مطلقاً جائز نہیں چاہے کوئی مرض ہو یا نہ ہو۔ اور جمہور فقہاء کرامؒ کے نزدیک عذر میں سرمہ لگانا جائز ہے، بلا عذر جائز نہیں۔ (۴) اور ضرورت کے وقت سرمہ لگانے کی دلیل یہ حدیث ہے جو ابوداؤد شریف (۵) میں ہے: عن حکیم بنت اسید عن امها ان زوجها توفي و كانت تشتكي عينيها فتكتحل بالحلاء.... فقالت: لا تكتحلي الا من امر لا بد منه يشتد عليك فتكتحلين بالليل و تمسحينه بالنهار الخ اور بھی متعدد احادیث سے عذر میں سرمہ لگانے کی اجازت ثابت ہے۔ (۶)

حدیث الباب میں سرمہ لگانے کی مطلق ممانعت کا جواب یہ ہے کہ یہاں سرمہ لگانے کی

(۲) حوالہ بالا۔

(۱) مکسہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۲۔

(۳) مکسہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۵۔

(۴) نکمۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۷۔

(۵) مسنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فيما يحبه المعتدة في عديها... الخ رقم الحديث ۱۹۶۱۔

(۶) مکسہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۷۔

ضرورت نہ تھی یا تکلیف معمولی ہوگی یا بغیر سرمہ لگائے تکلیف دور ہو سکتی ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : دَخَلْتُ حِفْشًا، (ص ۴۸۷ سطر ۵) اس کی حاء کے نیچے کسرہ ہے اور فاء ساکن

ہے اس کے معنی ہیں چھوٹا گھریا کمزور گھر۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : فَتَقْتَضُ بِهٖ، (ص ۴۸۷ سطر ۵) یہ فَض سے مشتق ہے جس کے معنی توڑنے اور

کاٹنے کے آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عدت میں عورت پر جو پابندیاں ہوتی تھیں، وہ انہیں توڑ دیتی اور

ختم کر دیتی اور بعض نے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ عورت بیٹھے پانی سے غسل کرتی اور اپنے جسم کی میل

پکھیل دور کر کے چاندی کی طرح صاف دستری ہو جاتی تھی۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ، قَالَ : سَمِعْتُ زَيْنَبَ

بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ، تُحَدِّثُ عَنْ أُمِّهَا، أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ زَوْجُهَا، فَخَافُوا عَلَى عَيْنِهَا،

فَأَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَأْذَنُوهُ فِي الْكُحْلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : قَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ تَكُونُ فِي شَرِّ بَيْتِهَا فِي أَحْلَاسِهَا - أَوْ فِي

شَرِّ أَحْلَاسِهَا - فِي بَيْتِهَا حَوْلًا، فَإِذَا مَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ بِبَعْرَةٍ، فَخَرَجَتْ، أَفَلَا أَرْبَعَةٌ

أَشْهُرٌ وَعَشْرًا؟ (ص ۴۸۷ سطر ۹ تا ۱۱)

### تشریح

قولہ : أَحْلَاسِهَا (ص ۴۸۷ سطر ۱) یہ جلس کی جمع ہے اس کے کئی معنی ہیں کپڑا، باریک

چادر، چٹائی جو گھر میں بچھائی جاتی ہے، مطلب یہ ہے زمانہ جاہلیت میں عورت عدت میں اپنے عام

کپڑے اتار دیتی تھی اور جلس وغیرہ پہن لیتی تھی۔<sup>(۴)</sup>

قولہ : فَإِذَا مَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ (ص ۴۸۷ سطر ۱۱) یعنی جب کتا اس کے سامنے سے گزرتا تو

وہ اونٹ کی مینٹی اس پر پھینکتی چاہے اس کے لئے اس کو طویل عرصہ انتظار کرنا پڑتا یا کم۔<sup>(۵)</sup>

قولہ : أَفَلَا أَرْبَعَةٌ أَشْهُرٌ وَعَشْرًا؟ (ص ۴۸۷ سطر ۱۱) یعنی اسلام آنے کے بعد جبکہ

زمانہ جاہلیت کی تمام تکلیف وہ قیدیں اور پابندیاں ختم ہو گئیں تو کیا چار ماہ دس دن عدت میں بیٹھنا

(۱) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۲۷۔

(۲) شرح سواری ج ۱ ص ۴۸۷۔

(۳) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۲۸۔

(۴) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۲۹۔

(۵) مکملہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۲۹۔

کچھ مشکل ہے؟ (۱)

حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّيِّعِ، (الی قولہ) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُجِدُ امْرَأَةً عَلَى مَيْتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوعًا، إِلَّا ثَوْبَ عَصَبٍ، وَلَا تَكْتَجِلُ، وَلَا تَمَسُّ طَبِيًّا، إِلَّا إِذَا طَهَّرَتْ، نُبْدَةٌ مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ (ص ۳۸۸ سطر ۱۰ تا ۱۰۲)

### تشریح

قولہ : وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوعًا، (ص ۳۸۸ سطر ۹) واضح ہوا اگر عدت میں عورت ایسا رنگا ہوا کپڑا پہنے جس میں خوشبو ہو یا وہ زیب و زینت کی غرض سے پہنے تو بلاشبہ حرام ہے البتہ بغیر خوشبو والا سیاہ لباس پہننا چاروں اماموں کے نزدیک جائز ہے اور اگر عورت رنگا ہوا لباس بغیر خوشبو والا اور زینت کے بغیر پہنے تو بھی جائز ہے اسی طرح بغیر خوشبو کا کوئی پرانا لباس پہننا بھی جائز ہے۔ (۲)

قولہ : إِلَّا ثَوْبَ عَصَبٍ، (ص ۳۸۸ سطر ۹) اس میں عین پر فحہ اور صا د سا کن ہے یہ یمن کی بنی ہوئی چادر کو کہتے ہیں جس کے دھاگے پہلے رنگے جاتے تھے پھر اس کو ہٹا جاتا تھا، اور بعض نے کہا اس میں سیاہ اور سفید دھاریاں ہوتی تھیں، اس کا عدت میں عورت کو استعمال کرنا اس لئے جائز تھا کہ ایک تو یہ چادر موٹی ہوتی تھی اور بطور زینت استعمال نہیں ہوتی تھی لہذا اگر یہ سیاہ رنگ کے علاوہ کسی اور رنگ کی ہو اور بغرض زینت استعمال ہوتی ہو تو عدت میں عورت کو اس کا استعمال جائز نہیں۔ (۳)

قولہ : إِلَّا إِذَا طَهَّرَتْ، (ص ۳۸۸ سطر ۹) یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو تو غسل کرنے کے بعد حیض کے خون کی بدبودور کرنے کے لئے قسط جو ایک خوشبو کا نام ہے یا کوئی دوسری خوشبو عورت لگا سکتی ہے خواہ عدت میں ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اس کا مقصد زینت کے طور پر خوشبو لگانا نہیں، بلکہ حیض کے خون کی بدبودور کرنا ہے۔ (۴)

قولہ : نُبْدَةٌ (ص ۳۸۸ سطر ۹) اس میں نون پر فحہ اور باء سا کن ہے اس کے معنی ہیں ٹکڑا اور معمولی چیز۔ (۵)

قولہ : مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ (ص ۳۸۸ سطر ۱۰) قسط میں قاف پر ضمہ ہے ایک قسم کی خوشبو کو کہتے ہیں اور اظفار بھی ایک قسم کے عطر کو کہتے ہیں۔ (۶)

(۱) شرح النووی ج ۱ ص ۳۸۷۔

(۲) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۳۱۔

(۳) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۳۲۔

(۴) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۳۲۔

(۵) شرح النووی ج ۱ ص ۳۸۸۔

(۶) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۳۲۔

## کتاب اللعان (ص ۴۸۸)

اس کتاب میں حضرت امام مسلمؒ نے لعان کے متعلق احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں جن سے لعان کا حکم اور دیگر مسائل معلوم ہوں گے، لہذا اس کی احادیث پڑھنے سے پہلے لعان کے لغوی اور اصطلاحی معنی، لعان کا حکم اور اس کی حکمت جاننے کی ضرورت ہے تاکہ احادیث لعان کا سمجھنا آسان ہو۔

## لعان کے لغوی و اصطلاحی معنی

لعان: فعال کے وزن پر ہے جو باب مفاعلہ کا مصدر ہے، لاعن یلاعن ملاءعنة و لعاانا، اس کے معنی آتے ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا، کیونکہ یہ لعن سے مشتق ہے جس کے معنی لعنت کرنے کے آتے ہیں، اور لعان کو اسی لئے لعان کہتے ہیں کہ اس میں بھی لعنت کرنا پایا جاتا ہے، یہ اس کے لغوی معنی ہیں۔

اصطلاح شرع میں لعان اس کو کہتے ہیں کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے، اس کے بارے میں کہے یہ میرا بچہ نہیں ہے، کسی اور کا ہے تو اس وقت لعان واجب ہوتا ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں جائے اور وہاں اپنا مقدمہ پیش کرے کہ میرا شوہر فلاں شخص ہے، اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے یا یہ کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے لہذا میرے ساتھ انصاف کیا جائے، اس وقت قاضی شوہر کو بلائے اور اس سے کہے تم اپنا دعویٰ گواہوں سے ثابت کرو اور چار گواہ لاؤ! اگر وہ چار گواہوں کے ذریعہ اپنی بیوی کے زنا کو ثابت کر دے تو عورت کو رجم کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ محسنہ ہے اور اگر وہ چار گواہوں سے زنا ثابت نہ کر سکے تو قاضی اس سے کہے گا تم چار قسمیں کھاؤ اور قسمیں تو اسے دراصل پانچ کھانی ہوں گی لیکن ان میں سے چار قسمیں الگ اور ایک قسم الگ ہے۔

چنانچہ شوہر پہلی چار قسمیں اس طرح کھائے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اس عورت پر زنا کی نسبت کرنے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ میں شوہریوں کہے گا میں نے اس کی طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر میں اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

جب شوہر پانچ قسمیں کھالے تو پھر قاضی عورت کی طرف متوجہ ہو کر اس سے کہے گا اب تم چار قسمیں اس طرح کھاؤ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ یہ شخص جو مجھ پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے یہ اسمیں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ میں عورت یوں کہے گی یہ شخص جو مجھ پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے اگر یہ اس میں سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ”وَالْحَامِسَةَ اَلْ غَضَبَ“



اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ“ (۱) ایسا کرنے کو لعان کہتے ہیں۔ (۲)

### لعان کا حکم

جب میاں بیوی لعان کر لیں گے تو بالاتفاق اب میاں بیوی اکٹھے نہیں رہ سکتے، بلکہ قاضی ان میں تفریق کر دے گا جو طلاقِ بائن کے حکم میں ہوگی اور یہ عورت ہمیشہ کے لئے اس شوھر پر حرام ہو جائے گی اور اب کبھی بھی ان کا باہم نکاح نہ ہو سکے گا۔ (۳)

### لعان کی حکمت

لعان کا حکم نازل ہونے سے پہلے حدِ زنا اور حدِ قذف کے احکام نازل ہو چکے تھے جن کی رو سے اگر کوئی شوھر اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھے، اور وہ اس کی طرف زنا کی نسبت کرے تو دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہوتی تھی یا تو چار گواہوں سے زنا ثابت کرے، اور اگر چار گواہ نہ ہوں تو شوھر کی کمر پر حدِ قذف جاری ہوتی، اور اگر کسی شوھر کو اپنی بیوی کے زنا کرنے کا شبہ ہوتا تو بھی یہی صورت تھی کہ اگر گواہ نہ ہوں تو شبہ ظاہر کرنے پر حدِ قذف جاری ہوگی تو ایسا شخص سخت مشکل سے دو چار تھا اظہار کرے تو مشکل، خاموش رہے تو مصیبت، کیونکہ یہ غیرت کے خلاف ہے تو لعان کا حکم نازل ہوا، اور اس میں اس مشکل کا حل آگیا، اس کتاب کی احادیث میں اسی لعان کی تفصیل مذکور ہے۔ (۴)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) أَنَّ عُيُوبًا الْعَجَلَانِيَّ، جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ لَهُ: أَرَأَيْتَ يَا عَاصِمُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيْقَلْتُهُ، فَتَقَتَّلُونَهُ، أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ فَسَلَّ لِي عَنْ ذَلِكَ يَا عَاصِمُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَ عَاصِمُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا، حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ جَاءَهُ عُيُوبٌ، فَقَالَ: يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ عَاصِمُ

(۱) سورہ النور ۹۵۶۔

(۲) مکملۃ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۲ مورفات ج ۶ ص ۳۰۵۔

(۳) مورفات ج ۶ ص ۳۰۷۔

(۴) اشرف الوصیح ج ۲ ص ۲۸۸۔



لِعُوَيْمِرٍ: لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ، قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتَهُ عَنْهَا؟ قَالَ عُويْمِرٌ: وَاللَّهِ، لَا أَنْتَهَى حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا، فَأَقْبَلَ عُويْمِرٌ حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَطَ النَّاسِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيْقَلُّهُ فَتَقْتُلُونَهُ؟ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ نَزَلَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَيْكَ، فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا، قَالَ سَهْلٌ: فَتَلَاغَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا فَرَغَا، قَالَ عُويْمِرٌ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَكَانَتْ سُنَّةَ الْمُتَلَاغَيْنِ (ص ۲۸۸ سطر ۱۲ تا ص ۲۸۹ سطر ۲)

### تشریح

قوله: أَرَأَيْتَ يَا عَاصِمُ (ص ۲۸۸ سطر ۱۳) حضرت عویمرؓ عجلانی نے سوال کے لئے حضرت عاصم کو اسلئے خاص کیا کہ وہ قوم کے بڑے تھے اور ان کی بیٹی کے سر تھے اور غالباً انہیں اس بارے میں کچھ معلومات تھیں، لیکن تحقیق نہ تھی اس لئے انہوں نے ان سے کھول کر بات نہیں کی۔<sup>(۱)</sup>

قوله: وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ (ص ۲۸۸ سطر ۱۴) اس سے زنا کی طرف اشارہ ہے اور معلوم ہوا زنا کی بات کو اشارہ کنایہ سے ذکر کرنا مستحب ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: فَكَرِهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْأَلَةَ (ص ۲۸۸ سطر ۱۵، ۱۶) حضرت امام نوویؒ نے فرمایا یہاں کراحت سے ایسے مسائل مراد ہیں جن کی ضرورت نہ ہو خاص طور پر وہ مسائل جن میں کسی مسلمان مرد عورت کی بے آبروئی ہو اور بے حیائی کی اشاعت ہو، یہاں حضرت عاصمؓ نے حضور ﷺ سے جو سوال کیا تھا وہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا اسلئے اسکے بارے میں سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اس میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی بے آبروئی بھی تھی۔<sup>(۳)</sup>

قوله: فَتَلَاغَنَا (ص ۲۸۹ سطر ۱) لعان کا یہ واقعہ جمعہ کے دن بعد نماز عصر مسجد نبوی

(۱) حکمة فتح سنہم ج ۱ ص ۲۳۶۔

(۲) حکمة فتح سنہم ج ۱ ص ۲۳۶۔

(۳) حکمة فتح سنہم ج ۱ ص ۲۳۶۔

قوله : فَكَانَتْ سُنَّةَ الْمُتْلَاعَيْنِ (ص ۴۸۹ سطر ۲) اس کے مطلب میں کئی اقوال ہیں ان میں سب سے بہتر مطلب یہ ہے کہ لعان کے بعد میاں بیوی میں تفریق ہونا بعد والوں کے لئے سنت اور طریقہ بن گیا کہ اب کبھی بھی وہ بذریعہ نکاح جمع نہیں ہو سکتے۔ (۲)

حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) أَخْبَرَنِي سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيُّ، أَنَّ عُوَيْمَرَ الْأَنْصَارِيَّ مِنْ بَنِي الْعُحْلَانِ أَتَى عَاصِمَ بْنَ عَدِيٍّ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ، وَأُدْرَجَ فِي الْحَدِيثِ قَوْلُهُ : وَكَانَ فِرَاقُهُ إِيَّاهَا بَعْدَ سُنَّةٍ فِي الْمُتْلَاعَيْنِ، وَزَادَ فِيهِ، قَالَ سَهْلٌ : وَكَانَتْ حَامِلًا، فَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى إِلَى أُمِّهِ، ثُمَّ حَرَبَتِ السُّنَّةُ أَنَّهُ يَرِثُهَا وَتَرِثُ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللَّهُ لَهَا۔ (ص ۴۸۹ سطر ۴۲)

### تشریح

قوله : أَنَّهُ يَرِثُهَا وَتَرِثُ مِنْهُ (ص ۴۸۹ سطر ۴) اس پر علماء کرام کا اجماع ہے کہ لعان کرنے والی عورت اور وہ بچہ جس کی وجہ سے لعان ہوا یہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کیونکہ اس بچہ کا نسب اس عورت سے ثابت ہوگا اور یہ عورت اس کی ماں کہلائے گی۔ (۳)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الى قوله) عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ : سُئِلْتُ عَنِ الْمُتْلَاعَيْنِ فِي إِمْرَةٍ مُصْعَبٍ أَيْفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ : فَمَا دَرَيْتُ مَا أَقُولُ، فَمَضَيْتُ إِلَى مَنْزِلِ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ، فَقُلْتُ لِلْغُلَامِ : اسْتَأْذِنْ لِي، قَالَ : إِنَّهُ قَائِلٌ، فَسَمِعَ صَوْتِي، قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ؟ قُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ : ادْخُلْ، فَوَاللَّهِ، مَا جَاءَ بِكَ هَذِهِ السَّاعَةَ إِلَّا حَاجَةٌ، فَدَخَلْتُ فَإِذَا هُوَ مُفْتَرِشٌ بِرُذَعَةٍ مُتَوَسِّدٌ وَسَادَةٌ حَشَوُهَا لَيْفٌ، قُلْتُ : أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُتْلَاعَيْنِ أَيْفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ : سُبْحَانَ اللَّهِ، نَعَمْ، إِنْ أَوَّلَ مَنْ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ فَلَانُ بْنُ فُلَانٍ، (الى قوله) ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا،

(ص ۴۸۹ سطر ۱۵۷)

(۱) حکمت فتح المہم ج ۱ ص ۲۳۷۔

(۲) حکمت فتح المہم ج ۱ ص ۲۳۷۔

(۳) حکمت فتح المہم ج ۱ ص ۲۳۹۔

## تشریح

قولہ : قَائِلٌ، (ص ۲۸۹ سطر ۸) ای ناظم یعنی وہ قیلولہ کر رہے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : لِیْفٌ، (ص ۲۸۹ سطر ۹) لیف خشک گھاس کو کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا، (ص ۲۸۹ سطر ۱۵) یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہ

ہوگی بلکہ قاضی اور حاکم کے فیصلہ سے تفریق ہوگی، اس مسئلہ کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

## لعان سے تفریق ہونے کا مسئلہ

نفس لعان سے میاں بیوی میں تفریق ہوگی یا اس تفریق کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہوگا، اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں نفس لعان سے میاں بیوی میں تفریق ہو جائے گی۔ قاضی کا تفریق کرنا کوئی ضروری نہیں اور احناف کے نزدیک تفریق کے لئے قضاء قاضی ضروری ہے اس سے پہلے محض لعان کرنے سے خود بخود تفریق نہ ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ”المتلاعنان لا یجتمعان ابدا“ وہ فرماتے ہیں کہ لعان کے بعد اگر تفریق نہ ہو اور قاضی تفریق کا فیصلہ کرنے میں تاخیر کرے تو ان کا جمع ہونا لازم آئے گا جو حدیث صریح کے خلاف ہے، معلوم ہوا نفس لعان سے تفریق ہو جائے گی۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انہوں نے لعان کو ایلاء پر قیاس کیا ہے کہ ایلاء میں چونکہ بغیر قضاء قاضی کے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے اور نکاح ختم ہو جاتا ہے، لہذا لعان میں بھی حکم ہوگا اور جیسے ایلاء میں قضاء قاضی ضروری نہیں نفس ایلاء سے تفریق ہو جاتی ہے، ایسے ہی یہاں بھی بغیر قضاء قاضی کے تفریق ہو جائے گی جو طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔

احناف نے ان دلائل کا جواب دیا ہے کہ مذکورہ حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں وجہ یہ ہے کہ ایک حدیث کی دوسری حدیث سے تشریح ہوتی ہے چنانچہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، روایت میں اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ”فمضت السنة بعد فی المتلاعنین ان یفرقا بینہما ثم لا یجتمعان ابدا“<sup>(۳)</sup> جس کے معنی ہیں پھر لعان کرنے والوں میں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ ان میں تفریق کی جائے گی، اس کے بعد وہ کبھی بھی آپس میں جمع نہیں

(۱) بحکمہ فتح المہم ج ۱ ص ۲۳۹۔

(۲) بحکمہ فتح المہم ج ۱ ص ۲۳۹۔

(۳) سنن بی راؤد کتاب الطلاق باب فی اللعان رقم الحدیث: ۱۹۱۸۔

سکتے۔ لہذا یہاں اس حدیث میں تفریق کے بعد جمع نہ ہونا مراد ہے، نفس لعان سے جدا ہونا مراد نہیں۔ اس لئے اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کا لعان کو ایلاء پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ قیاس کے صحیح ہونے کے لئے مقییس اور مقییس علیہ کا برابر ہونا ضروری ہے اور ان دونوں میں برابری نہیں، کیونکہ ایلاء میں قضاء قاضی ضروری نہیں اور لعان میں ضروری ہے، ایلاء کا عدالت میں ہونا ضروری نہیں اور لعان کا بالاتفاق عدالت میں ہونا ضروری ہے گھر میں نہیں ہو سکتا لہذا جب دونوں میں اتنا بڑا فرق ہے تو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

احناف کی دلیل حدیث الباب ہے جیسا کہ شروع میں لکھا گیا اور ابوداؤد شریف کی مذکورہ بالا حدیث ہے جس میں تفریق کرنے کی صراحت ہے اور بخاری شریف کی حضرت ابن عمر کی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:- فرق النبی ﷺ بین اخوی بنی عجلان وقال: اللہ یعلم ان احدکما کاذب، فهل منکما تائب؟ فأبیا ففرق بینہما۔<sup>(۱)</sup> اس میں بھی تفریق کرنے کی صراحت مذکور ہے اور حضرت امام مسلم نے بھی یہ روایت اس کتاب میں صفحہ (۴۹۰ سطر ۵) پر ذکر کی ہے۔

بہر حال رولۃ حنفیہ کا مذہب ثابت ہے اور درلۃ بھی ثابت ہے وہ اس طرح کہ لعان کی تعریف کا احناف کے نزدیک حاصل یہ ہے: شہادات مؤکدات بالایمان یعنی لعان میں چند گواہیاں ہوتی ہیں جو قسم کے ساتھ مؤکد ہوتی ہیں، اور مہادات عدالت میں ہوتی ہے۔ اور جب مہادات قاضی کے سامنے ہوتی ہے تو بغیر قاضی کے فیصلہ کے فیصلہ کیسے مکمل ہوگا، لہذا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ تفریق بھی قاضی کی طرف سے ہونی ضروری ہے، بغیر قضاء قاضی کے نکاح ختم نہ ہوگا اور میاں بیوی میں جدائی نہ ہوگی، لہذا حنفیہ کا مذہب رائج ہے۔<sup>(۲)</sup> واللہ اعلم

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قولہ) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا لَاعَنَ امْرَأَتَهُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَفَرَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا وَالْحَقَّ الْوَلَدَ بِأُمِّهِ؟ قَالَ: نَعَمْ (مس ۴۹۰ سطر ۹۵)

### تشریح

قولہ : وَالْحَقَّ الْوَلَدَ بِأُمِّهِ؟ (مس ۴۹۰ سطر ۹) اس حدیث سے صراحت ثابت ہوا کہ لعان

(۱) صحیح البخاری کتاب الطلاق باب صدق الملاءة رقم الحديث: ۴۸۹۹۔

(۲) مکملۃ فتح المہم ج ۱ ص ۴۴۳-۴۴۴ و اشرف التوضیح ج ۲ ص ۴۸۹۔

کے بعد لعان کرنے والے مرد سے بچہ کا نسب منفی ہو جائے گا، کیونکہ اسی کی وجہ سے لعان ہوا ہے تو بچہ کا نسب اس کی ماں سے ثابت ہوگا، جمہور فقہاء کرام کا یہی مذہب ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: إِنَّا لِلْبَيْلَةِ الْجُمُعَةِ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، فَتَكَلَّمَ، جَلَدْتُموهُ، أَوْ قَتَلْ، قَتَلْتُمُوهُ، وَإِنْ سَكَتَ، سَكَتَ عَلَى غَيْظٍ، وَاللَّهِ لَا سَأْلَنَّا عَنْهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَتَكَلَّمَ، جَلَدْتُموهُ، أَوْ قَتَلْ، قَتَلْتُمُوهُ، أَوْ سَكَتَ، سَكَتَ عَلَى غَيْظٍ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ افْتَحْ وَجْعَلْ يَدْعُو، فَتَزَلَّتْ آيَةُ اللَّعَانِ: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ هَذِهِ الْآيَاتُ، فَأُبْتَلَى بِهِ ذَلِكَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ، فَجَاءَهُ هُوَ وَامْرَأَتُهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلَاَعْنَا فَشَهِدَ الرَّجُلُ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ، ثُمَّ لَعَنَ الْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ، فَذَهَبَتْ لِتَلْعَنَ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْ، فَأَبَتْ، فَلَعَنْتُ، فَلَمَّا أَذْبَرَا، قَالَ لَعَلَّهَا أَنْ نَحْيَى بِهِ أَسْوَدَ جَعْدًا، فَجَاءَتْ بِهِ أَسْوَدَ جَعْدًا (ص ۴۹۰ سطر ۱۶۳۱)

### تشریح

قولہ: رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، (ص ۴۹۰ سطر ۱۲) یہاں رجل سے کون مراد ہے؟ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے حضرت عویر عجلانیؒ مراد ہیں، لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے حضرت حلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ”اللہم افتح“ حضرت حلال بن امیہؒ کے قصہ میں مروی ہے، حضرت عویر عجلانیؒ کے واقعہ میں منقول نہیں نیز آنے والی حدیث ابن عباسؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: مَهْ، (ص ۴۹۰ سطر ۱۶) یہ کلمہ روکنے اور ڈانٹنے کے لئے ہے یعنی حضور ﷺ نے اس عورت سے کہا جو لعان کرنا چاہ رہی تھی اس سے باز آ اور حق بات کا اعتراف کر لے، کیونکہ دنیا کا عذاب

(۱) بحکمہ فتح المسند ج ۱ ص ۲۳۶۔

(۲) بحکمہ فتح المسند ج ۱ ص ۲۳۷۔

آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے، اور آپ کا غالب گمان یہ تھا یہ جھوٹی ہے، کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ شاید اس سے کالا اور گھنگریالے بال والا بچہ پیدا ہوگا جو اس عورت کے شوھر کے مشابہ نہ ہوگا چنانچہ اس عورت کے ایسا ہی بچہ پیدا ہوا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَسْوَدَ جَعْدًا (ص ۳۹۰ سطر ۱۶) اسود کے معنی ہیں کالا اور جعداً اس میں جیم پر فتح اور عین ساکن ہے اس کے معنی ہیں گھنگریالے بال والا ہونا۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قوله) عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ : سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، وَأَنَا أُرَى أَنَّ عِنْدَهُ مِنْهُ عِلْمًا، فَقَالَ : إِنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ بِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ، وَكَانَ أَخَا الْبَرَاءِ بْنِ مَالِكٍ لِأُمِّهِ، وَكَانَ أَوَّلَ رَجُلٍ لَاعَنَ فِي الْإِسْلَامِ، قَالَ : فَلَا عَنَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهٍ أَبْيَضَ سَبْطًا قَضَى الْعَيْنَيْنِ فَهُوَ لِهِلَالِ بْنِ أُمَيَّةَ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهٍ أَكْحَلَ جَعْدًا حُمْشَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ، قَالَ : فَأَنْبِئْتُ أَنَّهَا جَاءَتْ بِهٍ أَكْحَلَ جَعْدًا حُمْشَ السَّاقَيْنِ (ص ۳۹۰ سطر ۲۰ تا ۲۵)

### تشریح

قوله : قَذَفَ امْرَأَتَهُ (ص ۳۹۰ سطر ۱۸) یعنی ہلال بن امیہ واقفیؓ نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ واقفیؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی زمین پر کام کر کے رات کو اپنے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک شخص کو پایا جو (اس سے صحبت کر رہا تھا) یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، حضور ﷺ کو سن کر یہ واقعہ ناقابل برداشت معلوم ہوا اور دوسروں نے بھی ناگواری کا اظہار کیا اور انصاری حضرات آپ کے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے اب حضور ﷺ ہلال بن امیہؓ کی کمرپ حد قذف جاری فرمائیں گے اور ان کی گواہی کو باطل قرار دیں گے کیونکہ اس وقت یہی حکم تھا اور لعان کا حکم نازل نہ ہوا تھا، اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے وہ میرے لئے کوئی نہ کوئی راہ نجات عطا فرمائیں گے، اُدھر حضور ﷺ حد قذف جاری کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ آپ پر آیت لعان نازل ہو گئی جو یہ ہے : ”وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ

(۱) بحکمۃ فتح المہم ج ۱ ص ۲۲۸۔

(۲) شرح النووی ج ۱ ص ۳۹۰۔



يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ "الآیہ چنانچہ آپ نے حضرت ہلال بن امیہؓ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے راہِ نجات نکال دی ہے، پھر حضور نے ان کی بیوی کو بلوایا اور دونوں کو آیتِ لعان پڑھ کر سنائی اور ان میں لعان کرا دیا۔ جس کا طریقہ باب اللعان کے شروع میں گزر چکا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَبْصِرُوا هَآءِ (ص ۳۹۰ سطر ۱۹) پہلے گزر چکا ہے کہ لعان کے اس واقعہ میں حضرت ہلال بن امیہؓ کی بیوی کا علامات و قرائن سے جھوٹا ہونا ثابت ہوا کیونکہ ان کی بیوی کے جو بچہ پیدا ہوا وہ ہلال بن امیہؓ کے مشابہ نہیں تھا، اور آپ نے یہ جملہ اس لئے ارشاد فرمایا تاکہ عام لوگوں کی نظر میں ہلال بن امیہؓ کی برأت ظاہر ہو کیونکہ وہ اصحابِ بدر میں سے تھے اور جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : سَبَطًا (ص ۳۹۰ سطر ۱۹) اس میں سین پر فتح اور ہاسا کن ہے اور بعض نے اس پر کسرہ کہا ہے اس کے معنی ہیں سیدھے لٹکے ہوئے بال اور بعض نے اس کے معنی کھل اعضاء والے بتلائے ہیں بہر حال دونوں معنی یہاں درست ہو سکتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

قوله : قَضِيَ الْعَيْنَيْنِ (ص ۳۹۰ سطر ۲۰) ای فاسد العينین یعنی سرخی یا آنسوؤں کی کثرت کی وجہ سے آنکھوں کا خراب ہونا۔<sup>(۴)</sup>

قوله : أَكْحَلَ جَعْدًا (ص ۳۹۰ سطر ۲۰) ای اسود یعنی سرمہ کی طرح کالا اور جعداً گھٹکریا لے بال والا۔

قوله : حَمَشَ السَّاقَيْنِ (ص ۳۹۰ سطر ۲۰) اس میں حاء پر فتح اور میم ساکن ہے اس کے معنی ہیں پنڈلیوں کا پتلا ہونا۔<sup>(۵)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ عَنْ الْمُتَّاجِرِ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ : ذُكِرَ التَّلَاعُنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عَاصِمٌ بْنُ عَدِيٍّ فِي ذَلِكَ قَوْلًا، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ يَشْكُو إِلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ أَهْلِهِ رَجُلًا، فَقَالَ عَاصِمٌ : مَا ابْتُلِيتُ بِهَذَا إِلَّا لِقَوْلِي، فَلَهَبَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

(۱) مآخذہ نکمہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۳۸۔

(۲) نکمہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۵۰۔

(۳) نکمہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۵۰۔

(۴) نکمہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۵۰۔

(۵) نکمہ فتح المسہم ج ۱ ص ۲۵۱۔



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُخْبِرَهُ بِالَّذِي وَجَدَ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ، وَكَانَ ذَلِكَ الرَّجُلُ مُصَفَّرًا، قَلِيلَ  
اللَّحْمِ، سَبَطَ الشَّعْرَ، وَكَانَ الَّذِي ادَّعَى عَلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَ عِنْدَ أَهْلِهِ خَدْلًا، آدَمَ،  
كَثِيرَ اللَّحْمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اللَّهُمَّ بَيْنُ، فَوَضَعَتْ  
شَبِيهَا بِالرَّجُلِ الَّذِي ذَكَرَ زَوْجَهَا أَنَّهُ وَجَدَهُ عِنْدَهَا، فَلَا عَن رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا، فَقَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمَجْلِسِ : أَهِيَ الَّتِي قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَوْ رَجَمْتُ أَحَدًا بِغَيْرِ بَيْنَةٍ رَجَمْتُ هَذِهِ؟  
فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُظْهِرُ فِي الْإِسْلَامِ الشُّوْءَ (ص ۴۹۰ سطر ۲۵ تا ۲۵۵)

### تشریح

قوله : وَكَانَ ذَلِكَ الرَّجُلُ (ص ۴۹۰ سطر ۲۳) اس میں رجل سے مراد حضرت عویمرؓ  
العجلانی ہیں۔ (۱)

قوله : مُصَفَّرًا (ص ۴۹۰ سطر ۲۳) یعنی حضرت عویمرؓ زرد رنگ کے تھے اور بخاری شریف کی  
روایت میں ہے کہ وہ سرخ رنگ کے تھے، ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان کا اصل رنگ  
سرخ تھا، لیکن اس وقت عارضی طور پر رنگ پیلا تھا۔ (۲)

قوله : خَدْلًا، (ص ۴۹۰ سطر ۲۳) اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں خدلا خفاء پر زبر اور دال  
ساکن بغیر تشدید کے دوسرے دال پر فتح اور لام پر تشدید خدلا، از روئے لغت دونوں طرح درست ہے  
جس کے معنی ہیں پنڈلیوں کا بھرا ہوا ہونا۔ (۳)

قوله : آدَمَ، (ص ۴۹۰ سطر ۲۳) یعنی سیاہ مائل رنگ۔ (۴)

قوله : اللَّهُمَّ بَيْنُ، (ص ۴۹۰ سطر ۲۳) یہ دعا اس لئے نہیں کی کہ دونوں صورتوں میں سے  
ایک کی سچائی ثابت ہو بلکہ اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ ایسا بچہ پیدا ہو جس سے ان میں سے کسی ایک سے  
اس کی مشابہت واضح ہو۔ (۵)

حَدَّثَنِيهِ أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ الْأَزْدِيُّ، (الی قوله) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ : ذَكَرَ  
الْمُتَلَاعِنَانِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ، وَزَادَ فِيهِ

(۱) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۵۲۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۵۲۔

(۴) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۵۲۔

(۵) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۵۲۔

بَعْدَ قَوْلِهِ كَثِيرَ اللَّحْمِ، قَالَ : جَعَدًا قَطَطًا (مس ۳۹۰ سطر ۲۷-۲۸)

### تشریح

قوله : قَطَطًا (مس ۳۹۰ سطر ۲۷) اس میں دونوں طاء پر فتح ہے اور ایک قول میں پہلی طاء کے نیچے کسرہ ہے اس کے معنی ہیں بالوں کا بہت زیادہ گھنگریالے ہونا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنِي عُيَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، (الی قولہ) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ : قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ : لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرُ مُصْفِحٍ عَنْهُ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةٍ سَعْدٍ، فَوَاللَّهِ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللَّهُ أَغْيَرُ مِنِّي، مِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللَّهِ حَرَمَ الْفَوَاحِشِ، مَا ظَهَرَ مِنْهَا، وَمَا بَطَنَ، (مس ۳۹۱ سطر ۹۵-۹۶)

### تشریح

قوله : غَيْرُ مُصْفِحٍ عَنْهُ، (مس ۳۹۰ سطر ۷) یعنی میں اس کو تلوار کی چوڑائی کی طرف سے نہیں، بلکہ وہاں کی جانب سے ماروں گا جس سے کسی کو قتل کرنے کے لئے مارا جاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### بیوی کے ساتھ کسی کو بدکاری کرتا دیکھ کر قتل کرنے کا حکم

قوله : أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ، (مس ۳۹۰ سطر ۸) بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کیساتھ کسی کو زنا کرتا ہوا دیکھے اور وہ اس کو قتل کر دے تو اس پر کچھ واجب نہیں پھر اگر وہ چار گواہوں سے زنا کو ثابت کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا یہی حضرت امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور اگر اس نے دو گواہ اس پر قائم کئے کہ اس نے اس شخص کو اپنی بیوی سے زنا کرنے کی بناء پر قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا لیکن حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس پر قصاص نہیں یہ سب تفصیل قضاء ہے تاہم دیا یہ اس کو قتل کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ زانی شادی شدہ ہو اور اس کا زنا موجب غسل ہو۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي

(۱) مکملہ فتح مسلم ج ۱ ص ۲۵۲۔

(۲) مکملہ فتح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶۔

(۳) مکملہ فتح مسلم ج ۱ ص ۲۵۷۔

فَزَارَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ،  
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَا  
الْوَأْنُهَا؟ قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْزَقٍ؟ قَالَ: إِنَّ فِيهَا لَوُرُقًا، قَالَ: فَأَنَّى  
أَتَاهَا ذَلِكَ؟ قَالَ: عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعُهُ عِرْقٌ، قَالَ: وَهَذَا عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعُهُ  
عِرْقٌ (ص ۳۹۱ سطر ۱۰ تا ۱۳)

### تشریح

قوله: رَجُلٌ مِنْ بَنِي فِزَارَةَ (ص ۳۹۱ سطر ۱۱) آنے والی روایت حضرت ابو سلمہؓ کی ہے اس روایت میں ہے کہ یہ ایک اعرابی تھا اور اس کا نام ضحضم بن قتادہ تھا، اس کی بیوی سے کالے رنگ کا بچہ پیدا ہوا، اس لئے اس نے حضور ﷺ سے شکایت کی۔<sup>(۱)</sup>

قوله: وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، (ص ۳۹۱ سطر ۱۱) اور ابن ماجہ<sup>(۲)</sup> کی حدیث ابو بن عمرؓ میں یہ الفاظ بھی ہیں ”و انا اهل بيت لم يكن فينا اسود قط“ یعنی ہم خاندانی لوگ ہیں ہم میں کوئی بھی کالے رنگ کا نہیں، اس جملہ کا مقصد شک کا اظہار تھا کہ یہ بچہ اس سے نہیں ہے چنانچہ جمہور نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس طرح اشارۃ اور کنایۃ تہمت زنا کا ذکر تہمت نہیں اور اس پر حدِ قذف واجب نہیں، ہاں کوئی صاف صاف زنا کی تہمت لگائے تو حدِ قذف جاری ہوگی اور حضرات مالکیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی حدِ قذف واجب ہوگی بشرطیکہ اس کے الفاظ سے تہمت زنا سمجھ میں آتی ہو۔<sup>(۳)</sup>

قوله: أَوْزَقٍ؟ (ص ۳۹۱ سطر ۲) اس کے معنی ہیں جس میں کالا رنگ صاف نہ ہو جیسے راکھ ہوتی ہے کچھ سفید اور کچھ سیاہ یا جیسے جنگلی کبوتر کا رنگ ہوتا ہے۔<sup>(۴)</sup>

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، وَإِنِّي

(۱) تكملة فتح المصنف ج ۱ ص ۲۵۹۔

(۲) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الرجل يثلث في ولده، رقم الحديث ۱۹۹۳۔

(۳) خلاصہ تكملة فتح المصنف ج ۱ ص ۲۵۹۔

(۴) تكملة فتح المصنف ج ۱ ص ۲۵۹۔

أَنْكَرْتُهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ — الحديث

(ص ۴۹۱ سطر ۱۵ تا ۱۷)

### تشریح

قوله : وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ، (ص ۴۹۱ سطر ۱۶) ای کرہتہ، یعنی میں اس کو ناپسند کرتا ہوں، یہاں

اس کا نسب کی نفی کرنا مراد نہیں ہے محض ناپسندیدگی کا اظہار ہے جو تہمت زنا نہیں۔<sup>(۱)</sup>

## کتاب العتق

اس کتاب میں حضرت امام مسلمؒ نے غلام آزاد کرنے کے بارے میں احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں ان کو پڑھنے سے پہلے ”عتق“ کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا حکم وغیرہ سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کتاب کی احادیث کو سمجھنا آسان ہو۔

### عتق کے لغوی و اصطلاحی معنی

العتق: یہ باب ضرب کا مصدر ہے، عتق یعن عتقاً، وعتاقا سے، اس کے کئی لغوی معنی آتے ہیں، ایک معنی ہیں غلام کا آزاد ہونا، دوسرے معنی ہیں قدیم ہونا جیسے بیت اللہ کے بارے میں ہے: ”وَلْيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ“<sup>(۱)</sup> یعنی تم طواف کرو پرانے گھر کا یعنی بیت اللہ کا اور اس کے تیسرے معنی ہیں حسن و جمال اور شرافت و بزرگی، اسی لحاظ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عتیق کہتے ہیں کیونکہ آپ حسین و جمیل اور شریف تھے۔<sup>(۲)</sup>

عتق کے اصطلاحی معنی یہ ہیں: ”انه قوة حكمية يصير المرأ بها اهلاً للشهادة والولاية والقضاء“ یعنی عتق ایسی حکمی اور معنوی طاقت و قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ آدمی قضاء، گواہی اور ولی بننے اور دیگر تصرفات کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

### عتق و غلامی کی حکمت

غلام و باندی بننا دراصل کفر کی سزا ہے کہ ایک کافر جب اپنے خالق و مالک جل مجدہ کی اطاعت سے باغی بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ جب یہ کافر میری بندگی اور غلامی اختیار نہیں کرتا تو اب یہ میرے غلاموں کا غلام بنے گا، اور آزادی سے اس کی یہ سزا ختم ہو جاتی ہے۔<sup>(۴)</sup>

### عتق کا حکم اور شرط

عتق کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا غلام یا باندی کا مالک ہو اور عاقل و بالغ ہو، اور اس کا حکم یہ ہے غلام و باندی کو آزاد کرنے سے ان کا غلام و باندی ہونا ختم ہو جاتا ہے اور وہ آزاد

(۱) سورہ الحج ۲۹

(۲) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۶۲۔

(۳) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۶۲۔

(۴) ما حدو مکملہ فتح الملہم وغیرہ ج ۱ ص ۲۶۴۔

ہو جاتے ہیں اور غلام و باندی کو آزاد کرنا مستحب اور مندوب ہے۔<sup>(۱)</sup>

### اسلام میں غلامی کا مقام

اس کتاب کی احادیث کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کی حقیقت اور اسلام میں اس کا درجہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے، کیونکہ اہل مغرب اور ان کے تبعین نے اس کے ذریعہ مسلمانوں پر شدید اعتراض کیا ہے اور بعض مسلمان بھی اس سے متاثر ہو کر اس کو اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسلام میں غلام و باندی کا جو تصور ہے، اُسے یونانیوں، رومیوں وغیرہ کے یہاں غلامی کی طرح سمجھ لیا ہے کیونکہ ان کے یہاں غلاموں کے کوئی حقوق نہیں ہوتے، شہری زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، کھانے پینے اور رہنے سہنے میں ان پر سخت تنگی کی جاتی تھی جبکہ اسلام میں غلامی کی حیثیت ان کے یہاں کی غلامی کے یکسر خلاف ہے۔<sup>(۲)</sup>

### غلام و باندی ہونے کی شرط

جب دنیا میں اسلام آیا، اس وقت ساری دنیا میں مشرق سے مغرب تک غلام و باندی بنانے کا عام رواج تھا، چنانچہ اسلام نے اس کو بالکل لغو اور مکمل طور پر حرام قرار نہیں دیا، بلکہ اصولاً اس کو باقی رکھا اور اس کے لئے باقاعدہ احکام دیئے، غلامی کی حدود مقرر کیں جو کسی انسان کے غلام ہونے میں مفید ہوں چنانچہ اسلام نے سب سے پہلے کسی کو غلام بنانے کے لئے یہ شرط قرار دی کہ اگر کافروں سے جہاد شرعی ہو اور اس کے نتیجے میں کافر مرد و عورت گرفتار ہوں تو انہیں غلام و باندی بنایا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ کسی گناہ وغیرہ کی وجہ سے کسی آزاد شخص کو غلام نہیں بنایا جاسکتا جبکہ غیر مسلموں کے یہاں اس کے علاوہ بعض گناہوں کے ارتکاب پر غلام بنانا درست ہے۔ اور اسلام میں گرفتار ہونے والے کفار کے لئے صرف غلام بنانا ہی واحد طریقہ نہیں ہے، بلکہ امام المسلمین کو ان کے بارے میں چار اختیارات ہیں:-

(۱) ان کو قتل کر دیں۔ (۲) ان کو غلام بنالیں۔ (۳) فدیہ لیکر چھوڑ دیں۔

(۴) بغیر فدیہ لئے بطور احسان بلا عوض ان کو رہا کر دیں۔

ان چار اختیارات میں ایک اختیار غلام بنانا بھی ہے جو جائز ہے واجب نہیں، وجہ یہ ہے کہ

جنگی حالات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، ان کے مطابق امام المسلمین جو پہلو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر سمجھے اختیار کر سکتا ہے، بہر حال غلام بنانا ہر حال میں ضروری نہیں۔ اسی طرح ہر حال میں قتل کرنا یا رہا کرنا مناسب نہیں اور عمر قید بھی مناسب نہیں، بلکہ چند شرائط اور حدود کے ساتھ بعض اوقات غلام بنانا مناسب ہوتا ہے غرض کہ اسلام نے اس کے لئے چوپٹ دروازہ نہیں کھولا، بلکہ امام المسلمین کو حسب حال اسلام اور مسلمانوں کے حق میں جو صورت بہتر ہو اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

### غلاموں کے حقوق

پھر اسلام نے غلاموں کے ایسے حقوق مقرر فرمائے جو کسی اور دین و مذہب میں نہیں ہیں مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا: یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے لہذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو تو جو کچھ وہ کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو کچھ وہ پہنے اسے بھی پہنائے اور ان سے ایسا کام نہ لے جو ان کی طاقت سے باہر ہو اگر ایسا کام کرائے تو ان کی مدد کرے<sup>(۱)</sup> اور ایک حدیث میں ہے جس شخص کا اپنے غلام کے ساتھ برا سلوک ہو گا وہ جنت میں نہ جائے گا اور ایک حدیث میں ہے جس نے غلام کے چائنا مارا یا کسی اور طرح مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے!<sup>(۲)</sup> اور حضور ﷺ کو غلاموں کے حقوق کی اس قدر فکر تھی کہ وفات سے پہلے آپ کی سب سے آخری وصیت یہ تھی: ”الصلوة وما ملکت ایمانکم“ یعنی تم نماز اور غلام باندیوں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں سب کو یہاں بیان کرنا مشکل ہے۔

### غلام آزاد کرنے کی ترغیب

اداء حقوق کے ساتھ اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کی بڑی ترغیب دی ہے، چنانچہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ غلام آزاد کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے تھے، حضور ﷺ نے اپنی عمر کے ۶۳ سال کے مطابق ۶۳ غلام آزاد فرمائے حضرت عائشہؓ نے ۶۹ غلام آزاد کئے اور یہی آپ کی عمر ہوئی، حضرت صدیق اکبرؓ نے بہت سے غلام آزاد کئے، حضرت عباسؓ نے ستر غلام آزاد کئے، حضرت عثمانؓ نے بیس اور حضرت حکیم بن حزامؓ نے سو غلام آزاد کئے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار غلام آزاد کئے اور ایک ہزار عمرے کئے اور ساٹھ حج کئے اور حضرت ذوالکلاع حمیری نے غزوہ احد میں آٹھ ہزار غلام آزاد کئے اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے تیس ہزار غلام آزاد

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاہلیۃ الحج رقم الحدیث: ۲۹۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب صحۃ المملک الحج رقم الحدیث: ۳۱۳۰۔



کئے۔۔۔ بہر حال تاریخ اسلام ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے اسلام میں غلام ہونا کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ غلاموں کے ساتھ بھائیوں اور بیٹوں جیسا معاملہ رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ اور دو صحابہ اور بعد کے زمانوں میں غلام بنانے کا برابر دستور رہا، کسی نے اس پر نکیر نہیں کی کیونکہ یہ جائز اور مباح ہے لہذا اس کی وجہ سے اسلام پر اعتراض کرنا یا اس کو غلط سمجھنا درست نہیں۔ تاہم آج کل شرعی غلام و باندی کا دنیا میں وجود نہیں، اس کی یہ وجہ نہیں کہ یہ ناجائز ہے یا یہ حکم معاذ اللہ منسوخ ہو گیا ہے، بلکہ اس کی وجہ درج ذیل ہے۔

### آج کل شرعی غلام و باندی نہ ہونے کی وجہ

اقوام متحدہ نے آج کل باہم معاہدہ کر لیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا اور اکثر اسلامی ممالک اقوام متحدہ میں شامل ہیں، لہذا جب تک یہ معاہدہ باقی ہے اس کی پاسداری ضروری ہے اور کسی اسلامی مملکت کو غلام و باندی بنانا جائز نہیں، رہا یہ سوال کہ ایسا معاہدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو متقدمین کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی لیکن ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ شروع میں لکھا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو ہر حال میں غلام و باندی بنانا ضروری نہیں بلکہ جائز ہے، کیونکہ امام المسلمین کو ان کے بارے میں چار اختیارات حاصل ہیں، جن کا ذکر اوپر آچکا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام میں غلام و باندی بنانے کا حکم جائز اور درست ہے، پھر اسلام نے ان کے بڑے حقوق بیان کئے ہیں اور ان کو آزاد کرنے کی بڑی ترغیب اور فضیلت بیان فرمائی ہے اور اکثر کفارات میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے ان سب کی موجودگی میں اسلام کے غلام و باندی بنانے پر اعتراض کرنا سراسر غلط ہے اور اسلام میں اس کی جو حقیقت ہے اس سے بے خبری پر مبنی ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قُلْتُ لِمَالِكٍ: حَدَّثَكَ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَعْتَقَ شُرْكَاءَ لَهْ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ

يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قَوْمَ عَلَيْهِ قِيمَةُ الْعَدْلِ، فَأَعْطَى شُرْكَاءَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ

(ص ۳۹۱ سطر ۱۹ تا ص ۳۹۲ سطر ۲)

الْعَبْدُ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ

### تشریح

قوله: مَنْ أَعْتَقَ شُرْكَاءَ لَهْ (ص ۳۹۲ سطر ۱) اس میں شرکاء کے شبن کے نیچے کسرہ اور

راء ساکن ہے اس کے معنی ہیں حصہ، مراد مشترک غلام کا ایک معین حصہ ہے جیسے آدھا حصہ یا تہائی یا چوتھائی حصہ وغیرہ۔<sup>(۱)</sup>

### مشترک غلام کا حصہ آزاد کرنے کا حکم

قوله : فی عَبْدٍ، الخ (ص ۴۹۲ سطر ۱) اس حدیث میں مشترک غلام کے کسی حصہ کے آزاد کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے، اس لئے ان احادیث کو پڑھنے سے پہلے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس مسئلہ میں اگرچہ چھ اقوال ہیں لیکن ان میں تین مذہب مشہور ہیں، وہ بیان کئے جاتے ہیں:-

۱ ... حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشترک غلام کا جو حصہ جس شریک نے آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار ہے تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کا حصہ آزاد نہ ہوگا اور دوسرے شریک کو تین اختیار ہیں خواہ وہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے یا جس شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا تھا اس سے اپنے حصہ کے پیسے ایک عادل آدمی کے بتانے کے مطابق لے لے اور چاہے غلام سے اپنے حصہ کے پیسے کوا کر لے لے اور اگر جس نے اپنا حصہ آزاد کیا تھا وہ تنگدست ہے تو دوسرے شریک کو دو اختیار ہیں یا اپنا حصہ آزاد کر دے یا غلام سے اپنے حصہ کے پیسے کوا کر لے لے۔

۲ ... حضرات صاحبینؒ کے نزدیک جس شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کو اختیار ہوگا کہ آزاد کرنے والے سے ایک عادل آدمی کے قول کے مطابق اپنے حصہ کے پیسے لے لے اور اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو وہ اپنے حصہ کے پیسے صرف غلام سے کوا کر لے سکتا ہے۔ غلام بہر حال پورا آزاد ہو جائے گا۔

۳ ... حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک جس شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کو آزاد کرنے والے شریک سے اپنے حصہ کے پیسے لینے کا اختیار ہوگا اور اگر اپنا حصہ آزاد کرنے والا تنگدست ہوگا تو آزاد کرنے والے کا حصہ آزاد ہوگا دوسرے شریک حصہ آزاد نہ ہوگا وہ بدستور دوسرے شریک کی ملکیت میں رہے گا لہذا غلام کی کمائی کا ایک حصہ غلام کا ہوگا اور ایک حصہ اس کے مالک کا

ہوگا یا غلام ایک دن اپنے مالک کی خدمت کرے گا اور ایک دن آزاد رہے گا۔ حضرات مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : **عَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ**، (ص ۳۹۲ سطر ۱) یعنی دوسرے حصہ کی قیمت ادا کرنے کے بعد پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ جب آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کا حصہ آزاد ہوگا دوسرے شریک کا حصہ آزاد نہ ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : **فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ** (ص ۳۹۲ سطر ۱) اس سے ائمہ ثلاثہؒ نے استدلال کیا ہے کہ غلام اپنے غیر آزاد ہونے والے حصہ کے پیسے کما کر مالک کو نہیں دے گا، اگر یہ جائز ہوتا تو حضور ﷺ اس کا ذکر فرماتے، احناف کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ آگے آنے والی حدیث ابی ہریرہؓ میں اس کا ذکر ہے لہذا اس حدیث میں ذکر نہ ہونے کی تشریح حدیث ابی ہریرہؓ سے ہونا کافی ہے۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنِي عَمْرُو النَّاقِدُ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَخَلَّصَهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ، اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْفُوقٍ عَلَيْهِ (ص ۳۹۲ سطر ۸۵۶)

### تشریح

قولہ : **شِقْصًا لَهُ** (ص ۳۹۲ سطر ۷) اس میں شین کے نیچے کسرہ اور قاف ساکن ہے، اس کے معنی ہیں ”حصہ“ خواہ کم ہو یا زیادہ ہو۔<sup>(۴)</sup>

قولہ : **فَخَلَّصَهُ فِي مَالِهِ** (ص ۳۹۲ سطر ۷) یعنی غلام پر اپنے باقی غیر آزاد حصہ کی قیمت ادا کرنا واجب ہے تاکہ غلامی سے چھٹکارا پاسکے۔ اور یہ بھی جائز ہے دوسرا شریک غلام کو اپنے حصہ کی قیمت معاف کر دے تو غلام ویسے ہی آزاد ہو جائے۔<sup>(۵)</sup>

قولہ : **فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ، اسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ** (ص ۳۹۲ سطر ۸) یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ اگر اپنا حصہ آزاد نہ کرنے والا شریک مالدار نہ ہو تو غلام اس کے حصہ کے پیسے کما کر ادا کر دے اور آزاد ہو جائے۔<sup>(۶)</sup>

(۱) نکتہ فتح المسلم ج ۱ ص ۲۷۳۔

(۲) نکتہ فتح المسلم ج ۱ ص ۲۷۳۔

(۳) نکتہ فتح المسلم ج ۱ ص ۲۷۳۔

(۴) شرح النووی ج ۱ ص ۳۹۲۔

(۵) ماحدہ نکتہ فتح المسلم ج ۱ ص ۲۷۷۔

(۶) نکتہ فتح المسلم ج ۱ ص ۲۷۷۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، (الی قولہ) عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ،  
وَزَادَ : إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قَوْمَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ قِيمَةً عَدْلٍ، ثُمَّ يُسْتَسْعَى فِي نَصِيبِ  
الَّذِي لَمْ يُعْتَقْ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ (ص ۳۹۲ سطر ۸، ۹)

### تشریح

قولہ : قِيمَةُ عَدْلٍ، الخ (ص ۳۹۲ سطر ۹) اس کے معنی ہیں انصاف سے درمیانی قیمت لگائیں نہ کم نہ زیادہ۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ (ص ۳۹۲ سطر ۹) یعنی غلام کی ایسی قیمت نہ لگائیں جس کو ادا کرنا غلام کے لئے دشوار ہو، بلکہ درمیانی قیمت لگائیں جیسا کہ اوپر گزرا۔<sup>(۲)</sup>

### باب الْوَلَاءِ لِمَنْ اعْتَقَ (ص ۳۹۳)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ : قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ  
عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ حَارِیَةً تُعْتِقُهَا، فَقَالَ : أَهْلُهَا : نَبِيعُكَهَا عَلَى أَنْ  
وَلَاءَ هَا لَنَا، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : لَا يَمْنَعُكَ  
ذَلِكَ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أُعْتِقَ (ص ۳۹۳ سطر ۱، ۲)

### تشریح

قولہ : تَشْتَرِي حَارِیَةً (ص ۳۹۳ سطر ۱) یہاں جاریہ سے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں کیونکہ آنے والی روایات میں ان کے نام کی صراحت ہے اور وہ آزاد ہونے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کیا کرتی تھیں۔<sup>(۳)</sup>

قولہ : لَا يَمْنَعُكَ ذَلِكَ، (ص ۳۹۳ سطر ۲) ان الفاظ سے علامہ ابن ابی لیلیٰؒ نے استدلال فرمایا ہے اور کہا ہے کہ شرط فاسد بیع میں لگانے سے بیع فاسد نہیں ہوتی، بلکہ شرط فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے حضور ﷺ نے خلاف شرط ولاء کی اجازت دی۔

جمہور علماء کے نزدیک شرط فاسد، بیع کو فاسد کر دیتی ہے، اور حضرت بریرہؓ کے واقعہ سے

(۱) نکتہ فتح المسہم وغیرہ ج ۱ ص ۲۷۸۔

(۲) نکتہ فتح المسہم وغیرہ ج ۱ ص ۲۷۳۔

(۳) نکتہ فتح المسہم وغیرہ ج ۱ ص ۲۸۰۔

متعلق حضرت امام نوویؒ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاص ہے اور یہ سب سے زیادہ صحیح جواب ہے، گو اس حدیث کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ عَائِشَةَ تَسْتَعِينُهَا فِي كِتَابَتِهَا، وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا، فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ: ارْجِعِي إِلَى أَهْلِكَ، فَإِنْ أَحْبَبُوا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكَ كِتَابَتَكَ وَيَكُونَ وَلَاؤُكَ لِي فَعَنْتُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ بِرَبِيرَةَ لِأَهْلِهَا فَأَبَوْا، وَقَالُوا: إِنْ شَاءَتْ أَنْ تُحْتَسِبَ عَلَيْكَ فَلْتَفْعَلْ، وَيَكُونَ لَنَا وَلَاؤُكَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ابْتَاغِي فَأُعْطِي، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أُعْتُقَ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا بَالُ أَنْاسٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَنْ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَلَيْسَ لَهُ وَإِنْ شَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ، شَرَطَ اللَّهُ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ. (مس ۴۹۳ طرا ۳۲)

### تشریح

قوله : ابْتَاغِي فَأُعْطِي، الخ (مس ۴۹۳ طرا ۳) اس حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جن کے نزدیک مکاتب کی بیع جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس حدیث میں مکاتب کی بیع جائز قرار دی ہے۔ یہ حضرت امام احمدؒ اور حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور بعض مالکیہ کے نزدیک مکاتب کی بیع جائز نہیں الا یہ کہ وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور رقیق بن جائے تو پھر اس کی بیع ہو سکتی ہے کیونکہ اب وہ مکاتب نہیں، لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر مکاتب راضی ہو تو بیع جائز ہے اور حضرت بریرہؓ کے واقعہ میں یہ بات واضح ہے کہ وہ اپنی بیع پر راضی تھیں۔ بہر حال حضرت امام ابو حنیفہؒ کی جانب مطلقاً مکاتب کی بیع ناجائز ہونے کی نسبت درست نہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : مَنْ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ (مس ۴۹۳ طرا ۳) اس کا مطلب یہ

ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کے خلاف ہے باطل ہے اگرچہ کوئی ایسی سو شرطیں لگائے۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:

(۱) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۸۰۔

(۲) خلاصہ از مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۸۴۔

(۳) جو نہ ہل۔

دَخَلْتُ عَلَى بَرِيرَةَ، فَقَالَتْ: إِنَّ أَهْلِي كَاتِبُونِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ فِي تِسْعِ سِنِينَ، فِي كُلِّ سَنَةٍ أَوْقِيَّةٌ فَأَعِينَنِي، فَقُلْتُ لَهَا: إِنَّ شَاءَ أَهْلُكَ أَنْ أَعِدَّهَا لَهُمْ عِدَّةً وَاحِدَةً وَأُعْتِقَكَ، وَيَكُونَ الْوَلَاءُ لِي فَعَلْتُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِأَهْلِهَا فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ، فَأَتَيْتَنِي فَذَكَرْتُ ذَلِكَ قَالَتْ: فَأَنْتَهَرْتُهَا، فَقَالَتْ: لَا هَا اللَّهُ إِذَا..... الحديث (ص ۳۹۴ سطر ۹۵۶)

### تشریح

قوله: أَنْ أَعِدَّهَا لَهُمْ عِدَّةً وَاحِدَةً الخ (ص ۳۹۴ سطر ۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ میں یکمشت تمہارا بدلہ کتابت ادا کر دوں اور تمہیں آزاد کر دوں اور تمہاری ولایت مجھے ملے جب حضرت بریرہؓ نے اپنے مالکان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ولایت تو ہمارے لئے ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

قوله: فَأَنْتَهَرْتُهَا، فَقَالَتْ: لَا هَا اللَّهُ إِذَا الخ (ص ۳۹۴ سطر ۸) یعنی حضرت بریرہؓ کے مالکان کا جواب سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قسم کھا کر کہا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آزاد میں کروں اور ولایت ان کو ملے۔ اور حضور ﷺ نے بھی فرمایا: الْوَلَاءُ لِمَنْ اعْتَقَ۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ، غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ، قَالَ: وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا، فَغَبَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْتَارَتْ نَفْسَهَا، وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُغَبِّرْهَا، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِهِمْ أَمَّا بَعْدُ۔ (ص ۳۹۴ سطر ۱۱۳۴)

### تشریح

قوله: وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا، (ص ۳۹۴ سطر ۱۱۳) حضرت بریرہؓ کے شوہر جن کا نام حضرت مغیثؓ تھا، وہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے بھائی ابوالاحمد کے غلام تھے۔<sup>(۳)</sup>

قوله: فَأَخْتَارَتْ نَفْسَهَا، الخ (ص ۳۹۴ سطر ۱۱۳) یعنی حضرت بریرہؓ نے اپنے شوہر حضرت مغیثؓ سے خیار عتق کی بناء پر علیحدگی اختیار کر لی جو حضرت بریرہؓ کو حضور ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔

قوله: وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُغَبِّرْهَا، الخ (ص ۳۹۴ سطر ۱۱۳) یہ حضرت عروہؓ کا قول ہے چنانچہ

(۱) خد ص ۲ مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۸۲۔

(۲) حوالہ پر۔

(۳) مکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۸۶۔



نسائی شریف کی روایت میں ان کا ارشاد اس طرح ہے کہ اگر حضرت بریرہؓ کے شوہر آزاد ہوتے تو حضور ﷺ ان کو خیارِ عتق نہ دیتے۔

ائمہ ثلاثہؓ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا بیوی کو خیارِ عتق اس وقت ملے گا جب اس کا شوہر غلام ہو اور اگر وہ آزاد ہو تو اس کی بیوی کو خیارِ عتق نہیں ملے گا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شوہر آزاد ہو یا غلام ہر حال میں جب بیوی آزاد ہوگی تو اس کو خیارِ عتق ملے گا۔ اور اس اختلاف کی وجہ دراصل حضرت بریرہؓ کے واقعہ کا اختلاف ہے، کیونکہ بعض میں یہ ہے کہ حضرت بریرہؓ کے شوہر غلام تھے اور بعض میں یہ ہے کہ وہ آزاد تھے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الِی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا اشْتَرَتْ بِرِيرَةَ مِنْ أَنَسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ (الِی قولہ) فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْوَلَاءُ لِمَنْ وَلِيَ النُّعْمَةَ، وَخَيْرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ زَوْجَهَا عَبْدًا، وَأَهْدَتْ لِعَائِشَةَ لَحْمًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَوْ صَنَعْتُمْ لَنَا مِنْ هَذَا اللَّحْمِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: تُصَدِّقُ بِهِ عَلَى بِرِيرَةَ، فَقَالَ: هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ»۔ (ص ۳۹۳ سطر ۱۶ تا ۱۹)

### تشریح

قولہ : هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ (ص ۳۹۳ سطر ۱۹) اس سے معلوم ہوا جب کسی غریب و مسکین کو زکوٰۃ و خیرات یا واجب صدقہ مالک اور قابض بنا کر دیدیا جائے تو وہ ادا ہو جاتا ہے، اور اس غریب کو اس میں ہر جائز تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے مثلاً اس میں سے کسی مالدار کو کھانا یا حد یہ دینا وغیرہ۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الِی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: «كَانَ فِي بِرِيرَةَ ثَلَاثُ سَنٍ: خُبِرْتُ عَلَى زَوْجِهَا حِينَ عَتَقْتُ، وَأُهِدِيَ لَهَا لَحْمٌ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ عَلَى النَّارِ، فَدَعَا بِطَعَامٍ، فَأَتَانِي بِخُبْزٍ وَأُدْمٍ مِنْ أَدَمِ الْبَيْتِ»۔ الحديث (ص ۳۹۳ سطر ۲۳ تا ۲۵)

(۱) مکملہ فتح المصنوع ج ۱ ص ۲۸۷۔

(۲) مکملہ فتح المصنوع ج ۱ ص ۲۹۰۔



## تشریح

قوله : وَالْبُؤْمَةُ (ص ۳۹۴ سطر ۲۵) اس میں باء پر ضمہ ہے، اور راء ساکن ہے، اسکے معنی ہیں پتھر کی ٹھانڈی جو حجاز اور یمن میں معروف تھی۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وَأُذِمَّ الْخ (ص ۳۹۴ سطر ۲۵) اس میں ہمزہ پر ضمہ اور دال ساکن ہے اس کے معنی ہیں سالن۔

## باب النہی عن بیع الولاء وھبتہ (ص: ۴۹۵)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قولہ) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ، وَعَنْ هَبْتِهِ، قَالَ مُسْلِمٌ: النَّاسُ كُلُّهُمْ عِيَالٌ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ (ص ۴۹۵ سطر ۱۲)

## تشریح

قوله : نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ، الْخ (ص ۴۹۵ سطر ۱) ولایہ میں واو پر زبر ہے یہ آزاد کردہ غلام کے حق وراثت کو کہتے ہیں جو آزاد کرنے والے کو آزاد کردہ غلام کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔<sup>(۲)</sup> اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے اس پر اجماع ہے چنانچہ بلا اختلاف نسب کی طرح ولایہ کو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی کو حبہ کیا جاسکتا ہے جبکہ اہل عرب ولایہ فروخت بھی کرتے تھے اور حبہ بھی کیا کرتے تھے حضور ﷺ نے اس سے منع فرمادیا جس پر امت کا اجماع ہے۔<sup>(۳)</sup>

## باب تحریم تولی العتیق غیر موالیہ (ص: ۴۹۵)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الی قولہ) جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَى كُلِّ بَطْنٍ عَقُولَهُ، ثُمَّ كَتَبَ: أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُتَوَالَیَ مَوْلَى رَجُلٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، ثُمَّ أُخْبِرْتُ أَنَّهُ لَعَنَ فِي صَحِيفَتِهِ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ. (ص ۴۹۵ سطر ۶، ۵)

(۱) مکمل فتح الملہم ج ۱ ص ۴۹۰۔

(۲) مکمل فتح الملہم ج ۱ ص ۴۹۱۔

(۳) مکمل فتح الملہم ج ۱ ص ۴۹۱۔

## تشریح

قوله : عَلَى كُلِّ بَطْنٍ عُقُولُهُ، الخ (ص ۴۹۵ طر ۴) عقول، عقل کی جمع ہے، جس کے معنی دیت کے ہیں، حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قتلِ خطا اور قتلِ شبہ العمد میں قاتل کی عاقبت پر دیت واجب فرمائی۔ او بطن قبیلہ سے چھوٹے خاندان کو کہتے ہیں اور دیت کے حکم میں بڑا اور چھوٹا قبیلہ برابر ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : أَنْ يُتَوَالَى مَوْلَى رَجُلٍ مُسْلِمٍ (ص ۴۹۵ طر ۶، ۵) یعنی کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے، اپنے آزاد کردہ غلام کی ولاء، کسی اور کی طرف منسوب کرے، کیونکہ ولاء نسب کی طرح ہے جس طرح ایک شخص کا نسب دوسرے کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا اسی طرح ولاء بھی معتق کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔<sup>(۲)</sup>

قوله : بِغَيْرِ إِذْنِهِ، الخ (ص ۴۹۵ طر ۶) ان الفاظ کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے آزاد کرنے والے کی اجازت سے کسی اور کی طرف ولاء کی نسبت کرنا درست ہے، لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ مراد نہیں، کیونکہ ان کا اس پر اتفاق ہے آقا اور معتق کی اجازت سے بھی کسی اور کی طرف ولاء کی نسبت کرنا جائز نہیں، اور بغیر اذنہ کی قید غالب اور اکثر کے اعتبار سے ہے، اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں۔<sup>(۳)</sup>

قوله : لَمْ أَخْبِرْ أَنْتَ لَعَنَ فِي صَحِيفَتِهِ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ. (ص ۴۹۵ طر ۶) بظاہر یہ حضرت ابوالزبیرؓ کا قول ہے اور اس میں صحیفہ سے مراد وہ صحیفہ ہے جو حضور ﷺ نے مختلف قبائل کی طرف دیت وغیرہ کے احکام لکھوا کر بھیجے تھے یا ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت علیؓ کا صحیفہ مراد ہو جس کا ذکر اگلی روایت میں ہے۔<sup>(۴)</sup>

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : مَنْ تَوَلَّى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ، وَلَا عَدْلٌ (ص ۴۹۵ طر ۷، ۶)

## تشریح

قوله : صَرْفٌ، وَلَا عَدْلٌ (ص ۴۹۵ طر ۷) ان کے متعدد معنی ہیں، بعض نے صرف کے معنی وزن کے اور عدل کے معنی کیل کے کئے ہیں، بعض نے صرف کے معنی قیمت کے اور عدل

(۱) بحکمہ فتح المبین ج ۱ ص ۲۹۳۔

(۲) حوالہ پار۔

(۳) حوالہ پار۔

(۴) حوالہ پار۔

کے معنی استقامت کے کئے ہیں اور بعض نے صرف کے معنی رشوة کے اور عدل کے معنی کفیل کے کئے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، (الی قولہ) عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: خَطَبَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرُوهُ إِلَّا كِتَابَ اللَّهِ وَهَذِهِ الصَّحِيفَةُ، قَالَ: وَصَحِيفَةٌ مُعَلَّقَةٌ فِي قِرَابٍ سَيْفِهِ، فَقَدْ كَذَبَ، فِيهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ، وَأَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ، وَفِيهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ غَيْرِ إِلَى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَّثًا، أَوْ آوَى مُحَدِّثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَذْنَاهُمْ، وَمَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا (مس ۴۹۵ سطر ۱۲۵)

### تشریح

قولہ: مَنْ زَعَمَ الخ (مس ۴۹۵ سطر ۹) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے بطور خاص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے اسرار شریعت عطا فرمائے تھے جن میں ان کو خلافت کے بارے میں بھی وصیت فرمائی تھی۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: غَيْرِ إِلَى ثَوْرٍ، الخ (مس ۴۹۵ سطر ۱۱) یہ مدینہ منورہ کے دو پہاڑ ہیں۔<sup>(۳)</sup>

قولہ: يَسْعَى بِهَا أَذْنَاهُمْ، (مس ۴۹۵ سطر ۱۱) یعنی امان ایک ادنیٰ مسلمان بھی دے سکتا ہے اور جب ایسا مسلمان کسی کافر کو امان دیدے تو کسی کے لئے اس کو توڑنا حلال نہیں۔<sup>(۴)</sup>

### باب فضل العتق (مس ۴۹۵)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنْزِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

(۱) نکمة فتح الملہم ج ۱ ص ۲۹۴۔

(۲) نکمة فتح الملہم ج ۱ ص ۲۹۴۔

(۳) حوالہ باہر۔

(۴) حوالہ باہر۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِنْهَا إِرْبًا مِنْهُ مِنَ

النَّارِ (ص ۳۹۵ سطر ۱۲، ۱۳)

### تشریح

قوله: رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، (ص ۳۹۵ سطر ۱۳) امام نوویؒ نے فرمایا مؤمنہ کی قید سے معلوم ہوا یہ خاص فضیلت مسلمان باندی آزاد کرنے کی ہے، تاہم کافر باندی آزاد کرنے کی بھی فضیلت ہے مگر مسلمان باندی سے اس کی فضیلت کم ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله: إِرْبًا مِنْهُ (ص ۳۹۵ سطر ۱۳) إِرْبٌ اس میں حمزہ کے نیچے کسرہ ہے اور راسا کن ہے اسکے معنی ہیں عضو اس کی جمع آراب آتی ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ غلام میں کوئی کمی نہ ہونی چاہئے تاکہ اس کو آزاد کرنے کے عوض آزاد کرنے والے کا ایک ایک عضو آزاد ہو، اور گونا گویا غلام جیسے خصی یا اندھا یا لنگڑا غلام آزاد کرنے کی بھی فضیلت ہے لیکن کامل غلام آزاد کرنے کی فضیلت زیادہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، (الی قوله) حَدَّثَنِي سَعِيدُ ابْنُ مَرْجَانَةَ -صَاحِبُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ -، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا، اسْتَنْقَذَ اللَّهُ بِكُلِّ عَضْوٍ مِنْهُ عَضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَأَنْطَلَقْتُ حِينَ سَمِعْتُ الْحَدِيثَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَذَكَرْتُهُ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، فَأَعْتَقَ عَبْدًا لَهُ قَدْ أُعْطَاهُ بِهِ ابْنُ جَعْفَرٍ عَشْرَةَ آلَافٍ دِرْهَمٍ أَوْ أَلْفَ دِينَارٍ (ص ۳۹۵ سطر ۱۷، ۱۸)

### تشریح

قوله: امْرِئٍ مُسْلِمٍ (ص ۳۹۵ سطر ۱۸) بعض علماء کرامؒ نے مسلمان غلام کی قید سے استدلال کیا ہے کہ مرد کو آزاد کرنا عورت کو آزاد کرنے سے افضل ہے لیکن دوسروں نے اس کی مخالفت کی ہے، انہوں نے فرمایا عورت کو آزاد کرنا افضل ہے، کیونکہ اس کو آزاد کرنے سے اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ آزاد ہوگا خواہ وہ غلام سے نکاح کرے یا آزاد سے تاہم احادیث طیبہ میں مرد اور عورت دونوں

(۱) نکتہ صبح المسبب ج ۱ ص ۲۹۷۔

(۲) نکتہ صبح المسبب ج ۱ ص ۲۹۶۔

کو آزاد کرنے کی فضیلت آئی ہے اس لئے دونوں کو آزاد کرنے کی فضیلت ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : قَدْ أُعْطَاهُ (ص ۴۹۵ سطر ۱۹) یعنی اس غلام کے مقابلہ میں دیئے جس کا مطلب یہ ہے انہوں نے اس غلام کو خریدنے کے لئے دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار بطور ثمن دیئے لیکن انہوں نے قبول نہیں کئے اور اس غلام کو آزاد کر دیا اس غلام کا نام ”مطرف“ تھا۔<sup>(۲)</sup>

### باب فضل عتق الوالد

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَا : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدًا، إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ، وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ : وَلَدٌ وَالِدُهُ (ص ۴۹۵ سطر ۲۰، ۱۹)

### تشریح

قوله : فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ، (ص ۴۹۵ سطر ۲۰) یعنی بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا الا یہ کہ وہ اپنے باپ کو غلام پائے اور اس کو آزاد کر دے۔ اور بیٹے کے آزاد کرنے سے باپ آزاد نہ ہوگا بلکہ بیٹے کا باپ کو خریدتے ہی باپ خود بخود آزاد ہو جائے گا یہ جمہور کے نزدیک ہے اور بعض اہل ظاہر کے نزدیک بیٹے کا باپ کو محض خریدنے سے باپ آزاد نہ ہوگا، بلکہ باپ بیٹے کے آزاد کرنے سے آزاد ہوگا۔

جمہور کی دلیل ابوداؤد شریف کی حضرت سرہ بن جندب کی حدیث ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک بنے تو وہ آزاد ہے<sup>(۳)</sup> اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تمام محرم ذوی الارحام کو خریدنے سے آزاد ہونے کی یہی دلیل ہے اور اہل ظاہر کی دلیل کا جواب وہ ہے جو علامہ<sup>(۴)</sup> سنوئی شارح مسلم نے دیا ہے کہ کوئی بیٹا اپنے والد کا بدلہ نہیں دے سکتا الا یہ کہ وہ باپ کا مالک بنے اور پھر اپنے اختیار سے آزاد کرے اور یہ ناممکن اور محال ہے کیونکہ باپ بیٹے کے خریدتے ہی خود بخود آزاد ہو جائے گا، لہذا حقیقت یہ ہے کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے حقوق کا بدلہ نہیں ادا

(۱) تكملة فتح الملهم ج ۱ ص ۲۹۷۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) سنن ابی داؤد کتاب العتق۔ باب فمن ملك ذرحم محرم۔ رقم الحديث: ۳۳۴۰۔

(۴) مکمل اکمال الاکمال ج ۳ ص ۱۷۱۔

کر سکتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ مرجع والمآب۔<sup>(۱)</sup>

آج بعد نماز مغرب بتاریخ ۱۷ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ کو کتاب العتق کی شرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہوئی اس طرح مسلم شریف جلد اول کے منتخب ابواب کی شرح پوری ہوئی، اس میں بندہ سے جو کمی کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اللہ پاک محض اپنے فضل سے اسکو قبول فرمائیں اور طلباء و طالبات کے لئے نافع اور مفید بنائے، آمین

وہذا آخر کتاب العتق

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین و علی من تبعہم باحسان الی یوم الدین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندہ عبد الزکوة کھروی عفا اللہ عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی

یکم / رجب المرجب / ۱۴۳۹ھ



# چند نئی درسی مطبوعات

منو شجری

مکتبۃ الاسلام کراچی سے شائع ہونے والی درج ذیل چند نئی درسی مطبوعات جو عام فہم اسلوب، آسان طرز اور ضروری مباحث پر مشتمل ہونے کی بناء پر متعلقہ درجہ کے طلباء کے لئے انتہائی مفید ہیں اور کتاب کے حل کے لئے کافی ہیں۔

مقدمہ مشکوٰۃ کی آسان شرح

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھڑی صاحب مدظلہم

تقریب الثبوت کی آسان شرح

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھڑی صاحب مدظلہم

شرح مختصر الفکر

کی آسان شرح

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھڑی صاحب مدظلہم

مشکوٰۃ المصابیح

کی آسان شرح

افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھڑی صاحب مدظلہم

ذریعہ مقدمات

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھڑی صاحب مدظلہم

تالیف

مولانا ضلحاۃ الدین عکرمی صاحب مدظلہم

آسان فلیکماٹ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھڑی صاحب مدظلہم

تالیف

مولانا اعجاز احمد صدیقی صاحب

الحی قورڈ، کورنگی ایڈسٹرل ایریا کراچی  
سوال : 0300-8245793

مکتبۃ الاسلام کراچی

ناشر



# مَشْكُوتُ الْمَصَائِحِ فی آسان شرح

کتاب الایمان، باب اثبات عذاب القبر، باب الاعتصام  
بالکتاب والسنة، کتاب العلم، کتاب الطہرۃ

تقریر: مولانا محمد امجد علی صاحب  
مؤلف: مولانا محمد امجد علی صاحب

مکتبۃ الاسلام کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی